تاریخ ابنِ کثیر

البدایہ والنہایہ

حصہ
اوّل - دوم

1,2

علامہ حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی

نفیس اکیڈمی
اردو بازار کراچی

تاریخ ابن کثیر

ابوالفدا حافظ ابن کثیر دمشقی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ

تاریخ ابن کثیر

شہرۂ آفاق عربی کتاب

البدایۃ والنہایۃ

کا اردو ترجمہ

جلد اوّل

زمین آسمان کی تخلیق اور سیدنا آدم علیہ السلام کے تذکرے سے شروع ہوا ہے۔ اس میں عرش و کرسی اور جنات و ملائکہ کے تذکرے سے لے کر حضرت الیاس علیہ السلام تک کے واقعات شامل ہیں۔

تصنیف ❁ علامہ حافظ ابوالفدا عمادالدین ابن کثیر (۷۰۱ھ-۷۷۴)

ترجمہ ❁ پروفیسر کوکب شادانی فاضل ادب (عربی)

ایم اے (فارسی) ایم اے (انگریزی) ایم اے (اسلامیات) ایم اے (تاریخ اسلام)

سابق پروفیسر ڈیلی کالج (اندور) فرگوسن کالج (پونا) الفنسٹن کالج (بمبئی)

نفیس اکیڈمی

اردو بازار، کراچی

for More Books Click This Link

https://www.facebook.com/MadniLibrary

البِدَايَة والنِّهَايَة

مصنفہ علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر کے حصہ سوم، چہارم کے اردو ترجمے کے جملہ
حقوق اشاعت وطباعت، تصحیح وترتیب وتبویب قانونی بحق

طارق اقبال گاہندری

مالک نفیس اکیڈیمی کراچی محفوظ ہیں

نام کتاب	....	تاریخ ابنِ کثیر (جلد اوّل)
مصنف	....	علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدّین ابن کثیر
ترجمہ	....	پروفیسر کوکب شادانی
ناشر	....	نفیس اکیڈیمی۔ کراچی
طبع اوّل	....	جون ۱۹۸۷ء
ایڈیشن	....	آفسٹ
ضخامت	....	۴۴۰
ٹیلیفون	....	۰۲۱۔۷۷۲۲۰۸۰

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
1	انتساب	۷
2	عرضِ ناشر	۸
3	حافظ ابن کثیر کا عدیم النظیر کارنامہ	۱۱
4	مصنف کے حالات وکوائف حیات	۳۱
	باب ۱	
5	آغاز کتاب	۴۲
	فصل ۱	
6	خالق ومخلوق	۴۶
	فصل ۲	
7	صفاتِ عرش	۴۸
	باب ۲	
8	ارض وسماوات کی تخلیق اوران کی درمیانی اشیاء کا ذکر' بلحاظ تاریخ ونصوص قرآنی واحادیث وتفاسیر	۵۴
	باب ۳	
9	زمین کے سات طبقات کا ذکر	۵۹
	فصل ۱	
10	سمندر اور دریا	۶۲
	فصل ۲	
11	مظاہر قدرت	۶۸
	باب ۴	
12	تاریخ سماوات اوران میں موجودات سے متعلق (مزید) آیات قرآنی کا ذکر	۷۹
13	مجرہ اور قوس قزح کا ذکر	۸۰
	باب ۵	
14	تخلیق ملائکہ علیہم السلام اوران کے اوصاف	۸۲
	فصل ۱	
15	تقسیم ملائکہ	۹۷
	فصل ۲	
16	تفصیل ملائکہ	۱۰۴
	باب ۶	
17	ذکر تخلیق جنات وقصہ شیطان	۱۰۶
	باب ۷	
18	تخلیق آدم علیہ السلام	۱۲۵
19	شجر ممنوعہ سے پھل کھانے کی پہل	۱۳۱
20	جنت میں آدم وحوا علیہما السلام کا لباس	۱۳۲
21	زمین پر آدم وحوا علیہما السلام کے مقامات نزول	۱۳۳
22	آدم وموسیٰ علیہما السلام کے مابین بحث	۱۳۶
23	تخلیق آدم علیہ السلام پر احادیث نبوی کا ذکر	۱۳۸
24	آدمؑ کے بیٹوں قابیل وہابیل کا ذکر	۱۴۰
25	حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اوراپنے بیٹے شیث کو ان کی وصیت	۱۴۲
26	ادریس علیہ السلام کا ذکر	۱۴۴
	باب ۸	
27	قصہ نوح علیہ السلام	۱۴۶
28	مستند خبروں کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی سیرت	۱۵۰
29	حضرت نوح علیہ السلام کا روزہ	۱۵۰
30	حضرت نوح علیہ السلام کے حج کا ذکر	۱۵۰
31	حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت	۱۵۱
	باب ۹	
32	قصہ ہود علیہ السلام	۱۵۳
33	قوم ثمود کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ	۱۵۶

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

34	غزوۂ تبوک کے سال آنحضرت ﷺ کا وادی حجر سے گزر	١٥٨
	باب ١٠	
35	قصہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام	١٥٩
36	حضرت ابراہیمؑ کا ان ملاحدہ سے جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے منکر تھے خصوصاً نمرود سے جسے خدائی کا دعویٰ تھا مناظرہ	١٦٢
37	حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے اسمٰعیلؑ کی ولادت	١٦٥
38	حضرت ابراہیمؑ کی اپنی بیوی اور بیٹے اسماعیلؑ کے ساتھ مکے کے پہاڑ فاران کی طرف ہجرت اور وہاں ان کے بیت العتیق تعمیر کرنے کا ذکر	١٦٧
39	قصہ ذبیح	١٦٨
40	ذکر مولد اسحاق علیہ السلام	١٧٠
41	بیت العتیق کی بنیاد اور تعمیر کا ذکر	١٧١
42	جنت میں قصر ابراہیمؑ کا ذکر	١٧٢
43	اوصاف ابراہیمؑ کے بارے میں روایات	١٧٢
44	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر کے بارے میں مختلف روایات	١٧٤
45	اولاد ابراہیمؑ کا تذکرہ	١٧٦
46	مدین قوم شعیبؑ کا قصہ	١٧٧
	باب ١١	
47	ذریت ابراہیمؑ کا ذکر	١٧٩
48	ذکر اسماعیل علیہ السلام	١٧٩
49	ذکر اسحٰق علیہ السلام	١٨١
50	یعقوبؑ کے بیٹے اسرائیل کی زندگی میں امور عجیبہ کا ذکر	١٨٤
	باب ١٢	
51	قصہ ایوب علیہ السلام	١٩٢
52	قصہ ذی الکفل	١٩٦
	باب ١٣	
53	ہلاک ہونے والی امتوں کا ذکر	١٩٧
54	قصہ قوم یٰسین جو اصحاب القریہ اور اصحاب یٰسین تھے	١٩٩
55	قصہ یونس علیہ السلام	٢٠١
56	یونسؑ کے فضائل	٢٠٣
57	قصہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام	٢٠٤
58	اوصاف ابراہیمؑ کے بارے میں روایات	//
59	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر کے بارے میں مختلف روایات	//
60	اولاد ابراہیمؑ کا تذکرہ	//
61	فرعونؔ وجنود فرعون کی ہلاکت	٢١٣
62	فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کا احوال	٢١٥
63	بنی اسرائیل کا التیہ میں داخلہ اور وہاں ان کے لیے امور عجیبہ کا ذکر	٢١٨
64	موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں بنی اِسرائیل کی بچھڑا پوجنے کی داستان	٢٢٠
65	ابن حبان کی روایت کردہ حدیث نبویؐ	٢٢١
66	بقرۂ بنی اسرائیل کی تفصیل	٢٢٢
67	قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام	٢٢٤
68	حدیث فتون	٢٢٥
69	ذکر بناء قبۃ الزماں	٢٢٦
70	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قارون کا قصہ	٢٢٧
71	حضرت موسیٰؑ کی سیرت وفضائل اور وفات کا ذکر	٢٢٨
72	موسیٰ علیہ السلام کے حج بیت العتیق کا ذکر	٢٣١
73	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر وفات	٢٣١
74	یوشع علیہ السلام کی نبوت اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد سبائے بنی اسرائیل میں ان کے قیام کا ذکر	٢٣٣
75	خضر والیاس علیہما السلام کے قصے	٢٣٥
76	قصہ خضر علیہ السلام	٢٣٥
77	قصہ الیاس علیہ السلام	٢٣٧

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اپنے والد مرحوم

اقبال سلیم گاہندری کے نام

جن کی تربیت نے مجھے اسلامیات کے مطالعے کی ترغیب دلائی اور مسلمانانِ عالم کی تاریخ کی طرف راغب کیا۔ یہ ان کی تربیت ہی کا نتیجہ ہے کہ میں ان کے مشن کو پورا کرتے ہوئے ان کے چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کر رہا ہوں۔

طارق اقبال گاہندری

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عرضِ ناشر

اسلام نے جہاں مختلف علوم وفنون کی ترویج کی اور ان کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا' وہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس نے علم الرجال کی بنیاد ڈالی' روایت اور اس کے بیان کرنے والوں کے حالات وکوائف کی چھان بین کی اس طرح کسی واقعہ کے درست یا نادرست ہونے کا نتیجہ نکالا۔ اس پر کام کیا' اس پر تنقیدی روشنی ڈالی' سیرت' سوانح اور تذکرہ نگاری کے مستند اصول وضع کیے اور اس طرح کہ اس کے احتساب وانتقاد سے معمولی سے معمولی واقعہ بھی نہیں بچ سکا۔ اس اصول کی جو بھی تحریر پابندی کرتی تھی' وہ سوانح کا روشن باب کہلاتی' تاریخ سمجھی گئی۔ اس طرح عربوں میں مستند تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری کا آغاز ہوا۔

عربی میں جتنی بھی تاریخیں لکھی گئی ہیں ان سب میں مذکورہ طریقہ کار اور اصول کو برقرار رکھا گیا اور اس کی پوری طرح پابندی کی گئی چنانچہ تمام معلومہ تاریخوں میں یہی التزام نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ عرب مؤرخوں اور تذکرہ نگاری نے واقعات بیان کرنے میں تحقیق ودریافت کے کن دشوار گزار راستوں کو طے کیا۔ کن غور وفکر کی پرپیچ وادیوں کی سیاحت کی اور بعض واقعات کی چھان بین میں دور دراز علاقوں کے سفر کیے۔ روز وشب کی سختیاں اور موسموں کی نامساعدکیشیاں برداشت کیں۔

تاریخ عربوں کی سب سے زیادہ مؤثر اور طاقت ورقوت تھی۔ اس معاملے میں کوئی بھی ان کا حریف اور مقابل نہیں تھا۔ مغربی اقوام نے ان ہی سے تاریخ نویسی کا سبق سیکھا ہے ورنہ ان کی تاریخ میں قصہ کہانیوں اور ماورائی اور مافوق الفطرت داستانوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ عقلی' خود پرستی اور انا کے اس قدر شکار تھے کہ ان کو اپنے حکمرانوں کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی بہتر نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اگر عرب تاریخ نویس اپنے عنان قلم کو جنبش نہ دیتے' ان کی کاوشیں منظر عام پر نہ آتیں تو تاریخ کا مزاج کچھ اور ہی ہوتا۔

یہ واقعہ ہے کہ عربوں نے تاریخ سے اپنی تہذیب اپنے کلچر اور اپنی اقدار کو زندہ رکھا' اور دنیا سے روشناس کرایا۔ جس تہذیب جس کلچر اور جن اقدار کو ابتلاء زمانہ نے بھلا دیا' جو حقیقتیں طاق نسیان پر دھری رہ گئیں' تاریخ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا ان کے تن مردہ میں نئی جان ڈالی' ان کے قالب میں ہمیشگی کا صور پھونکا۔ ان کو نئی روئیدگی عطا کی' اس طرح لوگوں کو اپنے تاریخی سرمایہ پر فخر کرنے کا موقع عطا کیا۔

اگر آپ عربی تاریخوں کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ عرب مؤرخوں نے اپنی تاریخوں میں تسلسل زمانی کا برابر خیال رکھا ہے۔ ان کی ہر تاریخ آدم علیہ السلام کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور پھر واقعات اور بیانات کا سلسلہ ان واقعات تک پہنچتا ہے جن میں ان کا لکھنے والا سانس لے رہا ہے' ان تاریخوں میں اقدار' روایات اور تصورات بھی ایک ہوتے ہیں ان کے کردار بھی ایک ہوتے ہیں' کہیں کہیں جزوی اختلاف ضرور ملتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کہ ان کے پڑھنے سے کسی کو ان مقاصد تحریر کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ پیدا ہو۔

عربوں نے تاریخ نگاری کو اس قدر عام کیا تھا کہ ہر دور اور زمانے اور ہر علاقے کی تاریخ ملتی ہے۔ ابتداء میں تاریخ کا دائرہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بہت محدود تھا عربوں نے ابتداء میں ظہور اسلام اور سیرت نبی کریم کو اپنا فکری اور تحقیقی موضوع بنایا اور اس سلسلہ میں وہ تمام مستند ذرائع اور ماخذ استعمال کیے جن پر ان کو مکمل یقین اور اعتماد تھا کہ وہ درست ہیں اس سلسلہ میں سیرت نبوی پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب سیرت اسحاق ہے۔ اسحاق کو یہ اوّلیت حاصل ہے کہ اس نے سیرت نبی کریم ﷺ کو نہایت مستند ماخذوں اور روایت کے ذریعہ محفوظ کر دیا اور تاریخ نگاروں میں اپنی قابل قدر اور ممتاز جگہ بنالی' بعد کا آنے والا ہر مؤرخ اس کے حوالے اور اقتباسات اپنی تاریخوں میں درج کرتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسحاق نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر ہشام نے سیرت النبی ﷺ لکھی' یہ تمام تر کتاب اسحاق کی سیرت سے بیانات سے مستعار ہے لیکن سیرت اسحاق تک لوگوں کی رسائی ممکن نہیں تھی' اس کے خطی نسخے دریافت نہیں ہوتے تھے اور پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ کہاں ہے چنانچہ سیرت ہشام ہی کو سب سے زیادہ مستند اور معتبر مانا گیا۔

ان دو بنیادی اہم اور اوّلین سوانح کے علاوہ اس موضوع کے تعلق سے کئی کتابیں لکھی گئیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے ساتھ اس کے موضوعات میں اضافہ ہوا پھر مسلمانوں نے مختلف ممالک میں قبضہ کرنے کے بعد اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ اپنے کارناموں کو تاریخ میں محفوظ رکھا جائے چنانچہ تاریخ نویسی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

اگرچہ عربوں نے بے شمار تاریخیں لکھیں' تذکرے لکھے۔ اس میں تاریخ واقدی بھی ہے جس کو مغازی رسول ﷺ کا نام دیا گیا ہے اس میں فتوح مصر' فتوح شام اور فتوح ایران کی تفصیل موجود ہے اور اس قدر تفصیل کے ساتھ کہ کسی اور دوسری تاریخ میں نہیں ملتی ہے لیکن بعد کے آنے والوں نے بعض قرائن کی بناء پر اس پر کلی اعتماد نہیں کیا کیونکہ وہ ان اصولوں پر پورا نہیں اترتی تھی جن کو تاریخ نویسی کا جزو اعظم سمجھا جاتا ہے اس تاریخ میں مصنف کا انداز تحریر یوں ہے جیسے وہ ہر معرکہ میں عینی شاہد تھا اور ہر شخص کے افعال اور کردار پر نظر رکھے ہوئے تھا' یہ ممکن نہیں تھا۔ اس لیے اس کو بہت سے لوگ حوالے کے طور پر استعمال نہیں کرتے تھے لیکن اس تاریخ نے دوسرے تاریخ نویسوں میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ وہ اپنی دائرہ تحقیق و دریافت آگے بڑھائیں چنانچہ اس کے بعد ممالک اسلامیہ اور اس کے خلفاء اور حکمرانوں کی تاریخیں لکھی جانے لگیں۔

ان تاریخوں میں سب سے اہم نام ابن خلدون کا ہے۔ ابن خلدون کی اہمیت اس تاریخ سے نہیں ہے بلکہ اس کے مقدمہ تاریخ سے ہے اس مقدمہ میں جو بہت ضخیم ہے اور دو جلدوں پر محیط ہے۔ اس نے تحقیق و دریافت کے اصول متعین کیے۔ اس پر بحث کی' غلط اور صحیح روایت کی شناخت کا طریقہ بتایا۔ تاریخ کو کیا ہونا چاہیے' اس پر بھرپور روشنی ڈالی' چنانچہ پہلی بار اس کے ذریعہ علم تاریخ سامنے آیا۔ اس مقدمہ کی روشنی میں اس نے عہد جاہلیت سے لے کر اپنے دور تک کے حالات اور واقعات کی تفصیل لکھی' مختلف ممالک کے مسلم حکمرانوں کے کارناموں کا ذکر کیا' ان کی حکومت' عدالت' شجاعت اور سخاوت کی تفصیل بتائی اور ان سب چیزوں کو اس کی تاریخ کی کئی جلدوں میں پڑھ کر یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ فلسفہ تاریخ کا بانی بھی ہے اور جدید تاریخ نویسی کا موسس بھی۔

ابن خلدون کے ساتھ ہی مسعودی کا بھی ذکر آتا ہے۔ مسعودی کی تاریخ چار جلدوں پر مشتمل ہے' اس نے بھی اپنے دور تک کے حالات لکھے ہیں اور بڑا حصہ رسول کریم ﷺ کے حالات و واقعات کے لیے مختص کیا' اس کے بعد اس نے خلفائے راشدین اور ان کی خلافتوں کا حال لکھا ہے پھر امویوں کے حالات پر روشنی ڈالی اس طرح اس کی تاریخ سے مسلمانوں کے حکمران کے کئی ادوار سامنے آتے ہیں۔ ابن خلدون اور مسعودی کے ساتھ ابن کثیر کا نام بھی ذہن میں آتا ہے اس کی شخصیت کئی خانوں میں بٹی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہوئی تھی' ایک طرف وہ زبردست مفسر تھا تو دوسری طرف جید عالم' اس سے ہٹ کر اس کی شخصیت کا ایک نمایاں رخ اس کو تاریخ نگار کی حیثیت سے سامنے لاتا تھا۔ اس کی تاریخ البدایہ والنہایہ جو تاریخ ابن کثیر بھی کہلاتی ہے' ۱۶ جلدوں پر مشتمل ہے یہ ۱۶ جلدیں مختصر نہیں' مفصل ہیں اس کی وجہ سے اس کی ضخامت میں اضافہ ہی نہیں ہوا بلکہ یہ بھی پتا چلا کہ اس نے تاریخ مواد کو جمع اور فراہم کرنے میں کتنی محنت برداشت کی ہو گی کتنی جانفشانی سے کام لیا ہو گا۔

ابن کثیر کی یہ تاریخ بھی دوسری تاریخوں کی طرح ابتدائے آفرینش سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد انبیاء اور مرسلین کے حالات سامنے آتے ہیں یہ کئی لحاظ سے اہم ہیں' اس سے پہلے جو تاریخیں لکھی گئی ہیں یا اس کے بعد جن تاریخوں کو دریافت کیا گیا ہے۔ ان میں یہ تمام واقعات اساطیری ادب سے لیے گئے ہیں یا ان کو اسرائیلی روایتوں پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھایا گیا۔ یہ اسرائیلی روایات ان کتابوں میں عام طور پر ملتی ہیں جن کو قصص الانبیاء کے نام سے متعدد غیر معروف لکھنے والوں کے نام سے روشناس کرایا گیا۔ اس کے برعکس ابن کثیر نے اپنا تمام مواد قرآن ہی سے لیا ہے اور یہ اس کے ایمان اور یقین کی مضبوطی کی دلیل ہے کہ اس نے اس سلسلے میں اس الہامی کتاب کو سامنے رکھا ہے۔ اس طرح اس کتاب میں تمام و کمال وہ واقعات ملتے ہیں جو قرآن میں موجود ہیں' اس کو قصص الانبیاء بھی کہا جا سکتا ہے لیکن یہ اس قدر صحیح اور مستند ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی دوسری کتاب نہیں کر سکتی۔

تاریخ ابن کثیر' آفرینش دنیا سے لے کر عراق و بغداد میں تاتاریوں کے حملوں تک وسیع اور عریض زمانے کا احاطہ کرتی ہے اور غالباً سب سے پہلی تاریخ ہے جس میں ہزاروں لاکھوں سال کی روز و شب کی گردشوں' کروٹوں' انقلابوں اور حکومتوں کو محفوظ کیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی جتنی بھی تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سوں میں تاریخ ابن کثیر کا حوالہ دیا گیا ہے' یہ تاریخ اردو میں موجود نہیں تھی' اس کے پرانے ایڈیشن ضرور ملتے تھے لیکن عربی میں اور ان کا پڑھنا اور پھر پڑھ کر سمجھنا بے حد مشکل تھا۔ اس سلسلہ میں ہمارے پڑھنے والے اس کے ترجمہ کی اشاعت کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے رہے' اس تاریخ کی اشاعت بادی النظر میں آسان نہیں تھی۔ اس کی چودہ جلدوں کو کوئی سرکاری ادارہ ہی چھاپ سکتا تھا لیکن سرکاری ادارے اہم' غیر اہم' معیاری اور غیر معیاری کتابیں چھاپتے ہیں۔ ایسی کتابوں کی اشاعت پر توجہ نہیں دیتے ہیں جو ان کے قیام کے مقصد سے تعلق رکھتی ہو۔ جب ہم نے اس کی چودہ جلدیں دیکھیں اور ان کی ضخامت کا اندازہ کیا تو ہمیں یہ کام بے حد مشکل لگا۔ سب سے مشکل مرحلہ اس کے ترجمہ کا تھا۔ ہم نے کئی ماہرین سے مشورہ کیا۔ سب ہی اس کی اشاعت پر زور دیتے رہے لیکن کسی نے بھی یہ نہیں بتایا کہ ان کا ترجمہ کون کرے گا۔ قارئین کے اصرار کو دیکھتے ہوئے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح اس کی اشاعت ہو۔ اس سے پہلے ہم نے ابن خلدون کا مقدمہ اور اس کی تاریخ کی تمام جلدیں شائع کی تھیں۔ مسعودی کی مکمل تاریخ کو چھاپا تھا۔ اس کے چھاپنے کی طرف بھی توجہ دی تاکہ ہمیں یہ سعادت ملے کہ ہم نے برصغیر میں پہلی مرتبہ تاریخ اسلام سے متعلق تمام امہات الکتب کو اردو میں منتقل کروا کر اپنے پڑھنے والوں کے سامنے پیش کیا۔ ان ضخیم جلدوں کا ترجمہ آسان نہیں تھا' لیکن بعض مخلص اور محنتی لوگ ہمیں ایسے مل گئے جنھوں نے دن رات اس کا ترجمہ کیا اور دو تین سال کے دوران ہماری منزل آسان کر دی اور ہم اس قابل ہو سکے کہ ایک ساتھ اس کی دو جلدیں آپ کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ جلدیں آپ کے سامنے ہیں۔

طارق اقبال گاہندری

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ

اور

البدایہ والنہایہ

حافظ ابن کثیر کا عدیم النظیر کارنامہ:

نفیس اکادمی نے حیدر آباد دکن سے کراچی تک جو سفر کیا ہے' اس سے برعظیم پاک و ہند کے اہل شعور خوب واقف ہیں۔
اس ادارے نے بالخصوص تاریخی لٹریچر کی اشاعت میں بڑا مؤثر اور نمایاں کردار ادا کیا ہے اور تاریخ کے حوالہ سے اُمہات الکتب کے تراجم کا اہتمام کر کے ان کی طباعت کا وہ فرض انجام دیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ م ۷۷۴ھ کی معرکۃ الآراء تاریخی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' ابتدائے آفرینش سے ان کے دور تک کا نہایت مستند اور جامع تاریخی روزنامچہ ہے لیکن اب تک اس سے اردو داں حضرات محروم تھے۔

اپنی اس تحریر میں احقر تین نکات پر گفتگو کرے گا:

الف: تاریخ نویسی.... آغاز وارتقاء

ب: حافظ ابن کثیر کی سوانح

ج: البدایہ والنہایہ.... موضوع اوراہمیت

تاریخ نویسی.... آغاز وارتقاء:

پہلے نکتہ پر مختصر گفتگو اس لیے ضروری ہے کہ جس عظیم فن کی ایک نہایت معتمد کتاب کا ترجمہ قارئین کے مطالعہ میں آ رہا ہے' اس فن سے انہیں آگاہی حاصل ہو جائے اور اندازہ ہو جائے کہ یہ فن کتنا اہم ہے۔

قرآن کریم .... جو اللہ تعالیٰ کی آخری وحی ہے' اس کا ایک حصہ ایسا ہے جس میں ماضی کے وقائع اور قصص کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں حضرات انبیاء علیہم السلام' ان کی قوموں' مختلف حکمرانوں اور تہذیبوں کا ذکر ہے۔ گو اس کا انداز بیان مروجہ تاریخ کی طرح ایک مربوط کہانی کا نہیں' تاہم تذکیر و نصیحت .... جو قرآن عظیم کا اصلی مقصد ہے۔ کے حوالہ سے کہیں اجمال اور کہیں تفصیل سے ان کا یہ پہلو اجاگر ہوتا گیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مختلف زبانوں کے اہل علم نے قرآن کریم کے اس پہلو پر علمی سرمایہ فراہم کیا ہے اردو میں دو کتابیں اس سلسلے میں بڑی اہم ہیں۔ ایک مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوھارویؒ م ۱۹ کی ''قصص القرآن'' دوسری مولانا سید سلیمان ندویؒ م ۱۹ کی ''ارض القرآن''۔

قرآن کریم جو جملہ علوم وفنون کا سرچشمہ ہے اس کے انہی بیانات سے فن تاریخ کی بنیاد پڑی اور پھر مسلمان قوم نے اپنی معارف پروری کے سبب اسے ایک لازوال فن بنا ڈالا۔

''تاریخ'' پر گفتگو کرتے ہوئے ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' (پنجاب یونیورسٹی لاہور) کے فاضل مقالہ نگار کہتے ہیں کہ:

''اس لفظ سے عام طور پر مراد ہے قوموں کے عام وقائع کا بیان حولیات یعنی وقائع کا بیان بہ ترتیب سالیانہ شرح وقائع بہ ترتیب تاریخی''۔ (ج ۶ ص ۳۶)

اسی مقالہ میں ''تاریخ'' پر گفتگو کرتے ہوئے دوسری بات یہ کہی گئی کہ:

''کسی عصر خاص کی ابتداء کی تعیین حساب ازمان حوادث کے وقت کی دقیق تعیین''۔ (ج ۶ ص ۳۷)

اس لفظ کا بنیادی مادہ ''و۔ر۔خ'' سے مشتق ہے اور یہ سامی زبانوں میں مشترک ہے۔

البیرونی اور الخوارزمی کے یہاں ایک روایت آئی ہے کہ یہ کلمہ فارسی لفظ ''ماہ روز'' کا معرب ہے لیکن ثانی الذکر نے اس کو رد بھی کیا ہے۔ (الا ثار الباقیہ ص ۲۹ مفتاح العلوم ص ۷۹)

علم التاریخ جو آج ایک فن کے طور پر ہمارے سامنے موجود ہے وہ ادبیات کی ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں سالنامے اور سیر دونوں شامل ہیں۔ اہل علم نے عربی فارسی تاریخ نگاری کے لحظہ بہ لحظہ حالات اس کے ادوار متعین کیے ہیں۔ اور اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

اس تفصیل کے مطابق عربی تاریخ نگاری کی ابتداء کیسے اور کیونکر ہوئی؟ ابھی تک قطعی طور پر اس سلسلے میں رائے قائم نہیں ہو سکی۔ زمانہ جاہلیت کی زبان زد عوام روایات جنہیں اصطلاح میں ''اساطیر'' کہا جاتا ہے (مخالفین اسلام نے وحی کے لیے یہی لفظ استعمال کیا اور اس طرح گویا اسے معاذ اللہ تعالیٰ بے وقعت بنانے کی کوشش کی) ان سے جو سفر شروع ہوتا ہے اس سے لے کر دوسری صدی ہجری تک کے علمی سرمایہ کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل ہے جسے اب تک پر نہیں کیا جا سکا۔

زمانہ حال کے مصنفین کا یہ نظریہ کہ اس ارتقائی مرحلہ میں فارسی کتاب ''شاہ نامہ'' کا اثر پڑا دل لگتی بات نہیں ہاں اس کا غالب گمان ضرور ہے کہ مختلف النوع تاریخی اور نیم تاریخی نگارشات کے دھارے جب اختلاط و آمیزش کے مرحلے میں داخل ہوئے تو اس سے عربی تاریخ نگاری نے ایک خاص رُخ اختیار کیا۔

زمانہ جاہلیت کے تاریخی آثار کے سلسلہ میں سوائے دھندلے نقوش کے اور کچھ نہیں ملتا قدیم عرب اپنی مشکل پسند طبیعت کے پیش نظر ایک خاص انداز سے زندگی گزارنے کے عادی تھے اور تاریخی حس اس انداز سے ان میں نہ تھی۔ اس کے باوجود ''داستہائے دور دراز'' کی ایک دنیا موجود ہے۔ ایسی ہی داستانوں کو ''وہب بن منبہ'' اور ''عبید بن شریہ'' نے مدون کیا اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بہرحال ان کا اپنا ایک مقام ہے اور انہیں ایک درجہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ بعد کے مورخین نے انہی واقعات کو اپنی تصانیف میں شامل کیا' وہب بن منبہ کی ''کتاب التیجان'' سے بحری تک نے جابجا استفادہ کیا۔ ابن خلدون نے (ج ا ص ۱۳'۱۴) میں اس کی بعض روایات پر نقد بھی کیا ہے لیکن روایات کے اخذ میں انہوں نے بھی بخل سے کام نہیں لیا اور جہاں ان کے اپنے اُصولوں کے مطابق استفادہ ممکن ہوا انہوں نے استفادہ کیا۔ پھر چونکہ دنیائے عرب قبائل پر مشتمل تھی اور مختلف قبیلوں کا اپنا مزاج تھا اس لیے یہاں قبائلی روایات کا بھی ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔ یہ روایات نظم ونثر کی شکل میں موجود تھیں اور بہرحال ان کا معاملہ ایسا تھا کہ ان کو کام میں لایا جاتا اور ان سے مطالب اخذ کیے جاتے' بعد میں یہی قبائلی روایات قبائلی تاریخ میں تبدیل ہو گئیں اور ان میں بہت حد تک صداقت کی روح نظر آنے لگی اسلام نے اخلاق عالیہ کا جو سبق پڑھایا اس کے نتیجہ میں ان نوشتوں میں صداقت شعاری ابھر کر آ گئی گو کہ قبائل کی خصوصیت اپنی جگہ رہیں اور اس میں حرج بھی نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

''کہ جاہلیت میں تم میں سے جو کسی خاص حوالہ سے شہرت وعزت رکھتے تھے ان کا جوہر اسلام میں بھی جوں کا توں رہے گا اور اس پر اثر نہ پڑے گا''۔

انہی قبائلی روایات کی وجہ سے نسب محفوظ رکھنے کا رواج تھا اور اس معاملہ میں بڑے بڑے جلیل المرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ اور ''علم الانساب'' نے ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی۔

تاریخ کا سفر اسی طرح جاری تھا کہ دوسری صدی ہجری آ پہنچی اس کا ابتدائی دور ایسا تھا کہ مملکت اسلامیہ میں بنوامیہ بلاشرکت غیرے حکمران تھے۔ ان کی معارف پروری اور علمی خدمات کا دور دور تک شہرہ تھا' مخصوص سیاسی حالات نے ان کی طرف عجیب وغریب روایات منسوب کر دی ہیں' تاہم ان کی علمی خدمات ایسی ہیں کہ ان کے متعلق دو رائیں ممکن نہیں' ماضی قریب کے معروف رہنما سر آغا خان کا بنوامیہ سے فکری اختلاف معروف ومسلم ہے لیکن انہوں نے بھی اس کا اعتراف کیا اور بنوامیہ کے دور کو شاندار علمی دور قرار دیا۔ شعر وسخن کے قدیم ذخیروں میں سے خاص طور پر وہ حصہ جو پچھلے مجموعوں میں سے باقی رہ گیا تھا' اسے اس دور میں استعمال میں لایا گیا اور علم تاریخ کی شاندار خدمات سرانجام دیں۔ ❶

اس دور کے معروف مؤرخین ابوعبیدہ (ولادت ۱۱۰ھ وفات ۲۰۹ھ) نے لگ بھگ دو سو رسائل اس فن کے حوالہ سے لکھے۔ ان رسائل میں سے آج اپنی اصل شکل میں ایک بھی موجود نہ ہو' یہ اپنی جگہ ہے' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعد کے مجموعوں میں اس کا مواد بہت ہی وافر مقدار میں نظر آتا ہے۔

---

❶ مورخ مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں خاندان بنوامیہ کے گوہر شب چراغ سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے تاریخ کے سلسلہ میں اہتمام واحسان پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ رات کا ایک تہائی حصہ وہ اس سلسلہ میں خرچ کرتے۔ ایک مستقل طبقہ تھا جن کے ذمہ یہ کام تھا اور وہ بڑے کھلے ماحول میں عرب وعجم کے وقائع اور احوال کی کیفیات بڑی تگ ودو سے مرتب کرتے اور حضرت الامیر ذاتی طور پر ان کی سرپرستی کرتے اور مدون شدہ حصہ کا جائزہ لیتے۔ مسعودی کے بقول یہ اہتمام محض اپنے قبیلہ کے نقطہ نظر سے نہ تھا بلکہ وسیع تناظر میں اس کا اہتمام کیا گیا۔
(منقول از مقدمہ سیرت ابن اسحاق از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ص ی)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اسی طرح ہشام بن محمد الکلبی (م ۲۰۴ھ/۸۱۹ء) نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور اس فن کی ابوعبیدہ سے زیادہ بہتر خدمت کی "ملوک حیرہ" کے گرجوں اور دوسیر عمارات کے پتھروں کو عربی میں ترجمہ کرا کے اس نے استعمال کیا۔

اُدھر اسی دور میں آنحضرت ﷺ کی سیرت پر تحریری کام کی ابتداء ہوگئی جس کا اصل منبع و ماخذ احادیث نبویہ تھیں۔ وسیع تناظر میں یہ "علم التاریخ" کا ایک حصہ تھا اور اس دور میں اس کے لیے "مغازی" کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ اس نسبت سے جو نام بہت شہرت پذیر ہے وہ حضرت عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہما (م ۹۳ھ) کا ہے جو ام المومنین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھانجے تھے اور انہیں پہلا سیرت نگار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کی روایات سیرت کو حال ہی میں ایک ہندی عالم ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی استاد جامعہ ریاض السعودیہ نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

سیرت و مغازیٔ رسول کے ضمن میں محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حکم سے احادیث کی جمع و تدوین کرنے والے بزرگ) کا نام بھی بڑا معروف ہے اور پھر آئندہ چل کر "سیرت محمد ابن اسحٰق" جیسی کتاب' الزہری کی روایات ہی کی بنیاد پر مرتب کی گئی' جس کا کتب سیرت میں ایک خاص مقام ہے۔ اس دور میں تاریخ کا کام بہت پھیل گیا اور اس فن نے بڑی ترقی کر لی چنانچہ ابن اسحٰق ہی کی کتاب الخلفاء واقدی (م ۲۰۷ھ/۸۲۳ء) کی مغازی کے علاوہ دوسری کتب اسی دور کی یادگار ہیں واقدی کی اس فن میں جو حیثیت ہے اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ تاریخ کی اُمہات الکتب میں سے ایک یعنی "طبقات ابن سعد" (ابن سعد' واقدیؒ کے کاتب بھی تھے) کا بنیادی مواد واقدی ہی کا ہے سیرت رسول کے ساتھ سیرت صحابہ بالخصوص خلافت اور اس کے تعلقات کے ضمن میں بھی اس دور میں خلافتی احکامات اور مخطوطات کی بنیاد پر لکھنے کا رواج ہوا۔ یہ جہاں مسلمانوں کی حکومتی تاریخ تھی وہاں ان کا اجتماعی کردار بھی اس سے سامنے آیا اور بعض اہم شخصیات کی سیرت شخصی سے بھی ایک دنیا متعارف ہوئی اس سلسلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے اختلافات کے حوالہ سے بھی تاریخی مواد میسر آیا جیسے ابومخنف (م ۱۵۷ھ) کی روایت' جسے ہشام الکلبی نے جمع کیا' اہل کوفہ کے حق میں اور اہل شام کے خلاف ہے جب کہ کلبی کی روایات جو عوانۃ بن الحکم (م ۱۴۷ھ) نے پیش کی' وہ اس کے برعکس ہے۔

تیسری صدی ہجری شروع ہوئی تو ایک طرف کاغذ ایجاد ہو گیا دوسری طرف تہذیب و تمدن کا معیار بہت بڑھ گیا (کاغذ کا پہلا کارخانہ بغداد میں ۱۷۸ھ میں قائم ہوا) اس صورتِ حال نے ادب و تاریخ کے ہر شعبہ پر گہرے اثرات مرتب کیے' وہ قدیم ترین مخطوطات جو آج ہمارا سرمایہ ہیں وہ اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ تاہم اس دور میں شخصی روایات (منہ زبانی اور سینہ بسینہ روایات) کا سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ اس صدی کے آخر تک بڑی شد و مد کے ساتھ جاری رہا۔

علی بن محمد المدائنی بصری (م ۲۲۵ھ) سے منسوب ۲۳۰ رسائل سے کچھ تو ابوعبیدہ کے اصلاح شدہ ہیں کچھ اس کے کتابت کردہ اور کچھ اس کی زبانی روایات پر مشتمل ہیں جو اس کے شاگردوں نے مرتب کیے۔ ان رسائل سے اہم ترین چیز اس کی تاریخ خلافت ہے یا محض دوسری کتب جنہیں دبستان مدینہ کے اصول تنقید کے مطابق اس نے مہذب و مرتب کیا۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جامعہ پنجاب) کے مقالہ نگار کے بقول:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''بعض علماء نے اخباری حضرات کی مخالفت ضرور کی لیکن امت میں تاریخ کا شعور پیدا ہو گیا اس شعور کے پس منظر میں قرآنی تاریخی دلائل' وسیع سلسلہ فتوحات کے سبب پیدا ہونے والا فخر اور عرب قبائل کی رقابت نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا''۔ (ج ۶ ص ۵۳)

تاریخ کے مطالعہ کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ اہل سنت کے بقول الٰہی نظام کا دوام و استمرار امت الٰہیؔ سے وابستہ ہے' اس لیے امت کی تاریخ گویا ایک لازمی دینی چیز بن جاتی ہے جس سے اہل اسلام کو مفر نہیں اس لیے اس شعور و ادراک کے بعد تاریخ نویسی' اسلامی تہذیب و تمدن کا جزو لاینفک بن کر رہ گئی۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو گئی تو پھر ہر اس جگہ تاریخ کا چرچا ہوا جہاں اسلام کے قدم پہنچے' مہذب مفتوحہ ممالک کا صالح مواد لے کر اسے روح اسلام سے مشرف کیا گیا تو افریقہ جیسے بنجر علمی علاقے بھی اس سے محروم نہ رہے۔

تیسری صدی کے وسط سے وسیع معنی میں تاریخی تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا جس میں مفرور سائل اور مختلف النوع روایات کی چھان پھٹک کر کے ایک مربوط تاریخ مرتب کرنے کی سعی کی گئی۔

اس سلسلہ میں اوّلیت کا شرف احمد بن یحییٰ البلاذری کو حاصل ہے (م ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) البلاذری المدائنی اور ابن سعد دونوں کا شاگرد ہے' اس کی کتابوں میں جہاں اس کے اساتذہ کے اثرات نمایاں ہیں وہاں اس کے اپنے دور کے تنقیدی مذاق کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

ان کتابوں میں مقدمہ کے طور پر ابتدائے آفرینش سے آخر تک دنیا کے بڑے چھوٹے واقعات خلاصہ کے طور پر پیش کیے گئے ہیں' یہ تصور ابن اسحٰق کے یہاں ابتدائی درجہ میں موجود تھا لیکن اس کے بعد اس میں توسیع ہو گئی اور اب پورے اہتمام سے اس فن کو لکھا گیا۔

اہل اسلام کو اپنے ابتدائی ادوار میں اسرائیلی روایات اور ایرانی روایات سے بھی سابقہ پڑا' اس قسم کی روایات نے خالص دینی ادب مثلاً تفسیر وغیرہ کے پردے میں بھی اپنا رنگ جمانا چاہا لیکن مسلمان اہل علم کا ذوق نقد و جرح ایسا نہ تھا کہ یہ بات ان کے اعصاب پر سوار ہو کر ان کے سرمایہ علمی کو اس طرح خلط ملط کر دیتی کہ صحیح و غلط کی تمیز ختم ہو جاتی۔

اس رویہ سے ایک نیا فکری عنصر تاریخ پر حملہ آور ضرور ہوا لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مسلمان اس مرحلہ سے بڑی خوش اسلوبی سے گزر گئے گو کہ بعض مواقع پر اختلاط نے کچھ اثر دکھلایا لیکن بنیادی طور پر مسلمان اس معاملہ میں بڑے حساس تھے اور غلط و باطل روایات آسانی سے ان کے حلق سے نیچے نہ اترتی تھیں' اگر کبھی ایسا ہو بھی گیا اور کسی مولف کے قلم نے لغزش و خطا کا مظاہرہ کیا بھی تو اس کے ہم عصر یا قریب العہد لوگوں نے اس کی اصلاح کا سامان فراہم کر دیا۔

محمد بن جریر الطبری (م ۹۲۳ء/۳۱۰ھ) کی کتاب تاریخ کا ایرانی عنصر والا حصہ نکال کر نہایت ہی قابل قدر ہے اور وہ مختلف النوع تلبیسات سے پاک ہے۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ الطبری سب سے پہلے محدث تھے انہوں نے اپنی تفسیری کاوش کی طرح تاریخ میں بھی اس کا اہتمام کیا کہ مسلمان قوم کی اعلیٰ روایات کی پاسبانی و پاسداری ہو سکے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تیسری اور چھٹی صدی کا درمیانی دور تاریخی کتب کی بے حد کثرت کا دور تھا' اس دور کی خصوصیات مختصراً یہ ہیں:

① سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس دور میں مقامی روایات جمع کرنے کا عام رواج ہو گیا تا کہ آئندہ کام کرنے والوں کے سامنے ایک وسیع دفتری مواد موجود ہو۔

② مفصل اسناد جو محدثانہ طرز وطریق تھا اس کے بجائے اب مجمل اسناد پر اکتفا کیا گیا اور مسلسل واقعات کی تصویر کشی کی گئی جیسے روزنامچہ یا سالنامہ ہوتا ہے۔

③ اس دور میں جعل سازیوں کا طوفان بھی اٹھا جس سے معین سیاسی اغراض یا دنیوی مقاصد کو پورا کرنا مطلوب تھا۔ لیکن انداز ایسا ہے کہ اصل ونقل اور صحیح وغلط میں امتیاز آسانی سے ممکن ہے۔

④ اس دور میں سیاسی تاریخ نویسی سے ارباب حدیث نے ہاتھ کھینچ لیا اور اب اس نے شاہی خاندانوں کے سالناموں کی شکل اختیار کر لی اس لیے محدثین نے صرف نظر کر لیا اور اب عمال حکومت یہ کام کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ نگاری کا قدیم تصور زیادہ دیانت داری کے ساتھ پورا ہونے لگا۔

⑤ اس زمانہ میں خودنوشت سوانح کا بھی رواج ہوا گو کہ اب قدیم سرمائے سے بہت کم مواد میسر ہے۔

⑥ اس سارے دور اور مابعد کے ادوار میں طریق اسناد کی پابندی (گو مجملاً سہی) تاریخوں کا اہتمام اور صاحب ترجمہ کے مختصر حالات کا اہتمام ہوتا رہا۔

⑦ سیرت اور تاریخ کی آمیزش سے ''سیرت پر مبنی تاریخیں'' اس زمانہ میں سامنے آئیں۔ مثلاً وزراء قضاۃ شاہی خاندان وغیرہ کے مفصل الگ الگ تذکرے۔

⑧ مسلم دنیا کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات' بدنظمی اور حالات کے دباؤ نے اس دور میں فارسی میں تاریخ نویسی کا دروازہ کھول دیا۔ ویسے چوتھی صدی ہجری کی ابتدا ہی سے ایرانی قبائل نے اپنے قومی تعصب کی بنا پر فارسی کے احیاء کی کوشش شروع کر دی تھی لیکن سیاسی بدنظمی نے اس کے لیے اور ہر راستہ ہموار کر دیا۔ تاہم یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ فارسی تاریخ نویسی میں عربی اثرات غالب تھے۔

چھٹی صدی کے بعد عربی اور فارسی لٹریچر میں بعد نمایاں ہونے لگا۔ اس دور کے تاریخی ادب کی نمایاں باتیں یہ ہیں:

① گو کہ اس سے قبل بھی بعض کتابوں میں ابتدائے آفرینش سے تاریخ نویسی کی کوشش کی گئی لیکن اب ایک باقاعدہ نظریہ کے طور پر یہ تصور سامنے آیا اور اس کا ملت مسلمہ کی تاریخ کی طرح اہتمام ہونے لگا۔ ابن کثیرؒ اسی دور کا انسان ہے اس لیے وہ ابتدائے آفرینش سے گفتگو شروع کرتا ہے اور بڑے بسط وشرح سے اس کا قلم رواں دواں ہوتا ہے۔

② مرکز خلافت کی کمزوری کے سبب علاقائی اور خاندانی تراجم کا اس دور میں بہت دور دورہ ہوا۔ مرکز خلافت ہی کی کمزوری کے سبب اب تاریخ کا مرکز شام کو منتقل ہو چکا تھا جہاں زنگی اور ایوبی خاندان برسر پیکار تھے انہوں نے ہر نوع کی عظیم خدمات کے ساتھ ساتھ تاریخ کی سرپرستی کا عظیم فرض سرانجام دیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

③ اس دور میں عربی تاریخ نویسی کے اصل جوہر وقائع نگاری کی نسبت سیرت نگاری میں زیادہ کھلتے ہیں۔

اس سے اگلا پیریڈ دسویں صدی ہجری کے بعد کا ہے جس میں ایک خاص مرحلہ پر مسلمان قوم قریب قریب ایسے حالات کا شکار ہوگئی کہ اس کی عزت وعظمت خاک میں مل گئی۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ اس پرآشوب دور میں بھی اس قوم نے مختلف علوم وفنون کے حوالہ سے جن رجال کار کو جنم دیا وہ اپنی مثال آپ ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی زوال کے دور میں علمی ترقی کا قدرت نے ایسا اہتمام کیا کہ کہیں یہ قوم بالکل ہی مفلوج ہو کر نہ رہ جائے۔

اس دور میں البتہ ایک المیہ ضرور ہوا کہ استبدادی قوتوں نے مسلمانوں کو اس کے سرمایہ علمی سے محروم کرنے اور اس کے تاریخی وقائع کو اپنے اغراض کے مطابق مرتب کرنے کی طرح ڈالی' اس کا نقصان یہ ہوا کہ ''علم کے موتیوں'' کی دولت سے یورپ نے اپنی چودھراہٹ کا سکہ جمالیا اور مسلمان جیسی وسیع المشرب قوم میں نفرت وحقارت کے جذبات بھڑک اٹھے اور پڑوسی اقوام سے جابجا اس کی لڑائیاں اٹھ کھڑی ہوئیں' جس کے برے اثرات اب بھی محسوس ہوتے ہیں۔ تاہم قدرت نے اپنے خصوصی فیضان سے اس دور میں بھی ایسا اہتمام کیا کہ مسلمانوں کے اندر بعض باہمت افراد نے آگے بڑھ کر اپنے سرمایہ علمی کی حفاظت کی اور اُدھر۔ ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

کے مصداق استبدادی قوتوں میں ایسے منصف مزاج حضرات اٹھ کھڑے ہوئے جنہوں نے حتی الوسع سچائی اور دیانت داری سے علمی خدمات کی طرح ڈالی۔

اس آخری دور پر تفصیل سے لکھنا ممکن ہے لیکن چونکہ یہ چیز ہمارے مقصد سے خارج ہے اس لیے ''تاریخ'' پر اس سرسری گفتگو کے بعد اب ہم دوسرے نکتہ کی طرف آتے ہیں۔ یعنی

الحافظ ابن کثیر......سوانح:

یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے کہ حافظ ابن کثیر مختلف الحیثیات شخصیت کے مالک تھے۔ قدرت نے اپنی عنایت خاص سے انہیں مختلف علوم وفنون میں بڑی مہارت بخشی تھی وہ جلیل القدر مفسر' عظیم المرتبت محدث' اعلیٰ پایہ کے مؤرخ اور صاحب کمال شاعر تھے۔ اس کے علاوہ فقہ وفتاویٰ' درس وتدریس اور وعظ ونصیحت میں بھی ان کی حیثیت مسلم تھی۔ ان کا تصنیفی اور تالیفی پایہ بہت بلند ہے۔ اور خاص طور پر تفسیر وتاریخ میں ان کی کتابیں کلیدی درجہ کے مصادر میں شمار ہوتی ہیں۔

مشہور صاحب قلم ''الداودی'' طبقات المفسرین'' میں لکھتے ہیں:

''کان (ابن کثیر) قدوة العلماء و الحفاظ و عمدة اهل المعانی و الالفاظ''. (ص:۳۲۷)

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی' ان کی تفسیر پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں

''روایات احادیث کے حوالہ سے ان کی تفسیر' ابن جریر کی قلمی کاوش کے بعد مشہور ترین علمی کارنامہ ہے مصنف علامہ نے اس میں طبقہ اسلاف کے مفسرین کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھا ہے۔ انہوں نے کلام اللہ تعالیٰ کی تفسیر میں احادیث نبویہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اور اصحاب رسولؐ کے آثار پر اعتماد کیا ہے......''۔ (التفسیر والمفسر ون ج ۱: ص ۲۴۴)

بہر حال جہاں تک موصوف کی تفسیر کا تعلق ہے اس کی ہمارے دینی لٹریچر میں بڑی اہمیت ہے لیکن اس پر گفتگو ہمارا موضوع نہیں' موضوع ان کی تاریخ ہے تاہم اس پر لکھنے سے قبل ان کے حالات کا خاکہ ضروری ہے۔

آپ کا نام اسمٰعیل ہے ابوالفداء کنیت ہے عماد الدین لقب ہے اور عرفی نام ابن کثیر...... سلسلہ نسب یہ ہے:

''اسمٰعیل بن عمر بن کثیر بصری ثم دمشقی......''۔

موصوف کے متعلق اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ ان کی ولادت ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں ہوئی۔

(التبیان فی علوم القرآن للصابونی ص ۱۸۸ مطبوعہ بیروت)

شام کے شہر بصریٰ کے نواحی گاؤں ''مجدل'' میں اپنے ننھیال میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ وہیں آپ کے والد منصب خطابت پر فائز تھے۔ ۳'۴ سال کی عمر میں حضرت والد محترم کی وفات پر ان کے برادر اکبر جن کا اسم گرامی الشیخ عبدالوہاب تھا' انہیں دمشق لائے۔ ان کے اساتذہ کے ضمن میں بعض خاص نام یہ ہیں۔

برادر اکبر الشیخ عبدالوہاب' کے علاوہ شیخ برہان الدین (م ۷۲۹ھ) اور شیخ کمال الدین سے فقہ کی تکمیل کی۔ اس دور کے معمول کے مطابق علم فقہ کی کتاب ''التنبیہ فی فروع الشافعیہ'' (تصنیف شیخ ابواسحاق شیرازی م ۴۷۶ھ) کا متن زبانی یاد کیا۔

(التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۲۴۲)

اصول فقہ میں ابن حاجب مالکیؒ (م ۶۴۶) کی ''مختصر'' کو حفظ کیا اس فن کی تکمیل ''مختصر'' کے شارح شمس الدین اصفہانی (م ۷۴۹ھ) سے کی۔ احمد بن حجار اس دور کے نامور محدث تھے' ایسے کہ ان کا مستقل اسکول اور گویا مکتب تھا جس سے لاتعداد اساتذہ وابستہ تھے ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے علاوہ:

''بہاء الدین قاسم (م ۷۲۳ھ) عفیف الدین اسحٰق (م ۷۲۵ھ) محمد بن زراد ابن سویدی (م ۷۱۱ھ) ابواسحٰق ابراہیم (م ۷۲۲) حافظ ذہبی' حافظ مزی اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہم سے حدیث حاصل کی''۔ (التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۲۴۲)

علامہ ابن کثیر شافعی المسلک ہونے کے باوصف اپنے استاد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے بے پناہ تعلق رکھتے اور بعض مسائل میں اپنے مسلک کے علی الرغم' اپنے استاذ سے متعلق اس تعلق کے سبب بعض اوقات انہیں زحمتیں بھی اٹھانا پڑیں۔

حافظ ابن کثیر کے شاگرد' مشہور عالم حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''امام ابن تیمیہؒ سے استفادہ کیا' اس تعلق کی بناء پر مبتلائے مصیبت بھی ہوئے''۔ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۳۷۴)

اس ضمن میں ابن عماد کی شہادت شذرات (ج ۲ ص ۲۳۰) اور خود البدایہ والنہایہ (ج ۱۴ ص ۱۲۷) میں موجود ہے۔

البدایہ میں ابن کثیر فرماتے ہیں:

و کان بینی و مبینه مودة و صحبة من الصغیر و سماع الحدیث والکلت

میرے اور امام ابن تیمیہؒ کے درمیان بہت ہی مخلصانہ اور محبت بھرے تعلقات تھے' بچپن ہی کی عمر سے ان سے نیاز مندی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تھی ان سے مجھے علم حاصل کرنے اور احادیث سننے کا موقعہ ملا''۔ (البدایہ والنہایہ ج۱۴ ص۱۳۷ مطبوعہ قدوسی لاہور)

جیسا کہ پہلے گزرا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے والد خطابت کے منصب پر فائز تھے۔ وہ ایک عظیم خطیب تھے۔ شروع میں وہ مدرّس بھی رہے خود حافظ ابن کثیرؒ نے واضح کیا کہ والد بزرگوار خطابت اور شعر و شاعری میں بڑے مقام کے حامل تھے۔ ان کی تقریر بڑی مؤثر ہوتی لوگ ان کی بڑی قدر کرتے حتیٰ کہ امام نووی اور امام تقی الدین جیسے سربرآوردہ روزگار حضرات ان کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے۔ (البدایہ ج۱۴ ص۳۱)

موصوف کی دو بیویوں میں سے دوسری سے آخری اولاد حافظ ابن کثیر تھے جو کم سنی میں ہی والد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے اور پھر برادر بزرگ الشیخ عبدالوہاب انہیں دمشق لے گئے۔ علامہ ابن کثیر کے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے دونوں ہی بیٹوں کے نام اسمٰعیل تھے' چونکہ سب سے بڑے صاحبزادے اسمٰعیل چھت سے گر کر مر گئے تھے جس کا والد کو بڑا صدمہ تھا اس لیے ان کی یاد میں دوسرے فرزند کا نام اسمٰعیل رکھا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنے برادر بزرگ الشیخ عبدالوہاب (م ۷۵۰) کا بڑے احترام سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے حسن تربیت کی بدولت مجھ میں علمی ذوق پیدا ہوا اور حصول علم کے راستے کی رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ (البدایہ ج۱۴ ص۳۰۔۳۱)

موصوف کی اولاد ذرینہ میں صرف ایک نام ملتا ہے یعنی ابوالبقاء بدرالدین محمد (م ۸۰۳) اور اتفاق یہ ہے کہ شاگردوں میں سے بھی صرف دو کے نام محفوظ ہیں ایک ابن حجی کا دوسرا مشہور مصنف و محقق حافظ ابن حجر عسقلانی کا۔

(دیکھیں شذرات الذہب ج۶ ص۲۳۲ و جلاء العینین ص۲۲)

تاہم صاحب جلاء العینین نے ''وتلامذتہ کثیر'' کا لفظ ضرور لکھا اور عقلاً بھی یہ بات درست ہے کہ اتنے بڑے آدمی کے شاگرد بہر حال بہت ہوں گے حافظ ابن حجر جیسے محقق نے ان کے حافظہ اور ان کے استحضار علمی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

و کان کثیر الاستحضار قلیل النسیان. (شذرات ج۶ ص۲۳۱' الاررالکامنہ ج۱ ص۳۷۴ وجلاء العینین ص۲۲)

یعنی ان کا علم بہت ہی مستحضر تھا اور بھول چوک برائے نام۔

اسی طرح صاحب شذرات اور صاحب جلاء العینین کی مشترکہ شہادت ہے:

''اکثر لوگوں نے ان کے بہترین حافظے' متون کی یادداشت اور کثرت استحضار کا ذکر کیا ہے ان میں امام ذہبی' حسینی اور عراقی جیسے حضرات شامل ہیں''۔

موصوف کا ذوق شعری بھی بہت بلند تھا تذکرہ نگاروں نے بعض اشعار نقل کیے ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں تاہم یہ طے ہے کہ انہوں نے ان میں توغل نہیں کیا اور اسلامی روح یہی ہے۔ زندگی کی بے ثباتی پر دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

تمر بنا الایام تتری و انما ۔۔۔ نساق الی الآجال و العین تنظر

فلا عائد ذاک الشباب الذی مضی ۔۔۔ و لا زائل هذا المشیب المکدر

ترجمہ: ''ایام زندگی پے درپے ہماری آنکھوں کے سامنے گزر رہے ہیں اور ہم ہیں کہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔ دورہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ماضی کا شباب لوٹ آئے؟ یہ ناممکن اور یہ بڑھاپا جو تکلیف دہ ہے ٹل جائے' یہ بھی ممکن نہیں''۔ (شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۳۱)

موصوف علماء کی عام روش کے برعکس نہایت درجہ شگفتہ مزاج تھے اور ان کی تحریرات میں دلکشی' شگفتگی اور روانی کا عنصر بطریق اتم موجود ہے جرجی زیدان نے موصوف کی تدریسی زندگی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وہ مدتوں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ۷۴۸ھ میں دمشق کی مسجد امام صالح میں استاذ حدیث مقرر ہوئے جبکہ علامہ ذہبی کے انتقال کے بعد مدرسہ تنکیز یہ میں بھی مدرس رہے''۔ (تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ۳ ص ۹۳)

چونکہ وہ دور مناظراتی دور تھا جیسا کہ ان کے استاد شیخ ابن تیمیہ کی زندگی سے واضح ہے اس لیے ابن کثیر کو بھی اس وادی سے گزرنا پڑا لیکن اس طرح کہ ''جادلھم بالتی ھی احسن'' کے مطابق دلیل اور متانت سے بات فرماتے۔

اسی طرح فن افتا میں ان کی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے علامہ ذہبیؒ کے حوالہ سے حافظ ابن حجرؒ نے ''الامام المفتی'' لکھا ہے۔ امام شوکانی اور ابن حبیب نے بھی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ (جلاء العینین ص ۲۲)

مناظرہ وافتاء اور علم وتدریس کی اس وسیع دنیا کے ساتھ ان کی شب بیداری' ذکر وفکر اور عبادت گزاری کا بھی معاصرین نے اور بعد کے حضرات نے کھلے دل سے ذکر کیا اور لکھا کہ وہ اس معاملہ میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ رہ گیا ان کا فقہی مسلک تو اس میں شک نہیں کہ وہ حضرت الامام الشافعی قدس سرہ کے مقلد تھے تاہم ایک صاحب نظر عالم کی طرح بعض مسائل میں اپنے امام سے اختلاف بھی فرماتے اور بعض معاملات ومسائل میں اپنے استاذ حضرت الامام ابن تیمیہ حنبلی سے متفق تھے۔

خصوصی میدان:

یہ طے شدہ ہے کہ وہ مختلف علوم وفنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے لیکن اہل تذکرہ نے تفسیر' حدیث' فقہ اور تاریخ ان کے خاص میدان قرار دیئے ہیں۔ تفسیر اور تاریخ کے سلسلہ میں تو ان کی ضخیم کتابیں ان کے تخصص کا سب سے بڑا ثبوت ہیں تاہم چند شہادتیں ملاحظہ فرمالیں۔ ایک عمومی رائے یہ ہے:

وانتهت اليه رئاسة العلم فى التاريخ والحديث والتفسير. (شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۳۱ جلاء العینین ص ۲۲)

''تاریخ' حدیث اور تفسیر کی ریاست علمی کی انتہا ان پر ہوتی ہے''۔

علامہ ذہبی کا قول ہے:

المحدث البارع الفقيه. (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۳۷۶)

''البدر الطالع'' کے فاضل مصنف نے فقہ' تفسیر' نحو اور جرح وتعدیل میں ان کی مسلمہ حیثیت کا بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے۔ (البدر الطالع ج ۱ ص ۱۵۳)

ابن عماد فرماتے ہیں:

''جرح وتعدیل اور احادیث کی صحت وعدم کے پہچان میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ حتیٰ کہ ان کے معاصرین اور اساتذہ تک اس کا اعتراف کرتے ہیں''۔ (شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۳۰)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خاص علوم وفنون کے حوالہ سے علماء نے ان کی عظمت کا جو اعتراف کیا' اس کی ایک جھلک تو اوپر کی سطور میں سامنے آ چکی ہیں' عمومی اعتبار سے دیکھیں کہ اہل علم اس ''الامام العلام'' کو کس طرح یاد کرتے ہیں؟

عراقی (م ۸۰۶ھ) سے سوال ہوا کہ مغلطائی' ابن کثیر' ابن رافع اور حسینی جو چاروں معاصر ہیں ان میں بڑا کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

''معلومات کی وسعت اور نسب میں مغلطائی' مختلف متون اور تاریخ کے حافظ ابن کثیر حدیث میں سب سے زیادہ اشتغال رکھنے والے ابن رافع اور تخریج میں حسینی سب سے بڑھ کر ہیں''۔

الذہبی فرماتے ہیں:

الامام' المفتي' المحدث' البارع' فقيه' مقنن' محدث متقن و مفسر. (التفسیر والمفسرون ج ا ص ۲۴۲)

یہ عظیم المرتبت شخص زندگی کے آخری ایام ظاہری بصارت سے محروم ہو گئے ۲۶ شعبان ۷۷۴ھ کو وفات پائی اور اپنے عظیم المرتبت و متفق استاذ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے پہلو میں مقبرہ صوفیہ میں تدفین کی جگہ نصیب ہوئی۔

امام کی تصانیف:

درس و تدریس' افتاء و مناظرہ کی شدید مصروفیات کے باوصف آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں عظیم خدمت سر انجام دی ہے مختصراً آپ کی کتابوں کا تعارف پیش خدمت ہے:

① تفسیر القرآن: اس فقید المثال خدمت دینی کا تذکرہ مختصراً پہلے بھی ہو چکا ہے۔ محدث کوثری فرماتے ہیں:

''یہ تفسیر بالروایت میں سب سے زیادہ مفید ہے''۔

قاضی شوکانی فرماتے ہیں:

''مصنف (ابن کثیر) نے اس میں بہت سا مواد جمع کر دیا ہے۔ مختلف مذاہب کا نقطہ نظر بیان کر دیا ہے۔ احادیث و آثار کا ذخیرہ بڑی تفصیل سے پیش کر کے ہر مسئلہ پر نفیس بحث کی ہے''۔

اور امام سیوطی یہاں تک فرماتے ہیں:

''اس طرز پر اس سے اچھی تفسیر نہیں لکھی گئی''۔ (الرسالۃ المستطرفۃ ص ۱۴۶)

اس سلسلہ میں ڈکتور ذہبی کی فاضلانہ کتاب ''التفسیر والمفسرون'' اور دور حاضر کے ایک نہایت ہی مخلص خادم قرآن مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی کی کتاب میں تفصیلی بحث دیکھی جا سکتی ہے۔

② البدایہ والنہایہ اس پر آخر میں گفتگو ہو گی۔

③ نہایۃ البدایہ: آپ کی عظیم تاریخی کتاب البدایہ والنہایہ (۱۶ جلد) کا یہ تکملہ ہے جو ۲ جلدوں میں ہے' مصنف علامہ نے اس میں آثار قیامت اور قیام قیامت کے بعد کے حالات پر تفصیلی اور مبسوط بحث کی ہے۔ گویا البدایہ کی ۱۶ جلدوں میں ابتدائے آفرینش سے اپنے دور تک کے حالات ذکر کر کے ان دو جلدوں کو اس دور کے لیے مختص کیا جب نظام عالم تہ و

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بالا ہوگا۔

④ جامع المسانید: اس کتاب کا پورا نام "جامع المسانید والسنن لاقوم السنن" ہے اس میں صحاح ستہ' مسند احمد' مسند بزار' مسند ابویعلی اور معجم کبیر طبرانی کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ فن حدیث کی عظیم خدمت ہے۔

(البدر الطالع ج ۱ص ۱۵۳)

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

"گزشتہ ہزاروں سال کے وقائع میں کتاب وسنت کی تصریح پر اعتماد کیا ہے' صحیح' ضعیف اور اسرائیلی روایات کو الگ الگ کیا ہے"۔ (کشف الظنون ج ۱: ص ۳۸۵)

"بدر الطالع" میں اس کا نام "مسند کبیر" "کتاب الہدیٰ والسنن فی احادیث المسانید والسنن بھی لکھا ہے۔

حاجی خلیفہ ہی تصریح کرتے ہیں:

"یہ کتاب اصول اسلام کے متعلق روایات کا ذخیرہ ہے"۔

اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیو مصر میں موجود ہے۔ (فہرست کتب خانہ ہذا ج ۱ص ۳۲۳)

⑤ التکمیل فی معرفة الثقات والضعیفا والمجاهیل: حاجی خلیفہ نے اس کا نام التکملة فی اسماء الثقات والضعفاء" لکھا ہے۔ (حاجی خلیفہ ج ۱ص ۳۸۶)

خیر الدین الزرکلی نے الاعلامہ میں "التکمیل الخ نام لکھا ہے۔ اس کی پانچ جلدیں ہیں اور اس کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے یعنی رجال کے حالات...... موصوف کے استاد اور خسر امام مزی اور امام ذہبی نے "تہذیب الکمال" اور "میزان الاعتدال" کے نام سے جو کتابیں لکھی ہیں' ابن کثیر کی یہ کتاب ان دونوں کی خصوصیات کی جامع ہے۔

⑥ ⑦ طبقات الشافعیہ اور مناقب شافعی۔ اوّل الذکر کا نسخہ قلمی مکہ معظمہ کی مجلس شوریٰ کے رکن محمد بن عبدالرزاق حمزہ کے پاس ہے فقہاء شافعیہ کا بڑے محبت بھرے انداز میں ذکر ہے جب کہ دوسری کتاب ان کے مسلکی امام' امام شافعی کا ترجمہ وتذکرہ ہے حاجی خلیفہ نے اس کا نام "الواضح النفیس فی مناقب الامام ابن ادریس" لکھا ہے۔ (کشف الظنون ج ۱:۳۸۶)

⑧ علامہ ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) کی اصول حدیث کی معروف کتاب "مقدمہ ابن الصلاح" کا اختصار ہی نہیں بلکہ اس میں جابجا اضافے ہیں' حافظ ابن حجر نے اس کے مفید ہونے کا ذکر کیا۔ یہ کتاب بیروت سے چھپ چکی ہے۔

⑨ تخریج مختصر ادلہ التنبیه: امام ابواسحٰق شیرازی شافعی (م ۴۷۶ھ) کی فقہ میں معروف کتاب "التنبیہ" کے دلائل کی تخریج کی ہے۔ ابن کثیر نے اس کا متن اور اس کی ترتیب کا کام ۱۸ برس کی عمر میں کر لیا تھا۔

⑩ تخریج مختصر ابن صاحب: ابن حاجب مالکیؒ (م ۶۴۶ھ) کی اصول فقہ کی معروف کتاب "مختصر ابن حاجب" کو بھی حافظ ابن کثیر نے حفظ کیا اور اس کی احادیث کی تخریج کی۔ خود البدایہ میں آپ نے اس کا ذکر کیا۔ (ج ۱۳ص ۱۷۲)

⑪ الاجتهاد فی طلب الجهاد: عیسائیوں نے قلعہ ایاس کا جب محاصرہ کیا تو وہاں کے امیر کی فرمائش پر جہاد کی ترغیب کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لیے یہ رسالہ لکھا جرجی زیدان نے اس کا ذکر کیا ہے اس کا قلمی نسخہ بھی مصر کے کتب خانہ خدیو میں ہے اب یہ مصر سے چھپ چکا ہے۔

⑫ کتاب الاحکام: شرعی مسائل پر وہ بسط سے لکھنا چاہتے تھے افسوس کہ یہ مکمل نہ ہو سکی' موصوف نے اپنی تفسیر میں اس کے جابجا حوالے دیئے ہیں۔ (شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۳۱)

⑬ شرح البخاری: یہ بھی مکمل نہ ہو سکی اس کا ذکر موصوف نے خود ''اختصار علوم الحدیث'' میں کیا ہے۔

⑭ فضائل القرآن: یہ رسالہ آپ کی تفسیر کے ساتھ مصر سے چھپ چکا ہے۔ قرآن کے متعلق بخاری کی روایات پر فاضلانہ کلام ہے ساتھ ہی جمع اور ترتیب اور کتابت کے مسائل پر گفتگو کی ہے۔

⑮ مختصر کتاب المدخل للبیہقی: اس کا ذکر بھی ''اختصار علوم الحدیث'' میں ہے۔

⑯ الفصول فی اختصار سیرت الرسول: اس کا ذکر سورۂ احزاب کی تفسیر میں موجود ہے۔

⑰ کتاب المقدمات: اس کا ذکر بھی ''اختصار علوم الحدیث'' میں ہے۔

⑱ مسند الشیخین: حضرات ابوبکر صدیق اکبر اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث کا مجموعہ ہے۔

⑲ مسند امام احمد بن حنبل: مسند جیسی معرکۃ الاراء کتاب کو امام ابن کثیر نے حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا تھا اور ساتھ ہی طبرانی کی معجم اور ابویعلی کی مسند سے زوائد کو درج کرنے کا اہتمام کیا تھا۔

البدایہ والنہایہ:

اس سلسلہ تحریر کے بعد اب تیسرا' اور اہم نکتہ سامنے آتا ہے اور وہ ہے موصوف کی عظیم الشان تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' پر گفتگو..... سو اب ہم اس طرف آتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

یہ تاریخ جیسا کہ عرض کیا گیا ۱۴+۲=۱۶' مجلدات پر مشتمل ہے ابتدائی چودہ مجلدات ابتدائے آفرینش سے مصنف کے دور تک اور آخری دو جلدیں قیام قیامت اور بعد کے احوال پر مشتمل ہے۔

عربی میں اس کے مجموعی صفحات (۱۴ جلدوں کے) ۵۱۹۲ ہیں ہمارے سامنے وہ ایڈیشن ہے جو (م ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء) میں مصری نسخہ کے عکس کی صورت میں خوبصورتی سے چھاپا۔

اس سے منسلک ابتدائی اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ ۱۳۵۸ھ میں مصر سے شائع ہوئی اور اس میں ابتدائے آفرینش سے ۷۶۸ھ تک واقعات مندرج ہیں گویا مصنف علامہ کی وفات (۷۷۴ھ) کے مطابق چھ سال قبل تک کے حالات کا انہوں نے اہتمام کیا۔ یہ عربی نسخہ اس مخطوطہ کی بناء پر معرض طباعت میں آیا جو شام کے مشہور شہر حلب کے المدرسۃ الاحمدیہ میں محفوظ تھا لیکن ناشر نے ساتھ ہی ساتھ ''دار الکتب المصریہ'' کے نسخہ سے مقابلہ بھی کیا اور ابن ہشام کی مختصر سیرت لابن اسحٰق' اس کی شرح الروض الانف للسہیلی' دلائل النبوۃ للحافظ ابن نعیم' السیرۃ النبویۃ الشامیۃ اور معاجم اللغۃ سے بھی مراجعت کر کے اصلاح و تصحیح کا کام کیا (ج + اص ۳) اس تصحیح میں ازہر مصر کے فاضل استاذ الشیخ الامام محمود المصوری کی نگرانی شامل تھی (ج

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اص ۳۳۹) مصنف علامہ نے حمد و نعت پر مشتمل نفیس اور طویل خطبہ رقم فرمایا' اس کے بعد جو لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے:

''یہ ایسی کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی بخشی ہوئی آسانیوں سے میں نے ابتدائے مخلوقات سے تذکرہ کیا ہے یعنی عرش' کرسی' آسمان' زمین' ان میں بسنے والی دوسری مخلوقات از قسم ملائکہ' جنات' شیاطین' سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کی تفصیلات و کیفیات' انبیاء علیہم السلام کے واقعات و قصص۔ تا آں کہ بنی اسرائیل کے دور تک' پھر ایام جاہلیت پر گفتگو کر کے اس سلسلے کو سید ولد عدنان' خاتم النبیین والمعصومین اور عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ کے دور سعادت تک پہنچایا ہے۔ پھر آپ کی سیرت کا اس طرح اہتمام سے ذکر کیا ہے کہ قلوب ہر قسم کے غل وغش سے پاک ہو جائیں اور روحانی و قلبی بیماریوں سے بیمار شفا پالیں۔

اس کے بعد ہم نے اپنے عہد تک کے واقعات قلم بند کیے ہیں۔ پھر ان فتنوں ہنگاموں اور علامات قیامت کا ذکر ہے پھر قیامت قائم ہونے' دنیا کے دوبارہ اٹھائے جانے اور قیامت کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے۔ پھر اس دن کی تفصیلات اور جو کچھ اس میں واقع ہوگا اور جو اہم معاملات پیش آئیں گے ان کا ذکر ہے' پھر دوزخ کا ذکر ہے اور جنت کا نیز جنت میں جو انعامات ہوں گے ان کا' نیز اس سے متعلق دوسری چیزیں''۔

اسی سے متصل فرماتے ہیں:

''جو کچھ پیش کیا گیا وہ وہ ہے جو کتاب' سنت اور آثار سے منقول ہے نیز وہ منقول اخبار میں ایسے علماء کے یہاں مقبول و پسندیدہ ہیں جنھیں شکوۃ نبوت سے استفادہ کا موقع ملا اور روشنی میسر آئی۔

اسرائیلی روایات سے احتراز کیا ہے الا یہ کہ ایسی روایات جن کے نقل کی جناب شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے خلاف نہیں۔ وہ روایات ایسی ہیں جن کی تصدیق و تکذیب کی چنداں ضرورت نہیں۔ [1] البتہ ان کے ذریعہ سے کسی مختصر چیز کی تفصیل سامنے آ سکتی ہے یا کوئی مبہم چیز واضح ہو جاتی ہے۔

تذکرہ علی سبیل التجلی به لا علی سبیل الاحتیاج الیه والاعتماد علیه و انما الاعتماد والاستناد علی کتاب اللّٰه و سنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم' ماصح نقله او حسن الخ.

(ج ۱: ص ۶)

گویا حضرت الامام اپنے تفسیری ذوق کے مطابق یہاں بھی علم و ہدایت کے ان اصل سرچشموں پر اعتماد فرماتے ہیں جو کتاب اللہ اور

---

[1] مصنف علامہ نے اسی مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فاتح مصر مدبر اسلام سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی جس کا ترجمہ یہ ہے: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ایک ہی حکم ہو تو اس کو بھی آگے پہنچاؤ۔ بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں حرج نہیں' مجھ سے (اصل میں) روایت کرو اور غلط بات کی میری طرف نسبت نہ کرو' جس نے میری طرف غلط بات کی نسبت کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔ پھر فرماتے ہیں کہ یہاں جن اسرائیلی روایات کے بیان کرنے کی اجازت ہے وہ ایسی ہی روایات ہیں جو ہمارے یہاں ان حیثیت کی شمار ہوتی ہیں کہ ان پر کوئی نقد و جرح نہیں...... (ص ۶۔۷)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سنت رسول اللہ ﷺ کی شکل میں آج بھی انسانیت کے لیے موجود ہیں اور ساتھ ہی آثار منقولہ و مقبولہ پر اعتماد فرمایا ہے۔ آگے چل کر جناب مصنف نے بڑے زور سے یہ بات کہی کہ ہم اصل میں اس چیز کے محتاج ہیں جو ہمارے آقا و مولا ﷺ نے بیان فرمائی' اسی پر ہمارا اعتماد ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن ہے جو ایسی کتاب ہے کہ ماضی کے واقعات بتلاتی ہے تو آنے والے دور کا نقشہ بھی کھینچتی ہے' تمہارے درمیان جو نزاعات ہیں ان کا فیصلہ بھی کرتی ہے۔ وہ ایسی فیصلہ کن چیز ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی بیکار بات نہیں جو اس کو غرور و تکبر کے سبب چھوڑ دے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے نمٹ لیں گے' جو اس کے سوا کسی دوسرے نوشتہ سے رہنمائی کا طالب ہوگا وہ گمراہ ہو کر رہ جائے گا۔ (یہ درحقیقت ایک ارشاد پیغمبر کا ترجمہ ہے جس کے راوی سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں)

مصنف علامہ کی اس گفتگو سے ان کا ذوق و مسلک کم از کم واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کس چیز پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ طویل تاریخی سفر کس طرح تکمیل کو پہنچانا چاہتے ہیں۔

پہلی جلد کے آغاز میں انہوں نے زمین و آسمان وغیرہ کی تخلیق پر گفتگو کر کے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کا ذکر چھیڑا ہے اور اس کا اہتمام کیا ہے کہ ہر موضوع پر اولاً کتاب اللہ کا فرمان نقل کیا جائے پھر رسول کریم ﷺ کے ارشادات عرش و کرسی' زمین و آسمان اور جنات و ملائکہ کے ضمن میں ٹھیک اسی ڈگر پر چلے ہیں پھر تذکرہ انبیاء میں بھی اس کا اہتمام ہے۔ کہ مختلف انبیاء اور ان کی اقوام و ملل کے سلسلے میں قرآنی تصریحات کو سب سے پہلے نقل کیا پھر احادیث کے ارشادات اس پہلی جلد میں سیدنا الیاس علیہ السلام تک واقعات ہیں جن کا ذکر خیر سورۂ صافات میں ہے۔ مصنف علامہ نے ساتھ ہی علماء نسب کے حوالے سے مختلف انبیاء کے نسب پر فاضلانہ کلام کیا' ان کا زمانہ متعین کرنے کی کوشش کی اور تاریخی حوالہ سے جو بن پڑا اس پر گفتگو کی۔

دوسری جلد ان انبیاء بنی اسرائیل سے شروع ہوتی ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں تشریف لائے۔ اور اسی ضمن میں اصحاب الکھف' اصحاب الجنة' اصحاب الایلة' قصة لقمان وغیرہ پر سیر حاصل کلام کیا ہے۔

ص ۱۸۴ سے بنو اسماعیل کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ بنو اسماعیل کی پوری تاریخ سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے نبی آخر الزمان ﷺ تک سامنے آ گئی اور پھر اسی سے متصل حضور اقدس علیہ السلام کی قبل نبوت و بعد نبوت کی زندگی پر قلم اٹھایا۔

سیرت رسول میں قرآنی ارشادات' علماء نسب کی تحقیقات اور وقائع و احوال پر موصوف کا قلم بڑی روانی سے چلا ہے اور اپنے سے متقدمین حضرات کی نگارشات سے بھی انہوں نے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اس کا حوالہ دیا ہے۔

تیسری پوری جلد سیرت رسول ہی سے متعلق ہے اور اس کی ابتداء ''بدء الوحی'' سے ہوتی ہے۔ اسی جلد میں ہجرت کا باب شروع ہوتا ہے (ص ۳۳۶) اور ابتداء ہی سے بڑی تفصیل کے ساتھ غزوات اور سرایا پر گفتگو شروع کی ہے اور کوشش فرمائی ہے کہ سیرت کے حوالہ سے کوئی عام سا واقعہ بھی نہ رہ جائے۔ ہجرت سے سن وار گفتگو کا بھی اہتمام ہے تاکہ ایک شخص پہلی نظر میں دیکھ لے کہ ہجرت کے بعد کون سا واقعہ کس سن میں پیش آیا۔ چونکہ سیرت رسول میں ہجرت کے واقعہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا ایک موڑ سامنے آتا ہے اس لیے بالعموم اہل قلم یہاں پہنچ کر زیادہ کھل جاتے ہیں۔ مصنف علامہ کا بھی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ایسا ہی معاملہ ہے۔

چوتھی جلد ہجرت رسول کے تیسرے سال سے شروع ہو رہی ہے اور اس کو آپ نے ۸ھ کے وقائع پر ختم کیا ہے۔ آپ دیکھیں گے ہر سن کے مشہور اور اہم ترین واقعات پہلے توبسط سے ذکر کرتے ہیں پھر آخر میں اس سن کے مشہور حوادث اور مشہور فوت شدہ شخصیات کا ذکر خلاصہ کے طور پر کر دیتے ہیں جس سے قاری چند سطروں میں ایک پورے سال کو پڑھ سکتا ہے۔

پانچویں جلد ۹ھ سے شروع ہو رہی ہے اور اس جلد میں وفاتِ رسولؐ کے عظیم سانحہ تک بات پہنچا کر جلد کے آخری حصہ میں آپ سے متعلق عالمگیر ماتم، مراثی اور دوسرے متعلقات کا ذکر ہے نیز وفاتِ رسولؐ کے موقع پر امت جن اہم مسائل سے دو چار ہوئی اور جن کا تصفیہ بڑے اہتمام سے ہوا وہ بھی اس جلد کا حصہ ہیں مثلاً میراث رسول کی بحث آج تک جاری ہے جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ اس قصہ کو رسول کریم ﷺ نے خود نمٹا دیا اور انہی ارشادات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے نبی کے تربیت یافتہ حضرات نے نمٹایا۔

چھٹی جلد رسول کریم ﷺ کے آثار کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ مثلاً وہ اشیا جو آپ کے زیر استعمال رہیں، بعض تبرکات جو آپ نے مختلف لوگوں کو مرحمت فرمائے۔ پھر آپ کے اخلاق وشمائل اور حیات اجتماعی کے سلسلے میں آپ کے اہم ترین ارشادات اور ان سے متعلق مختلف روایات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی جلد سے سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے مزاج شناس رسولؐ، امت کے سب سے بڑے محسن کی خلافت کا بیان شروع کیا گیا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اسلامی جماعت میں جو مقام ہے اور جو عظمت انہیں حاصل ہے اس سے ایک زمانہ آگاہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل المرتبت صحابی ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے سانحہ ارتحال پر امت پر جو بیتی' وہ ایک المیہ تھا اور رب العزت اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وجود باوجود کے ذریعہ ہم پر احسان نہ کرتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔

آپ کے دور سعادت میں بڑے بڑے امتحانات پیش آئے' نبوت کے پے در پے مدعی' زکوٰۃ کے منکر اور طرح طرح کے فتنے رونما ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس منحنی وجود میں ایسی ایمانی روح بھر دی تھی کہ اس نے ایک ایک فتنہ کا قلع قمع کر کے امت کے مستقبل کی گاڑی کے لیے راہ ہموار کر دی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑے ہی مدبر حکمران اور عظیم انسان تھے۔ بقول امیر شریعت السید عطاء اللہ شاہ بخاری اسلام کی تاریخ سے انہیں خارج کر دیا جائے تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سواد و سالہ دور نہ ہوتا تو سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ اتنا کام نہ کر پاتے۔ دور حاضر کے عظیم مصنف مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اردو میں سیدنا صدیق اکبر پر جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حافظ ابن کثیر کا قلم جب اس باکمال ہستی پر اٹھا ہے تو اس نے سچائیوں کے دریا بہا دیے ہیں۔ جو بحث چھٹی جلد سے شروع ہوئی اس کو ساتویں جلد کی ابتداء میں ختم کر کے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سن وار تذکرہ کیا ہے اور اس طرح کہ گویا تاریخ کو ایک جیتے جاگتے کردار کے انداز میں پیش کر دیا ہے۔

خلافت کے چار عظیم ستون سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر' سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کے وقائع کے سلسلے میں یہ جلد گویا مخزن ہے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اور اس کا اختتام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات پر ہوا۔ مسلمانوں کا سیل رواں فاروقی دور میں اور ان کے بعد عثمانی دور کی ابتداء میں جس طرح آگے بڑھا اس دور کی دو سپر پاورز' ایران و روم جس طرح پامال ہوئیں' ہندوستان اور افریقہ میں جس طرح اسلام کا نور ہدایت پہنچا یہ سب آپ کو اس جلد میں ملے گا۔ اور ساتھ ہی وہ اندوہناک باب نظر آئے گا جب سیدنا عثمان مظلومانہ شہید ہوتے ہیں اور پھر پورا دور باہمی انتشار میں گزر جاتا ہے۔

آٹھویں جلد سیدنا علی کے سلسلے میں ضمیمہ پر مشتمل ہے اور اس کا اختتام ۷۳ھ تک کے واقعات پر ہوا ہے' سیدنا علیؓ کے بعد ان کے فرزند گرامی سیدنا حسنؓ نے امت کی صلح کا اہتمام کر کے جس اولوالعزمی کا مظاہرہ کیا اور سیدنا معاویہؓ نے جس طرح پھر اسلام کے سیل بے پناہ کی روانی کا نظم کیا' اس سے آگے بڑھ کر مقتل و قتل حسینؓ کی بات آئے گی۔ امیر یزید کا تذکرہ ہوگا' امر واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا موڑ ہے جہاں صدق و راستی سے گفتگو مشکل ہے' بڑے بڑوں کے پاؤں پھسل جاتے اور قلم لغزش کھا جاتے ہیں ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے اور تاریخ کو عقیدہ کا رنگ دے دیا جاتا ہے۔ یہی موڑ ہے جہاں پہنچ کر امت کی تاریخ لہولہو بن کر مسلسل افتراق اور عجمی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ ابن کثیر کا اللہ تعالیٰ بھلا کرے کہ انہوں نے بہت حد تک واقعات کی صحیح تصویر کشی کی اور نہ صرف اس قصہ کی بلکہ بنو امیہ کے دوسرے مخلص حریف سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے واقعات کو بھی یہیں سمیٹ دیا ہے۔ اس طرح یہ جلد گویا بڑی نازک بن کر رہ گئی ہے جسے عبور کرنا پل صراط کو عبور کرنے کے مترادف تھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ ابن کثیر نے پوری نہیں تو واضح اکثریت سے کامیابی ضرور حاصل کی ہے۔

اس کے بعد جلد نمبر ۹' ۷۴ھ سے ۱۲۵ھ' جلد ۱۰' ۱۲۶ھ سے ۲۴۸ھ' جلد ۱۱' ۲۴۹ھ سے ۴۰۴ھ' جلد ۱۲' ۴۰۵ھ سے ۵۸۸ھ' جلد ۱۳' ۵۸۹ھ سے ۶۹۷ھ اور جلد ۱۴' ۶۹۸ھ سے ۷۶۷ھ تک اور جلد ۱۵' قرب قیامت کی نشانیوں اور جلد ۱۶' قیامت کے بعد کے مفصل حالات اور وقائع پر مشتمل ہے۔

آخری جلد گویا موصوف کی اپنی زندگی کے دور کی ہے اس لیے اس میں تفصیلات آپ کو ذرا زیادہ نظر آئیں گی۔ تاہم ایسی تفصیل کہیں بھی نظر نہیں آئے گی کہ آپ پریشان خاطر ہوں۔

حافظ ابن کثیر نے از خود ۷۳۸ھ تک کے حالات لکھے ہیں جب کہ اس کے بعد کے واقعات ان کے کسی شاگرد عزیز کے قلم سے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۱۸۴)

علامہ ابن کثیر کی طرح ان کی تاریخی کاوش کو بھی قبول عام کا شرف حاصل ہوا اور اہل علم نے اسے اپنی دلچسپیوں کا مرکز بنایا۔ اہل علم میں سے بعض نے اس کی تلخیص کی جب کہ بعض نے اس پر ذیول لکھے۔ علامہ عینی کی ''تاریخ بدو'' کا حقیقی ماخذ البدایہ ہی ہے بلکہ فی الحقیقت وہ اس کی تلخیص ہے۔ احمد بن علی بن حجر (م ۸۵۲ھ) نے بھی اس کی تلخیص کی ہے اور محمود بن محمد بن دلشاد نے ترکی زبان میں اس کا ترجمہ کیا (کشف الظنون ج ۱ ص ۱۸۷) شہاب الدین بن حجی (م ۸۱۶ھ) اور الجرانی (م ۸۳۵ھ) نے اس کے ذیول سپرد قلم کیے ہیں۔ (تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۳ ص ۱۹۴)

''تاریخ آداب اللغۃ العربیہ'' کے فاضل مصنف ہی نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ ابن کثیر کے اجزاء کتب خانہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خدیو مصر کے علاوہ یورپ کے مختلف کتب خانوں میں بھی موجود ہیں البتہ دوسری بنیادی تاریخی کتب کے برعکس البدایہ مکمل شکل میں مصر سے ہی طبع ہوئی اس کی طباعت کا دور دس سال پر پھیلا ہوا ہے یعنی ۱۳۴۸ھ سے لے کر ۱۳۵۸ تک۔

اس کتاب کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جناب مصنف نے تحقیق واستناد کا بھرپور لحاظ رکھ کر کتاب وسنت اور علماء ومؤرخین کے مستند اقوال کو اپنا ماخذ بنایا ہے اور جیسا کہ پہلے گزرا غلط روایات اور اسرائیلی خرافات نیز مرجوح اور ناقابل اعتبار اقوال سے بچنے کی پوری کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ اس سلسلہ میں مصنف کے مقدمہ کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے اسے ایک بار پھر ملاحظہ فرمالیں۔

دوسری خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اختصار اور جامعیت سے کام لیا ہے اور یہ بڑی خوبی ہے بعض مصنفین اختصار پر آتے ہیں تو اس طرح کہ ضروری امور بھی ترک کر دیتے ہیں اور محض جامعیت کے شوق میں اتنی طوالت سے کام لیتے ہیں کہ طبیعت اکتا جاتی ہے یہاں آپ کو اختصار و جامعیت کا حسین امتزاج نظر آئے گا کہ ہر ضروری امر کا ذکر کر دیا ہے لیکن طوالت سے بچ کر۔

تیسری خوبی سن وار حالات کا معرض کتاب میں لانا ہے جس کی طرف اشارہ پہلے ہو چکا ہے سن وار گفتگو کرتے ہوئے اس دور کے مختلف طبقات کی ذمہ دار شخصیات مثلاً مشاہیر امرا سلاطین اکابر علماء مفسرین محدثین فقہا اور مؤرخین نیز ادباء شعراء اور دوسرے ممتاز و نامور افراد کا ذکر آ گیا ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ساتویں صدی ہجری کے نصف آخر اور آٹھویں صدی کے نصف اوّل کی تفصیلات آ گئی ہیں۔

قارئین آگاہ ہوں گے کہ یہ دور تاتاری حملوں کے سبب تاریخ اسلام کا اہم ترین دور ہے۔ اس دور میں عالم اسلام جن مصائب کا شکار رہا ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی دور کے متعلق جناب سعدی شیرازی کا مرثیہ ہے:

آسماں راحق بود گرخوں بارد بر زمیں — بر زوال ملک معتصم امیرالمومنین

عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ مسلمانوں کا علمی سرمایہ نذر دجلہ ہو کر رہ گیا۔ عباسی خلفاء کی رواداری یا سادہ لوحی کے سبب دربار میں دخیل رافضی وزراء نے اپنے محسنوں کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی وہ روافض کے تاریخی کردار کا حصہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ستم رسیدہ قوم دوبارہ کبھی سر نہ اٹھا سکے گی۔

عبرت وموعظت کے لیے اس دور کی پوری پوری تصویر سامنے ہونی ضروری ہے۔ گو کہ اس دور کے حوالہ سے اور بھی تاریخی سرمایہ ہے لیکن جتنی تفصیل اس میں ہے وہ کسی دوسری جگہ نہیں اس دور کی نسبت سے اور بھی بعض اہم کتابیں ہیں جیسے کامل ابن اثیر لیکن البدایہ میں جو تفصیلات ہیں وہ اسی کا حصہ ہیں۔

جن حضرات نے مصنف کی تفسیر کو بہ نظر غائر دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے اس کی ترتیب و تدوین میں کتنی عرق ریزی سے کام لیا اور کس طرح تمام ذخائر کتب سے استفادہ کر کے تحقیق و تلاش کا حق ادا کیا۔ بعینہ یہ حال آپ کو البدایہ میں نظر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آئے گا۔ اس دور میں مرحوم کو جو سرمایہ میسر آ سکا اس سے انہوں نے کھلے دل سے استفادہ کیا اور اس کا اعتراف کیا۔ بطور خاص ''علم الدین برزالی'' کی تاریخ جو صرف تاریخ وطبقات ہی نہیں بلکہ دلچسپ واقعات کا مجموعہ ہے اس سے بہت ہی اعتناء رکھا۔ بعض واقعات جو خاص اہمیت کے حامل ہیں یا کسی وجہ سے مصنف کو ان سے زیادہ دلچسپی ہے' ان کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور بڑے مزے لے لے کر انہیں بیان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ آتی ہے' جہاں مصنف کا قلم جوئے رواں کی طرح نظر آتا ہے واقعات کی صحت کے پورے اہتمام کے ساتھ عقیدت واحترام کا اندازہ ایک ایک سطر سے ہوتا ہے۔

اس کا سبب سمجھنے کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) کے سیرت نبوی پر مضامین دیکھنے پڑیں گے جو مولانا کے عاشق صادق مولانا غلام رسول مہر نے ''رسول رحمت'' کے نام سے مرتب کر کے چھپوائے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ حافظ ابن کثیر بھی اس ابتلاء کا شکار رہے جس کا ہر دور میں سنجیدہ مزاج لوگ رہے ہیں۔ اہل علم کے کلامی مباحث اور جھگڑے اور فقہ وفتاویٰ کی خشک ابحاث ایک جویائے حق کے لیے سوہان روح بن جاتی ہیں۔

حافظ ابن کثیر جب اس ابتلاء کا شکار ہوتے ہیں تو طمانیت قلب اور تسکین حال کے لیے بہت سے دروازوں پر دستک دیتے ہیں بالآخر حافظ ابن تیمیہؒ سے سابقہ پڑتا ہے تو اپنی الجھن ان کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ جو بہت سے مصلحین امت کی طرح صدیوں سے اصل زیغ وضلالی کی زبانِ طعن کا شکار ہیں۔ وہ سعادت مند شاگرد کو نصیحت فرماتے ہیں کہ

> ''سب ہی اطراف سے منہ موڑ کر سیرت رسول (علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم) کو اپنا محور و مرکز بنالو' آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون میسر آئے گا تو اسی چشمہ صافی اور آب حیوان سے!''۔

چنانچہ موصوف اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور انہیں وہ گوہر مقصود ہاتھ آ جاتا ہے جس کی ایک عرصہ سے انہیں تلاش تھی۔

یہی سبب ہے کہ جب اپنی تاریخی کتاب میں وہ اس موڑ پر پہنچتے ہیں تو عقیدت ومحبت میں ڈوبی ہوئی روح وہاں پہنچتی ہے جہاں اسے پہنچنا چاہیے۔ اپنے مسلکی امام' حضرت الامام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ اور اپنے استاد حضرت الامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مسلکی امام' الامام المجاہد الزاہد احمد بن حنبل قدس سرہ کے تذکرہ پر بھی عام تذکروں کے مقابلہ میں لحوالت نظر آتی ہے لیکن بے مقصد نہیں اور اپنے محسن و مربی استاذ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے لیے جس عقیدت' احترام اور محبت کا مظاہرہ ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

کتاب کے جلد وار مضامین کی اجمالی فہرست ہم پہلے عرض کر چکے ہیں حقیقی معنوں میں اندازہ بالاستیعاب مطالعہ سے ہی ہو گا تاہم نمونہ کے طور پر ہم بعض مقامات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں آسمان وزمین کی تخلیق کے ضمن میں کئی آیات قرآنی جو اس موضوع سے متعلق ہیں نقل کر کے فرماتے ہیں:

الف: جمہور کے نزدیک چھ دن سے ایسے ہی چھ دن مراد ہیں جیسے ہمارے معمول کے ایام۔

ب: ابن عباسؓ' مجاہدؒ' ضحاکؒ اور کعب احبارؒ کی روایت کے مطابق ہر دن سے مراد ہزار برس کا دن ہے ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نے اس کو نقل کیا امام احمد نے اپنی کتاب ''رد جھمیت'' میں ابن جریر وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔

ج: چھ دنوں میں پہلا دن کون سا تھا اس سلسلہ میں حافظ ابن جریر نے تین قول نقل کیے اہل تورات کے نزدیک اتوار عیسائیوں کے نزدیک پیر اور مسلمانوں کے نزدیک ہفتہ کا دن تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق عام کی ابتداء کی۔

اس ایک مثال سے اندازہ ہو جائے گا کہ مصنف علامہ کا انداز کیا ہے۔ وہ قرآن مجید کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو پھر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کو پھر سلف کی نگارشات کو۔ اور ضرورت پڑنے پر بطور استشہاد اسرائیلی روایات کا ذکر کرتے ہیں کہیں کہیں عقل و درایت سے کام لیتے ہیں اور محاکمہ بھی کرتے ہیں ترجیحی روایات کا مخصوص انداز میں ذکر کرتے ہیں اور اس طرح آئینہ سامنے رکھ دیتے ہیں۔

مصنف علامہ کہیں کہیں حقائق سے دور نظر آتے ہیں یا نہیں۔ قلم و زبان میں تلخی نظر آتی ہے تو اس کے بہر حال مختلف اسباب ہیں اور اتنے بڑے علمی کارنامہ میں ایسے چند مقامات زیادہ تشویش کا باعث نہ بننے چاہئیں۔

اصل یہ ہے کہ ان کے ایام حیات تک عرب و عجم کا مسئلہ صاف نہ ہوا تھا کہ اہل بدعہ بالخصوص روافض وغیرہ اپنا کام کر چکے تھے سقوط بغداد کی شکل میں امت بڑے صدمہ سے دوچار ہو چکی تھی ابن تیمیہؒ جیسے مرد جری کے ساتھ نسبت و تعلق نے خود مصنف کو ایک ایسی راہ پر لا ڈالا جہاں پھولوں کی سیج کے بجائے قدم قدم کانٹے بکھرے پڑے تھے' اس لیے تلخی تحریر کہیں کہیں نظر آتی ہے تو داخلی و خارجی اسباب کے تحت ایسا ہو جاتا ہے بہ حیثیت مجموعی زبان کی سلاست و روانی کے ساتھ حالات و واقعات کی صحت کا اہتمام اور دلائل سے گفتگو کرنے کی خو بو کتاب کی ایک ایک سطر سے نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک بالغ نظر آدمی علمی سفر کر رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد ہر شخص کی علمی کاوش میں کوئی نہ کوئی کمزوری ممکن ہے۔ صحابہ بوجوہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ تاہم برائے نام کوتاہیوں کے بجائے اجتماعی حالات کا جائزہ لینا از بس ضروری ہے اور اس اعتبار سے ابن کثیر ہمارے محسن ہیں کہ انہوں نے ہمیں ایک مرتب تاریخ دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔ جناب ناشر و مترجم کو اس خدمت کا بہترین صلہ دے۔ ان سطور کا راقم اپنے اور جملہ متعلقین کے لیے قارئین سے دعا کا محتاج ہے۔ وصلی اللہ علی النبی الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

اللّٰھم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم۔

فقیر محمد سعید الرحمٰن علوی

۱۲/اے شاہ جمال لاہور۔ ۱۶

۲۳/شعبان المعظم ۱۴۰۷

۲۲/اپریل ۱۹۸۷ء

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مصنفؒ کے حالاتؒ وکوائفِ حیاتؒ

نام:

عربی کی شہرہ آفاق تاریخی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' جو ۱۶ جلدوں پر مشتمل ہے اس کے عالمی شہرت یافتہ محترم المقام مصنف کے نام کی تفصیل جو متعدد عربی کتابوں میں پائی جاتی ہے یہ ہے:

امام' حافظ' الحاج' مستند مؤرخ' مفسر' محدث' صاحب علوم وفضائل عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر قرشی دمشقی شافعیؒ۔ ویسے مصنف موصوف اطراف واکناف عالم کے علمی حلقوں میں عموماً ابن کثیر کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

ولادت:

ابن کثیر کی ولادت ''بصرے'' کی قلمرو قریہ ''مجدل'' میں ہوئی۔ ان کے والد ماجد کا تعلق بصرے اور ان کی والدہ ماجدہ کا خاندانی تعلق قریہ ''مجدل'' سے تھا۔

حسب ونسب:

بزرگ عالم اور ماہر انساب عرب شیخ مزیؒ نے بہ لحاظ حسب ونسب اشراف عرب میں شمار کیا ہے اور اس وجہ سے انہیں اکثر و بیشتر عربی کتابوں میں ''قرشی'' لکھا گیا ہے بلکہ خود انہوں نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں اپنے والد ماجد کے نام کے ساتھ ''قرشی'' لکھا ہے۔ جہاں تک ابن کثیرؒ کی تاریخ ولادت کا تعلق ہے اکثر کتب سیر میں اسے ۷۰۰ ہجری لکھا گیا ہے۔ نیز حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ''درر الکامنہ'' میں کم وبیش کے اضافے کے ساتھ ان کا سال ولادت یہی بتایا ہے۔ ۷۰۰ ہجری میں ان کے سال ولادت کا ایک اور ثبوت خود ان کی اس تحریر سے ملتا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے محترم والد کے حالاتِ زندگی قلمبند کرتے ہوئے ان کا سال وفات ۷۰۳ ہجری لکھا ہے' لیکن چونکہ عموماً کسی تین سالہ بچے کا سنین تو ٹھیک ٹھیک یاد رکھنا ایک امر محال معلوم ہوتا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ ابن کثیرؒ نے اپنے والد کا سال وفات اپنے اہل خاندان یا پڑوسیوں سے سن کر تحریر کیا ہوگا۔ لہٰذا اس میں بھی حافظ ابن حجرؒ کی طرح کسی قدر ''کم وبیش'' کا اضافہ کر لینا مناسب ہوگا۔ بہر حال اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن کثیر کی ولادت کسی قدر کم وبیش ۷۰۰ ہجری میں ہوئی ہوگی اور وہ اپنے والد کی وفات کے وقت قریباً تین سال کے رہے ہوں گے۔

ابن کثیرؒ کے والد ماجد ''الخطیب شہاب الدین ابوحفص عمر بن کثیر'' جو علماء' فقہاء اور خطیبوں میں صفِ اوّل کے صاحب علم و فضل سمجھے جاتے تھے اپنے بیٹے حافظ ابن کثیرؒ کے بقول قریباً ۶۴۰ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۴ صفحات ۳۱ تا ۳۳)

پھر جیسا کہ زیر نظر کتاب کے مصنف نے اسی کتاب میں لکھا ہے انہوں نے یعنی ان کے والد نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموؤں کے ہاں جن کا تعلق بنی عقبہ سے تھا اپنی جائے ولادت میں رہ کر حنفی عقائد کے مطابق حاصل کی تھی اور جملہ ابتدائی علوم کے علاوہ جو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

انہوں نے حفظ یاد کر لیے تھے عربی صرف ونحو اور علم اللغات میں بھی کمال حاصل کیا تھا اور بہت سے قصائد ومراثی کہے تھے۔

ابن کثیرؒ کے مطابق ان کے والد اپنی جائے ولادت بصرے کے شمالی حصے میں جو متبرک کہلاتا تھا لیکن عام لوگوں میں ببرک کے نام سے مشہور تھا (خدا جانے اس کا صحیح نام کیا تھا) کچھ عرصہ قیام کے بعد اس شہر کے مشرقی حصے میں بطور خطیب منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔

ابن کثیرؒ نے یہ باتیں نواوی اور شیخ تقی الدین کے حوالے سے لکھی ہیں جن کا وہ بہت احترام کرتے تھے جیسا کہ علامہ ابن زملکانی نے بیان کیا ہے۔

ابن کثیر مذکورہ بالا حوالوں سے لکھتے ہیں کہ ان کے والد نے بصرے کے اس مشرقی حصے میں بطورِ خطیب ۱۲ سال قیام کیا اور مطالعہ کتب کے علاوہ درس وتدریس میں بھی مصروف رہے جس کے بعد وہ ابن کثیر کی والدہ ماجدہ کی جائے ولادت مجدل میں بطور خطیب منتقل ہو گئے اور وہاں ایک طویل مدت انہی مشاغل میں گزاری۔ اہل مجدل ان کے علم وفضل اور طرز خطابت کے علاوہ ان کی شیریں کلامی اور دیانت کے بڑے مداح تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے کیونکہ انہوں نے انہیں اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے کسب حلال میں ہمیشہ متدین پایا تھا۔

ابن کثیرؒ کی والدہ ماجدہ اور اس سے قبل ان کی مرحومہ سوتیلی والدہ کے بطن سے کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان کی مرحومہ سوتیلی والدہ کی اولاد میں سب سے بڑے اسماعیل تھے اور انہی کے نام پر ان کے والد نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے یعنی زیر نظر کتاب کے مصنف کا نام رکھا تھا۔

ابن کثیرؒ کی حقیقی والدہ کے بطن سے انہی کے بقول ان کے بھائی عبدالوہاب' عبدالعزیز اور کئی لڑکیاں پیدا ہوئیں' اپنے حقیقی بھائیوں میں سب سے چھوٹے ابن کثیر تھے جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے۔

تعلیم:

حافظ ابن کثیرؒ جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں اپنے والد کے انتقال کے بعد دمشق چلے گئے جہاں انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ سے قرآن پاک حفظ کیا' عربی زبان کے قواعد صرف ونحو حفظ کیے نیز کتاب التنبیہ حفظ کی اور اس کی شرح کے لیے علامہ تاج الدین نزاری کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور انہی سے اصول فقہ کے منتخاب کی تحصیل کی۔ یہ بات ہمیں مصنف کے علاوہ بزرگ عالم ابن زملکانی نے بھی بتائی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ ایک دوسری جگہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد ماجد بھی پہلے شام گئے تھے لیکن کچھ عرصہ بعد وہاں سے واپس آ گئے تھے اور اپنے وطن مالوف میں ۷۰۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد ماجد انہیں اپنی اولاد میں سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے بہت چاہتے تھے نیز یہ انہوں نے اپنے بچپن میں بارہا خواب میں دیکھا تھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی تھی۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ۷۰۷ ہجری میں دمشق گئے تھے اور وہاں اپنی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

والدہ ماجدہ کے علاوہ زیادہ تر اپنے بڑے بھائی کمال الدین عبدالوہاب کی صحبت میں رہے جو ان کے ساتھ بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ پھر جیسا کہ انہوں نے بیان کیا ہے ان کے بڑے بھائی عبدالوہاب جن کی صحبت میں انہوں نے علمی میدان میں بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ ۷۵۰ ہجری میں وفات پا گئے۔ آخر میں مصنف نے اپنے جملہ اسلاف صالحین کے حق میں دعائے مغفرت کی ہے۔

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا مصنف کتاب ہذا نے ابتدا میں اپنے بڑے بھائی کمال الدین عبدالوہاب کی صحبت میں علمی مشاغل جاری رکھے جس کے بعد انہوں نے مزید حصول تعلیم کے لیے دیگر علمائے عصر سے رجوع کیا۔ جیسا کہ انہوں نے خود بیان کیا ہے قرآن پاک انہوں نے ۷۱۱ ہجری میں حفظ کر لیا تھا (البدایہ والنہایہ: ج ۱۴' ص ۳۱۲) اور علم تجوید بھی حاصل کیا تھا۔

داؤدی [1] نے انہیں قاریوں میں شمار کیا ہے اور انہی کے سلسلے میں ان کا ذکر کیا ہے [2] اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان سے قرأت و حدیث کا علم ان کے ہم عصر بہت سے لوگوں نے حاصل کیا ہے۔ یعنی ان سے قرأت و احادیث کی سماعت کی ہے جب کہ خود ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے صحیح مسلم کا درس ۹ مجالس میں شیخ نجم الدین عسقلانی سے لیا ہے اور ان احادیث کی قرأت وزیر العالم ابی القاسم محمد بن محمد بن سہل ازدی غرناطی اندلسی نے کی تھی جن کی وفات قاہرہ میں ۲۲ محرم ۷۳۰ ہجری میں ہوئی۔ مرحوم ۷۲۴ ہجری میں دمشق ہوتے ہوئے حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

ابن کثیرؒ نے اپنے بزرگ استاد شہاب الدین الحجار المعروف ابن شحنہ سے دار الحدیث اشرفیہ میں ایام تشویات کے دوران میں جیسا کہ انہوں نے ان کے ذکر کے ضمن میں بیان کیا ہے بالا جازت وسماعی حیثیت میں قریباً ۱۵۰۰ احادیث کی اجازت ابلاغ حاصل کی تھی۔ شیخ شہاب الدین الحجار ابن شحنہ کی وفات بالتحقیق ۱۰۰ سال بلکہ اس سے کچھ زیادہ عمر میں ہوئی تھی۔ ان کا سال وفات ابن کثیر نے ۷۳۰ ہجری بتایا ہے۔ (التاریخ ج ۱۴' ص ۱۵۰)

ابن کثیرؒ نے فقہ کی تعلیم شیخین یعنی کمال الدین الفزاری اور کمال الدین بن قاضی شہید سے حاصل کی اور فروع شافعیہ میں کتاب التنبیہ مصنفہ شیرازی اور مختصرات الحاجب اصول میں پڑھے نیز حافظ ابوالحجاج مزی کے پاس رہ کر ان کی عظیم تالیف جو سیر الرجال کے موضوع پر ہے پڑھی۔ اس کتاب کا نام ''تہذیب الکمال'' ہے جس کے کچھ حصے ابن کثیر نے موصوف کی بیٹی زینب سے سنے۔ ویسے ابن کثیرؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور انہوں نے علامہ موصوف سے بہت کچھ سیکھا ہے' انہوں نے علامہ موصوف کی آرا پر عمل کیا جس کی وجہ سے انہیں اکثر امتحانات سے گزرنا پڑا اور تکالیف اٹھانا پڑیں۔

---

[1] شمس الدین محمد بن علی بن احمد داؤدی مصری متوفی ۹۴۵ ہجری۔ واضح رہے کہ ابن جزری نے ابن کثیر کو طبقات قراء میں شامل نہیں کیا۔ (مرتب نسخہ بیروت' لبنان)

[2] جیسا کہ حوالے کی دوسری کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ جس ابن کثیر کا داؤدی نے ذکر کیا ہے وہ اس کتاب تاریخ کے مصنف ''ابن کثیر'' کے علاوہ دوسرے حافظ ومفسر ابن کثیر تھے جن کا شمار صف اوّل کے سات قاریوں میں ہوتا ہے۔ ان کا پورا نام عبداللہ بن کثیر مکی تھا اور وہ علم قرأت میں اہل مکہ کے امام تھے۔ وہ تابعین سے بھی قدیم شخصیت ہیں۔ ابن زبیر بن مالک نے ان کا سال ولادت ۴۵ ہجری اور سال وفات ۱۲۰ ہجری بتایا ہے۔ (مرتب نسخہ بیروت)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کتاب ہذا کے مصنف ابن کثیرؒ اپنے ہم عصر علماء میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے ان کے ساتھ ان کے بے شمار تلامذہ نے زانوئے تلمذتہ کیا ہے اوران کی تعریف وتوصیف میں ہمیشہ رطب اللسان رہے ہیں۔

علمی تبحر:

حافظ ذہبی نے حافظ ابن کثیر کا ''طبقات الحفاظ'' میں ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ ممکن ہے عنقریب میرے شیوخ میں شامل ہو جائیں (الطبقات الحفاظ ج ۴' ص ۲۹) اور حافظ ذہبی کی یہ پیشگوئی واقعتہً صحیح ثابت ہوئی کیونکہ حافظ ذہبی ابن کثیرؒ کی وفات سے بہت قبل وفات پا گئے۔ ان کی وفات ابن کثیر کی وفات سے ۲۶ سال پہلے ہوئی۔ حافظ ذہبی نے اپنی مذکورہ بالا کتاب ''طبقات الحفاظ'' میں ابن کثیر کو متعدد اوصاف سے متصف کرتے ہوئے لکھا ہے: ''میں نے انہیں فقیہ کے علاوہ ابن شحنہ ابن الرداد اور دوسرے لوگوں سے مفتی محدث' ذی الفضائل' عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر بصروی شافعیؒ کہتے سنا ہے۔ لوگوں نے ان سے فقہ' علم الرجال وغیرہ میں بہت استفادہ کیا ہے۔ وہ متعدد کتب کے مصنف ومؤلف ہونے کے علاوہ فن استنباط واستخراج میں کمال رکھتے ہیں اور اپنے زمانے کے بہت بڑے مفسر ہیں۔

حافظ ذہبیؒ نے انہیں ''معجم المختص'' میں ''امام' مفتی' محدث البارع' فقیہ' متفنن محدث متقن اور مفسر نقال'' لکھا ہے جب کہ ابن حجر وغیرہ نے ابن کثیر کو حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے ان جملہ صفات سے متصف کیا ہے۔

مصنف کے ایک شاگرد شہاب الدین بن حجی کہتے ہیں: ''ہم نے انہیں حفاظ میں افضل ترین پایا۔ کیونکہ ہم نے ان سے کتب احادیث کے متن بالکل اس طرح سنے جیسے کوئی بہترین حافظ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے نیز ہمیں ان کی علمی فضیلت اس طرح معلوم ہوئی کہ وہ مطالب ومفاہیم قرآن وحدیث کے استخراج میں کمال رکھتے ہیں اور انہیں اس کی صحت واسقام پر مکمل عبور حاصل ہے جس کا اعتراف ان کی تقاریر سننے والے جملہ بزرگان علوم دین بھی کرتے ہیں' انہیں تمام تفاسیر وتواریخ زبانی یاد ہیں' وہ کسی بات کو بہت کم بھولتے ہیں' وہ حد سے زیادہ سمجھ رکھنے والے فقیہ اور صحیح الذہن عالم ہیں' انہیں کتاب التنبیہ از اوّل تا آخر حفظ ہے' عربی زبان وادب پر انہیں مکمل عبور حاصل ہے' وہ شعر گوئی میں بھی درجہ کمال پر فائز ہیں' میں نے اکثر اوقات ان کی صحبت میں گزارے ہیں اور ان کے علم وفضل سے استفادہ کیا ہے''۔ (کتاب الدارس از نعیمی)

ان کے ایک دوسرے شاگرد ''تذکرۃ الحفاظ'' میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ص ۵۸) ''ہمارے بزرگ عالم ابوالحجاج نے اکثر وبیشتر ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایک بڑے درجے کے مفتی' معلم' ناظر' فقہ وتفسیر ونحو میں منفرد و امتیازی حیثیت کے حامل اور علم الرجال وسیر رجال کے علاوہ منطقی استدلال میں کمال رکھتے ہیں''۔

حافظ ابن حجرؒ ابن کثیرؒ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب ''الدرالکامنۃ'' میں کہتے ہیں: ''مزی نے ان سے بہت استفادہ کیا ان سے کتاب ''تہذیب الکمال'' پڑھی' وہ انہیں اپنی اکلوتی بیٹی پر ترجیح دیتے تھے' ان کی محبت کی وجہ سے ابن تیمیہ کی قربت حاصل کی جس کی وجہ سے مشکلات میں بھی پڑے۔ وہ خود یعنی ابن کثیر کثیر الاستحضار تھے' انہیں حسن مزاح سے کمال واقفیت حاصل تھی' ان کی جملہ تصانیف ان کی زندگی ہی میں شہر شہر جا پہنچی تھیں' جن سے ان کی وفات کے بعد بھی لوگ استفادہ کرتے رہے' محدثین و

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مفسرین کے لیے قرآن وحدیث سے استخراج میں ان کے طریق عمل پر چلنا (قریباً) ناممکن ہے' انہیں مسائل فقہ حل کرنے میں کمال حاصل ہے' انہوں نے ان مسائل اور ان کے جوابات کو مختصراً اپنی کتاب ''ابن الصلاح'' میں یکجا کر دیا ہے جس سے اکثر لوگ مستفید ہو رہے ہیں''۔

سیوطی نے طبقات الحفاظ کے ذیل میں ابن حجر کی رائے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ''وہ (ابن کثیرؒ) محدثین کی عام ڈگر پر نہیں چلے بلکہ استخراج و مفاہیم میں) ان سے الگ ایک نئی راہ نکالی''۔ سیوطی نے اس کے بعد کہا ہے۔ ''وہ علم حدیث میں کمال رکھتے ہیں'' انہیں احادیث کی صحیح معرفت حاصل ہے اور اضافی (من گھڑت) احادیث کو فوراً پہچان لیتے ہیں' انہیں ان میں اختلافات کے اسباب وعلل کا علم بھی بدرجہ کمال حاصل ہے' وہ اس پر استدلال میں بھی کمال رکھتے ہیں' اہم اصول حدیث میں بھی ان کا قول حرف آخر ہوتا ہے اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے۔ سیوطی ہی نے یہ بھی کہا ہے۔ ''ان کی تفاسیر ایسی ہیں کہ اس طرح کوئی دوسرا مفسر اس پر قادر نہیں ہوسکتا۔ ان کی عظیم تفسیر سے لوگ استفادہ کرتے ہیں جن کی مثالیں ہم نے بہت ہی مختصر دی ہیں تیز ان کے جملہ اوصاف کو بھی مختصراً ہی بیان کیا ہے''۔

علامہ عینیؒ نے ابن کثیرؒ کے بارے میں جو کچھ کہا اسے ابن تغری بردی نے اپنی کتاب ''النجوم الظاہرہ'' میں نقل کیا ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: ''وہ (ابن کثیرؒ) قدوۃ العلماء والحفاظ تھے اور عمدۃ اہل معانی والالفاظ تھے' انہوں نے جو کچھ سنا اسے بطریق احسن مدون کر دیا' انہوں نے تصانیف پیش کیں اور (مختلف علوم کے) درس دیے۔ حدیث وتفسیر اور تاریخ میں ان کی معلومات لاجواب تھیں' وہ تدوین علوم وتحریر میں بے مثل شہرت رکھتے تھے' علم حدیث وتفسیر وتاریخ کی ان پر انتہا ہوگئی' انہوں نے متعدد مفید تصانیف و تالیفات چھوڑی ہیں''۔

علامہ شمس الدین بن ناصران کی صفات بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ''الرد الوافیر'' میں فرماتے ہیں: ''امام' علامہ' حافظ عماد الدین ثقۃ المحدثین' عمدۃ المؤرخین اور اعلم المفسدین تھے''۔

مصنف البدایہ والنہایہ کے بارے میں ابن حبیب نے جو کچھ کہا اور جسے داؤدی نے طبقات القراء میں اور ابن عماد نے اپنی کتاب ''الشذرات'' میں نقل کیا وہ یہ ہے:

امام ذوی التسبیح والتہلیل' زعیم ارباب التاویل (ابن کثیرؒ) نے احادیث سنیں اور انہیں مدون کیا اور دوسری (متعدد) تصانیف پیش کیں' لوگ ان کی خطابت سے مسرور ومحظوظ ہوتے تھے۔ ان کی مرتب کردہ احادیث سے لوگوں نے استفادہ کیا اور وہ شہر شہر پھیل گئیں ان پر علم وتاریخ وحدیث وتفسیر کی ریاست گویا ختم ہوگئی۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''انباء والغمر'' میں اور ابن العماد نے ''شذرات'' میں ان کے بارے میں جو توصیفی دو شعر پیش کیے ہیں وہ آج تک زبان زد خاص وعام ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی صحبت وخدمت میں رہ کر انہوں نے جو علمی' دینی اور اخلاقی تربیت حاصل کی اس نے نہ صرف انہیں علم وفضل میں ایک امتیازی حیثیت بخشی بلکہ اس سے دوسروں نے بھی بعد میں بہت استفادہ کیا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

وہ اپنی رائے میں استحکام واستقلال رکھتے تھے' وہی کچھ فرماتے تھے جن کا ثبوت ودلائل صحیح رکھتے تھے' نہ اپنے مذہب و عقائد میں متعصب تھے نہ اس سلسلے میں دوسروں سے تعصب رکھتے تھے' ان کی تفسیر جلیل بڑی عظیم تصنیف ہے' جس سے ہم نے ان کے شافعی المذہب ہونے کے بارے میں استفادہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس تفسیر میں اپنے عقائد کے لحاظ سے ایک حرف بھی نہیں لکھا' وہ جو بات کہتے ہیں اس کے لیے ان کے پاس دلائل کی کثرت ہوتی ہے۔ انہوں نے مسئلہ طلاق پر گفتگو کرتے ہوئے بدلائل ثابت کیا ہے کہ ایک بار طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے اور ہم نے اسے ان کے دلائل کے تحت صحیح پایا ہے انہوں نے اس سلسلے میں بڑی اذیتیں برداشت کیں اور بڑے سخت امتحانوں سے گزرے لیکن ہمیشہ صابر وشاکر اور ثابت قدم رہے' ان کا صبر فی سبیل اللہ تھا۔

وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خاص انصار میں شامل تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے شیخ یعنی شیخ الاسلام اور قاضی القضاۃ تقی الدین السبکی کے مابین وجوہ اختلاف کیا ہیں لیکن انہوں نے اس معاملے میں سختیوں پر سختیاں جھیلنے کے باوجود شیخ الاسلام سے اپنا فدایانہ ونیاز مندانہ تعلق نہیں توڑا۔ انہوں نے ان حوادث کا ذکر جو انہیں ۷۴۳ ہجری میں پیش آئے التاریخ جلد ۱۴ میں وضاحت کے ساتھ کیا ہے۔ جب وہ دمشق میں قیام پذیر تھے تو ان سے جیسا کہ انہوں نے خود اپنی کتاب تاریخ میں بیان کیا ہے قاضی القضاۃ کے دارالافتاء کی متعدد مجالس میں فتوؤں پر دستخط کے لیے خصوصاً یتیموں کے مال میں غیر مستحقین کے حق میں تصرف کے بارے میں دستخط پر زور ڈالا گیا لیکن انہوں نے ان پر کبھی دستخط نہیں کیے جب کہ ان پر قاضی جلال الدین بن حسام الدین حنفی کے دستخط موجود تھے اور اس کے بعد ان پر صرف قاضی القضاۃ تقی الدین السبکی شافعی نے دستخط کیے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دمشق کی ان مجالس سے نجات دلا کر مصر بھیج دیا جہاں انہیں طلب کیا گیا تھا۔

یہ فقط اہل علم کے تقویٰ کا کمال ہو سکتا ہے:

جب ان کی شہرت مصر ودمشق سے دوسرے اسلامی ممالک تک پہنچ چکی تھی تو اسی زمانے (۷۶۳ ہجری) کا ذکر کرتے ہوئے وہ خود بیان کرتے ہیں: (ج ۱۴ ص ۲۹۴۔۲۹۵)

''ایک نوجوان بلاد تبریز وخراسان سے بظاہر یہ ارادہ لے کر میرے پاس آیا کہ مجھ سے بخاری ومسلم' جامع المسانید اور زمخشری کی کشاف پڑھے لیکن وہ پہلے درس بخاری میں (غالباً) میرا امتحان لینے کے لیے شریک ہوا جس کے بعد مطمئن ہو کر (دوسرے اسباق میں شرکت کے بعد) بولا:

اگر آپ کی اجازت ہو تو میں یہ احادیث (آپ کی تشریحات کے ساتھ) اپنے ہم وطنوں کو جا کر سنا دوں کیونکہ آپ کے علم وفضل کی شہرت وہاں تک پہنچ چکی ہے''۔

ان سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''جامع المسانید'' بھی ابن کثیر کی کتابوں میں شامل ہے اور اس کی شہرت بھی بلاد مشرق تک پہنچی ہو گی جسے مذکورہ بالا نوجوان نے ان سے سبقاً سبقاً پڑھا ہو گا اور پھر اپنے وطن پہنچ کر اسے حفظ کرنے کے بعد دوسروں کو سنائی ہو گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ابن کثیرؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے جسے ان کے شاگرد ان کی زبانی سن کر لکھ لیتے ہوں گے اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پھر وہ اسی طرح نقل در نقل ہوتی ہوئی مذکورہ بلادِ شرق تک پہنچی تھی۔

ابن کثیر کے اوصاف میں اور ان کے کردار کی خوبیوں میں یہ وصف بطور خاص قابل ذکر ہے کہ ان سے جب بھی کسی ایسے مسئلے میں فتویٰ طلب کیا گیا جو بظاہر ارادے کے لحاظ سے صرف استفتاء تک محدود تھا لیکن اس میں فتوے کے خواہشمند کی درحقیقت کوئی سیاسی غرض بھی شامل تھی یا انہیں اس میں اس کی کسی ذاتی غرض کا ذرا سا بھی شبہ ہوا تو انہوں نے ہمیشہ اصول فقہ وشریعت کو پیش نظر رکھا خواہ اس میں فتویٰ طلب کرنے والا کوئی مبتدحا کم ہی نہ رہا ہو۔ اور اس کے خلاف منشاء فتویٰ صادر کرنے میں اس کے بغض وغضب کا اندیشہ ہی کیوں نہ رہا ہو۔ ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر انہوں نے اپنے حالات ۷۶۲ ہجری میں کیا ہے حالانکہ اس فتوے پر بڑے بڑے قاضیوں اور مشائخ کے دستخط موجود تھے اور ان کے دستخطوں کے بعد باقی مفتیوں نے بھی دستخط کر دیئے تھے لیکن چونکہ ان کے نزدیک طالب فتویٰ کی اس میں ذاتی غرض مضمر تھی اس لیے انہوں نے اس پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو اس تاریخی کتاب کی جلد ۱۴ صفحات ۲۸۱-۲۸۲)

ایسے ہی ایک دوسرے واقعے کا ذکر ان کے حالات کے ضمن میں ملتا ہے جو ۷۶۷ھ میں پیش آیا تھا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ اس سال باغی فرنگیوں کی ایک کثیر تعداد جبراً اس وقت اسکندریہ میں داخل ہوگئی تھی جب کہ وہاں نائب السلطنت اور اسلامی لشکر موجود نہیں تھا۔ ان فرنگیوں نے اسکندریہ میں داخل ہو کر قتل و غارت کی انتہاء کر دی‘ کوئی گھر ان کی لوٹ مار سے نہیں بچا۔ انہوں نے ہزاروں مسلمان عورتوں اور بچوں کو قید کیا اور سمندر کے اسی راستے سے جس سے وہ اسکندریہ آئے تھے واپس چلے گئے۔

یہ خبر جب دمشق پہنچی تو وہاں ایک کہرام مچ گیا‘ واعظوں نے مساجد کے منبروں سے شام کے مسلمانوں کے جذبات میں آگ لگا دی جب کہ عوام پہلے ہی اس سانحہ فاجعہ پر شب و روز ماتم کر رہے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کا مشتعل ہونا ایک فطری بات تھی چنانچہ انہوں نے شام کے نصرانیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہا جو ان کے ہم مذہبوں نے اسکندریہ کے مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا بلکہ کچھ مسلمان تو جذباتی طور پر اس کے مرتکب بھی ہو گئے۔ انہوں نے نصرانیوں کی عورتوں کو بھی اسی طرح قید کر لیا جس طرح فرنگیوں نے ان کی عورتوں کو قید کیا تھا اور پھر انہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

جب ان جذباتی طور پر عمل کرنے والے مسلمانوں کی اس کارروائی کے بارے میں حاکم دمشق نے قاضیوں اور مفتیوں سے فتویٰ طلب کیا تو ان میں سے اکثر نے بحالت غیض جذبات سے مغلوب ہونے والے ان مسلمانوں کی اس انتقامی کارروائی کو حق بجانب قرار دیا۔ ان کا مقصد بلاشبہ ان مسلمانوں کی تالیف قلوب کے علاوہ حاکم دمشق کی خوشنودی حاصل کرنا بھی تھا جس نے نصرانی خواتین میں سے ایک خوش حال خاتون کو اپنے لیے پسند کر لیا تھا لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے اس موقع پر بھی اسلامی شریعت کے مطابق اصول پرستی کا ثبوت دیا‘ انہوں نے ان مسلمانوں کی اس انتقامی کارروائی کے خلاف فتویٰ دیا اور تمام نصرانی خواتین کو اس مذکورہ بالا خوش جمال خاتون سمیت باعزت رہائی کو شریعت اسلامی کی رو سے لازمی قرار دیا تاکہ مسلمانوں پر نصرانیوں کا اعتماد متزلزل نہ ہونے پائے جیسا کہ اسلامی قوانین کی رو سے اس کی وضاحت احکام اسلام میں موجود ہے۔ یہ تھا حافظ ابن کثیر کا حقیقی مفتی کی حیثیت سے اسلامی کردار۔ انہوں نے اسی طرح ہمیشہ اسلامی احکام عدل کو پیش نظر رکھا اور ذاتی مفاد یا کسی حاکم کی ناراضگی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کا کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں کیا۔ (ملاحظہ ہو زیر نظر کتاب کی ج ۱۴ ص ۳۱۴۔۳۱۵ اور ۳۱۸)

انہوں نے ذمی نصرانیوں اور یہودیوں کے مطالبات وحقوق اور ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کی اسلامی احکام کی رو سے ہمیشہ حمایت ووکالت کی لیکن جب ان سے کچھ نصرانی پادریوں کی طرف سے ایک خط کے ذریعہ کچھ ایسے جانوروں کی حلت وحرمت کے بارے میں گدھے کی شمولیت کا شک ہوتا تھا فقہ اسلامی کی رو سے فتویٰ طلب کیا گیا تو انہوں نے بلا جھجک اس کے خلاف فتویٰ تحریر کر کے بھیج دیا' گدھے کو نصرانی یہودی مذاہب میں بھی حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو زیر نظر کتاب کی ج ۱۴ ص ۳۱۹۔۳۲۰)

مذہبی عقائد:

ابن کثیرؒ نے اپنے مذہبی عقائد کے بارے میں کبھی بحث ومباحثہ کو دخل نہیں دیا بلکہ صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے شاگردوں اور ان کے معتقد رہے ہیں۔

ان کی فتوؤں کے سلسلے میں صاف گوئی وحق پرستی نے انہیں آخر عمر میں بھی اکثر مشکلات ونقصانات سے دوچار کیا لیکن جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا انہوں نے ہر کام فی سبیل اللہ کیا اور ہر تکلیف پر صبر واستقامت کا ثبوت دیا۔ ان کا انتقال بروز جمعہ ۲۶ شعبان ۷۷۴ھ ہجری کو ہوا اور ان کی تدفین ان کی وصیت کے مطابق شیخ الاسلام کے مقبرے کے پاس دمشق کے باہر مقبرۂ ملوئیہ میں ہوئی۔ ابن ناصر کے بقول "ان کے جنازے میں بے شمار لوگوں نے شرکت کی"۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ان کی مغفرت فرمائے۔

تصنیفات وتالیفات:

ابن کثیرؒ کی تصانیف وتالیفات بے شمار ہیں جن کی صحیح تعداد بتانا ہمارے لیے فی الحال ناممکن ہے کیونکہ ان میں سے اکثر اب مفقود ہیں اور اگر وہ کہیں موجود بھی ہیں تو اب تک ان کی نشاندہی نہیں ہو سکی۔ البتہ انہوں نے اپنی کتب تفسیر میں جگہ جگہ حسب موقع ان کی طرف اشارے کیے ہیں۔ بہرحال جو اس وقت دستیاب ہیں یا اُن کی نشان دہی ہمارے محترم المقام بھائی علامہ شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ نے اپنی کتاب "اختصار علوم الحدیث" میں کی ہے ان کی فہرست وتفصیلات درج ذیل ہیں:

① **التفسیر:** ہم نے اس کتاب کا مختصر ایڈیشن شائع کیا ہے اور اس پر مقدمہ بھی لکھا ہے۔

② **البدایہ والنہایہ:** یہ نہایت نفیس اور مشہور تاریخی کتاب پہلی بار ۱۳۵۸ھ ہجری میں مصر میں طبع ہوئی۔ اسے خود مصنف نے ۱۴ جلدوں یا حصوں میں تقسیم کیا ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس میں تخلیق کائنات سے لے کر اپنی وفات سے ۶۰ سال قبل تک یعنی ۷۶۸ھ تک کے تاریخی حالات درج کیے ہیں۔ اس کے بعد ۶ سال کے دوران میں اس کتاب میں شامل کرنے کے لیے اپنی وفات ۷۷۴ھ ہجری تک جو حصے مرتب کیے وہ ابھی تک کہیں سے شائع نہیں ہوئے لیکن اس کی طرف کتاب کے نام کے دوسرے حصے "النہایہ" سے اشارہ ملتا ہے ظاہر ہے کہ اگر مصنف موصوف برضائے الٰہی ۷۷۴ھ ہجری میں وفات نہ پا جاتے تو یہ کتاب اپنے نام کے لحاظ سے کئی اور جلدوں یا اور حصوں پر مشتمل ہوتی۔

③ **السیرة النبویہ:** یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری لیکن مصنف موصوف نے ان کی طرف اپنی کتاب "السیرۃ" میں قرآن شریف کی سورۂ احزاب کی تفسیر کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ اس طویل کتاب یعنی "السیرۃ" کو ہم نے کئی حصوں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میں مکمل شائع کیا ہے۔

④ **السیرۃ**: یہ مصنف موصوف کی مندرجہ بالا پہلی کتاب کا مختصر ایڈیشن ہے جو مصر میں ''الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول'' کے نام سے ۱۳۵۸ھ ہجری میں شائع ہوا۔ ''السیرۃ'' کا یہ مختصر ایڈیشن جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یقیناً نامکمل ہے۔ خدا جانے یہ ایڈیشن خود مصنف موصوف نے مرتب کیا تھا یا اسے مصری مکتبہ نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ البتہ اس مختصر ایڈیشن کے مقدمہ میں مصنف سے منسوب کردہ یہ الفاظ ملتے ہیں: ''ایام نبوت اور تاریخ اسلام پر مشتمل یہ مجمل و مختصر حصہ میں نے اس زمانے کے بارے میں اپنی ابتدائی معلومات کی حد تک لکھا ہے۔'' اس کے بعد مذکورہ بالا مقدمہ میں مصنف سے منسوب کردہ یہ الفاظ درج کیے گئے ہیں: ''میرا ارادہ ہے کہ اس مختصر حصے کے بعد جو رسول اللہ ﷺ کے حسب ونسب آپؐ کے ایام نبوت اور تاریخ اسلام کے کچھ مابعد حالات پر مشتمل ہے اپنی زندگی کے آخری ایام ملک کے تاریخی حالات مکمل طور پر لکھوں۔'' تاہم ''السیرۃ'' کا مطبوع خاص وعام وہی مکمل نسخہ ہے جسے مدینہ منورہ میں مکتبہ عارف حکمت نے شائع کیا ہے لیکن اس نسخے کو بھی کتابت وطباعت کے لحاظ سے یقیناً ناقص ہی کہہ سکتے ہیں۔

⑤ **اختصار علوم الحدیث**: یہ اس نام کی کتاب یعنی ''علوم الحدیث'' کا مختصر ایڈیشن ہے جو مکہ مکرمہ میں طبع اور وہیں سے شائع ہوا۔ اس کی اصطلاحات پر مبنی مقدمہ ابن الصلاح نے لکھا ہے۔ ہم نے یہ نسخہ مع شرح دوبار شائع کیا ہے جس کا ذکر ہم نے ضمناً صفحہ ۲۷ پر کر دیا ہے۔

⑥ **جامع المسانید والسنن**: اس کتاب کا ذکر شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ نے اپنی کتاب موسومہ ''الهدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن'' میں کیا ہے جس میں شیخ موصوف نے بقول خود ''مسند امام احمدؒ، البزار، ابی یعلیٰ اور ابن ابی شیبہ میں درج احادیث کے علاوہ صحاح ستہ میں مندرج احادیث کو بھی یکجا کر دیا ہے۔'' لیکن ہمیں یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ شیخ موصوف نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں اس اعلان کے باوجود اسے مکمل نہیں کیا۔ کیونکہ اس کتاب کی صرف چار جلدیں ''دارالکتب مصریہ'' نے شائع کی ہیں اور آخری جلد مسند ابی ہریرہ میں درج احادیث پر مبنی ہے اور اس میں بھی مرتب نے مسند امام احمدؒ میں درج احادیث کے علاوہ حرف جیم کے تحت تابعین کی بیان کردہ احادیث بھی ''روایت ابی ہریرۃ'' کہہ کر شامل کر دی ہیں اور ان احادیث کے راویوں کے نام ''جعفر بن عیاض مدنی'' یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور امام احمدؒ بتائے ہیں۔ یہ آخری جلد ۲۶۹ اوراق پر مشتمل ہے اور اس میں بھی مسند ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور مسند امام احمدؒ سے منقول احادیث میں جگہ جگہ اکثر وبیشتر اصطلاحات شامل کر دی ہیں۔ تاہم ہم نے اس جلد میں کہیں ''البزار، ابی یعلیٰ اور ابن ابی شیبہ'' کا حوالہ نہیں پایا جب کہ اس میں صحاح ستہ کا بطور اشارات ذکر موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اس جلد کے مسودے میں بھی کسی جگہ اصل مصنف کی قلم بند کردہ کوئی تحریر تلاش بسیار کے باوجود نہیں پائی۔ اس لیے (محققین کے لیے) ضروری ہے کہ ان ساتوں جلدوں کے مسودات (قلمی نسخوں) کو یکجا کر کے جو مجموعی طور پر ۲۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں مزید تحقیق کی جائے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

⑦ التکمیل فی معرفة الثقات والضعفا والمجاهیل: اس کتاب میں ابن کثیرؒ نے اپنے دو شیوخ المزی اور الذہبی کی علی الترتیب دو کتابوں "تہذیب الکمال" اور "میزان الاعتدال" کو یکجا کر کے ان پر جرح وتعدیل کے ذریعہ اسے درحقیقت ایک مستقل تصنیف بنا دیا ہے۔

⑧ مسند شیخین: ابی بکر وعمر (رضی اللہ عنہما)

⑨ رساله فی الجهاد: (یہ کتاب چھپ چکی ہے)

⑩ طبقات شافعیه: مع مناقب امام شافعیؒ۔

⑪ المدخل الی کتاب السنن مصنفہ بیہقی کے مختصر ایڈیشن کی ترتیب وتنقیح۔

⑫ المقدمات: اس کتاب میں مصنف نے مصطلحات پر تحقیقی مواد جمع کر دیا ہے۔

⑬ تخریج احادیث أدلة التنبیه فی فروع الشافعیه.

⑭ تخریج احادیث مختصر ابن حاجب فی الاصول.

⑮ شرح صحیح بخاری: صحیح بخاری کی یہ شرح مصنف نے شروع کی تھی لیکن اسے تکمیل تک نہ پہنچا سکے جس کا ذکر انہوں نے اپنی (دوسری) کتابوں میں بار بار کیا ہے۔

⑯ کتاب الاحکام: یہ کتاب (اپنے موضوع کے لحاظ سے) ایک عظیم کتاب ہے لیکن (افسوس ہے کہ) اسے مصنف موصوف پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ اور یہ عظیم کتاب احکام حج پر ختم ہو کر رہ گئی۔ (ترجمہ از نسخہ بیروت لبنان)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کتابیات

(مصنف کے سوانح حیات وتصنیفات کے مآخذ)

البدایہ والنہایہ (ابن کثیرؒ کی عظیم تاریخی کتاب)	جلد ۱۶ مطبوعہ مصر، ۱۳۵۸ھ
تذکرۃ الحفاظ مصنفہ ذہبی	طبع حیدر آباد (دکن) ۱۳۳۴ھ
الدارس (تاریخ مدارس) مصنفہ نعیمی	حصہ اوّل مطبوعہ دمشق ۱۳۶۷ھ
الدرر الکامنہ مصنفہ حافظ ابن حجر	حصہ اوّل مطبوعہ حیدر آباد (دکن) ۱۳۴۸ھ
ذیول تذکرۃ الحفاظ مصنفہ حسینی	مطبوعہ مصر، ۱۳۴۷ھ
ذیول تذکرۃ الحفاظ مصنفہ سیوطی	مطبوعہ مصر، ۱۳۴۷ھ
النجوم الظاہرہ مصنفہ ابن تغری بردی	جلد ۱۱، مطبوعہ دار الکتب مصریہ ۱۳۶۹ھ
شذرات الذہب مصنفہ ابن عماد	جلد ۶، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۱ھ
الرد الوافر مصنفہ ابن ناصر الدین	مطبوعہ مصر ۱۳۲۹ھ
سوانح حیات مصنف علامہ شیخ محمد عبد الرزاق حمزہ جوان کی تصنیف ''اختصار علوم الحدیث'' میں بطور مقدمہ شامل ہے اور اس کی شرح ہماری ہے۔	مطبوعہ مصر، ۱۳۷۰ھ

(اخذ وترجمہ از نسخہ بیروت لبنان)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سب تعریف اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعز شانہٗ کے لیے ہے جو اوّل و آخر ہے' اوّل اس لیے کہ اس سے قبل کوئی چیز نہیں تھی اور آخر اس لیے کہ وہ قدیم ہونے کے علاوہ جملہ اشیائے کائنات کے مقابلے میں یعنی برعکس جومٹ جانے والی ہیں واجب الوجود اور لم یزل ہے۔ اسی نے ہر چیز حیوانوں' انسانوں' جنوں اور فرشتوں کو تخلیق کر کے ان کی مقدار تقدیر معین کر دی ہے۔

اسی نے آسمانوں کو بے ستون بلند کر کے ٹھہرایا اور انہیں کواکب اور دوسرے روشن اجرام سماوی سے مزین کیا' اسی نے آسمان میں چمکتے ہوئے چاند اور سورج بنائے' اسی نے آسمانوں سے اوپر عرش عظیم وعالی بالکریم مسکن کیا جسے ملائکہ کرام اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے گرد و پیش ملائکہ مقربین علیہم السلام حاضر رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بے شمار فرشتے ادھر اُدھر موجود رہتے ہیں نیز ایسے ستر ہزار فرشتے اور ہیں جو اس آسمان تک پہنچ کر لوٹتے نہیں اور دوسرے فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے دوسری مخلوقات عالم کے لیے پانی پر زمین کو ٹھہرایا اور اسے پہاڑوں سے مستحکم کیا اور زمین میں پانی سے مخلوقات کے لیے رزق پیدا کیا۔ یہ سب تخلیق سماوات سے چار روز قبل پیدا کیا اور زمین پر ہر چیز کو جوڑوں میں پیدا کیا اور یہ سب کچھ بنی نوع انسان کے لیے پیدا کیا جن میں وہ حیوانات بھی شامل ہیں جو انسانوں کی خوراک کا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو مٹی سے تخلیق کیا' پھر اسے مادہ منویہ سے درجہ بدرجہ گوشت پوست اور ہڈیوں میں تبدیل کر کے انسانی شکل بخشی نیز اسے سماعت وبصارت عطا فرما کر ہر طرح مکمل فرمایا اور اس کی زندگی کے لیے کوئی چیز مطلق باقی نہ چھوڑی۔ اس کے علاوہ اسے علم کا شرف بخشا۔

اللہ تعالیٰ ہی نے نوع انسانی کا آغاز تخلیق آدم سے کیا یعنی پہلے اس کا جسم بنایا۔ پھر اس میں رُوح پھونکی جس کے بعد فرشتوں نے آدم کو اس کے حکم سے سجدہ کیا۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ٹھہرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہی سے حضرت حوا کو پیدا کیا جو ام البشر ٹھہریں۔ پھر ان دونوں کو اپنی وحدت عطا فرما کر جنت میں ٹھہرایا جس کے بعد انہیں زمین پر اتار کر ان کی اولاد میں کثرت سے مرد وزن پیدا کیے اور انہیں مختلف طبقات میں تقسیم کیا یعنی کسی کو بادشاہ بنایا اور کسی کو رعایا' کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر اور یہ سب کچھ اس نے اپنی خاص حکمت سے کیا کہ کسی کو آزاد پیدا کیا اور کسی کو اس کا غلام بنایا۔ اس نے بنی نوع انسان کو زمین کے طول وعرض پر اس کے اطراف واکناف میں ہر طرف پھیلایا' انہیں ایک دوسرے سے مختلف بنایا' یہ بھی اسی کی حکمت ہے۔

اسی نے بنی نوع انسان کے لیے سمندر اور دریا نیز جھرنے اور چشمے پیدا کیے اور انہیں انکی ضروریات زندگی کے حصول کا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ذریعہ بنایا۔ اس نے انسان کے لیے زمین وآسمان اوران کے اندر جو کچھ ہے مسخر کر دیا۔ اسی نے انسان کے لیے بادل پیدا کر کے ان سے بارش برسائی اوراس سے اس کے لیے زراعت وآثار پیدا کیے' اس نے انسان کے حال وقال کے مطابق ہر چیز عطا فرمائی۔ یہ سب اس کا انسان پر احسان عظیم ہے۔ حیف صد حیف کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ان ظاہر وباہر نعمتوں سے مستفید ومستفیض ہوتے ہوئے بھی اس سے منحرف ہو کر ظالم وجاہل ٹھہرا حالانکہ اس نے وقتاً فوقتاً اپنے انبیاء ومرسلین کے ذریعہ بنی نوع انسان پر اپنے احکام وہدایات پر مشتمل آسمانی صحائف نازل کیے اور کتابیں اُتاریں اوران میں تخلیق کائنات سے لے کر یوم قیامت تک کی تمام تفصیلات شامل فرما دیں۔

چنانچہ وہ شخص بڑا سعادت مند اور خوش نصیب ہے جس نے ان قرآن پاک اوراحادیث نبوی کے ذریعہ فراہم شدہ خبروں کی تصدیق کی اور انہیں صدق دل سے تسلیم کیا نیز قرآن میں جو اوامر ونواہی موجود ہیں انہیں بخوشی قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہوا جس کی وجہ سے اس نے جہنم کے دردناک عذاب سے نجات پائی۔

میں اس ذات پاک وبے ہمتا کا حد درجہ شکر گزار ہوں جس نے ہم انسانوں کو زمین وآسمان کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اس کا کوئی شریک وسہیم ہے نہ عدیل ومثیل' اس کی بادشاہت قدیم اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ اس کا کوئی عدید وندید ہے اور نہ قسیم۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ واحد اور لاشریک ہے۔ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ اس کا کوئی مصاحب ومشیر ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول اوراس کے حبیب وخلیل ہیں۔ محمد مصطفیٰ عربوں کے شریف ترین شخص ہیں' مالک حوض کوثر اور شافع روز محشر ہیں' وہ خاتم الانبیاء ہیں جن کا پرچم روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مقام محمود پر قائم ہوگا۔ جس کے سائے میں پناہ لینے کے لیے مخلوقِ خداوندی صرف اسی طرف رُخ کرے گی حتیٰ کہ جملہ انبیاء ومرسلین حضرت ابراہیم خلیل اللہ سمیت آپؐ کے اس پرچم کے سائے میں آنے کے خواہش مند ہوں گے۔ آپؐ کے صحابہ کرام پر سلام جنہوں نے آپ کی مکمل پیروی کر کے ظلمت شب کو روز روشن کے نور میں تبدیل کر دیا۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد خلاصہ کائنات ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس حمد وثنا کے بعد اب یہ بندہ ناچیز خدائے بزرگ وبرتر کے حسنِ توفیق' اس کی امداد واعانت اوراس کی بخشی ہوئی طاقت کے سہارے زیر نظر کتاب میں تخلیق کائنات ومخلوقات تخلیق عرش وکرسی وسماوات' تخلیق زمین اوراس میں جو کچھ ہے' تخلیق ملائکہ و جنات وشیاطین' کیفیت تخلیق آدم علیہ السلام' قصص انبیاء اور بنی اسرائیل تک ان کے جملہ حالات وکوائف سے لے کر نبی کریم ﷺ کی نبوت تک تاریخی حالات بیان کرے گا جن سے امید واثق ہے کہ بنی نوع انسان کی شرح صدور کے علاوہ ان کے باطنی و روحانی امراض کا مداوا اور صحیح علاج ممکن ہوگا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اس کے بعد ہم اس کتاب میں ان حالات وکوائف کا ذکر کریں گے جو ہمارے زمانے تک گزرے اوراس کے ساتھ حشر و نشر اور روز قیامت کے حالات' دوزخ اوراس کی کیفیت' جنت اوراس کے حسین وجمیل مناظر نیز دوسری متعلقہ باتیں اور وہ جملہ باتیں جو احادیث نبوت اور علمائے کرام کے توسط سے ہم تک پہنچی ہیں بیان کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اسرائیلات کے بارے میں صرف وہی باتیں بیان کریں گے جنہیں بیان کرنے کی شارع اسلام علیہ السلام نے ہمیں اجازت دی ہے اور یہ کہ ان میں اور قرآن پاک میں بیان کردہ قصص میں کوئی تضاد نہیں ہے تاہم ان کی تصدیق یا تکذیب کی ذمہ داری بحیثیت مؤرخ...... ہم پر عائد نہیں ہوتی ہم تو صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے یہاں انہیں مختصر بیان کرنے کے لیے اس کی توفیق کے مستدعی ہیں۔[1] و ھو المستعان.

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین یعنی قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَ قَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے نبی علیہ السلام کے لیے ازمنۂ ماسبق' اپنے اولیاء واعداء کا ذکر فرمایا لیکن اسی حد تک جو آپ کی امت کے لیے بھی کافی اور وافی وشافی ہو۔ بہرحال آپ سے ہم تک جو کچھ پہنچا اسے ہی بیان کرنے پر ہم نے اکتفا کیا ہے اور وہی بیان کیا ہے جو امت مسلمہ اور بنی نوع انسان کے مفید مطلب ہو۔ البتہ ہم نے ان بیانات کو اس کتاب میں شامل کرنے سے احتراز کیا ہے جن میں علماء و مؤرخین سے سہواً غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ یا ان میں اکثر و بیشتر باہمی اختلافات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث جسے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں درج کیا ہے یہ ہے۔

ترجمہ: ''میری بیان کردہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو دوسروں تک پہنچا دو۔'' آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ترجمہ: ''اگر اس میں کوئی قباحت نہ ہو تو بنی اسرائیل کا ذکر کرو' میرے بیانات کے بارے جھوٹ نہ بولو (کیونکہ) جس نے میرے بیانات کے بارے میں جھوٹ بولا اس کی مقعد آگ سے بھری جائے گی۔'' یہ بات آپ نے اسرائیلات کے اذکار کے بارے میں ارشاد فرمائی جن کے بارے میں ہمارا خاموش رہنا ہی مناسب ہے۔ ہمیں ان کی تصدیق یا تکذیب کی ضرورت نہیں' ہم نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے مآخذ کے بارے میں اعتماد و اعتبار پر مبنی ہے۔ البتہ شریعت کی رُو سے ہمارے نزدیک جو باتیں مصدقہ ہیں ہم نے ان کو بیان کرنا ضروری سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو رسول بخشا وہ سب رسولوں سے برتر ہے اور اس پر جو کتاب نازل فرمائی وہ سب کتب آسمانی سے برتر و افضل ہے کیونکہ دوسری تمام کتب آسمانی میں تحریف و تغیر' خلط ملط اور تبدیلیاں نیز تنسیخ اور اضافے ہو چکے ہیں۔

ہماری احتیاج وہ کلام ربانی ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت باسعادت سے ہم تک پہنچا اب کوئی اسے سمجھے یا نہ سمجھے جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا: ''قرآن میں تم سے پہلے اور تمہارے بعد کی جملہ خبریں موجود ہیں' اس میں جو احکام ہیں ان کے صدور کا فصل بھی ضروری تھا اور وہ بے محل نہیں ہے' جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول کیا وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس نے اس کے علاوہ کسی اور کی ہدایت کو قبول کیا اور ان پر عمل کیا وہ گمراہ ہے''۔

حضرت ابوذر (غفاری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات تک ہر بات سے آگاہ فرمایا حتیٰ کہ جو پرندہ اپنے پروں سے اڑتا ہے اس کے بارے میں بھی ارشاد فرمادیا اور اس سے ہمیں باخبر فرمایا''۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب احادیث صحیح بخاری میں تخلیق کائنات کے آغاز میں ذکر کیا ہے۔ عیسیٰ بن موسیٰ غنجار سے حوالہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رقیہ، قیس بن مسلم اور طارق بن شہاب مروی ہے کہ آخر الذکر نے انہیں بتایا کہ ایک روز جب رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے ساتھ کھڑے تھے تو آپؐ نے تخلیق کائنات سے لے کر اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک تمام کوائف ہم سے بیان فرمائے۔ بہر حال جس نے انہیں یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا بھلا دیا۔ یہ روایت ابو مسعود دمشقی اور امام بخاریؒ نے بھی بیان کی ہے جسے عیسیٰ غنجار نے ابی حمزہ اور رقیہ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

یہی روایت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں یوں بیان فرمائی ہے:

''ہم سے ابو عاصم[1]، عذرہ بن ثابت، علبا بن احمر یشکری اور حضرت ابوزید انصاری نے بیان کیا:'' (ایک روز) رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ صبح کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد آپ منبر پر تشریف فرما ہو کر ظہر تک ہم سے خطاب فرماتے رہے۔ پھر ظہر کی نماز کے بعد اسی طرح ہم سے عصر تک خطاب فرمایا' پھر عصر کی نماز سے فراغت کے بعد مغرب تک اسی طرح ہم سے خطاب فرمایا اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد ہم سے خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنے ان جملہ خطبوں میں تخلیق کائنات سے لے کر تا قیام قیامت تمام کوائف کا ذکر فرمایا اور ہم نے انہیں اپنے حافظے میں محفوظ کر لیا۔''

اسی روایت کو قریباً اسی طرح اپنے طریقے سے امام مسلمؒ نے اپنی کتاب احادیث ''صحیح مسلم'' میں عنوان کتاب الفتن کے تحت یعقوب بن ابراہیم الدورقی' حجاج بن شاعر کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا' کہ ان جملہ حضرات کی بیان کردہ یہ حدیث نبویؐ اصلاً یکے بعد دیگرے ابی عاصم ضحاک بن مخلد، نبیل بن عذرہ، علبا، ابی زید بن عمرو بن اخطب بن رفاعہ انصاری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

---

[1] مصنف کے اس نسخے میں یہی یعنی ابو عاصم لکھا ہے لیکن ایک دوسرے نسخے میں ابو عامر ہے جب کہ دونوں جگہ راویوں کے نام ایک ہی ہیں اس لیے ہم اس نام کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ (محمود الامام)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فصل:1

خالق ومخلوق:

اللہ تعالیٰ نے اپنی عزیز ومقدس کتاب میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ اس لیے درحقیقت وہی ہر چیز کا خالق اور باقی تمام اشیاء اس کی مخلوق ہیں اور وہی ان جملہ مخلوقات کا منتظم حقیقی ہے اور اس کا عرش وہ چھت ہے جو سطح ارضی سے تحت الثریٰ تک اس مخلوقات جامد وناطق کے اوپر قائم ودائم ہے اور اس کی ذات قدیم ولم یزل ان جملہ مخلوقات کی معبود ہے اور یہ مخلوقات اسی کے قہر وقدرت کے تحت مختلف کاموں پر مامور ہیں اور اسی کے تصرف اور مشیت کے تحت اپنے اپنے کام کررہے ہیں اور وہی ذات پاک ہمہ وقت ان کے ساتھ ہے اور اسے ان کے ہر کام کی خبر اور بصیرت حاصل ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

تمام بڑے بڑے عالم اس بات پر متفق ہیں اور انہیں اس میں مطلق شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ روز میں تخلیق فرمایا۔ البتہ اگر اس ضمن میں ان کے درمیان کوئی بظاہر اختلاف ہے تو صرف اتنا کہ آیا ان چھ دنوں سے وہی دن مراد ہیں جن کا ہم اس دنیا میں شمار کرتے ہیں یا ان سے جیسا کہ بتایا گیا وہ ایام مراد ہیں جن میں سے ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے نیز یہ کہ آیا زمین اور آسمانوں کے درمیان ان چھ دنوں سے قبل بھی کوئی شے تخلیق ہوئی تھی یا نہیں؟ اس موضوع پر ہم آگے چل کر مدلل گفتگو کریں گے جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں اس آیہ مبارکہ پر کر چکے ہیں۔ ویسے بعض صلحایہ کہتے ہیں کہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے قبل ان کے درمیان کوئی شے موجود نہیں تھی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ تھی' اور اس کے ثبوت میں وہ قرآن سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ یعنی اس نے زمین اور آسمانوں کو چھ روز میں پیدا کیا جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔

جیسا کہ حدیث عمران میں موجود ہے اور جس کا ہم آگے چل کر انشاء اللہ مفصل بیان کریں گے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ تخلیق کائنات سے قبل خدا کے سوا کوئی شے موجود نہیں تھی اور یکبارگی عدم سے وجود میں آئی۔ عمران بن حصین کی حدیث:

"کان اللّٰہ و لم یکن قبلہ شیء و کان عرشہ علی الماء ...... الخ".

امام احمدؒ' بہز' حماد بن سلمہ' ابویعلی' ابن عطاء' وکیع بن حدس اور ان کے چچا رزین لقیط بن عامر عقیلی کے حوالے سے روایت فرماتے ہیں کہ آخرالذکر نے ایک روز رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: "یارسول اللہ (ﷺ) زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے قبل ہمارا رب کہاں تھا؟" اس سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: "وہ لامکاں میں تھا جس کے اوپر اور نیچے (بے نام) ہوائی خلا تھا' پھر اللہ نے اپنا عرش پانی پر تخلیق فرمایا"۔

امام احمدؒ نے یہی روایت حدیث مبارکہ یزید بن ہرون اور حماد بن سلمہ کے حوالے سے بیان کی ہے اور اس میں سوالاً جواباً

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وہی الفاظ مقرر کیے ہیں جن کا استخراج ترمذیؒ نے کرتے ہوئے اسے روایت حسن کہا ہے' تاہم ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث احمد بن منیع' ابن ماجہ' ابی بکر بن ابی شیبہ اور محمد بن صباح کے الفاظ میں یزید بن ہارون کے حوالے سے بیان کی ہے۔ البتہ اس بارے میں علمائے دین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کونسی چیز تخلیق فرمائی۔ بہرحال کچھ علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اس کے بعد باقی تمام اشیاء تخلیق فرمائیں۔ ابن جریر اور ابن جوزی نے بھی یہی بات اختیار کی ہے جب کہ ابن جریر کہتے ہیں کہ قلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے رقیق بادل پیدا فرمایا' تاہم ان جملہ اصحاب نے اس حدیث مبارکہ پر اتفاق کیا ہے جو امام احمدؒ' ابوداؤدؒ' ترمذی اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ حدیث مبارکہ یہ ہے: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تخلیق فرمایا اور قلم نے (اس کے حکم سے) پھر وہ تمام موجودات کون ومکان جو روز اوّل سے تا قیام قیامت وجود میں آنے والی تھیں۔ رقم کر دیں۔" اس حدیث مبارکہ کی روایت میں یہ امام احمدؒ کے الفاظ ہیں۔

تاہم اس حدیث کو حسن اور صحیح کے ساتھ غریب بھی لکھا ہے لیکن حدیث نبوی کے جن الفاظ پر جمہور علمائے دین کا اتفاق ہے اور جنہیں حافظ ابوالعلاء ہمدانی وغیرہ نے نقل کیا وہ "انّ العرش مخلوق قبل ذالک" ہیں (سب سے پہلے یعنی قلم سے بھی پہلے عرش کی تخلیق ہوئی) یہ بہرحال ابن جریر کی روایت ہے جو انہوں نے ابن عباس کے حوالے سے پیش کی ہے اور اسی کی سند پر اسے مسلمؒ نے اپنی کتاب احادیث صحیح مسلم میں درج کیا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی اضافہ کیے ہیں کہ ہم سے ابوطاہر نے یکے بعد دیگرے احمد بن عمر بن سرح' ابن وہب' ابوہانی خولانی' ابی عبدالرحمٰن الحبلی اور عبداللہ بن عمر ابن العاص کے حوالے سے بیان کیا کہ آخرالذکر کے بقول انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "اللہ تعالیٰ نے ارض وسماوات کی پچاس ہزار سال میں تخلیق سے قبل جملہ موجودات کی تصاویر بنادی تھیں۔" اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "ان جملہ مخلوقات سے قبل قلم کی تخلیق ہوئی"۔

اس حدیث کی تائید کرتے ہوئے بخاریؒ نے عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اہل یمن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا کہ موجوداتِ عالم میں سب سے پہلے کس چیز کی تخلیق ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ وجودِ باری تعالیٰ سے قبل کوئی شے نہیں تھی۔ تاہم بعض روایات میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں:

و کان عرشه علی الماء و کتب فی الذکر کل شی و خلق السموات والارض.

البتہ تخلیق عالم کے سلسلے میں اہل یمن نے حدیث کے وہ الفاظ بیان نہیں کیے جو ابن رزین کی روایت کردہ حدیث میں ہیں جنہیں ہم نے سطور بالا میں من وعن نقل کیا ہے۔ البتہ ابن جریر اور متاخرین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے قبل پانی پیدا فرمایا تھا۔ سدی نے ابن مالک' ابی صالح' ابن عباس اور مرہ ابن مسعود کے حوالے نیز متعدد دوسرے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کیا ہے کہ ان اللہ کان عرشه علی الماء و لم یخلق شیئا غیر ما خلق قبل الماء. یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور پانی سے قبل کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے تخلیق نہیں فرمائی تھی۔

بہرحال ابن جریر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ عزوجل نے نور وظلمت تخلیق فرمائے پھر انہیں ایک دوسرے سے ممیز کرنے کے لیے ظلمت کو شب تاریک' اور نور کو روز روشن کی شکل عطا فرمادی۔"

ابن جریر کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی کہا ہے کہ "ہمارے رب نے قلم کے بعد کرسی' کرسی کے بعد عرش کی تخلیق فرمائی۔ جس کے بعد ہوا اور ظلمت پیدا کیے اور ان کے بعد پانی پیدا کیا اور اس پر اپنا عرش مقرر فرمایا۔" واللہ اعلم بالصواب

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فصل 2:

صفاتِ عرش:

عرش وکرسی کی صفات جو قرآن شریف میں بیان ہوئی ہیں وہ یہ ہیں:

① ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾

② ﴿رَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ ذُوالْعَرْشِ﴾

③ ﴿فَتَعَالَی اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ﴾

④ ﴿لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ﴾

⑤ ﴿وَھُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ذُوالْعَرْشِ الْمَجِیْدُ﴾

⑥ ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾

⑦ ﴿اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّ عِلْمًا﴾

⑧ ﴿وَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَھُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمَانِیَۃٌ﴾

⑨ ﴿وَ تَرَی الْمَلٰٓئِکَۃَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَ قُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ وَ قِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾

دعائے کرب میں ذکر عرش:

اس کے علاوہ صحیح میں جو دعائے کرب آئی ہے اس میں عرش کا ذکر یوں آیا ہے:

لا الہ الا اللّٰہ العظیم الحلیم ○ لا الہ الا اللّٰہ رب العرش الکریم ○ لا الہ الا اللّٰہ رب السموات و رب الارض رب العرش الکریم.

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور یحییٰ بن علا نے اپنے چچا شعیب بن خالد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخرالذکر سے سماک بن حرب نے عبداللہ بن عمیرہ' احنف ابن قیس اور عباس بن عبدالمطلب کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز وہ آنحضرت ﷺ کے پاس مکے میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپؐ نے آسمان کی طرف دیکھ کر بادل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے دریافت فرمایا: یہ جو تم دیکھ رہے ہو؟ مذکورہ بالا اصحاب نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ (ﷺ) یہ بادل ہیں''۔ اس کے بعد آپؐ نے دریافت فرمایا: ''کیا ان میں مزن (بارش) نہیں ہے؟'' ۔ ہم نے عرض کیا:

''جی حضور بارش بھی ہے'' ۔ اس کے بعد آپؐ نے ہم سے پوچھا: ''اور عنان؟'' ۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ سن کر ہم چپ رہے کہ اسے اللہ اور اس کا رسولؐ جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: ''سحاب وعنان میں پانچ سو سال کی مسافت ہے''۔ اس کے بعد مذکورہ بالا اصحاب کے بقول آپؐ نے فرمایا: ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک راستہ کھلا ہوا (صاف) ہے اور ساتویں آسمان کے اوپر اور نیچے خلائی بحر ہے جیسا زمین اور پہلے آسمان کے درمیان ہے' ساتویں کے اوپر آٹھ چڑھائیاں ہیں ویسی ہی جیسی زمین اور پہلے آسمان کے درمیان میں ہیں۔ جن کے بعد نشیب وفراز ہیں عرش کی پہنائی ہے جو عرش الٰہی کہلاتی ہے اور اتنی بلندیوں سے اللہ تعالیٰ کو بنی آدم کے ہر عمل کا علم ہوتا رہتا ہے''۔

یہ حدیث مبارکہ امام احمدؒ کے الفاظ میں مروی ہے جسے ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ اور ترمذیؒ نے اپنے اپنے ہاں سماک کی بیان کردہ حدیث بتا کہ نقل کیا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کو ترمذیؒ نے حدیث حسن بتایا ہے۔ ویسے اس حدیث کی روایت میں کئی دیگر حضرات شریک ہیں اور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث اصلاً سماک کی روایت کردہ ہے جس میں جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کچھ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔

مذکورہ بالا جملہ باتوں کے بارے میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بحث چلی تو آپؐ نے فرمایا: افسوس ہے تم پر کیا تم عرش و فرش اور ارض وسماوات اور ان کے درمیان جو خلائی فضا وغیرہ ہے اس کے بارے میں اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش ان سب پر محیط اور اس کی ذات پاک عظیم ترین ہے۔ (ترجمہ مفہومی۔شادانی)

ابن بشار کی روایت اس حدیث کی لفظی توسیع کے بارے ہیں ان اللّٰہ فوق عرشہ فوق سموتہ ہے جس کے بعد حدیث نبوی ختم ہوتی ہے۔ اس حدیث کو عبدالاعلیٰ' ابن مثنیٰ اور ابن بشار نے بھی یعقوب بن عقبہ' جبیر بن محمد بن جبیر اور آخر الذکر کے والد اور دادا کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو احمد بن سعید کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے صحیح بتایا ہے۔

اس حدیث کی صحت پر جس جماعت کو اتفاق ہے ان میں یحییٰ بن معین اور علی بن مدینیؒ بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے اس حدیث کو ایک اور جماعت نے بھی روایت کیا ہے۔ بہر حال احادیث کا جو نسخہ ہمیں دستیاب ہوا ہے اس میں اس حدیث کو عبدالاعلیٰ' ابن مثنیٰ اور ابن بشار کی سماعت سے منسوب کیا گیا ہے اور اس سے استخراج ابوداؤد نے کیا ہے۔

بہر حال حافظ ابوالقاسم بن عساکر دمشقی نے اس حدیث کے خلاف اور اس کی رد میں جزوی طور پر باقاعدہ ایک کتابچہ لکھا ہے اور اس کا نام ''بیان الوھم و التخلیط الواقع فی حدیث الاطیط'' رکھا ہے اور اس کے راویوں میں سے صرف محمد بن اسحٰق پر طعنہ زنی کی ہے اور اس میں لوگوں کے کلام کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اس لفظ کا ذکر ابن اسحٰق کے علاوہ متاخرین کے ہاں اس حدیث کے سلسلے میں اکثر ملتا ہے مثلاً عبد بن حمید اور ابن جریر نے اس کی شرح کرتے ہوئے اور ابن ابی عاصم اور طبرانی نے اپنی کتابوں ''کتاب السنۃ'' میں اسی عنوان سے اس حدیث کا ذکر کیا ہے نیز بزار نے اپنی مسند اور حافظ ضیا مقدسی نے اپنی کتاب ''مختارہ'' میں ابی اسحٰق سبیعی کے ذریعہ عبداللہ بن خلیفہ اور حضرت عمر بن خطاب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ''ایک عورت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے (مرنے کے بعد) جنت میں داخل فرمائے''۔ تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کا ذکر فرماتے ہوئے اس عورت سے فرمایا:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''کیا تم جنت اور خدائے بزرگ و برتر کے عرش و کرسی کو اپنی دنیاوی فضا کی طرح کوئی محدود چیز سمجھ بیٹھی ہو''۔ اور مذکورہ بالا راویوں کے بقول جنت اور عرش و کرسی کی پہنائی اور اس کی وسعت کا ذکر فرماتے ہوئے اسی لفظ ''اطیط'' کا اضافہ فرمایا۔ عبداللہ بن خلیفہ کے نزدیک بہر حال یہ حدیث غیر مشہور اور اس میں حضرت کا حوالہ محل نظر ہے اور جن دوسرے راویوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اسے ''حدیث مرسل'' ٹھہرایا ہے اور ہمارے خیال میں بھی اس میں غریب اضافے ہیں۔ واللہ اعلم

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا کرو تو اس سے فردوس کا سوال کیا کرو جو جنت کے اعلیٰ و اوسط درجات ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے''۔ اس حدیث نبوی کو ہمارے شیخ حافظ مزی نے ''حدیث حسن'' میں بتائے ہوئے لفظ ''فوقہ'' کی جگہ ''اعلاھا'' اور اس کے بعد ''عرش الرحمٰن'' لکھا ہے۔ ویسے بعض کتب احادیث میں راویوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''اہل فردوس عرش کی طرف سے آئی ہوئی ''اطیط'' (آواز بھی سنیں گے جو (درحقیقت) اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تعظیم ہو گی''۔ جس کا مطلب فردوس سے اللہ تعالیٰ کے عرش کی قربت ہے۔

مجموعہ احادیث صحیح میں درج ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سعد بن معاذ کی موت سے عرش خوش ہوا''۔

حافظ بن حافظ محمد ابن عثمان بن ابی شیبہ اپنی کتاب صفت العرش میں بعض اسلاف حوالے سے لکھتے ہیں کہ عرش کی تخلیق یاقوت احمر (سرخ) سے ہوئی اور اس کا قطر ایک طرف سے دوسری طرف تک پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے اور جیسا کہ ہم نے ارشاد باری تعالیٰ عزاسمہٗ کے ارشاد ﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَ الرُّوحُ اِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے عرض کیا ہے کہ ارشاد ربانی کے مطابق ملائکہ اور روح کے یومیہ صعود کی مسافت پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے۔ اور یہ کہ عرش سے زمین کی طرف فرشتوں اور روح کی یہ آمد و رفت ہر بار پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہوئی۔ متکلمین میں سے بعض کے نزدیک کہ عرش جو مستویر ہے اپنی ہر جانب سے عالم پر محیط ہے اور اسی لیے عرش کو فلک نہم اور فلک اطلس و اثیر کا نام دیا ہے لیکن یہ بات شرع سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ عرش کو ملائکہ اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے پائے ہیں انہیں کوئی اٹھائے ہوئے ہیں جب کہ کسی آسمان کے پائے نہیں ہیں اور وہ بے ستون قائم ہیں یعنی انہیں کوئی اٹھائے ہوئے نہیں ہے۔ پھر یہ کہ عرش جنت کے اوپر ہے اور جنت آسمانوں کے اوپر ہے اور جنت کے سو درجات ہیں اور ان کے ہر درجے کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی درجے کے فاصلے کے برابر ہے۔ چنانچہ عرش و کرسی کے مابین جو فاصلہ ہے اسے آسمان کے درمیانی فاصلے سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عربی لغت کے لحاظ سے عرش سریر یعنی تخت کا ہم معنی لفظ ہے اور ویسا ہی تخت جیسا بادشاہوں کا ہوتا ہے اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''عرش عظیم'' ہے جو قطعی طور پر فلک نہیں ہو سکتا نہ اہل عرب اسے فلک سمجھ سکتے ہیں۔ چونکہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اہل عرب عرش کو فلک کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ اس لیے عرش واقعتہً ایک تخت ہے، اس میں پائے ہیں اور اسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ جیسا کہ کہا گیا ہے ایک گنبد کی شکل ہے جو مخلوقات کی چھت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ یعنی وہ فرشتے ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ان کے چاروں طرف اپنے رب کی حمد میں مصروف رہتے ہیں' اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں جو اس پر ایمان لائے ہیں۔ یہ فرشتے جیسا کہ ہم حدیث اوعال میں پہلے بیان کر چکے ہیں تعداد میں آٹھ ہیں اور عرش کو اپنی پشتوں پر لیے ہوئے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمَانِیَةٌ ﴾ (اور تیرے رب کا عرش ہر روز آٹھ فرشتے اٹھائے رہتے ہیں)۔

شہر بن حوشب کہتے ہیں: عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں یا عرش اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جن میں سے چار فرشتے کہتے رہتے ہیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ لَکَ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی حِلْمِکَ بَعْدَ عِلْمِکَ.

اور چار فرشتے یہ کہتے رہتے ہیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی عَفْوِکَ بَعْدَ قُدْرَتِکَ.

جو حدیث اس بارے میں امام احمدؒ نے روایت کی ہے اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں: ہم سے عبداللہ بن محمد یعنی ابوبکر بن ابی شیبہ اور عبدۃ بن سلیمان نے محمد بن اسحاق' یعقوب بن عقبہ' عکرمہ اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے امیہ یعنی ابن ابی صامت کے جن اشعار کو سن کر "سچ کہا" فرمایا وہ یہ ہیں:

رجل و ثور تحت رجل یمینه و النسر الاُخری و لیس مرصد

و الشمس تطلع کل آخر لیلة حمراء مطلع لونها متورد

تأبی و لا تبل و لنا رسلها الا معذبة و اِلّا تجلد

ان اشعار کے بارے میں چونکہ آنحضرت ﷺ نے "سچ کہا" ارشاد فرمایا جو صحیح الاسناد راویوں اور ثقہ اصحاب سے مروی ہے اس لیے ثابت ہوا کہ عرش الٰہی کے حامل چار چار فرشتے ہیں جو ہر روز یکے بعد دیگرے اسے اٹھائے رہتے ہیں۔ یا اللہ ان چار فرشتوں کے بارے میں ان کی تعداد و صفات کا جو اثبات ہم نے ان اسناد کی بناء پر کیا وہ اگرچہ حدیث اوعال سے متعارض ہے لیکن اس کی ہم تردید بھی نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم

صفاتِ کرسی:

ابن جریرؒ نے جویبر کے ذریعہ حسن بصریؒ کے حوالے سے جو حدیث بیان کی ہے اسے ضعیف بتایا گیا ہے۔ آخر الذکر کہتے ہیں کہ درحقیقت کرسی ہی عرش ہے لیکن اس حدیث کی روایت حسن بصریؒ سے منسوب کرنا درست نہیں ہے کیونکہ کرسی کے بارے میں دیگر صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم بلکہ خود حضرت بصریؒ نے کہا ہے وہ یہ ہے کہ کرسی عرش کے علاوہ دوسری چیز ہے اور انہوں نے اس کے ثبوت میں قرآن کی آیہ شریفہ ﴿وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ پیش کی ہے اور کہا ہے کہ کرسی وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا علم محفوظ ہے۔ کرسی کے بارے میں صحیح حدیث کا مرجع ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور اس حدیث کو حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں بیان کیا ہے تاہم انہوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو دوسروں کے علی الرغم سفیان ثوری کی طرح عمار دھنی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مسلم بطین، سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش نہیں کیا بلکہ اس کا استناد شیخین (رضی اللہ عنہما) سے کیا ہے اور انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ کرسی کو موضع قدمین کہہ سکتے ہیں لیکن عرش کی مقدار و وسعت کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔

اس روایت کو شجاع بن مخلد الفلاس نے اپنی تفسیر میں درج کرتے ہوئے اسے ''حدیث مرفوع'' بتایا ہے اور اس کی صحت کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان پر موقوف ظاہر کیا ہے۔ ویسے کرسی کا بیان جو ابن جریر سے ابوموسیٰ اشعریؓ، ضحاک بن مزاحم، اسماعیل بن السدی الکبیر اور مسلم البطین کے حوالے سے مروی ہے اس میں السدی کے بقول کرسی کو عرش کے نیچے بتایا گیا ہے۔ السدی نے یہ بھی کہا ہے کہ زمین اور تمام آسمان کرسی کے درمیان ہیں اور خود کرسی عرش کے درمیان ہے۔

ابن جریرؒ نے ابن ابی حاتم اور ضحاک کی طرح بیان کیا ہے کہ آسمان سات ہیں اور زمینیں بھی پہلے سات طبقات میں منقسم تھیں لیکن بعد میں ایک ساتھ جڑ کر کرسی کی وسعت میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) ایک جگہ سمٹ گئیں۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے یونس اور ابن وہب نے ابن زید کی زبانی بتایا کہ آخر الذکر سے ان کے والد نے بیان کیا کہ ان کے والد کو ابوذر (رضی اللہ عنہ) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بتایا کہ ''کرسی عرش سے ایک لوہے کے حلقے کی طرح ملحق ہے جیسے میری کمر کے گرد خاکی دائرہ ہو اور کمر اس دائرے سے ملحق ہو''۔ لیکن یہ حدیث مرسل ہے اور ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے بیان پر ختم ہو جاتی ہے اور ان سے بطریق موصول روایت کی گئی ہے۔

حافظ ابوبکر بن مردویہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں سلیمان بن احمد طبرانی، عبداللہ بن وہب مغربی، محمد بن ابی حریر عسقلانی اور محمد بن عبداللہ تمیمی نے قاسم بن محمد ثقفی، ابی ادریس خولانی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

> ''جس ذات پاک کے قبضے میں میری جان ہے اس قسم کی سات آسمان اور سات زمینیں (زمین کے سات طبقات) اس کے ماسوا کہ وہ کرسی کے گرد (نزدیک) حلقہ بنائے ہوئے ہیں (اور کرسی بھی اس حلقے میں) شامل ہے اور کچھ نہیں اس لیے جس طرح کسی اصل شے کو حلقے پر فضیلت ہوتی ہے اسی طرح عرش کو کرسی پر فضیلت حاصل ہے''۔

ابن جریر اپنی کتاب تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابن وکیع نے کہا کہ ان کے والد یعنی ابن وکیع کے والد نے ابن وکیع سے سفیان، اعمش، منہال بن عمر اور سعید بن جبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ ان اصحاب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے بیان کے بیان کے بارے میں جو انہوں نے دجل کے حوالے سے بیان کیا تھا سوال کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عرش تخلیق عالم سے قبل پانی پر تھا تو پھر پانی کس چیز پر تھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ پانی فن ہوا پر تھا اور جملہ آسمان زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب کا سب اس چیز کے گرد حلقہ زن تھا جسے کرسی کہا جاتا ہے معبہ ابن ہیکل سے بھی اسی طرح کی ایک حکایت مروی ہے۔ ویسے وہب نے ہیکل کی تشریح یوں کی ہے کہ وہ ایسی چیز ہے جس کے گرد آسمانوں اور زمینوں نے فضا کے الحاق سے حلقہ بنا رکھا ہے جسے طناطا کی طنابوں سے اسے روک رکھا ہو اور یہی ہیکل کرسی ہے بعض ہیئت دان کہتے ہیں کہ کرسی سے درحقیقت آٹھواں آسمان مراد ہے جس میں ستارے ثبت ہیں اور اسی لیے اسے ثوابت یعنی ٹھہرے ہوئے ستاروں کا آسمان کہا جاتا ہے اس خیال کو جو ہیئت دانوں نے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پیش کیا ہے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے یہ کہہ کر محل نظر قرار دیا ہے کہ اگر یہ نظریہ تسلیم کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس فلک ہشتم کو باقی دوسرے سات آسمانوں سے بڑا تسلیم کیا جائے جو حدیث نبوی سے اس بارے میں متضاد ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس نظریہ کو تسلیم کیے بغیر بھی وہ کرسی کو تمام آسمانوں اور زمین کے طبقات پر محیط سمجھتے ہیں لیکن یہ کوئی آسمان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ عربی لفظ کرسی کو کسی عربی لغت میں فلک کا مترادف نہیں بتایا گیا۔ ویسے بھی اسلاف نے کرسی کو عرش کا درمیانی حصہ بتایا ہے اور اس سے بھی اس کا فلک ہونا ثابت نہیں ہوتا' دوسرے یہ کہ جسے فلک ہشتم ان ہیئت دانوں نے ظاہر کیا ہے اس میں ستاروں کے جڑے ہونے کا کوئی ثبوت انہوں نے پیش نہیں کیا۔

جو جملہ نظریات اور ان کے بارے میں اختلافی نظریات بھی ان لوگوں کی متعلقہ کتابوں میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم

لوح محفوظ کا ذکر:

حافظ ابو القاسم طبرانی فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ منجاب بن حارث' ابراہیم بن یوسف اور زیاد بن عبداللہ نے لیث' عبدالملک بن سعید بن جبیر' ان کے والد اور ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ مذکورہ بالا حضرات سے ابن عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا ہے' اس کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں' اس کا قلم نوری ہے جس نے اس لوح میں اللہ تعالیٰ کا ہر حکم اس کے نور سے لکھا ہے۔ لوح محفوظ میں ہر دن کے تین سو ساٹھ لحظے ہیں جن میں تخلیق' رزق رسانی' موت وحیات اور عروج وزوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام درج کیے جاتے ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وہ بھی لکھا جاتا ہے۔

اسحٰق بن بشیر کہتے ہیں کہ انہیں مقاتل اور ابن جریج نے مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا کہ ''لوح کے درمیان میں لا الہ الا اللہ، وحدہ دینہ الاسلام و محمد عبدہ و رسولہ لکھا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ واحد و یکتا ہے' محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا (قابل قبول) دین اسلام ہے۔ اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ''بس جو شخص خدا پر ایمان لایا' اس کے جملہ احکام قبول اور تسلیم کیے اور ان کا اتباع کیا اور اس کے رسولوں کے احکام بھی مانے وہ جنت میں جائے گا''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے اس کے علاوہ مذکورہ بالا حضرات کو ابن عباسؓ نے یہ بھی بتایا کہ لوح محفوظ ایک لوح ہے جو سفید موتی سے بنی ہے' اس کا طول زمین وآسمان کے درمیان فاصلے کے برابر ہے اور اس کا عرض مشرق ومغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اس کی جلد موتیوں اور یاقوت سے بنی ہے' اس کے اوراق بھی موتیوں اور یاقوت سرخ کے ہیں' اس کا قلم نوری ہے اور اس میں جو کلام درج ہے وہ عرش سے مقصود ہے اور اس کی اصل یعنی جڑ دودھیا پتھر کی ہے۔ آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ لوح محفوظ کے بارے میں یہ سب کچھ انہوں نے ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے سن کر بتایا ہے۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ لوح محفوظ اسرافیل کے سامنے ہے۔ ان کے علاوہ کچھ پہلے لوگوں کے بقول بھی یہ لوح اسی سمت میں ہے لیکن مقاتل کے بیان کے مطابق یہ لوح عرش کے دائیں جانب ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ۲

ارض وسماوات کی تخلیق اوران کی درمیانی اشیاء کا ذکر بلحاظ تاریخ وبحوالہ نصوص قرآنی واحادیث وتفاسیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾ ان آیات قرآنی کی تفسیر میں مفسرین میں باہم اختلافی آراء پائی جاتی ہیں یعنی اس بارے میں کہ آیا ان چھ دنوں کی مقدار کیا ہے لیکن جمہور نے ان آیات قرآنی کو اسی طرح تسلیم کیا ہے جس طرح وہ نازل ہوئی ہیں اور ان چھ دنوں کو بھی وہی دن سمجھا جو ہماری اس دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ابن عباس، مجاہد وضحاک اور وہب الاحبار کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر دن کی طوالت ہمارے ہزار سال کی طوالت کے برابر ہے۔ یہی روایت ابن حاتم اور ابن جریر کی ہے اور اسی کو امام احمدؒ نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے جس میں انہوں نے فرقہ جہمیہ کے دعاوی کی تردید کی ہے اور دوسرے بہت سے متاخرین نے بھی وہی تسلیم کیا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بتایا ہے۔ واللہ اعلم ہم اس موضوع پر آگے چل کر ان شاء اللہ مدلل گفتگو کریں گے۔ ویسے ابن جریر نے ضحاک بن مزاہم وغیرہ کے حوالے سے ان چھ دنوں کے نام ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص اور قرشت بتائے ہیں۔ ابن جریر نے ان چھ ایام کے ابتدائی تین دنوں کے بارے میں تین اقوال پیش کیے ہیں اور محمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اہل توریت کے بقول سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ابتداء یوم الاحد یعنی اتوار سے کی لیکن اہل انجیل (نصرانی) کے بقول ابتدائے تخلیق اللہ تعالیٰ نے پیر کے روز سے کی اور ہم مسلمان جیسا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوا تخلیق کائنات کی ابتدا سنیچر کے دن سے بتاتے ہیں۔ یہی قول ابن اسحاق نے متعدد مسلم فقہاء وعلمائے دین کے حوالے سے پیش کیا ہے جن میں شافعی لوگ بھی شامل ہیں۔ بہرحال ہم اس بارے میں حدیث نبوی پر مبنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت خلق اللّٰہ تربة یوم السبت اور اس کے علاوہ عنقریب وہ اقوال بھی پیش کریں گے جن میں ابتدائے تخلیق کائنات اتوار کے دن سے بتائی گئی ہے۔ ان اقوال کے راویوں میں ابن جریر ہیں جنہوں نے یہ اقوال السدی اور ابی مالک کے حوالے سے پیش کیے ہیں۔ ان دو حضرات کے علاوہ ابن جریر نے ابی صالح، ابن عباس، مرۃ ابن مسعود اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے حوالے دیے ہیں نیز انہوں نے ان میں عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی شامل کیا ہے۔ چونکہ یہی دن توریت میں آیا ہے اس لیے اکثر علمائے اسلام نے بھی اس سلسلے میں یوم الاحد یعنی اتوار کے روز کو ترجیح دی ہے اور تکمیل تخلیق کا آخری دن روز جمعہ کو قرار دیا ہے جسے مسلمان عید کے دن کی طرح سمجھتے ہیں۔ یہ جملہ بیانات ہم آگے چل کر ان شاء اللہ عنقریب پیش کریں گے۔ البتہ یہاں وہ آیات قرآنی پیش کر رہے ہیں جن میں تخلیق کائنات کا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے درجہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بدرجہ ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ...... الخ﴾ ان آیات سے یہ ثابت ہوا کہ زمین آسمان سے قبل پیدا کی گئی اور تخلیق کائنات کی بنیاد ٹھہری' جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ...... الخ﴾ پھر اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا...... الخ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے ﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ...... الخ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس کے زمین وآسمان کے درمیان فصل پیدا کیا اور وہاں ہوا پیدا کی اور پھر (آسمان سے) بارش برسائی اور زمین پر چشمے جاری کر دیئے نیز حیوان پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ﴾ آسمان میں اللہ تعالیٰ نے ٹھہرے ہوئے ستارے' سیارے' نجوم اور دوسرے روشن اجرام ساوی پیدا کیے جو خالق ارض و سماوات کی حکمت کی بین دلیل ہیں۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ﴿وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾ اس کے علاوہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے: ﴿أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا رَفَعَ سَمْكَهَا...... الخ﴾ چنانچہ بعض لوگوں نے ان آیات ربانی کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ آسمانوں کی تخلیق زمین کی تخلیق سے قبل ہوئی۔ گویا متقدمین نے اس بارے میں جو کچھ کہا وہ مندرجہ بالا دونوں آیات کی صریحی تردید کے علاوہ اس بات کا بھی صاف اظہار ہے کہ انہوں نے پہلی آیات شریفہ کے علاوہ اس آیہ قرآنی کا مفہوم بھی نہیں سمجھا۔ بایں ہمہ کہ یہ آیت صریحاً اس بات کی مقتضی ہے کہ ابتدا میں وحی ارضی اور اس سے اخراجِ آب کو جو آج بھی ہمیں صاف نظر آتا ہے سمجھا جائے اور یہ سب پہلے تخلیق ارضی اور اس کے بعد تخلیق سماوات کا بین ثبوت ہے اور زمین کی یہ اقدار پہلے ہی سے بالقوہ ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا﴾ یعنی پہلے زراعت' چشموں اور دریاؤں کی جگہوں کی تشکیل ہوئی اور پھر اسی کے بعد عالم کی سفلی وعلوی اشکال کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی جب کہ خود وحی الارض اور اس سے خارج ہونے والی چیزوں یعنی غذائی اشیاء واثمار وغیرہ اور اجزائے عیون و بحار کو ہیئت مل چکی تھی جو نبت الزرع والاثمار اور زمین سے اخراجِ آب مرعی اور ارسائے جبال اور زمین کے بارے میں جتنی دوسری چیزوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے مثلاً ﴿وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا﴾ اس سے صاف ظاہر ہے۔ اب اس آیہ شریفہ پر پھر ایک بار غور کیجیے ﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ "باید" یعنی بقوت "وانا لموسعون" سے صاف ظاہر ہے کہ آسمانوں کا صعود وہیں سے ہوا جہاں دوسری چیزیں اس کے نیچے تھیں اور انہی سے انہیں وسعت ملی۔ اس سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ کرسی کا مقام آسمانوں سے بلند تر ہے اور وہ باقی تمام چیزوں سے وسیع تر ہے اور یہ بھی کہ عرش کرسی سمیت تمام دوسری چیزوں سے عظیم تر ہے۔ اس کے بعد اس قول باری تعالیٰ پر غور کیجیے ﴿وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا﴾ جس سے مراد "بسطناها" ہے اور جعلناها مهدا یعنی ایک ساکن چیز غیر مضطرب جو تمہارے "مائدہ" کی طرح نہیں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے اور قول رب العالمین ﴿فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ﴾ ہے۔ یہاں ہر جگہ حرف ''واوٗ'' سے ترتیب وقوع نہیں ہے بلکہ اس سے لغت عربی کے مطابق مطلق خبریں مراد ہے۔ واللہ اعلم

بخاریؒ فرماتے ہیں ''مجھ سے عمر بن جعفر بن غیاث'' میرے والد (یعنی راوی کے والد) اعمش اور جامع بن شداد نے صفوان بن محرز کے حوالے سے یہ بتا کر کہ صفوان بن محرز نے عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز آخر الذکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اسی وقت وہاں کچھ اور لوگ بھی آ گئے تو آپؐ نے ان کا خیر مقدم فرماتے ہوئے فرمایا: ''آؤ بنو تمیم'' اس کے بعد کچھ اہل یمن بھی آپ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کا بھی اسی طرح خیر مقدم فرمایا جس کے بعد وہ دونوں گروہ اجتماعی طور پر یوں گویا ہوئے: ''یا رسول اللہ (ﷺ) ہم آپ سے ایک بات پوچھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کان الله و لم یکن شیء غیرہ و کان عرشه علی الماء و کتب فی الذکر کل شیء و خلق السموات والارض. کی وضاحت فرما دیجیے''۔ ابھی آپ ان لوگوں کو ان کے سوال کا جواب دینے ہی والے تھے کہ کسی شخص نے باہر سے چلا کر کہا: ''اے ابن حصین! تمہارا اونٹ بھاگ گیا ہے اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اسے ٹھیک سے باندھتا''۔

بخاریؒ نے کتاب المغازی اور کتاب توحید دونوں جگہ اس روایت کے بیان میں دونوں جگہ: ثم خلق السموات والارض. لکھے ہیں اور نسائی نے بھی یہی الفاظ لکھے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ان سے حجاج اور ابن جریج نے بیان کیا کہ انہیں اسماعیل بن امیہ نے ایوب بن خالد اُم سلمہ کے غلام عبداللہ بن رافع نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ (ایک روز) رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین سنیچر کے روز پیدا کی' پہاڑ اتوار کے روز پیدا کیے' درخت پیر کے روز پیدا کیے' مکروہات منگل کے دن پیدا کیے' روشنی بدھ کے روز پیدا کی' چوپائے جمعرات کو پیدا کیے اور اللہ تعالیٰ کی (اس سلسلے میں) آخری تخلیق حضرت آدم علیہ السلام تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے روز آخری ساعتوں میں یعنی عصر سے لے کر رات کے درمیان جو وقت ہوتا ہے اس وقت پیدا کیا۔

• یہ حدیث اسی ترتیب سے مسلم نے سریج بن یونس اور ہرون بن عبداللہ کے حوالے سے نسائی نے ہرون اور یوسف بن سعید کے حوالے سے اور محولہ بالا تینوں حضرات نے حجاج بن محمد مصیصی الاعور اور ابن جریج کے حوالے سے کم و بیش انہی الفاظ میں بیان کی ہے۔

نسائی نے اپنی تفسیر میں ابراہیم بن یعقوب جوزجانی' محمد ابن صباح' ابی عبید الحداد' اخضر بن عجلان' ابن جریج' عطاء بن ابی رباح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ (ایک روز) آنحضرت ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: اے ابو ہریرہؓ! اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سات دن میں پیدا کیا جس کے بعد وہ عرش پر ساتویں روز متمکن ہوا اور اس نے مٹی سنیچر کے روز پیدا کی''۔ اس کے بعد باقی جملہ باتیں اس حدیث کو نسائی نے اپنی تفسیر میں اسی ترتیب سے بیان کیا ہے جیسے پہلے مسلم کی روایت کردہ حدیث میں بیان ہو چکی ہے تاہم اس حدیث کے راویوں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میں ابن جریج کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہر حال اس حدیث کو علی بن مدینی' بخاری' بیہقی اور حفاظ میں کچھ دوسرے حضرات کے علاوہ بخاری نے کتاب تاریخ میں درج کیا ہے اور ان میں سے بعض نے کعب کا حوالہ بھی دیا ہے جو صحیح ترین ہے کیونکہ کعب احبار اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں عموماً ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے چنانچہ جو حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی وہ یقیناً کعب احبار نے بھی سنی ہوگی' اس لیے کعب احبار کا حوالہ اس کی یقینی صحت پر دلالت کرتا ہے اور اگر کعب نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہوگی تو انہوں نے یقیناً اس کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور کی ہوگی لیکن اگر کعب نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تحریروں سے نقل کیا ہے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: ایک عجیب بات ہے اس لیے اس حدیث کو ''احادیث مرفوع'' میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے پورے متن میں شدید غرابت پائی جاتی ہے' کیونکہ اس میں تخلیق کائنات کے ساتھ ساتھ دن کا ذکر بھی ہے جو صریحاً اس آیۂ قرآنی سے متضاد ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ زمین چار دن میں پیدا کی گئی' پھر آسمان دو دن میں پیدا کیے گئے اور وہ آسمان دھوئیں سے پیدا کیے گئے جو پانی کے بخارات ہی ہو سکتے ہیں جو پانی کے اضطراب سے پیدا ہوتے ہیں اور باقی کا یہ اضطراب یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت بالغہ کے ذریعہ زمین کی حدت سے پیدا ہوگا جیسا کہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکبیر نے ابی مالک' ابی صالح' ابن عباس' مرہ ہمدانی' ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور ضمناً آیات قرآنی ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ..... الخ﴾ کا حوالہ دیتے ہوئے تشریحاً بتایا ہے کہ حوت (مچھلی) پانی میں ہوتی ہے اور پانی صفات پر اور صفات ملک کی پشت پر اور ملک چٹانوں پر اور چٹانیں (منجمد) ہوا پر تھے اور صخرہ (چٹان) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ آسمانوں کے ساتھ لپیٹی گئی تھی نہ کہ زمین کے ساتھ پس جب حوت (مچھلی) حرکت میں آئی اور زمین متحرک ہوئی تو اسے پہاڑوں سے روکا گیا جس کے بعد وہ ٹھہر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور ان میں جو منافع بخش اشیاء ہیں ان سب کو منگل کے روز پیدا کیا' پھر اس نے بدھ کے دن پانی' مدائن' آبادیاں' خرابے وغیرہ پیدا کیے' پھر اس نے آسمانوں کو جو ایک ساتھ جڑے ہوئے تھے الگ الگ کر کے سات آسمان جو جمعرات اور جمعہ کو بنائے گئے۔ روز جمعہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس روز زمین و آسمان کی تمام مخلوقات ایک جگہ جمع ہوئیں اور انہیں ان کے جملہ امور تفویض کیے گئے۔

اس کے راوی نے مذکورہ حوالوں سے بیان کیا کہ آسمانوں کے ساتھ ہی ملائکہ' بحور' جبال جو ثلج تھے پیدا کیے۔ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ ان کے علاوہ باقی تخلیقات عالم کا اسے علم نہیں اور انہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو کواکب سے مزین کرنے کے علاوہ ان کے ذریعہ شیاطین کی راہ مسدود کی اور جب اللہ تعالیٰ اس حد تک تخلیق عالم سے فارغ ہوا تو عرش پر متمکن ہوا۔

یہ تمام باتیں جنہیں السدی نے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں بہت عجیب و غریب باتیں شامل ہیں جو اسرائیلی تذکروں سے لی گئی ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جب کعب احبار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اکثر و بیشتر وہ باتیں سنائیں جو اس وقت تک اہل کتاب میں مشہور تھیں اور انہوں نے ان باتوں کو ان سے اخلاقاً سن لیا لیکن چند باتوں کے سوا جو شرع مطہر و مبین سے مطابقت رکھتی تھیں اہل اسلام سے بیان نہ فرمائیں بلکہ انہیں رد فرما دیا تاہم کعب ہی کے ذریعہ وہ اہل اسلام میں بھی مشہور ہو گئیں اور ان کا ذکر آج تک چلا آتا ہے حالانکہ اسرائیلیات میں اکثر و بیشتر غلط باتیں راہ پا گئی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ امارت میں کعب احبار کی سنائی ہوئی باتوں کو ''پچھلے اہل کتاب میں غلط طور پر مشہور پائیں'' کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان میں سے ہم نے جو باتیں یہاں بیان کی ہیں ان میں اور اسلام میں قبول کردہ باتوں میں مطابقت پائی جاتی ہے چونکہ اسلام میں ان اذکار کا دارومدار قرآن واحادیث نبوی پر ہے۔

اب ہم ان باتوں کا ذکر کریں گے جو آئمہ کرام نے متقدمین کے حوالے سے بیان کی ہیں' تاہم ہم نے اس جملہ مواد کی تحقیق' احادیث صحیح سے کر لی ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے قتیبہ اور مغیرہ بن عبدالرحمٰن قرشی نے ابی زناد' اعرج کے حوالے سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ حدیث نبوی بیان کی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تخلیق عالم تمام ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کتاب (لوحِ محفوظ) میں جو اس کے عرش کے قریب تھی لکھوایا: ''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''۔

یہ روایت (حدیث) مسلم اور نسائی نے قتیبہ کے حوالے سے پیش کی جسے بعد میں بخاری نے اپنے ہاں درج کیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باب ۳

زمین کے سات طبقات کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾

بخاری فرماتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ کی وضاحت کے سلسلے میں ہم سے علی بن عبداللہؒ نے علی بن مبارک کے حوالے سے بیان کیا کہ ان سے یحییٰ بن ابی کثیرؒ نے محمد بن حارث' ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر اور دوسرے لوگوں کے درمیان زمین کی خصوصیات کے بارے میں جھگڑا رہتا تھا جو دشمنی کی حد تک جا پہنچا تھا اور ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: ''اے ابی سلمہ! زمین کے بارے میں جھگڑنے سے اجتناب کرو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بھی زمین کے سات طبقات کے بارے میں یعنی ان کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے متعلق جھگڑے کا فریق بنے گا قیامت کے روز بطور سزا ساتوں زمینوں کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا''۔ (ترجمہ مفہومی وتشریحی)

بخاریؒ نے اس حدیث مبارکہ کو کتاب المظالم کے تحت بھی درج کیا ہے اور مسلمؒ نے اسے اسی طرح یحییٰ بن کثیرؒ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ امام احمدؒ نے اسے محمد بن ابراہیم کی زبانی ابی سلمہ نیز یونس' ابان' یحییٰ بن ابی کثیر' ابی سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اپنی مسند میں لکھا ہے۔

بخاریؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے بشر بن محمد نے بیان کیا کہ آخر الذکر سے عبداللہ بن موسیٰ بن عقبہ' سالم اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص زمین کے اس حصے پر جو کسی دوسرے کا حق ہو غاصبانہ قبضہ کرے گا زمین کا وہی حصہ قیامت کے روز زمین کے ساتویں طبقات بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا''۔

بخاریؒ نے کتاب المظالم میں مسلم بن ابراہیم' عبداللہ یعنی ابن مبارک کے حوالے سے بھی یہ حدیث پیش کر کے اسے مذکورہ بالا طور سے درج کیا ہے نیز محمد بن سیرین کی زبانی عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کے حوالے سے یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''زمین اپنی فطری ہیئت میں تخلیق سماوات کے دن زمانی اعتبار سے بارہ مہینے کے عرصے میں تخلیق کی گئی''۔ آنحضرت ﷺ کی مراد یہاں واللہ اعلم (شاید) ارشاد باری تعالیٰ ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ سے ہوگی یعنی عددی لحاظ سے زمین و آسمان دونوں بارہ بارہ مہینوں میں پیدا کیے گئے جیسا کہ ہم آج کل ایک سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس سے کلام الٰہی میں تخلیق زمین آسمان کے بارے میں زمانی و مکانی مطابقت پائی جاتی ہے۔

بخاریؒ ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان سے عبید بن اسماعیل اور ابو اسامہ نے ہشام اور ان کے والد' سعید بن زید بن عمرو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اور نفیل کے حوالے سے بیان کیا کہ جب کسی نے اروئ یعنی بنت ابی اوس کی کچھ زمین کسی اور کو زبردستی دے دی اور اس میں بنت ابی اوس کا اشارہ دینے والے کے لیے مروان کی طرف تھا تو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق زمین سے ذرا سا بھی مارے گا تو وہ سات زمینیں بنا کر قیامت کے روز اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا"۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے حسن نے اور ابو سعید یعنی بنی ہاشم کے غلام عبداللہ بن لہیعہ اور عبداللہ ابن ابی جعفر نے ابی عبدالرحمن اور ابن مسعود کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کے بقول انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا ظلم کون سا ہے؟" تو آپ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کا اپنے بھائی یعنی کسی دوسرے مسلمان کی ایک گز زمین پر بھی غاصبانہ قبضہ کرنا اور (اس کی سزا یہ) زمین کا وہی حصہ قعر ارضی تک قیامت کے دن اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا"۔ اور آپ نے (اس کے بعد) یہ بھی فرمایا کہ "قعر ارضی کو وہی جانتا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے"۔ یعنی خود اللہ تعالیٰ۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں جو اسناد پیش کی گئی ہے ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ امام احمد نے بیان کیا کہ ان سے عفان' وہیب اور سہیل نے اپنے والد اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بھی یہی حدیث انہی الفاظ میں بیان کی۔ امام احمدؒ نے یہاں اس حدیث کے بیان کی ذمہ داری مسلم سے منسوب کی ہے۔

امام احمدؒ نے اس حدیث کو مسلم کی ذمہ داری پر یحییٰ کی زبانی جنہوں نے بیان کیا کہ ان سے ان کے والد نے اور ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی نیز مسلم ہی کی ذمہ داری پر عفان اور ابو عوانہ کی زبانی عمیر بن ابی سلمہ اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے یہ حدیث اپنے ہاں پیش کی ہے۔ ان کے علاوہ امام احمدؒ نے اپنے ہاں وہ جملہ احادیث بھی متعدد ثقہ راویوں اور متعدد مستند حوالوں سے بیان کی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان راویوں سے مختلف مواقع پر آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آیا وہ تخلیق کائنات کے سلسلے میں زمین و آسمان کے ہر طبقے کے درمیان خالق کائنات نے جو فصل رکھا ہے اسے جانتے ہیں اور ان کے اس جواب پر کہ اس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں' آپ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کے ہر طبقے کا درمیانی فصل اللہ تعالیٰ نے سات سو سال کی مسافت کے برابر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس فصل کا جو سات سو سال کی مسافت کے برابر رکھا گیا ہے وہ ہمارے دنیاوی برسوں کی مسافت کے برابر ہے یا وہ فصل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے یا وہ فصل ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ عزاسمہٗ کے علاوہ اس کا رسول برحق ﷺ جانتا ہے۔

اس سے قبل عرش کی صفات کے سلسلے میں احادیث او عال کے تحت جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے یعنی یہ کہ عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور آسمان کا درمیانی فصل پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے نیز جیسا کہ متکلمین نے بیان کیا ہے اور اس میں ارشادِ باری تعالیٰ کے علاوہ حدیث نبویؐ کے الفاظ (طوقہ من سبع ارضین) کا حوالہ دیا ہے زمین کے بھی سات طبقات ہیں اور اس کے سات طبقات سے مراد سات اقالیم ہیں لیکن یہ بیان بین طور پر آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ کے جو دیگر مستند حوالوں کے علاوہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی صحیح طور پر بیان کی گئی ہیں خلاف ہے اور اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ واللہ اعلم ویسے جو احادیث پہلے بیان کی گئی ہیں اور ان میں زمین کے سات طبقات کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ارشاد کہ اس کے سات طبقات ہیں وہ مستند راویوں کے حوالوں سے پیش کی گئی ہیں نیز ان میں آسمانوں کے درمیانی فصل کے علاوہ زمین کے مختلف طبقات کے درمیانی فصل کا بھی ذکر آ چکا ہے۔

اس کے علاوہ اہل کتاب اور ہمارے دینی علماء نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ زمین کا اوپری طبقہ یعنی اس کی سطح مٹی کی ہے' اس کے نیچے دوسرا طبقہ لوہے پر مشتمل ہے اور تیسرا طبقہ حجریات پر وغیرہ وغیرہ تو اس کے کوئی شواہد موجود ہیں نہ ان کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کا حوالہ دیا گیا ہے اس لیے ان بیانات کی ذمہ داری خود ان کے بیان کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ ویسے ان بیانات کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے راوی بیہقی ہیں جنھوں نے انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش کیا ہے اور خود ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں یقیناً اسرائیلات سے اخذ کر کے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یزید اور عوام بن حوشب نے سلیمان بن ابی سلیمان اور انس بن مالکؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو اس کے استقرار کے لیے پہاڑ تخلیق فرمائے اور فرشتے پہاڑوں کی تخلیق پر بہت حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ''اے ہمارے رب! کیا تو نے پہاڑوں سے بھی سخت کوئی چیز پیدا کی ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''ہاں لوہا'' اس کے بعد فرشتوں نے پوچھا: ''یا رب! کیا تو نے لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز پیدا فرمائی ہے؟'' تو جواب ملا: ''ہاں' آگ'' اور جب فرشتوں نے پوچھا: ''اور آگ سے زیادہ شدید کوئی چیز؟'' تو جواب ملا: ''ہوا'' اس کے بعد جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: ''اور ہوا سے زیادہ بھی کوئی اور شدید چیز؟'' تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں ہوا سے زیادہ شدید انسان ہے جو اپنے دائیں جانب کی چیزوں کی تصدیق کرتا ہے لیکن بائیں جانب کی چیزوں سے نگاہ چراتا ہے یا انہیں مخفی رکھتا ہے'' اس حدیث کو امام احمدؒ نے خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔

ہیئت دانوں نے زمین پر پہاڑوں کی تعداد شرقاً غرباً ان میں سے ہر ایک کی وسعت وطوالت اور بلندی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا یہاں بیان طوالت کلام کا باعث ہوگا۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے رنگ سفید' سرخ اور سیاہ وغیرہ فرمائے ہیں اور یہ بات روئے زمین پر پہاڑوں کو دیکھنے سے بغیر دلیل ثابت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خاص طور پر جودی پہاڑ کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی جگہ کا تعین بھی کیا ہے۔ یہ عظیم پہاڑ جزیرۂ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مشرق میں دریائے دجلہ کی سمت واقع ہے۔ موصل کی طرف اس کے حدود شمال سے جنوب کی جانب تین دن کی مسافت پر ہیں اور اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے نصف دن درکار ہوتا ہے۔ یہ ایک سرسبز وشاداب پہاڑ ہے کیونکہ اس پر بلوط کے درخت کثرت سے ہیں جو اس بستی تک پھیلے ہوئے ہیں جسے آج کل ''قریۃ الثمانین'' کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بستی میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں نجات پانے والے لوگوں کی نسل کے لوگ آباد ہیں اور اس کا ذکر متعدد مفسرین نے بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فصل: 1

سمندر اور دریا:

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے کلام پاک میں درج ذیل آیات شریفہ میں سمندروں اور دریاؤں کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ تم ان سے کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ ایسی چیزیں بھی حاصل کرتے ہو جن سے تم اپنے لباس بناتے ہو جو سمندروں میں کشتیوں کے ذریعہ سفر کرتے ہو اور آسمان کے ستاروں سے راستے کی صحیح سمت معلوم کرتے ہو وغیرہ وغیرہ جن کا تم شمار نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں سے جو نعمتیں انسانوں کو عطا فرمائی ہیں ان کا بھی ان آیات شریفہ میں ذکر فرمایا مثلاً:

① ﴿ وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ ...... الخ﴾

② ﴿ وَمَا يَسْتَوِى الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ ...... الخ﴾

③ ﴿ وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ﴾

بحرین سے مراد سمندر اور دریا ہیں کہ سمندر کا پانی نمکین اور بعض جگہ کڑوا ہوتا ہے لیکن ان سے بھی خوراک (مچھلیاں وغیرہ) حاصل ہوتی ہیں نیز وہاں سے ایسی اشیاء اور جانور وغیرہ بھی حاصل ہوتے ہیں جن سے انسان لباس بناتا ہے لیکن دریا کا پانی میٹھا ہوتا ہے اور دریا سے بھی جو شہروں کے قریب یا ان کے درمیان بہتے ہیں۔ خوراک کے علاوہ لاتعداد فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً ان سے زراعت وغیرہ ہوتی ہے۔ ان تخلیقات کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لیے عطا فرمائی ہیں تاکہ تم اس کا ذکر کرتے اور اس کا شکر بجا لاتے رہو۔ یہ تشریحات ابن جریج کے علاوہ متعدد ائمہ اسلام نے کی ہیں ان آیات کے علاوہ درج ذیل دوسری آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس کے لیے فوائد ہی فوائد کا ذریعہ ہیں مثلاً: ① ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ ...... الخ ﴾ ② ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ ...... الخ ﴾ ③ ﴿اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ ...... الخ ﴾ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرما کر کہ هو الطهور ماؤه الحل ميتته. ان آیات شریفہ کی جامعیت بیان فرما دی۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جیسا کہ ان آیات شریفہ سے ظاہر ہے دریاؤں کے پانی کو صاف اور میٹھا بنایا اور ان کے منابع زمین میں رکھے اور ان کے پانی کو ان کی آخری حد تک پھیلایا اور بہایا اور انسان کو ان کے پانی کو حسب منشاء پینے اور استعمال کرنے کا اختیار دیا اور اسے انسان کے رزق کا ذریعہ بنایا جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انسان پر اس کے رحم و کرم کا اظہار ہوتا ہے نیز اس سے اس کی حکمت کے علاوہ اس کا قابل بالاختیار ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴾ کے بارے میں مفسرین نے دو باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد وہ بحر ہے جو عرش کے نیچے ہے اور جس کا ذکر حدیث اوعال میں آیا ہے یعنی وہ سات آسمانوں کے اوپر نیچے اور ایک آسمان سے دوسرے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آسمان کے درمیان بھی ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ وہاں سے زمین پر بارش ہوتی ہے جن کا ذریعہ بادل ہیں اور اس بارش سے زمین مردہ ہونے کے بعد پھر زندہ یعنی زراعت ونباتات کے لیے دوبارہ قابل نشو ونما بنا دی جاتی ہے۔ یہ قول ربیع بن انس کا اختیار کردہ ہے جب کہ اس کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ تمام سمندر زمین ہی پر ہیں اور یہی قول متفق علیہ ہے۔

''بحر مسجور'' کے بارے میں جو مفسرین نے مختلف تفاسیر پیش کی ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وہ بحر ''مملو'' ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ''بیسر'' ہے آگ کی طرح اور قیامت تک اسی طرح رہے گا اور اپنے اہل موقف کا احاطہ کرتا رہے گا جیسا کہ ہم نے اپنی تفسیر میں علی ابن عباس' سعید بن جبیر اور ابن مجاہد وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مفسرین نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بحر ''ممنوع' مکفوف'' اور ''محروس'' ہے کہ جب اس میں طغیانی آتی ہے تو زمین میں زلزلہ آ جاتا ہے اور زمین پر جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی متزلزل ہو جاتا ہے۔ یہ روایت والبی کی ہے جسے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے السدی وغیرہ کی زبانی بیان کیا ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمدؒ نے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان سے یزید' عوام اور ان کے شیخ نے بیان کیا کہ یہ بحر (سمندر) اپنے سواحل سے مربوط ہے۔ اس سلسلے میں ان کے شیخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ بھی بتایا کہ رات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اس سمندر میں تین بار مدو جزر کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے ایک نعمت ہے کہ سمندر میں مدو جزر اور کف پیدا ہوتا ہے اور سمندر کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مال تجارت کے نقل وحمل کا ذریعہ بنایا ہے' اس میں اس کی خوراک کے لیے مچھلیوں کے علاوہ دوسرے کئی ایسے جانور بھی ہیں کہ اگر وہ مردہ نہ ہوں تو ان کا کھانا حلال ہے نیز سمندر میں اللہ تعالیٰ نے ایسے بیش بہا موتی اور جواہرات پیدا کر دیے ہیں جو کہیں اور سے انسان کو دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اور اسی میں سے انسان مچھلیوں وغیرہ کا شکار بھی کرتا ہے۔ یہ روایت امام احمدؒ اور ابن ماجہ کی بھی ہے لیکن ان کے اسناد محل نظر ہیں۔

حافظ ابوبکر بزار نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ ان کی نظر سے ایک کتاب گزری جس میں معاویہ بغدادی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ان سے عبدالرحمن بن عبداللہ بن عمر نے سہیل بن ابی صالح' ان کے والد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شرقی وغربی دو سمندر تخلیق فرمائے ہیں جن میں سے ایک میں اس نے اپنے بندوں کے لیے خوراک وغیرہ کا سامان مہیا کر رکھا ہے اور دوسرے کو بحر مردار قرار دیا ہے جسے بار بار غرق کیا گیا ہے اور پھر ابھارا گیا ہے۔ ویسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اور کچھ نہیں کہا۔

اس سلسلے میں جو حدیث سہیل سے عبدالرحمن بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے کے علاوہ مروی ہے اسے حدیث منکر بتایا گیا ہے جب کہ خود سہیل کو بھی اس کی صحت سے انکار ہے۔

اس بارے میں سہیل نے عبدالرحمن بن ابی عیاش اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی صحت کو ایسی راویوں کی اسناد پر موقوف بتاتے ہوئے کہا ہے کہ آخرالذکر کا بیان جو عبداللہ بن عمرو بن عاص کے بیان پر موقوف ہے یہ ہے کہ آخرالذکر نے جنگ یرموک کے موقع پر وہاں ان دو قوموں کے پاس جو اس مقام پر ملی جلی رہتی تھیں ایک کتاب دیکھی جن میں مخلوق خداوندی میں بے شمار اشیاء کا ذکر تھا جن کا اسرائیلیات میں ذکر پایا جاتا ہے اور جن میں سے بہت سی اب تک معروف ومشہور چلی آتی ہیں اور باقی کو منکر ومردود ٹھہرا دیا گیا ہے۔ ان میں سے جو معروف ہیں انہیں عبدالرحمن بن عبداللہ بن عمرو بن حفص بن

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عاصم بن عمر بن خطابؓ نے روایت کے لیے چن لیا ہے' لیکن اس کے ساتھ مدینے کے قاضی ابوالقاسم مدنی کے بارے میں کہا ہے کہ ان باتوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو انہوں نے قاضی مذکور کی زبانی نہ سنی ہو بلکہ اور بے شمار باتیں بھی سنیں لیکن چونکہ قاضی مذکور روایت احادیث کے بارے میں ثقہ نہیں سمجھے جاتے اس لیے باقی تمام باتوں کو جو انہوں نے بتائیں رد کر دیا گیا اس طرح ان تمام باتوں کو جو اسرائیلیات میں موجود ہیں ابن معین' ابوزرعہ' ابوحاتم' جوزجانی' بخاری' ابوداؤد اور نسائی نے ضعیف اور خلاف واقعہ بتا کر رد کر دیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اسرائیلیات میں مذکور قریباً تمام باتیں احادیث مناکیر ہیں جن میں حدیث بحر بھی شامل ہے جسے ابن عدی نے ضعیف ترین بتایا ہے۔

علمائے تفسیر اور متکلمین نے زمین کے طول وعرض' سمندروں' دریاؤں' پہاڑوں' جنگلوں' صحراؤں' ویرانوں' شہروں' ان کی عمارات' اقالیم سبعہ یعنی سات اقالیم جو درحقیقت ان کی اپنی اصطلاح ہے' متعدد مشہور ممالک' شہروں اور دیگر مقامات کے بلحاظ آب وہوا خواص' وہاں کی نباتات اور جمادات جن میں جواہرات وغیرہ کی کانیں بھی شامل ہیں نیز جو تجارتی اشیاء جو وہاں دستیاب ہیں سب کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ زمین کا چوتھائی حصہ سمندری سیلابوں سے تباہ ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے باقی کو اپنے بندوں کی زندگی اور ان کی گزر اوقات کے لیے باقی رکھا ہے جہاں حیوانات پرورش پاتے ہیں' زراعت ہوتی ہے اور وہاں کے باغوں میں تازہ پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾

کہا جاتا ہے کہ ابتدا سے زمین تین حصوں میں منقسم تھی اور اس کے ۶۵ درجات تھے' جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے آسائش اور ان کی گزر بسر کے لیے سمندروں کو وہاں سے الگ رکھا۔ اس نے سمندروں کو بھی تقسیم فرمایا' ان میں سے بحر غربی کو اوقیانوس کہا جاتا ہے۔ جہاں مغربی ممالک اِدھر اُدھر آباد ہیں اور ان کے درمیان کافی فصل ہیں اس سمندر میں جزائر بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس سمندر میں کشتی رانی یا جہاز رانی قریباً ابھی تک ناممکن سمجھی جاتی ہے اور اسی لیے اسے اموال تجارت کے حمل ونقل کا ذریعہ بھی نہ بنایا جا سکا کیونکہ یہ سمندر اکثر طوفانی رہتا ہے اور اس میں سربفلک موجیں اُٹھتی رہتی ہیں اور تیز وتند ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ چنانچہ وہاں شکار بھی ناممکن ہے۔ البتہ اس کے جنوب میں ''جبالِ القمر'' ہیں' جو دریائے نیل کا منبع کہلاتے ہیں اور اس کے قریب خط استوا ہے۔ یہ سمندر شرقی جانب زمین کے جنوبی حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہاں آج کل ''جزائر الزانج'' کے نام سے کچھ جزائر مشہور ہیں۔ لیکن اس کے سواحلی علاقے ویران ہیں۔ یہ سمندر شرقاً وشمالاً پھیلتا ہوا بحر چین اور بحر ہند سے جا ملا ہے تاہم مشرقی جانب زمین کی حدود تک پھیلتا چلا گیا ہے۔

سمندر جو آج کل بلاد چین تک پھیلتا چلا گیا ہے وہی چین کی مشرقی جانب بڑھ کر شمال کی طرف مڑ گیا ہے جہاں وہ دیوار آجاتی ہے جسے ''یاجوج ماجوج کی دیوار'' (دیوار چین) کہتے ہیں۔ پھر یہی سمندر نا معلوم مقامات تک چلا گیا ہے لیکن اس کے مغربی اور شمالی جانب روسی شہر ہیں' پھر مغربی اور جنوبی اطراف میں بڑھ کر جب مغربی سمت میں پھیلا ہے تو اس زمین کے حصے تک چلا گیا ہے جو ارض زقاق کہلاتی ہے جس کے مغرب میں شام کے علاقے آجاتے ہیں اور پھر یہی سمندر ارض روم کی طرف بڑھ کر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رومی شہروں قسطنطنیہ وغیرہ سے جاملا ہے۔ مشرقی سمندروں میں جزائر کثرت سے پائے جاتے ہیں اور بحر ہند تک اس میں سات سو جزیرے آباد ہیں اور باقی ویران پڑے ہیں۔ اس سمندر کو ''بحر اخضر'' کہا جاتا ہے جس کے مشرق میں ''بحر چین'' مغرب میں بحرین اور شمال میں بحر ہند ہے مگر اس کے جنوب کے علاقے اب تک نامعلوم ونامعروف ہیں۔

بتایا گیا ہے کہ بحر ہند اور بحر چین کے درمیانی فاصلے میں پہاڑ بھی واقع ہیں لیکن ان کی تنگنائے سے گزرتے ہوئے ہند و چین کے درمیان تجارتی اموال کی حمل ونقل ہوتی ہے۔ جس طرح زمین پر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَبِكُمْ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾

بطلیموس نے ہندوستان کے ایک بادشاہ کا ذکر اپنی کتاب ''مجسطی'' میں کیا ہے۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں ہوا تھا۔ بطلیموس نے ہندوستان کے جس بادشاہ کا ذکر اپنی مذکورہ بالا کتاب میں کیا ہے اسی سے تمام دنیا کے سمندروں کی جغرافیائی معلومات اور ان کی تعداد کو منسوب کیا ہے۔ بطلیموس نے اسی ہندی بادشاہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ درحقیقت سمندر تو ایک ہی ہے لیکن وہ مڑ مڑ کر جہاں جہاں تک انقلاب ارضی کی بناء پر پھیلا ہے لوگوں نے ان علاقوں کے لحاظ سے اس کے نام رکھ لیے ہیں جیسے بحر ہند' بحر قلزم' بحر روم' بحر فارس' بحر اوقیانوس' بحر جاپان' بحر طبرستان وغیرہ وغیرہ اور انہیں سمندروں نے اپنی اکثر ساحلی بستیوں کے نام ونشان مٹا کر رکھ دیے ہیں۔

ہیئت دان کہتے ہیں کہ اس واحد سمندر کو بحر مستدیر کہا جاتا ہے جس کی شکل اپنے طول کو ظاہر کرتی ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مثلث شکل کا تھا جو الگ الگ ناموں سے پکارا جانے لگا لیکن وہ اپنی جگہ ہنوز منفرد ہی ہے۔ اس کا طول آٹھ سو میل اور عرض چھ سو میل بتایا جاتا ہے اور اس کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

یہی وہ سمندر ہے جس میں زیادہ تر بصرے کے قریب مدوجزر زیادہ ہوتا ہے۔ جس کی مثالیں بلادِ مغرب میں بھی ملتی ہیں۔

یہاں آغاز ماہ سے چودھویں رات تک سمندر چڑھتا ہے جسے ''مد'' کہتے ہیں۔ اس کے بعد گھٹنا شروع ہوتا ہے اور مہینے کی آخری تاریخ تک گھٹتا رہتا ہے جس کو ''جزر'' کہا جاتا ہے۔

مؤرخین نے سمندر کی حدود اور اس کی امتداد انتہا بتا کر زمین پر بحیروں اور جملہ دریاؤں کی تعداد اور ان کے کوائف بتائے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے بڑے بڑے دریاؤں کے نام بھی بتائے ہیں اور ان کے منابع ومخارج کا ذکر بھی کیا ہے لیکن ہم صرف ان کا ذکر کریں گے جن کا مآخذ حدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ...... الخ ﴾

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) قتادہ کی روایت انس بن مالک اور مالک بن صعصعہ کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ آخر الذکر نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''اس کی جڑ سے دو دریا پوشیدہ طور پر اور دو دریا ظاہری طور پر نکلتے ہیں جو دو دریا پوشیدہ طور پر سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتے ہیں وہ جنت میں بہتے ہیں اور جو دوسرے دو دریا ظاہری طور پر نکلتے ہیں وہ نیل وفرات کی شکل میں زمین پر بہتے ہیں' بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلتا ہے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جنت میں بہنے والے دریاؤں کی شکل وصورت اور کیفیات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابن نمیر اور یزید نے بیان کیا اور محمد بن عمرو نے ابی سلمہ اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت سے جاری ہونے والے چار دریا نیل' فرات' سیحون وجیحون ہیں۔ یہ اسناد صحیح ہیں جنہیں مسلم نے بھی اپنے طور پر صحیح تسلیم کیا ہے۔ غالباً واللہ اعلم مذکورہ بالا چار دریاؤں کو آنحضرت ﷺ کا جنت کے دریا فرمانا ان کے صاف وشفاف اور میٹھے پانی کی اور ان کی روانی کی وجہ سے ہوگا جیسا کہ ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دریاؤں کا پانی زہر سے شفا کا باعث ہے۔ اس حدیث نبوی ﷺ کو سعید بن عامر نے محمد بن عمرو ابی سلمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا اور اسے ترمذی نے روایت کیا ہے جس کی صحت کی سند مسلم نے بھی دی ہے۔ تاہم اس حدیث سے درحقیقت یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے کچھ پھلوں کو جنت کے پھلوں سے تشبیہ دی اس طرح مذکورہ بالا چاروں دریاؤں کو بھی جنت کے دریاؤں سے تشبیہ دی حالانکہ یہ چاروں دریا زمین پر بہتے ہیں اور ان کے منابع بھی زمین ہی کے حصے ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے گرمی کی شدت کو جہنم کی گرمی سے تشبیہ دی اور ارشاد فرمایا کہ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔ جب کہ زمین پر پڑنے والی وہ شدت کی گرمی بھی درحقیقت جہنم کی گرمی یا اس کی آگ نہ تھی۔

جہاں تک دریائے نیل کا تعلق ہے وہ جبال القمر (سفید پہاڑوں) سے نکل کر از اوّل تا آخر اپنے پانی کے شیریں ہونے اور صفائی میں دنیا کے دوسرے دریاؤں میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ یہ دریا زمین کے مغربی حصے میں خط استواء سے ذرا ادھر جنوب کی طرف ہو کر بہتا ہے اور اس کا مشاہدہ کرنے والا ہر شخص اس کے مذکورہ بالا اوصاف میں آج تک رطب اللسان ہے۔ اسے دریاؤں کا ستارہ بھی کہا جاتا ہے۔ جبال القمر سے نکلنے کے بعد اس میں پانچ دوسرے چھوٹے دریا شامل ہو کر بہتے ہوئے سمندر میں جا گرتے ہیں اور وہاں سے یہ چھ دریا ہو کر پھیلتا ہوا سوڈان سے گزرتا ہے اور وہیں اسے دریائے نیل کا نام دیا جاتا ہے۔ جو اصلاً دریائے احمر تھا۔ یہ دریا حبشہ سے گزر کر جب آگے بڑھتا ہے تو اس کے راستے میں سب سے بڑا شہر دمقلہ آتا ہے جس کے بعد یہ اسوان سے ہو کر مصری علاقے میں داخل ہوتا ہے اور حبشہ میں بھی ان تمام مقامات کو سیراب کرتا چلا آتا ہے جہاں بارشیں کم ہوتی ہیں اور لوگ پانی کی بوند بوند کو ترستے ہیں۔ یہ اپنی زرخیز مٹی سے بھی جو اس کے پانی کے بہاؤ کے ساتھ بالائی علاقوں سے آتی ہے راستے کے بہت سے علاقوں کو سرسبز وشاداب بناتی چلی آتی ہے۔ اس کا بھی یہی کرشمہ ہے جس کی مثال رب العزت نے یوں دی ہے: ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ﴾

دریائے نیل مصر سے کسی قدر آگے بڑھ کر ایک بستی کے قریب جسے شطنوف کہتے ہیں دو حصوں میں بٹ جاتا ہے' پھر اس کا مغربی ٹکڑا دوبارہ دو حصوں میں بٹ کر اور رشید سے گزر کر سمندر میں جا گرتا ہے اس کا مشرقی ٹکڑا جوجر کے قریب پھر دو ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے' پھر اس کا بھی غربی حصہ مغرب میں دمیاط سے گزر کر سمندر میں جا ملتا ہے اور اس کا دوسرا شرقی حصہ بھی اشمون کی طرف سے گزرتا ہوا بحیرہ مشرقی دمیاط میں جا ملتا ہے۔ اس بحیرے کو بحیرہ دمیاط کے علاوہ بحیرہ تنیس بھی کہا جاتا ہے۔ دریائے نیل کی اتنی طویل گزرگاہوں کی وجہ سے اس کی عظمت کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں ہے اور اس کی لطافت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ ابن سینا نے دریائے نیل کی اس خصوصیت کے علاوہ دوسرے دریاؤں کے مقابلے میں اس کے کچھ اور اوصاف بھی بیان کیے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ دریا ان دنوں میں بھی جب دوسرے دریا کم و بیش خشک ہو جاتے ہیں اپنی اسی چال سے بہتا رہتا ہے۔ تاہم جن مؤرخین اور دوسرے مصنفین نے دریائے نیل کے مخرج کو ''جبال قمر'' سے بھی کسی بلند تر جگہ بتایا ہے اور اس کی تخیلی و تصوراتی نشان دہی کی ہے وہ ان کے دماغوں کی اختراعات سے زیادہ اور خرافات سے کم نہیں ہیں۔

عبداللہ بن لہیعہ قیس بن حجاج کے حوالے سے نیز جس شخص نے قیس بن حجاج کو یہ بات بتائی اس کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عمرو بن عاص نے مصر فتح کیا تو وہاں کی نواحی بستیوں خصوصاً سب سے بڑی آبادی بستی قبیطہ کے لوگوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا امیر! دریائے نیل سال کے دوران میں کچھ عرصے کے لیے خشک ہو جاتا ہے تو ہم لوگ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں اور اس دریا میں اس وقت تک دوبارہ پانی نہیں آتا جب تک ہم اس میں خوشبویات اور نفیس ترین پارچہ جات نہیں ڈالتے''۔ ان لوگوں کی یہ بات سن کر عمرو بن عاصؓ نے ان کی توہم پرستی کے بارے میں خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریری اطلاع دی۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے عمرو بن عباص رضی اللہ عنہما کو جو خط لکھا اس کے ساتھ کاغذ کا ایک اور ٹکڑا بھی رکھ دیا جس میں انہوں نے دریائے نیل کو یوں مخاطب کیا: ''اے دریائے نیل اگر تو اپنی مرضی سے بہتا اور خشک ہوتا ہے تو خیر لیکن اگر تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے بہتا ہے تو اس کی مرضی اپنے بندوں کی بھلائی کے لیے یقیناً یہ ہے کہ تو ہمیشہ بہتا رہے اور کبھی خشک نہ ہو اور میں بھی اس سے تیرے ہمیشہ جاری رہنے کی دعا کرتا ہوں''۔ راوی کا بیان یہ ہے کہ جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا انہوں نے کاغذ کا مذکورہ بالا پرچہ دریائے نیل میں جو اس زمانے میں خشک تھا ڈال دیا تو نیل میں فوراً ہی پانی آ گیا اور اس کے بعد سے آج تک پھر دریائے نیل سال کے کسی عرصے میں بھی خشک نہیں ہوا۔ راوی نے آخر میں بیان کیا کہ عمرو بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے لکھا ہوا وہ پرچہ جمعہ کا دن گزرنے کے بعد رات کے وقت دریائے نیل میں ڈالا تھا جو اس وقت خشک تھا لیکن سنیچر کی صبح اٹھ کر کیا دیکھتے ہیں کہ دریا میں ۱۶ گز تک اونچا پانی بہہ رہا ہے۔ عمرو بن عاصؓ کے بقول انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ پرچہ سیوطی کی موجودگی میں دریائے نیل میں ڈالا تھا۔

جہاں تک دریائے فرات کا تعلق ہے تو اس کا مخرج روم کے شمالی سطح مرتفع میں ہے جہاں سے نکل کر وہ پہلے ملطیہ سے گزرتا ہے اور پھر شمشاط کی طرف رخ کرتا ہے پھر وہ بیرہ سے گزرتا ہوا مشرق کی طرف بالس' قلعہ جعبر اور رقہ سے گزرتا ہوا رحبہ کے شمال میں عانہ تک چلا جاتا ہے پھر ہیت کی طرف مڑ کر کوفہ کا رخ کرتا ہے جہاں سے عراق کے مختلف علاقوں سے گزرتا ہے جہاں مختلف نہروں کی شکل میں بٹ جاتا ہے جن میں بہت سے چھوٹے بڑے دریا یا ندیاں شامل ہیں۔

رہا سیحان جسے سیحون بھی کہا جاتا ہے تو اس کا مخرج بھی روم میں ہے وہاں وہ شمال اور مغرب سے جنوب اور مشرق کی طرف جا نکلتا ہے جہاں اس سے تھوڑے فاصلے پر جیحان یا جیحون بھی بہتا ہے۔ یہ علاقہ جو بلادسیس کے نام سے مشہور ہے کبھی اسلامی قلمرو میں شامل تھا لیکن مصر پر فاطمیوں کا قبضہ ہونے کے بعد جب تغفور رومی نے انہیں شکست دی تو یہ علاقہ تین سو میل کی حدود تک کچھ شامی علاقوں سمیت اس کے قبضہ میں چلا گیا اور اب تک اسی قوم کے قبضے میں ہے۔ دریائے قیحون بھی جس کا قدیم نام جاہان ہے روم سے نکلا ہے۔

بہر حال سیحون اور جیحون اذنہ کے قریب ایک دوسرے میں مل کر اور کچھ دور ایک ساتھ بہہ کر ایاس و طرطوس کے درمیان بحر روم میں جا گرتے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فصل :2

مظاہر قدرت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ...... الخ﴾

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ ...... الخ ﴾

پھر ارشاد فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ ...... ﴾

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان میں مظاہر قدرت کا (مختصرا) تذکرہ فرماتے ہوئے ہر آیہ شریفہ کے آخر میں نوع انسانی سے دریافت فرمایا کہ آیا ان مظاہر قدرت کو دیکھ کر جن کا وہ صبح وشام اور رات دن مشاہدہ کرتے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور شریک ہوسکتا ہے؟ اور یہ بھی فرمایا کہ ان مظاہر قدرت میں صرف ان اقوام کے لیے نشانیاں ہیں جو بطور انصاف ان پر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عقل اور اس کی عطا کردہ غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بنی نوع انسان کے علاوہ جملہ حیوانات کے لیے رزق بھی صرف اسی نے اتارا ہے جس کا تفصیلی ذکر اس کی روشن کتاب (قرآن) میں موجود ہے' جیسا کہ مندرجہ ذیل آیہ شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴾

حافظ یعلی محمد بن مثنیٰ' عبید بن واقد' محمد بن عیسیٰ بن کیسان' محمد بن منکدر' جابر اور عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار قسم کی مخلوق پیدا فرمائی ہے جن میں سے چھ سمندر میں پائی جاتی ہیں اور چار زمین پر موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے بعد دیگرے پیدا ہوتی اور ہلاک ہوتی رہتی ہیں تا آنکہ ایک روز یہ سلسلہ منقطع ہوجائے گا''۔

اس حدیث کو اگرچہ ابو عباد بصری' حاتم' عدی' الفلاس' بخاری' ابوزرعہ' دارقطنی خصوصاً ابن عدی نے عام مرسل کہہ کر ضعیف بتایا ہے اور اس کے متعلق دیگر دلائل بھی پیش کیے ہیں لیکن مندرجہ ذیل آیہ قرآنی میں اس کی صحت کا ثبوت ملتا ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓىِٕرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ﴾

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باب ٤

تخلیق سمٰوات اوران میں موجودات سے متعلق

مزید آیات قرآنی کا ذکر

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین آسمانوں سے قبل تخلیق فرمائی جیسا کہ مندرجہ ذیل آیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾

زمین کی تخلیق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی یادرکھنے کے قابل ہے:

﴿قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی یادرکھنا چاہیے:

﴿وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَکَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا ...... الخ﴾

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْکَهَا فَسَوّٰهَا وَ اَغْطَشَ لَیْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰهَا﴾

اس آیہ شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کا پھیلاؤ آسمانوں کی تخلیق سے بعد کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْکُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ...... الخ﴾

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَوْ کَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾

ان آیات کے علاوہ تخلیق سموات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جن آیات شریفہ میں ذکر فرمایا وہ درج ذیل ہیں:

① ﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾

② ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ ...... الخ﴾

③ ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِيْنَ وَ حَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ﴾

④ ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾

⑤ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّ هُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُوْنَ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾

⑥ ﴿وَ آيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَاهُمْ مُّظْلِمُوْنَ وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَالِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَا لْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِىْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾

⑦ ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَ جَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَالِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾

⑧ ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِى اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾

پہلی آیات اوران آیات کے علاوہ اس موضوع پر کثرت سے قرآن شریف میں آیات آئی ہیں جن سب کی تفسیر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں کی ہے۔

ان آیات کی شان نزول آسمانوں کی تخلیق ان کی رفعت اوران میں جو قدرت خداوندی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اہل بصارت وبصیرت کوان سے آگاہ کرنا تھا۔ اس حسن تخلیق اوراس کی بے مثال قدرت کے بارے میں خودرب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ﴾ یعنی یہ حسن تخلیق کے لحاظ سے بہترین اورعدیم النظیر تخلیق ہے اوراس میں یہ بھی اضافہ فرمایا کہ اگرکوئی اس میں کسی قسم کانقص معلوم کرنے کے لیے مدت العمر اسے دیکھتا رہے تو اس کی بصارت چلی جائے گی لیکن وہ اس میں کسی قسم کانقص دریافت نہیں کر سکے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آسمان دنیا کوستاروں سے زینت بخشی گئی ہے تا کہ اہل عالم انہیں دیکھ کر خوشی محسوس کر سکیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس میں شہابوں کی تخلیق اس لیے کی گئی کہ اگر شیاطین آسمان کی طرف آنا چاہیں تو ان کی شعاعیں اس میں مانع ہوں اور یہ بات بھی اپنی خوبی کے لحاظ سے زینت سماوات کے علاوہ اپنی جگہ بے نظیر ہے۔

بخاریؒ نے اپنی کتاب احادیث میں تخلیق کائنات کی ابتداء پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور قتادہ نے آسمان کوستاروں سے مزین کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو تین کوا کب تخلیق فرمائے ہیں وہ آسمان دنیا کی تزئین کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

علاوہ شیاطین کی عالم بالا کی طرف مزاحمت کے لیے ہیں' اگر کوئی شخص ان کے بارے میں کچھ اور کہتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ دنیا میں حوادث ان ستاروں کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتے ہیں تو وہ سراسر غلط کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات میں سے ایک آیہ شریفہ میں آسمان اوّل کو زمین کی مستحکم چھت فرمانے کے علاوہ ستاروں سے اس کی تزئین کو جہاں اہل نظر کے حیرت واستعجاب اور مسرت کا باعث فرمایا ہے وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کی تخلیق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ اہل عالم بری و بحری سفر میں اپنی صحیح سمت کا پتہ لگا سکیں۔ ان باتوں کے علاوہ مفسرین نے بھی اس کی وضاحت کے سوا اور کچھ نہیں کہا اور جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا کہ جو لوگ زمین پر رونما ہونے والے حادثات کو ان ستاروں کے اثرات سے منسوب کرتے ہیں وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس نے سات آسمانوں کی تخلیق میں طبقات رکھے ہیں یعنی انہیں ایک کے اوپر ایک بنایا ہے: ﴿خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا﴾ لیکن ہیئت دان کہتے ہیں کہ ان آسمانوں کے درمیان خلاء نہیں ہے جب کہ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل متعدد مستند حوالوں سے حدیث اوعال پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ سات آسمانوں میں کیا ہے اور انہوں نے جواباً عرض کیا کہ اسے اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ آسمان اوّل سے پانچویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ پانچ سو میل کی مسافت کا فاصلہ ہے اور اسی طرح پانچویں آسمان سے ساتویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ پانچ سو میل کی مسافت کا فاصلہ ہے اور اسی طرح پانچویں آسمان سے ساتویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ اسی قدر ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ آسمانوں کے درمیانی فاصلوں میں کثافت ہے یعنی وہاں آب و ہوا جیسی کوئی لطیف شے نہیں ہے۔

اس حدیث کو بہ تمام و کمال احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور اسے حدیث حسن بتایا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں انسؓ کی روایت کردہ حدیث اسراء میں راوی نے بتایا کہ جب آپ شب معراج پہلے آسمان سے گزرے تو وہاں آپ کو حضرت آدم علیہ السلام ملے اور آپ کے دریافت فرمانے پر حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ابوالبشر ہیں۔ اس پر آپؐ نے انہیں سلام کیا اور اس کے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کا خیر مقدم کرتے ہوئے آپ کو معراج پر مبارکباد دی۔ پھر اس طرح آپ دوسرے' تیسرے' چوتھے' پانچویں' چھٹے اور ساتویں آسمان سے گزرتے ہیں عالم بالا تک تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ حدیث اوعال اور حدیث اسرا آپؐ کے مشاہدات ہی پر مبنی ہیں اور مذکورہ بالا راویوں نے آسمانوں کے بارے میں آپ کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بھی مستند احادیث کے حوالے سے کہا ہے: واللہ اعلم

ابن حزمؒ ابن منیرؒ اور ابوالفرج ابن جوزیؒ نیز بہت سے دوسرے علمائے دین کا متفقہ بیان یہ ہے کہ آسمان ایک کرہ متدیر ہیں جس کے ثبوت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ بطور دلیل پیش کیا ہے اور اس میں حسن نے "یسبحون" کا مطلب "یدورون" یعنی گھومنے والے بتایا ہے۔ ابن عباسؓ نے انہیں تکلے سے تشبیہ دی ہے جو ایک ہی دائرے میں گھوم کر ہمیشہ پہلی جگہ آ جاتا رہتا ہے۔ دوسرے علماء نے اس کے ثبوت میں گردش آفتاب کو پیش کیا ہے جو شام کو مغرب میں غروب

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہو کر صبح کو پھر مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں امیہ ابن ابی صلت کے دو مشہور شعر بھی یاد رکھنے کے لائق ہیں۔ وہ دو شعر یہ ہیں:

والشمس تطلع كل آخر ليلة حمراء مطلع لونها متورد

تابى فلا تبدو لنا فى رسلها الا معذبة والا تجلد

''یعنی ہم سورج کو مشرق سے طلوع ہوتے اور مغرب میں غروب ہوتے ہوئے تو دیکھتے ہیں لیکن بعد از غروب اس کی گردش کو نہیں دیکھ سکتے' بس اسے اگلی صبح اسی آب و تاب سے دوبارہ طلوع ہوتا ہوا دیکھتے ہیں''۔

طلوع وغروب آفتاب کے بارے میں جو حدیث نبوی (ﷺ) بخاریؒ، محمد ابن یوسف' سفیان' اعمش' ابراہیم تیمی اور ان کے والد اور ابوذر کے حوالے سے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن آپ آخر الذکر یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد کہاں جاتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا:

''اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں''۔

ان سے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

''وہ (سورج) مغرب میں غروب ہو کر عرش کے نیچے چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اسے سجدہ کرتا ہے لیکن اس خیال سے کہ شاید اس کا سجدہ قبول ہوا یا نہیں بار بار اس سجدے کی تکرار کرتا رہتا ہے''۔ (ترجمہ مفہومی)

اور یہی مفہوم اس آیہ شریفہ کا ہے:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾

اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کی ابتدا کے سلسلے میں بھی فرمایا ہے جس کی تفسیر مختلف تفاسیر میں موجود ہے نیز اس کا ذکر حدیث توحید میں بھی آیا ہے جس کو اعمش نے روایت کیا ہے اور اسے مسلم نے عنوان ''ایمان'' کے تحت اعمش اور یونس بن عبید کے حوالے سے اور ابوداؤد نے حکم بن عتبہ کے حوالے روایت کیا ہے لیکن ان دونوں کی روایات کا مآخذ ابراہیم بن یزید بن شریک اور ان کے والد اور ابوذر کی روایت کردہ حدیث ہے جسے ترمذی نے ''حدیث حسن'' بتایا ہے۔ ترمذیؒ کے بقول اس ''حدیث حسن'' اور اس سلسلے کی دوسری احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے ہم نے گردش افلاک کے بارے میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ بھی بعید از قیاس یا صرف قیاسی نہیں ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے گردش افلاک کے بارے میں کچھ اور کہا ہے وہ قطعی غیر مدلل ہے۔

سورج کا مشرق سے اذن باری تعالیٰ کے بعد مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہونا جسے ہم دیکھتے ہیں اور اس کا تحت العرش سجدہ کرنا جسے ہم نہیں دیکھتے وہ بھی بعید از قیاس نہیں ہو سکتا کیونکہ سورج کا نصف النہار تک پہنچ کر مغرب کی طرف جھکتے ہوئے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہو جانا اور اپنی گردش کی یومیہ تکمیل کے لیے اذن باری تعالیٰ کا منتظر رہنا اور پھر اس کا جاری رکھنا جسے ہم شام تک دیکھتے ہیں اور رات کے اوقات میں اس کا اپنی گردش جاری رکھنا جسے ہم نہیں دیکھ سکتے وہ سب قرآن واحادیث

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سے ثابت ہے۔

جب نظام کائنات کے بارے میں جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہے متعدد آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی (ﷺ) کی رو سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ یہ سب کچھ دستِ قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت چل رہا ہے تو اس امر سے عقلاً بھی کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے کہ جب قربِ قیامت سورج اپنی حسبِ معمول یومیہ گردش کو رات تک مکمل کر کے دوبارہ مشرق سے طلوع کرے گا تو اسے تادیر یہ اجازت نہ ملے گی اور جب اجازت ملے گی تو اس حکم کے ساتھ کہ وہ اب مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے اپنے مغربی مستقر سے طلوع ہوگا اور جب سورج خلافِ معمول مغرب سے طلوع ہوگا تو اہل دنیا جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرتِ کاملہ کے منکر ہوں گے۔ خدائے تعالیٰ اور اس کی قدرت پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں گے لیکن اس وقت ان کا یہ دعویٰ اور ان کے سابقہ اعمال کی توبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگی۔ سورج کی گردش اور اس کا مشرق و مغرب میں بالترتیب طلوع و غروب ہمارے سامنے ہے اور اُمیہ بن صامت نے اپنے مندرجہ بالا اشعار میں اسی حد تک بات کی ہے جسے ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہی بات اللہ تعالیٰ نے آیہ شریفہ ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ میں ارشاد فرمائی یعنی رات اور دن یکے بعد دیگرے اس کے حکم کے تحت آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ایک حد تک پہنچ کر اس کے حکم کے تحت یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا یعنی دنیا اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔ یہی بات آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اذا اقبل اللیل من ھھنا و ادبر النھار من ھھنا و غربت الشمس فقد افطر الصائم .

یعنی رات اور دن یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں اور دن کو جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو روزہ دار روزہ افطار کرتے ہیں۔ اس لیے محققین کے لیے لازم ہے کہ سورج کی گردش کے بارے میں ان بدیہی حقائق سے تجاوز نہ کریں۔

یہ جو راتیں اور دن نظام قدرت کے تحت بالترتیب اوّل ربیع سے آخر ربیع تک اور اوّل خریف سے آخر خریف تک گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں اور پھر اعتدال پر آ جاتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بندوں کی ضروریات اور ان کی سہولت کے لیے ہوتا رہتا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں سفیان بن عیینہ کی زبانی زہری' سعید بن مسیبؒ اور ابوہریرہؓ کے حوالے سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ابن آدم اپنی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے زمانے کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانوں کا ردوبدل یعنی رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کرنا میرے قبضہ قدرت میں ہے اور یہ میرے ہی حکم سے ہوتا ہے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ انا الدھر اقلب لیلہ و نھارہ یعنی میں خود زمانہ (دہر) ہوں اور میں خود ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدلتا رہتا ہوں۔ امام شافعی' ابی عبید القاسم بن سلام وغیرہ کہتے ہیں کہ اس قولِ خداوندی میں ''انا الدھر'' سے مراد ''فاعل دہر'' ہے جس کے حکم سے زمانے بدلتے رہتے ہیں لہٰذا جو انسان دہر یا زمانے کو برا کہتا ہے وہ گویا اس کے فاعل کو برا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کہتا ہے ورنہ دھریا زمانہ تو مخلوق ہے جو کسی طرح خالق کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔

راتوں اور دنوں کے تغیر و تبدل اور مہینوں اور سالوں کا جو حساب ہم ان کے لحاظ سے لگاتے ہیں اس کے سلسلے میں ذرا ان آیات پر غور کیجیے جن میں اس کی وضاحت موجود ہے:

① ﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، تُوْلِجُ اللَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی اللَّیْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾

② ﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیَاتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ﴾

ان آیات میں پہلی آیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے جسے جو چاہے بخش دے اور جس سے چاہے لے لے وہی عزت دینے والا ہے اور وہی جسے چاہے ذلت سے ہمکنار کر دے روز و شب کا تغیر و تبدل اسی کے دست قدرت میں ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کر دینا اسی کے دست قدرت میں ہے اور وہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرما دے جب کہ دوسری آیہ شریفہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بخشا ہے اور ان کے منازل مقرر فرما دیئے ہیں تاکہ اس کے بندے یعنی ہم انسان ان کے ذریعہ اپنے سنین (برسوں) کا حساب رکھ سکیں نیز یہ اس نے جو کچھ پیدا کیا ہے یعنی ہر چیز کی تخلیق میں اس کی قدرت کے ساتھ اس کی حکمت کاملہ شامل ہے۔ اس نے اپنی یہ نشانیاں انسانوں کے سمجھنے کے لیے بنائی ہیں اور دن رات کا اختلاف بھی ان کے سامنے اس لیے رکھا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ سورج اور چاند کے لیے اس نے جو بالترتیب الفاظ ضیا اور نور استعمال فرمائے ہیں ان کا راز یہ ہے کہ اس نے سورج کو شعاعیں بخشی ہیں جن سے چاند اکتساب نور کرتا ہے اور ہر مہینے کے آغاز میں ہلال کی شکل میں نمودار ہو کر پندرھویں شب تک بڑھتا رہتا ہے جس کے بعد آخر ماہ تک گھٹتے گھٹتے آخری روز غائب ہو جاتا ہے اور اگلے مہینے کی پہلی تاریخ سے قبل کی شب میں دوبارہ ہلالی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چاند کا یہ گھٹنا بڑھنا اس کے سورج سے قرب و بعد کو ظاہر کرتا ہے اور یہ بات اب ہم سب جان گئے ہیں کہ سورج کے طلوع و غروب سے رات اور دن کے علاوہ مہینوں اور برسوں کا حساب رکھنا آسان ہے خصوصاً چاند کے نمودار ہونے اور اس کے آسمان سے غائب ہو جانے سے بالترتیب ہر مہینے کی ابتدا اور انتہا معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن میں خود ارشاد فرمایا:

﴿ وَ جَعَلْنَا اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَا اٰیَةَ اللَّیْلِ وَ جَعَلْنَا اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ وَ کُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ﴾

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہم نے یہ سب باتیں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے بیان کی ہیں۔

آسمانی کواکب میں سے علمائے تفسیر نے سات کو سیارے بتایا ہے جنہیں مفسرین کی اصطلاح میں متحیرہ کہا گیا ہے۔ ان مفسرین کے دعوے جو علم الاحکام کے خلاف نہیں درست ہیں لیکن جو اس کے برعکس ہیں وہ یقیناً باطل ہیں کیونکہ اپنے ان دعاوی کے لیے دلائل پیش کرنے سے وہ اب تک قاصر رہے ہیں۔ بہرحال ان کے بتائے ہوئے سات سیاروں کے نام یہ ہیں:

① قمر (چاند) جو آسمان دنیا میں ہے۔

② عطارد' جو دوسرے آسمان میں ہے۔

③ زہرہ' جو تیسرے آسمان میں ہے۔

④ شمس (سورج) جو چوتھے آسمان میں ہے۔

⑤ مریخ' جو پانچویں آسمان میں ہے۔

⑥ مشتری' جو چھٹے آسمان میں ہے۔

⑦ زحل جو ساتویں آسمان میں ہے۔

باقی کواکب یا ستارے جنہیں وہ ثوابت کہتے ہیں ان کے نزدیک آٹھویں آسمان میں ہے لیکن اکثر متاخرین نے اسے ''کرسی'' بتایا ہے' تاہم زمانہ ماضی قریب کے محققین کے نزدیک یہ جملہ ستارے اور سیارے آسمان اوّل ہی میں ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ آخری محقق اپنے وعدے کے ثبوت میں بطور دلیل مندرجہ ذیل دو آیات قرآنی پیش کرتے ہیں:

① ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَ جَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ﴾

② ﴿فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَ أَوْحَى فِي كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَ حِفْظًا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾

وہ ان آیات قرآنی سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں سے زینت و آرائش کے لیے آسمانِ دنیا کو مخصوص کیا ہے۔ لیکن ان ستاروں کے باہم زیر و بالا ہونے سے ان کی پیش کردہ دلیل میں کوئی کوتاہی واقع نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

ان محققین کے نزدیک ساتوں بلکہ آٹھوں آسمان اپنے ستاروں اور سیاروں سمیت مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ چاند جو پہلا سیارہ ہے اپنی گردش ایک ماہ میں اور سورج جو چوتھا سیارہ ہے ماہ بماہ بارہ مرتبہ کر کے اپنی گردش پوری کرتا ہے جب کہ زحل جو ساتواں سیارہ ہے آسمان دنیا کی پیمائش کے لحاظ سے اپنی پوری گردش تیس سال میں مکمل کرتا ہے اور اس لحاظ سے سورج کی گردش آسمان کے دائرے میں بارہ مہینوں میں ۳۶۰ مرتبہ ہوتی ہے اور ایک سال کے یہی یعنی ۳۶۰ دن ہوتے ہیں۔

علم کلام کے (نام نہاد) ماہرین نے ستاروں کے مقامات ان کی حرکات و گردش اور ان کی وسعت پر گفتگو کرنے کے بعد علم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

الاحکام پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ حوادث ارضی پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت اس سلسلے میں کم سواد معلوم ہوتے ہیں۔ رہے یونانی تو وہ قبل مسیح علیہ السلام شام میں سکونت پذیر تھے اور انہوں نے اس سلسلے میں بہت سا علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ یہ لوگ عموماً شہر دمشق میں رہے جہاں انہوں نے اس شہر کے سات دروازے بنوائے تھے اور ہر دروازے کے ساتھ ایک ہیکل (عبادت گاہ) تعمیر کرائی تھی جو سات ستاروں کی جداگانہ صفات سے موسوم کی تھی۔ ان ساتوں ہیکلوں میں وہ عبادت کرتے تھے اور ان کے الگ الگ ستاروں سے اپنی اپنی بھلائی کے لیے دعا مانگتے تھے۔ یہ جملہ باتیں مورخین نے لکھی ہیں خصوصاً ''سرالمکتوم'' کے مصنف نے چاند سورج اور دوسرے کواکب کے حوالے سے علمائے حرنانین یعنی عہد قدیم کے حران کے فلسفیوں کا ذکر کیا اور بتایا ہے کہ وہ سب مشرک تھے اور سات ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا گروہ صائبین کا گروہ کہلاتا تھا۔ انہی کواکب پرستوں کے مشرکانہ اعمال کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ مِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴾

''یعنی رات اور دن کی طرح شمس و قمر بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (مظاہر قدرت) میں سے ہیں (اس لیے) شمس و قمر کو سجدہ کرنے کے بجائے اسے سجدہ کرو جو ان کا خالق ہے''۔

اسی طرح قرآن شریف میں ایک جگہ ہدہد کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ پرندہ یمن کی ملکہ سبا اور اس کے لشکر کی خبر لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا نیز انہیں اس کے حسن و جمال اور کثرتِ جاہ و مال کی بھی خبر دی۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ہدہد کی زبانی یوں فرمایا:

﴿ إِنِّي وَجَدْتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَ أُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ...... الخ ﴾

اللہ تعالیٰ نے عبادت کے حوالے آگے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ ...... الخ ﴾

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ قرآن میں فرمایا:

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دَاخِرُونَ ...... الخ ﴾

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴾

اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾

اس موضوع پر قرآن میں کثرت سے بڑی اہم آیات ملتی ہیں۔

ایسی اکثر چیزیں زمین اور آسمان پر ہمارے مشاہدے میں شب وروز آتی ہیں جن میں اجرام فلکی خصوصاً چانداور سورج بھی شامل ہیں جو اس لحاظ سے بڑے معتبر ہیں کہ ان کی چمک دمک میں کسی حیثیت سے تردید نہیں کی جاسکتی اور جنہیں دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی الوہیت اوران کے معبود ہونے کی تردید کی اوران کی عبادت کو باطل ٹھہرایا جس کا تذکرہ خود اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (غائب ہونے والے) فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ...... الخ﴾

اس آیہ شریفہ سے بطور برہان قطعی معلوم ہوتا ہے کہ اجرام سماوی میں جن کواکب اور چاند سورج کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ الوہیت کے لحاظ سے کسی حیثیت کے حامل نہیں ہیں کیونکہ وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اپنی گردش کے لحاظ سے بھی مسخر ہیں یعنی جن کاموں پر مامور ہیں انہی کو بجالانے کے پابند ہیں اپنی طرف سے کچھ کر سکتے ہیں نہ اپنی حدود سے ذرہ بھر تجاوز کر سکتے ہیں۔ یہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ دیگر اشیائے کائنات کی طرح کواکب اور شمس وقمر بھی مخلوقات خداوندی میں شامل اور مسخر ہیں اور احکام خداوندی کے پابند ہیں جیسا کہ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾

اور پھر سورج اور چاند کی پرستش سے منع کر کے صرف اپنی پرستش کا حکم دیا:

﴿وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں جو حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) صلات کسوف (سورج گرہن کی نماز) کے تحت درج ہے جسے ابن عمر نے ابن عباس عائشہ اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے کے دوران میں فرمایا:

ان الشمس والقمر آيتان من آيات الله عزوجل وانهما لا ينكسفان لموت احد و لا لحياته.

''یعنی سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں اور وہ کسی کی موت یا پیدائش پر گہن میں نہیں آتے''۔

بخاریؒ نے مسدد، عبدالعزیز بن مختار، عبداللہ داناج اور ابوسلمہ کی زبانی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تخلیق کائنات کے بارے میں جو حدیث نبوی پیش کی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درج کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اور چاند قیامت کے دن اپنی اپنی روشنی سے محروم ہوجائیں گے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس حدیث کو بخاریؒ نے خصوصی طور پر تخلیق کائنات کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

حافظ ابوبکر البزار نے اس حدیث کی روایت میں تمہیداً تفصیل میں جاتے ہوئے ابراہیم بن زیاد بغدادی یونس بن محمد' عبدالعزیز بن مختار کی زبانی عبداللہ الداناج کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر یعنی عبداللہ الداناج نے کہا کہ انہوں نے خالد بن عبداللہ قسری کے زمانے میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو کہتے سنا کہ ایک روز وہ یعنی ابوسلمہ مسجد کوفہ میں بیٹھے تھے کہ وہاں جناب حسن تشریف لے آئے تو باتوں باتوں میں ابوسلمہ نے انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مندرجہ بالا حدیث نبوی یوں سنائی۔ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:(ان الشمس و القمر ثوران في النار يوم القيامة) ابوسلمہ سے یہ حدیث سن کر جناب حسن نے ان سے پوچھا: ''ان کا دین کیا ہے؟'' یہ سن کر ابوسلمہ بولے: ''میں آپ سے روز قیامت سورج اور چاند کی انتہا کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت بیان کر رہا ہوں کہ وہ قیامت کے روز آگ (نار جہنم) میں شامل کر دیئے جائیں گے اور آپ مجھ سے ان کے دین کے بارے میں پوچھ رہے ہیں''۔ اس کے بعد البزار نے کہا کہ انہوں نے یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صرف اس واقعے کی وجہ سے روایت کی ہے۔ عبداللہ الداناج نے بھی ابوسلمہ کے حوالے سے اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث روایت نہیں کی۔

حافظ ابویعلیٰ موصلی نے جو حدیث نبوی ﷺ (ان الشمس و القمر ثوران عقيران في النار) یزید رقاشی کے حوالے سے بیان کی ہے اور اس میں انس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے ضعیف بتائی گئی ہے۔

اس کے علاوہ قرآنی الفاظ ﴿إِذَا لشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ کی وضاحت کے سلسلے میں ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ابوسعید اشجع' عمر بن عبداللہ ازدی اور ابواسامہ نے مجالد اور شیخ بجیلہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ان الفاظ قرآنی کی وضاحت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں کی کہ اللہ تعالیٰ سورج' ستاروں اور چاند کو روز قیامت سمندر میں ڈبو کر ان کی روشنی زائل فرما دیں گے' پھر اس کے بعد ایک گرم ہوا چلا کر انہیں حرارت بخشیں گے اور پھر انہیں آگ (آتش دوزخ) میں شامل فرما دیں گے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج' چاند اور ستارے سب کے سب دوسری اشیائے کائنات کی طرح مخلوق خداوندی ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کامل ارادے کے تحت تخلیق کیا اسی طرح جو سلوک ان کے ساتھ جب چاہیں گے فرمائیں گے جو سب اس کی حکمت بالغہ پر مبنی ہوگا اس لیے کسی کو اس کے علم اور حکمت کے بارے میں سوال کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

امام محمد بن اسحٰق بن یسار نے اپنی کتاب ''كتاب السيرة من الشعر'' کے آغاز میں آسمان' زمین' سورج' چاند' ستاروں اور کائنات کی دیگر اشیاء کی تخلیق کے بارے میں یزید بن عمر بن نفیل کے بڑے خوبصورت اشعار درج کیے ہیں جن کے بارے میں ابن ہشام کی رائے یہ ہے کہ وہ اشعار امیہ ابن ابی صامت کے ہیں۔

بہرکیف مندرجہ بالا آیات قرآنی' احادیث نبوی (ﷺ) اور دیگر مستند روایات کے مطالعے کے بعد اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ آسمانوں' زمینوں کواکب یعنی سیاروں اور ثوابت وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور انہیں اپنے حکم سے ان کے متعلقہ کاموں پر جس طرح چاہا مامور فرمایا اور ان کے ساتھ آخر کار جو چاہے گا کرے گا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اکثر مفسرین نے ستاروں اور سیاروں کے تذکرے اور قصہ ہاروت و ماروت کہ زہرہ پہلے ایک عورت تھی جسے دو فرشتوں ہاروت و ماروت نے زمین پر آ کر اور اس کے حسن بے مثال سے متاثر ہو کر اسے اسم اعظم سکھا دیا تھا جسے پڑھ کر وہ ستارہ بنی اور آسمان پر چلی گئی لیکن یہ صرف خیالی باتیں ہیں جسے اسرائیلیات سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ متقدمین نے یہ بات کعب احبار سے سن کر محض ایک کہانی کے طور پر بیان کر دی ہو اور اس کا ماخذ اسرائیلیات کو بھی بتایا ہو۔ امام احمدؒ اور حبان نے اس حکایت کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے لیکن احمدؒ نے یحییٰ ابن بکیر کی زبانی زہیر بن محمد، موسیٰ بن جبیر، نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس حکایت کو آخر الذکر نے آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے تفصیلاً سنا تھا جو یہ تھا کہ ہاروت و ماروت زہرہ کے بے مثال حسن سے متاثر ہوئے اور اس سے جسمانی اتصال کے خواہش مند ہوئے تو زہرہ نے یہ شرط رکھی کہ اسے اسم اعظم لکھا دیا جائے جو ہاروت و ماروت نے اسے سکھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زہرہ اسے پڑھ کر ستارہ بنی اور آسمان پر چلی گئی اور ہاروت و ماروت اللہ کے نزدیک سزا کے مستحق ٹھہرے لیکن جہاں تک اس حکایت میں آنحضرت ﷺ کے حوالے کا تعلق ہے تو وہ روایت ہی ایک تو انتہائی ضعیف ہے اور بفرض محال درست بھی ہو تو یقیناً آپ نے اسے بیان فرما کر اس کے بارے میں ساتھ ہی اسے اسرائیلیات کے من گھڑت افسانوں میں شامل فرمایا ہوگا تاہم جیسا کہ سطور بالا میں ہم نے عرض کیا یہ بھی کسی نہ کسی طرح متقدمین کی روایات میں شامل ہو گیا ہے لیکن اسے صرف ایک کہانی ہی سمجھنا چاہیے۔

ہماری اس گزارش کا سب سے بڑا بین ثبوت یہ ہے کہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں یہ قصہ بیان کرتے ہوئے ثوریؒ، موسیٰ بن عقبہؒ اور سالمؒ کے حوالوں کے آخر میں کعب احبار کا حوالہ دیا ہے اور کعب احبار انجیل کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اسرائیلیات میں شامل کچھ ایسے قصے بھی بیان کیا کرتے تھے جو ظاہر ہے کہ اسرائیلیات کے دوسرے من گھڑت افسانوں کی طرح درحقیقت خلاف واقعہ ہوتے تھے۔

ہماری ان گزارشات کا ایک اور مدلل ثبوت یہ ہے کہ جن راویوں نے اس قصے کی روایت کو دوسرے متعدد راویوں کے حوالے سے احادیث نبوی (ﷺ) تک پہنچایا ہے ان جملہ احادیث کو اکثر ثقہ محدثینؒ نے کمزور اور غیر مستند بتا کر جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کعب احبار کے بیان کردہ دوسرے اسرائیلی افسانوں میں شامل کیا ہے حتیٰ کہ بخاری اور نسائی جیسے ثقہ و مستند محدثین نے اس سلسلے میں احادیث کی حد تک ان کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس قصے کو اسرائیلیات کی خرافات سے منسوب کیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مجرہ اور قوسِ قزح کا ذکر

ابوالقاسم طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن عبدالعزیز' عارم ابونعمان اور ابوعوانہ نے ابی بشر' سعید ابن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ رومی حکمران ہرقل نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھ کر ان سے درخواست کی تھی کہ وہ ان چند چیزوں کے بارے میں اسے لکھیں جن کے متعلق اکثر لوگ اس سے سوالات کرتے ہیں بشرطیکہ انہیں (معاویہ کو) عہد نبوت میں کسی نے ان کے بارے میں بتایا ہو۔ ابوالقاسم طبرانی مزید کہتے ہیں کہ ہرقل نے اپنے مذکورہ بالا خط میں معاویہؓ سے خاص طور پر مجرہ اور قوس قزح کے بارے میں پوچھا تھا اور معاویہؓ نے ہرقل کا وہ خط ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا تھا تا کہ وہ اس کی طرف سے اس خط کا جواب دے دیں۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہرقل کے ان سوالات کے جواب میں لکھا تھا کہ قوس قزح وہ ذریعہ ہے جس کی وجہ سے اہل زمین مکمل طور پر غرق ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور مجرہ آسمان کا وہ دروازہ ہے جو آسمان اور زمین کی حد فاصل ہے۔

چونکہ ہرقل نے اس بقعہ نور کے بارے میں بھی سوال کیا تھا جہاں سورج کی براہِ راست شعاعیں دن میں صرف ایک لمحے کے لیے پہنچتی ہیں اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا جواب بھی دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ جس روشنی و تمازت میں مل کر سورج کی شعاعیں بوقت نصف النہار زمین پر منعکس ہوتی ہیں وہ خط استواء ہے جس کے نیچے ذرا فاصلے سے بحر بنی اسرائیل کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ جملہ اسناد ابن عباس رضی اللہ عنہما تک صحیح تسلیم کی گئی ہیں لیکن اس سلسلے کی ایک دوسری روایت میں جو طبرانی ہی سے بحوالہ ابراہیم بن مخلد' فضل بن مختار' محمد بن مسلم طائفی' ابی یحییٰ' مجاہد اور جابر بن عبداللہ مروی ہے بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب معاذ کو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے پاس بھیجا تھا تو ان سے فرمایا تھا کہ "میں تمہیں اہل کتاب کے پاس بھیج رہا ہوں لیکن اگر وہ تم سے (اور سوالات کے علاوہ) یہ بات دریافت کریں کہ آسمانی مجرہ کیا چیز ہے تو انہیں بتانا کہ وہ عرش کے نیچے ایک جاندار لعاب ہے"۔

اس روایت میں جس حدیث نبوی (ﷺ) کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے جملہ ثقہ راویوں نے جن میں حافظ ابوالفتح ازدی شامل ہیں انکار کرتے ہوئے اس کو "حدیث منکر" میں شامل کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس حدیث کا اصل راوی فضل بن مختار یعنی ابوسہل بصری ہے جو بصرے سے مصر چلا گیا اور ابو حاتم رازی کے بقول وہ ایک مجہول سا آدمی تھا جس نے بہت سی احادیث گھڑ لی تھیں جو سراسر نا قابل اعتبار ہیں کیونکہ ان میں کوئی مستند حوالہ تک نہیں ہے۔ اس کے بارے میں یہی بات ابن عدی نے بھی کہی ہے اور اس کی روایت کردہ جملہ احادیث کو من گھڑت اور نا قابل اعتبار بتایا ہے جب کہ اس سلسلے میں نیز دیگر تخلیقات ارضی وسماوی کے بارے میں مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی بالکل واضح ہیں:

① ﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ﴾

② ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ﴾

اس کے علاوہ امام احمدؒ نے یزید بن ہرون‘ ابراہیم بن سعد‘ ان کے والد اور بنی غفار کے ایک بزرگ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آخر الذکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

ان اللہ ینشیء السحاب فینطق احسن النطق ویضحک احسن الضحک.

اس حدیث کو موسیٰ بن عبیدہ بن سعد بن ابراہیم کو روایت کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

”اس کا (بادل کا) نطق رعد کی آواز اور اس کی تضحیک برق ہے“۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد اور ہشام سے عبید اللہ رازی اور محمد بن مسلم کے حوالے سے سنا کہ انہیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ برق ایک فرشتہ ہے جس کے چار منہ ہیں۔ اس کا ایک منہ انسان کے منہ کی طرح دوسرا بیل کے منہ کی طرح‘ تیسرا گدھ کی طرح کے ایک پرندے کے منہ کی طرح اور چوتھا شیر کے منہ کی طرح ہے۔ جب وہ فرشتہ اپنے جسم کے پچھلے حصے کو جنبش دیتا ہے تو اس سے جو چمک پیدا ہوتی ہے وہی برق ہے۔

امام احمدؒ سے مروی ایک روایت کو ترمذیؒ‘ نسائی اور بخاریؒ نے ”کتاب الادب“ کے تحت بیان کیا ہے نیز حاکم نے اپنی کتاب ”مستدرک“ میں لکھا ہے کہ حجاج بن ارطاۃ کے بقول انہیں ابن مطر نے سالم اور ان کے والد کے حوالے سے بتایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم‘ رعد کی گرج اور برق کی کڑک سنتے تو فرماتے:

اللّٰھم لا تقتلنا بغضبک و لا تھلکنا بعذابک و عافنا قبل ذالک.

ابن جریر نے لیث کی زبانی اور ایک اور شخص اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رعد کی آواز سن کر فرمایا کرتے تھے: ”سبحان من یسبح الرعد بحمدہ“ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بقول آپ آواز رعد سن کر ”سبحان من سبحت لہ“ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی یہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما‘ اسود بن یزید اور طاؤس وغیرہ سے مروی ہے جب کہ مالک نے عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (بارش میں؟) رعد کی گرج سنتے تو باتیں کرنا موقوف فرما کر فرماتے: ”سبحان من یسبح الرعد بحمدہ و الملائکۃ من خیفتہ“ پھر اس کے بعد ارشاد فرماتے: ”ان ھذا وعید شدید لاھل الارض“ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین والوں کے لیے شدید تنبیہ ہے۔

امام احمدؒ ابوہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (برق و رعد کے بارے میں) یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے لیے فرمان ہیں کہ:

”اگر تم میرے بندے ہو تو میری اطاعت کرو کہ میں راتوں کو بھی انہیں بارش سے سیراب کرتا ہوں اور تمہارے لیے دن کو سورج طلوع کرتا ہوں۔ تو جب تم رعد کی آواز سنا کرو تو اللہ کا ذکر کیا کرو (کیونکہ) اللہ اپنے ذکر کرنے والوں کو کبھی کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرتا“۔

یہ سب کچھ تفاسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ وللّٰہ الحمد والمنۃ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ۵

تخلیق ملائکہ علیہم السلام اور ان کے اوصاف

اس باب کے آغاز میں ہم وہ آیاتِ قرآنی درج کر رہے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نصرانیوں کے عقیدے کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ اور فرشتوں کے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے نیز یہاں وہ احادیث بھی پیش کی جا رہی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے شبِ معراج آسمانوں پر اپنے مشاہدات کا ذکر فرمایا:

ارشاداتِ باری تعالیٰ:

① ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُوْنَ ○ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُوْنَ ○ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ إِنِّيْ إِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهِ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِيْنَ﴾

② ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَلَا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

③ ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

④ ﴿فَإِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُوْنَ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ○ يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾

⑤ ﴿وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ . وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾

⑥ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾

⑦ ﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾

⑧ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾

⑨ ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾

⑩ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِيْ أَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

⑪ ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيْلًا ○ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

الکافرین عصیرًا﴾

⑫ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ اَوْنَرٰی رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ وَ عَتَوْا عُتُوًّا کَبِیْرًا یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾

⑬ ﴿وَ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ جِبْرِیْلَ وَ مِیْکَالَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکَافِرِیْنَ﴾

⑭ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾

ان آیات میں جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا تخلیق ملائکہ کے ساتھ ان کے فرائض اور اوصاف کے علاوہ مومنوں اور کافروں کے اعمال اور روز قیامت ان کی جزا و سزا کے بارے میں کسی قدر وضاحت کی گئی ہے اور ایسی آیات قرآن شریف میں جگہ جگہ حسب موقع کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

ان آیات کی مکمل تفاسیر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں کی ہیں اور بتایا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی تخلیق' ان کے عوامل' ان کی عظیم اور مختلف اشکال کا ذکر وضاحت سے فرمایا ہے ہمارے علاوہ دیگر علماء نے بھی ان آیات کی تفاسیر میں وضاحت کی ہے کہ یہ فرشتے مختلف اشکال میں زمین پر آتے رہتے ہیں خصوصاً جبریل علیہ السلام کے متعلق خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں متعدد بار کبھی دحیہ بن خلیفہ کلبی کی شکل میں' کبھی کسی اعرابی (بدوی) اور کبھی اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوئے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کے پر دار بازو (پنکھ) چھ سو ہیں جو مشرق سے مغرب تک پھیل جاتے ہیں اور آپ نے انہیں دو بار ملاحظہ فرمایا۔ ایک بار تو اس وقت جب وہ آسمان سے زمین پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوسری بار شب معراج آپ نے ان کے یہ پنکھ ''سدرۃ المنتہیٰ'' کے قریب دیکھے جو ''جنت الماویٰ'' کے نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ ﴿عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ○ ذُوْمِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی وَ ھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی﴾ (آیت) اس حدیث مبارکہ کو مندرجہ بالا آیہ شریفہ کے حوالے سے ہمارے علاوہ کئی دوسرے علماء و صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بیان کیا ہے جن میں ابن مسعودؓ' ابوہریرہؓ' ابوذر (غفاری) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔ اس حدیث میں اس قول باری تعالیٰ ﴿فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ○ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی﴾ کی طرف صاف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ شب معراج ملاء اعلیٰ میں نازل فرمائی لیکن اسے ﴿اَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی﴾ فرمایا تاہم اس ارشاد ربانی میں ''الی عبدہ'' سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہی مراد ہے جو ایک بدیہی بات ہے۔

ہم نے احادیث اسرا کی تفسیر میں ''سدرۃ المنتہیٰ'' کے بارے میں بیان کر دیا ہے کہ وہ آسمان ہفتم پر ہے لیکن ایک روایت میں ہے کہ اس کی جڑ آسمان ششم پر ہے اور وہیں اس کی شاخیں پھوٹی ہیں مگر اس کی بلندی آسمان ہفتم تک گئی ہے نیز یہ کہ اس کی شاخیں اور پتے نوری ہیں اور چونکہ بدیہی طور پر یہ نور' نور خداوندی ہے اس لیے اس کے تفصیلی ذکر اور صفات کے بیان سے انسان قاصر ہیں۔ ویسے یہاں اس کا تفصیلی ذکر بھی بے محل ہوگا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس سے قبل ہم سمندروں اور دریاؤں کا ذکر کرتے ہوئے ایک حدیث کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ ''سدرۃ المنتہیٰ'' کی جڑ سے چار دریا نکلتے ہیں جن میں سے دو جنت ہی میں ہیں اور دو زمین پر نیل وفرات کی شکل میں بہتے ہیں۔

شب معراج میں آسمانوں پر اپنے مشاہدات کا ذکر فرماتے ہوئے ''سدرۃ المنتہیٰ'' کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثم رفعت لی الی سدرۃ المنتھی فاذا بنقھا کا لعلال[1] و اذا و رقھا کآذان الفیلۃ.

''یعنی اس کی شاخیں (بلندی میں) ستونوں جیسے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں''۔ (مترجم)

سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلنے والے دریاؤں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

و اذا یخرج من اصلھا نھران باطنان و نھران ظاھران فاما الباطنان فی الجنۃ و اما الظاھران فالنیل و الفرات.

''اس کی جڑ سے نکلنے والے دو باطنی اور دو ظاہری دریا ہیں' باطنی دریا جنت میں ہیں اور ظاہری دریا (زمین پر) دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں) ان دریاؤں کا ذکر ہم سمندروں اور دریاؤں کے ضمن میں پہلے ہی کر چکے ہیں''۔ (مؤلف)

مذکورہ بالا حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ''بیت المعمور'' کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ:

''اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن وہ فرشتے اس میں دوبارہ نہیں جاتے''۔

''بیت المعمور'' کے ذکر کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''وہاں میں نے (حضرت) ابراہیم خلیل اللہ کو دیکھا جن کی پشت ''بیت المعمور'' کی طرف تھی''۔

''بیت المعمور'' کا ذکر کرتے ہوئے ہم پہلے (تفسیر میں) بتا چکے ہیں کہ وہ ساتویں آسمان پر ایک مسجد ہے جیسے خانہ کعبہ زمین پر ہے۔

سفیان ثوری' شعبہ اور ابوالاحوص کی زبانی سماک بن حرب اور خالد بن عرعرہ کے حوالے سے مروی ہے کہ ابن الکوا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ''بیت المعمور'' کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ (ترجمہ) وہ آسمان پر ایک مسجد ہے جسے ''ضراح'' کہا جاتا ہے اور وہ مسجد کعبہ کے شکل کی ہے اور آسمان میں اس کے یعنی خانہ کعبہ کے عین اوپر ہے' آسمان پر اس کی عزت وحرمت ایسی ہی ہے جیسے زمین پر خانہ کعبہ کی ہے' اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھنے جاتے ہیں لیکن وہ وہاں دوبارہ نہیں جاتے۔

یہی روایت علی بن ربیعہ اور ابوطفیل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے۔

[1] بعض روایات میں ''کقلال الحجر'' بھی آیا ہے (مؤلف) یعنی عمدہ عمدہ موٹے اور بلند ستون۔ (مترجم)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے حسن بن علویہ القطان' اسماعیل بن عیسیٰ العطار' اسحاق بن بشر ابو حذیفہ اور ابن جریج نے صفوان بن سلیم' کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''بیت المعمور' آسمان پر ہے جسے ضراح کہا جاتا ہے' وہ آسمان پر بیت اللہ کی بالکل سیدھ میں ہے' اس کی خبر جسے بھی ہے اسی کو ہے' اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن انہیں وہاں دوبارہ داخل ہوتے کسی نے نہیں دیکھا' اس کی حرمت آسمان پر (بالکل) ایسی ہی ہے جیسی زمین پر مکہ میں خانہ کعبہ کی ہے''۔

اسی طرح عوفی نے ابن عباس' انس' مجاہد' عکرمہ' ربیع بن انس' السدی رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے راویوں کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیت المعمور کا ذکر فرمایا اور پھر دریافت فرمایا کہ آیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے (اور کہاں ہے؟) اس کے بعد قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی (اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آسمان پر خانہ کعبہ کے شکل کی ایک مسجد ہے جسے کوئی صرف ایک بار ہی دیکھ سکتا ہے' اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ نماز ادا کرنے جاتے ہیں لیکن ایک بار کے سوا وہ یعنی وہ جو ایک بار وہاں جا چکے ہوتے ہیں دوبارہ نہیں جاتے''۔

ضحاک کے خیال میں اسے یعنی بیت المعمور کو ابلیس (اس پر اللہ کی لعنت ہو) اور ان ملائکہ نے جو اس کے ساتھ اور جن کہلاتے تھے تعمیر کیا ہے۔ واللہ اعلم

متاخرین بیان کرتے ہیں کہ ہر آسمان پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے ایک گھر (بیت۔ مسجد) بنا رکھا ہے اور وہ اس میں نوبت بہ نوبت (وقتاً فوقتاً) یکے بعد دیگرے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ویسے ہی حاضر ہوتے رہتے ہیں جس طرح اہل ارض حج کے لیے ہر سال اور عمرہ کے لیے جب چاہیں خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر اس کا طواف کرتے ہیں اور وہاں عبادت کرتے ہیں یعنی نماز ادا کرتے ہیں۔

سعید بن یحییٰ بن سعید اموی اپنی کتاب ''المغازی'' میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابو عبید نے مجاہد کی زبانی بیان کیا کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کے ساتوں طبقات پر جو حرم پاک تعمیر کیے گئے ان کی تعداد ۱۴ ہے اور ''بیت المعمور'' جو آسمان پر تعمیر کیا گیا ان میں سے ایک ہے اور چوتھا ہے جو زمین کی پیمائش سے سات گنا بڑا ہے۔ ویسے ہر آسمان پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک حرم تعمیر کیا گیا ہے بیت المعمور کی عزت و حرمت آسمان پر ویسی ہی ہے۔ جیسی زمین پر بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی ہے۔

یہی روایت ایک اور جگہ مجاہد ہی سے ابو معاویہ' اعمش اور ابی سلیمان موذن الحجاج کے حوالے سے مروی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آخر الذکر یعنی ابی سلیمان نے عبداللہ بن عمرو کو کہتے سنا کہ حرم محرم جو آسمان پر ہے اس کا طول و عرض زمین سے سات گنا ہے نیز یہ آسمان کے اس حرم پاک کا نام ''بیت العزۃ'' بھی لیا جاتا ہے' اس میں پہلے داخل ہونے کا شرف جس فرشتے کو ملا اس کا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نام اسماعیل ہے مگر اس کے بعد ہر روز ستر ہزار فرشتے اس ''بیت المعمور'' میں داخل ہوتے ہیں لیکن انہیں اس میں ایک دفعہ کے بعد دوبارہ وہاں جانے کا موقع نہیں ملتا نہ ابدالآباد تک انہیں یہ موقع کبھی ملے گا کیونکہ فرشتوں کی تعداد بے شمار ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ ﴾

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں اسود بن عامر اور اسرائیل نے ابراہیم بن مہاجر' مجاہد' مورق اور ابوذر کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے آسمان پر جو کچھ دیکھا وہ تم نہیں دیکھ سکتے اور میں نے (وہاں) جو کچھ سنا وہ تم نہیں سن سکتے کیونکہ اس سماعت کا حق آسمان تک محدود ہے' وہاں ہر جگہ چار چار فرشتے چاروں انگلیوں کی طرح برابر سجدے میں مشغول رہتے ہیں اور اس طرح وہاں حبہ بھر جگہ باقی نہیں رہتی' میں جو کچھ جانتا ہوں اگر تمہیں بھی اس کا علم ہو جائے تو تم ہنسنے سے زیادہ رونے لگو اور تمہیں اپنی بیویوں کے ساتھ جسمانی اختلاط سے جو حظ حاصل ہوتا ہے وہ کبھی نہ ہو اور خوف عذاب سے ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے (رحم کی) امید کرتے رہو۔ (ترجمہ مفہومی)

یہ حدیث سننے کے بعد ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''کاش میں ایک درخت ہوتا جس پر عذاب نہ ہوتا''۔ یعنی غیر مکلف ہوتا۔

یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو ''حسن'' اور ''غریب'' بتا کر کہا ہے کہ اس کا استناد ابوذر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حسین بن عرفہ مصری' عروہ بن عمران الرقی اور عبید اللہ بن عمرو سے عبدالکریم ابن مالک' عطاء بن ابی رباح اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے وہ حدیث نبوی سنی جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ساتوں آسمانوں میں سے کسی پر ایک قدم' ایک بالشت اور ایک کف دست کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے' قیام' رکوع' یا سجدے میں نہ ہو اور جب قیامت کا دن آئے گا تو (اس روز بھی) وہ سب کے سب کہیں گے کہ ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا بجز اس کے کہ ہم نے شرک نہیں کیا (یعنی تیرے سوا کسی کو معبود نہیں مانا)''۔

ان دونوں احادیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بحالتِ قیام و رکوع یا سجود مصروف نہ ہوں یعنی کچھ تو ان میں سے بحالتِ قیام' کچھ بحالتِ رکوع اور کچھ بحالتِ سجدہ مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور تا قیام قیامت اسی حالت میں رہیں گے۔ واللہ اعلم

بہر حال اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے ہمہ وقت دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے اور اسی طرح تا قیامت یہی کرتے رہیں گے اور ان کے یہ اعمال وہ ہیں جن کا انہیں خود اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حکم دے رکھا ہے۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴾

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں جس طرح فرشتے اس کی عبادت کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں۔ آپ ؐ سے یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(ﷺ) فرشتے کس طرح صف بستہ ہوتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ بھی صف بصف کھڑے ہوتے ہیں'' اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مسلمانوں کو) خود اس کے بقول دوسرے انسانوں پر جو فضیلت دی ہے وہ تین باتوں کی وجہ سے دی ہے ایک یہ کہ ہم نے (یعنی ان انسانوں نے جو خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک گھر زمین پر اسی شکل کا بنایا جیسا آسمان پر ہے' دوسرے یہ کہ ہم نے اسے پاک مٹی سے بنایا' تیسرے یہ کہ ہم اس کی عبادت کے لیے (فرشتوں کی طرح مساجد میں) بھی اسی طرح یعنی صف بستہ خدا کے حضور حاضر ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے ﴿وَ جَآءَ رَبُّکَ وَ الْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا﴾ قیامت میں اس کے روبرو ہماری حاضری کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا﴾ (تمام شد حدیث نبوی ﷺ)

ابن عباسؓ' حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ مندرجہ آیہ شریفہ میں روح سے مراد بنی آدم ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی شکل میں زمین پر نمودار ہوتے رہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے مراد جبریل ہیں جنہیں ''روح القدس'' بھی کہا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں روح سے مراد وہی روح ہے جسے جملہ مخلوقات کی روح سمجھا جاتا ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے انہی کا قول نقل کر کے بتایا ہے کہ اس آیت یعنی ''یوم یقوم الروح الخ''..... میں روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اپنی خلقت کے لحاظ سے عظیم ترین ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن خلف عسقلانی اور داؤد ابن جراح نے ابی حمزہ' شعبی' علقمہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے حوالے سے آخر الذکر کے بقول بیان کیا کہ ''یہاں روح سے مراد چوتھے آسمان پر وہ فرشتہ ہے جو جملہ آسمانوں اور پہاڑوں سے بھی زیادہ عظیم الجثہ ہے اور ہر روز وہ تسبیح بارہ ہزار مرتبہ پڑھتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے اور وہی روز قیامت صفوف ملائکہ میں سب سے آگے کھڑا ہوگا۔ لیکن یہ روایت بہت ہی غریب (عجیب) ہے۔

طبرانی بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم مصری' ابن وہب بن رزق ابو ہبیرہ بشر بن بکر' اوزاعی اور عطاء نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے انہی کی زبانی بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے لیے ساتوں آسمان اور زمین کے ساتوں طبقات ایک نوالے کی طرح ہیں یعنی وہ انہیں (اللہ کے حکم سے) اگر اسے حکم دیا جائے ایک نوالے کی طرح نگل لے۔ اس فرشتے کی تسبیح ''سُبْحَانَکَ حَیْثُ کُنْتَ'' ہے۔

یہ روایت بھی جسے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے طبرانی وغیرہ کے بقول بطور حدیث نبوی (ﷺ) بیان کیا بڑی عجیب و غریب ہے اور یقیناً یہ صرف ایک ہی ہے۔

ویسے ہم بھی ان فرشتوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے حاملین عرش کہلاتے ہیں جابر بن عبداللہ کے حوالے سے ان میں سے ایک فرشتے کا ذکر کر چکے ہیں جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرنے کی اجازت دی ہے اور اس فرشتے کا ڈیل ڈول یہ ہے کہ اس کے کان کی لو سے اس کے کاندھے تک سات سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سات سو سال کی اس مسافت کو ابو داؤد اور ابن حاتم کی روایت حدیث کے مطابق آنحضرت نے کسی پرندے کی سات سو سال تک آہستہ مگر مسلسل پرواز کے برابر فرمایا۔

جبریل علیہ السلام کے بارے میں جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے "علمه شديد القوى" فرمایا ہے۔ ایک مشہور روایت یہ ہے کہ ان کی قوت کا حال یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوط کے سارے شہروں کو جن کی تعداد سات تھی اور ان میں بسنے والی قوم لوط' ان کی اراضیات وعمارات' ان کے تمام پالتو جانور اور ان کے جنگلات کے تمام دوپیرے درندے اور حیوانات وغیرہ کو اپنے ایک پر پر اٹھا لیا تھا لیکن جب انہیں لے کر آسمان کی طرف اتنے بلند ہوئے کہ فرشتوں کے کانوں میں وہاں کے کتوں وغیرہ کی آوازیں آنے لگیں تو انہوں نے ان تمام شہروں کو مذکورہ بالا تمام چیزوں سمیت اُلٹ دیا تھا۔ لہٰذا وہ بقول باری تعالیٰ عزاسمہ' "شدید القویٰ" ہی ہوئے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلقت میں حسین ہونے کے علاوہ بہت سی دوسری صفات کا حامل فرمایا ہے اور بقول آنحضرت ﷺ بھی وہ اللہ تعالیٰ کے قاصد ہونے کے علاوہ خوش منظر ہیں' بڑی قوت والے ہیں' ان کا مقام صاحب عرش کے قریب ہے' ان تمام باتوں سے جبریل علیہ السلام کے اعلیٰ اوصاف کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے صاحب علوئے مرتبت ہیں نیز یہ کہ وہ عرش مجید کے قریب اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام بجالاتے ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ترسیل وحی بھی شامل ہے۔ شریعت کی رو سے بھی یہ روایت روایات صادقہ میں شامل ہے اور جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جبریل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں متعدد بار مختلف شکلوں میں نمودار ہوئے جب کہ دو بار اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوئے تھے اس شکل میں جس میں انہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا تھا۔

امام بخاریؒ نے طلق (؟) بن غنام اور زائدہ شیبانی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آخر الذکر نے ذرا سے قول باری تعالیٰ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى﴾ کی آنحضرت ﷺ کے حوالے سے وضاحت چاہی تھی تو انہوں نے بتایا تھا کہ ان سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا کہ اس سلسلے میں خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ انہوں نے اس جگہ جبریل علیہ السلام کے چھ سو پنکھ دیکھے تھے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ ابن آدم اور شریک نے جامع بن راشد' ابی وائل اور عبداللہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ نے جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا اور ان کے اس صورت میں چھ سو پنکھ ملاحظہ فرمائے اور ہر پنکھ پورے اُفق سماوی کے برابر تھا اور ہر پنکھ میں موتی اور دیگر جواہرات جیسی اشیاء جڑی ہوئی تھیں جن کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

امام احمدؒ ہی نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ان سے حسن بن موسیٰ اور حماد بن سلمہ نے عاصم بن بہدلہ' زر بن حبیش اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آیہ شریفہ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل علیہ السلام کی اصلی شکل وصورت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ان کے چھ سو پنکھ ہیں اور ہر پنکھ موتیوں اور دیگر جواہرات سے مرصع ہے"۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امام احمدؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ان سے زید بن حباب' حسین❶' عاصم ابن بہدلہ نے بیان کیا کہ انہوں نے یعنی ان راویوں نے شقیق بن سلمہ سے سنا اور شقیق نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ آپؐ نے جبریل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر دیکھا تھا تو ان کے چھ سو پنکھ بھی دیکھے تھے۔ امام احمدؒ مزید فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے عاصم سے جبریل علیہ السلام کے پنکھوں بازوؤں کے پروں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے خود تو کچھ نہ بتایا لیکن اتنا کہا کہ انہوں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا کہ ان کا ہر پنکھ مشرق سے مغرب تک کے فاصلے کے برابر ہے۔ تاہم یہ اسناد بہت قوی ہیں جن کے حوالے سے امام احمدؒ نے یہ روایت بطور خاص بیان کی ہے۔

امام احمدؒ اس موضوع پر ایک اور روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سے زید بن حباب نے بیان کیا اور انہوں نے یکے بعد دیگرے حسین' حصین' شقیق اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبانی سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپؐ کے پاس جبریل علیہ السلام جب بھی آئے تو آپ نے ان کے پر ہمیشہ مختلف الالوان اور یوں چمکتے ہوئے دیکھے جیسے سچے موتی چمکتے ہیں۔ یہ تمام اسناد متفقہ طور پر صحیح ہیں۔ (مؤلف)

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابن بزلغ بغدادی نے بیان کیا کہ انہیں اسحٰق بن منصور اور اسرائیل نے ابی اسحٰق' عبدالرحمٰن ابن یزید اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب (شب معراج) جبریل آپ کو رفرف پر سوار کر کے آسمان کی طرف مائل پرواز تھے تو ان کا جسم (طوالت میں) زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا تھا۔ (ترجمہ تشریحی) یہ اسناد بھی نہایت قوی ہیں۔ (مؤلف)

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں مسروق کی بیان کردہ ایک روایت عامر شعبی کے حوالے سے اس طرح درج ہے کہ اوّل الذکر یعنی مسروق نے بیان کیا کہ ایک بار وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس موضوع پر گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم نے خود اللہ تعالیٰ کا قرآن میں یہ ارشاد نہیں پڑھا کہ ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴾ اس کے بعد انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''میں اس امت میں پہلی فرد ہوں جس نے رسول اللہ (ﷺ) سے پہلی بار اس کے بارے میں دریافت کیا تھا اور آپؐ نے (جواباً) ارشاد فرمایا تھا کہ: میں نے جبریل کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو بار دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ وہ اپنی خلقت کے لحاظ سے ہر اس چیز سے بڑے تھے جو (اپنے جثے میں) زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی ہو۔''

صحیح بخاری کی ایک روایت میں باسناد صحیح تحریر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبریلؑ کے بارے میں آیہ قرآنی ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ کا حوالہ دے کر ارشاد فرمایا: ''ہم نے انہیں ان کی اصلی شکل و صورت میں اکثر نہیں دیکھا۔''

❶ یہاں راوی کی مراد حسین ابن واقد سے ہے۔ (محمود الامام)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ عروہ نے ایک دن عمر ابن عبدالعزیزؒ سے جو نماز عصر کے بعد مکمل سکوت اختیار کرتے تھے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے تو وہ آپ کی امامت میں نماز پڑھتے تھے۔ عروہ سے یہ سن کر عمر ابن عبدالعزیزؒ بولے: ''اے عروہ! جو تم کہہ رہے ہو میں اسے خوب سمجھ رہا ہوں کیونکہ میں نے بشر بن ابی مسعود کی زبانی ان کے والد کے حوالے سے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جبریل کی آمد پر جب وہ مجھے وحی پہنچا چکے اور مجھے تسلی دے چکے تو میں نے ان کے ساتھ پانچ مرتبہ نماز پڑھی ہے''۔ اور مسعود نے یہ بھی بتایا کہ آپؐ نے پانچ مرتبہ کی بات اپنی انگلیوں پر گن کر فرمائی۔ (ترجمہ تشریحی)

جہاں تک اسرافیل علیہ السلام کا تعلق ہے تو حاملین عرش میں سے ایک فرشتہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین بار صور پھونکیں گے۔ پہلی بار صور پھونکے جانے پر بنی نوع انسان میں چیخ پکار پڑ جائے گی جب کہ صور کی دوسری آواز پر جو بادل کی گرج سے لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ ہوگی خوف زدہ ہو کر ان کے دل دہل جائیں گے اور اس کی تیسری آواز پر مردے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ اس کی تفصیلات ہم انشاء اللہ آگے چل کر حسب موقع پیش کریں گے۔

بہرکیف یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (ایک روز اپنے صحابہؓ سے) فرمایا: ''میں کیونکر آرام کرسکتا ہوں (اور کس طرح کس چیز سے لطف اندوز ہوسکتا ہوں) جب کہ اسرافیل صور کا منہ اوپر اٹھائے اس کے پھونکنے کے لیے حکم الٰہی کے منتظر ہیں اور جبریل و میکائیل بالترتیب ان کے دائیں بائیں ایستادہ ہیں''۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ پھر ہم کیا کریں اور کیا کہیں؟'' آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''حسبنا اللّٰه و نعم الوکیل. اور علی اللّٰه توکلنا. پڑھتے رہا کرو''۔ یہ حدیث امام احمدؒ اور بخاری نے عطیہ عوفی کی زبانی ابی سعید خدری کے حوالے سے روایت کی ہے۔

امام احمدؒ نے یہی روایت ایک اور جگہ ابو معاویہ اور اعمش کی زبانی اور سعد طائی نیز عطیہ عوفی اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کی ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبداللہ حضرمی اور محمد بن عمر نے بیان کیا کہ آخرالذکر نے ابن ابی لیلیٰ کی زبانی ابی لیلیٰ، حکم، مقسم اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز ان سے یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے فرمایا کہ ''جب آسمان افق تا افق شق ہونے لگے گا اس وقت جبرئیل علیہ السلام مجھ سے کسی قدر فاصلے پر ایستادہ ہوں گے اور اسرافیلؑ زمین کی طرف آتے ہوئے نظر آئیں گے تو وہ ٹھٹک کر میرے سامنے آجائیں گے اور میں دیکھوں گا کہ ایک فرشتہ میرے سامنے ہے، وہ مجھ سے پوچھے گا: اے محمدؐ! آپ بہ حیثیت نبی (اللہ کے بندوں میں) انسان ہونا پسند فرماتے ہیں یا فرشتہ؟'' اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''اسی وقت جبریلؑ مجھے اشارے سے کچھ بتائیں گے جس کا مطلب میں سمجھ جاؤں گا اور اس فرشتے کو جواب دوں گا ''انسان''۔ یہ سن کر وہ فرشتہ آسمان کی جانب پرواز کر جائے گا تو میں جبریلؑ سے پوچھوں گا: ''جبریلؑ! یہ کون سا فرشتہ تھا؟ جبریلؑ مجھے بتائیں گے کہ وہ اسرافیل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اصلی خلقت پر جب پیدا کیا تھا تو ان کے دونوں ہاتھوں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے مابین خلا تھا' اوران کے اوران کے رب کے درمیان سات نوری پردے حائل ہیں جن کی طرف وہ قدم نہیں اٹھا سکتے کیونکہ اگر ایسا کریں تو فروغ تجلی سے جل کر رہ جائیں' وہ تقاطر باراں اور زمین سے (انسانوں اور حیوانوں کے لیے) غلہ اور دیگر نباتات (اگانے) پر مقرر تھے۔ عزرائیل کا کام قبض ارواح ہے۔ لوح محفوظ ان کے سامنے رہتی تھی جس میں وہ رب العزت کا حکم یا مشیت ایزدی دیکھ کر عمل کرتے رہے ہیں''۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ ان کے اپنے فرائض جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دے رکھا ہے کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''ہوا پر تسلط اور فرشتوں کی سرکردگی'' اس کے بعد جبریل بولے: ''میرا خیال ہے کہ میکائیل قیام قیامت کی وجہ سے زمین سے اتنے قریب آئے ہیں''۔ پھر بولے: ''اور میں بھی قیام قیامت کے خوف کی وجہ ہی سے (اس وقت) یہاں ہوں''۔ حدیث پر مبنی اس روایت میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں انہی کی وجہ سے اس حدیث کو ''غریب'' سمجھا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادک فیما کانو فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنک انک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم

حدیث صور میں آیا ہے کہ اسرافیل وہ پہلی ہستی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ فنائے کائنات کے بعد صور پھونکنے کے لیے دوبارہ عدم سے وجود میں لائے گا۔

محمد بن حسن النقاش نے بیان کیا کہ اسرافیل فرشتوں میں سب سے پہلے تھے جس نے سجدہ کیا اس لیے ان کے حق میں لوحِ محفوظ کی ولایت مناسب ٹھہری۔ یہ روایت ابوالقاسم سہیلی نے اپنی کتاب ''التعریف والاعلام بما ابھم فی القرآن من الاعلام'' میں تحریر کی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ'' میں جبریل اور میکائیل کے درمیان واوِ عاطفہ ان دونوں کے درمیان فرق مراتب کی دلیل ہے کے علاوہ دوسرے فرشتوں سے پہلے ان کا نام لیا جانا دوسرے فرشتوں پر ان کے شرف کا ثبوت ہے۔ بہر حال اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جبریلؑ جملہ ملائکہ میں اعظم و افضل ہیں کیونکہ اس آیہ شریفہ میں بھی ان کا نام پہلے آیا ہے۔ ویسے آسمان اور زمین پر میکائیل علیہ السلام کے دو مناصب یعنی بالترتیب بسلسلہ بارش و نباتات ان کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے تقرر جبریل علیہ السلام کے بعد ملائکہ مقربین میں ان کے اعزاز کی برتری کا ثبوت ہے جو اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہے۔

امام احمد بیان کرتے ہیں کہ انہیں ابویمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عمارہ بن غزیہ انصاری حمید بن عبید' ثابت البنانی کے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حوالے سے بتایا کہ انس بن مالکؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپؐ نے (ایک دفعہ) جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آیا ان سے میکائیل علیہ السلام نے کبھی مزاحاً بھی کوئی بات کہی یا نہیں؟ آپ کے اس سوال کے جواب میں جبریل بولے: "وہ (میکائیل) مجھ سے شاید مزاحاً یہی پوچھ سکتے تھے کہ (خدانخواستہ) میری خلقت بھی کہیں آگ سے تو نہیں"۔ صحہ ستہ میں بھی تفصیل سے بیان کی گئی ہیں نیز جیسا کہ پہلے ایک حدیث کے بیان میں بتایا جا چکا ہے ان تینوں فرشتوں کا نام اکثر آنحضرت ﷺ کی دعاؤں میں آیا ہے مثلاً: "اللّٰهم رب جبریل و اسرافیل" جس کی وضاحت سطور بالا میں کی جا چکی ہے۔ جبرائیلؑ انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف وحی لے جانے پر مامور تھے۔ میکائیلؑ بارش اور زمین پر نباتات کے مؤکل ہیں جس سے بندگان خدا کو اس دنیا میں رزق ملتا ہے۔ اس کام میں بے شمار فرشتے میکائیلؑ کے معاون ہیں جو حکم الٰہی کے تحت ان کے احکام بجالاتے ہیں' یعنی ہوا' ابر اور بارش کے سلسلے میں میکائیلؑ کے احکام پر عمل کرتے ہیں جب کہ خود میکائیل احکام خداوندی کے پابند ہیں۔ واضح رہے کہ بارش کی ہر بوند کے ساتھ میکائیل کے معاون کے طور پر ان کے حکم کے تحت بحکم رب العزت اس بوند کی نگرانی کے لیے ایک فرشتہ آسمان سے زمین کی طرف آتا ہے۔ رہے اسرافیل علیہ السلام تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روز قیامت صور پھونکنے پر مامور ہیں جب بنی نوع انسان صور کی آواز پر اپنی اپنی قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے اور حشر میں ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا یا سزا ملے گی۔ چنانچہ اس روز میکائیل اور اسرافیل علیہما السلام دونوں کے وہ کام ختم ہو جائیں گے جن پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔

جہاں تک ملک الموت کا تعلق ہے ان کا نام قرآن شریف یا احادیث صحاح یعنی صحاح ستہ میں کہیں تصریح کے ساتھ نہیں پایا جاتا ہے۔ البتہ بعض کتابوں میں عزرائیلؑ کے نام سے ان کا ذکر ملتا ہے۔ واللہ اعلم

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴾

"کہہ دیجیے (اے محمدؐ) ملک الموت تم سب کو موت سے ہمکنار کرے گا' پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ گے"۔

جب کسی انسان کی موت آتی ہے تو ملک الموت کے بے شمار معاون فرشتوں میں سے کوئی نہ کوئی فرشتہ اس انسان کی روح جسم سے کھینچ کر اس کے حلقوم میں پہنچا دیتا ہے۔ روح کے حلقوم میں پہنچ جانے کے بعد اس کی روح کو مکمل طور پر جسم سے خارج کرنے کا کام ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن وہ بھی اس کی روح کو مکمل طور پر سلب نہیں کرتا جب تک اس کی تکفین کے بعد اس کی تدفین نہیں ہو جاتی اور وہاں اس کی قبر میں منکر نکیر یعنی دو فرشتے جو اسی کام پر مامور ہیں اس سے اس کے مذہب و مسلک کے بارے میں سوالات کر کے ان کے جوابات حاصل نہیں کر لیتے جیسا کہ خود رب العزت کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾

نکیرین کے ان سوالات اور بظاہر اس مردہ شخص کے جوابات کے بعد اگر وہ مرد یا عورت اعمال صالح کا پابند رہا/رہی ہے تو اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ ادھر پرواز کر جاتی ہے۔ اس کے برعکس جن اشخاص نے زمین پر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

زندہ رہتے ہوئے اعمال صالح کی پابندی نہیں کی ہوتی ان کی ارواح زمین و آسمان کی درمیان معلق کر دی جاتی ہیں جیسا کہ اس قرآنی آیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہے:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ○ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ﴾

جیسا کہ ابن عباسؓ مجاہد اور متعدد دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ساری زمین ملک الموت کے سامنے ایسی ہے جس طرح کسی کے سامنے کھانے کا طشت رکھا ہو اور وہ یعنی ملک الموت اس طشت میں سے حسب منشا کھاتا رہتا ہے۔

ہم کہیں اور یہ بیان کر چکے ہیں کہ جب کوئی انسان مرتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے دو طرح کے فرشتے آتے ہیں۔ اگر وہ شخص اپنی زندگی میں نیک اطوار رہا ہے تو اس وقت اس کے سامنے جو فرشتے آتے ہیں ان کے چہرے سفید اور روشن ہوتے ہیں لیکن بد اعمال لوگوں کے سامنے اس وقت اس کے برعکس یعنی کریہہ المنظر اور ہیبت ناک فرشتے آتے ہیں۔ خدا ہم مسلمانوں کو اس دوسری صورت سے اپنی پناہ میں رکھے۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ان کے والد' یحییٰ بن ابی یحییٰ مقری اور عمرو بن شمر نے جعفر بن محمد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو ان کے والد نے بتایا کہ انہوں نے ایک روز کسی انصاری کی موت کے وقت رسول اللہ ﷺ کو اس کے سرہانے کھڑے دیکھا۔ اس وقت آپ جیسا کہ آپ نے بعد میں ارشاد فرمایا ملک الموت سے مخاطب تھے' آپ نے اس سے فرمایا: ''اے ملک الموت! یہ میرا صحابی ہے اس کی روح نرمی سے قبض کرنا''۔ اس کے جواب میں ملک الموت نے آپؐ سے عرض کیا: محمد (ﷺ) آپ مطمئن رہیے' میں ہر مومن کا رفیق ہوں''۔ یعنی ہر مومن کی روح نرمی سے قبض کرتا ہوں۔ اس کے بعد ملک الموت نے آپؐ سے مزید عرض کیا: ''میں زمین کے تمام بحری و بری علاقوں سے پوری طرح واقف ہوں اور ان میں بسنے والوں کے بارے میں ہر روز پانچ مرتبہ تحقیق کرتا رہتا ہوں یعنی ان میں سے کس کس کی موت کا وقت آ پہنچا ہے اور کس کس کی روح قبض کرنے کا حکم مجھے میرے رب کی طرف سے ملنے والا ہے لیکن میں چاہوں بھی تو ان میں سے کسی کی روح کو حکم ربی کے بغیر (ہرگز) قبض نہیں کر سکتا''۔

جعفر ابن محمد (باقر) جو صادق کے لقب سے مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ انہیں ان کے والد نے بتایا کہ ''اگر اوقاتِ نماز کے دوران میں کوئی مسلمان عالم نزع میں ہوتا ہے تو ملک الموت جب اس کے سرہانے آتا ہے تو بشرطیکہ وہ مسلمان اپنی زندگی میں نماز کا پابند رہا ہوتا ہے شیطان کو اس کے قریب سے ہٹا کر اس مسلمان کو کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ اس کی عالم نزع کی تکلیف کم ہو جائے''۔

یہ حدیث مرسل ہے اس لیے محل نظر ہے۔

ہم حدیث صور کو اسماعیل بن رافع المدنی القاص کی زبانی محمد بن زیاد' محمد بن کعب قرظی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تفصیلاً پیش کرتے ہوئے بیان کر چکے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے مطابق جب اللہ تعالیٰ اسرائیل کو صور پھونکنے کا حکم دیں گے اور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس کے بعد جب تمام ارض وسماوی مخلوق فنا ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دیں گے کہ اسرافیل سے صور لے لیا جائے اور ملک الموت کو اسرافیل کی موت کا حکم دیا جائے اور پھر ملک الموت کو طلب فرما کر اس سے دریافت فرمائیں گے کہ ''اب کون باقی ہے؟ وہ رب العزت کی خدمت میں عرض کرے گا کہ تمام ارضی وسماوی مخلوق فنا ہو چکی بجز ان کے جنہیں تو نے ابھی موت سے ہمکنار کرنا نہیں چاہا'' ارشاد ہوگا: ''ہم بہتر جانتے ہیں تاہم تو بھی بتا'' ملک الموت عرض کرے گا: ''اب تیری ذات پاک کے علاوہ جو قائم و دائم رہنے والی ہے حاملان عرش اور جبرئیل ومیکائیل باقی ہیں'' حکم ہوگا: ''جبریل اور میکائیل کی ارواح بھی قبض کر لو'' اس وقت عرش الٰہی بول پڑے گا: ''یا رب العالمین کیا جبریل اور میکائیل بھی مرنے والے ہیں؟'' عرش سے یہ سن کر اللہ تعالیٰ عرش سے فرمائیں گے: ''خاموش! میں لکھ چکا ہوں کہ'' جو بھی میرے عرش کے نیچے ہیں ان سب کو موت سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا وہ دونوں بھی مریں گے''۔

اس کے بعد ملک الموت (عزرائیلؑ) اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرے گا: ''میں نے جبریلؑ اور میکائیلؑ کی ارواح بھی قبض کر لی ہیں''۔ ارشاد ہوگا: ''پھر اب کون کون باقی ہے؟'' ملک الموت جواب دے گا۔ اب تیری ذات پاک کے علاوہ جو دائم وقائم رہنے والی ہے صرف حاملین عرش فرشتے باقی ہیں۔ حکم ہوگا: ''ان کی ارواح کو بھی قبض کر لو''۔ ملک الموت ان کی ارواح کو بھی قبض کر لے گا۔ اس کے بعد پھر ملک الموت حاضر ہو کر عرض کرے گا: ''یا رب العزت میں نے ان کی ارواح بھی قبض کر لی ہیں''۔ ارشاد ہوگا: ''اب کون کون باقی ہے؟''۔ ملک الموت جواب دے گا: ''اب تیری ذات پاک جو قائم ودائم رہنے والی ہے اور رہے گی کے علاوہ صرف تیرا یہ بندۂ ناچیز ابھی زندہ ہے''۔ ارشاد ہوگا: ''ہم نے جب تجھے پیدا کرنا چاہا تھا تو پیدا کر دیا تھا لیکن اب ہم چاہتے ہیں کہ تو بھی مر جا' لہٰذا مر جا''۔ چنانچہ ملک الموت بھی اس منشائے رب کے تحت مر جائے گا۔

اس حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ طبرانی' ابن جریر اور بیہقی نے بیان کیا ہے نیز اسے حافظ ابوموسیٰ المدینی نے اپنی کتاب الطوالات[1] میں پیش کرتے ہوئے اس میں کچھ اور عجیب وغریب اضافے کیے ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو تمام ارضی وسماوی مخلوقات کی موت کا حکم دے کر آخر میں خود اس سے فرمایا؟ ''تو بھی میری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے' میں نے تجھے جب ارادہ کیا تھا تو پیدا کر دیا لیکن اب میرا حکم ہے کہ میری تمام مخلوقات کی طرح تو بھی مر جا اس طرح کہ تا ابدالآباد پھر کبھی زندہ نہ ہو'' چنانچہ رب العزت کا یہ حکم سن کر ملک الموت کو بھی موت آ گئی وغیرہ وغیرہ۔

جن دو فرشتوں کے نام قرآن شریف میں ہاروت و ماروت بتائے گئے ہیں ان کا ذکر متقدمین کی ایک جماعت کے اکثر لوگوں نے بھی کیا ہے لیکن ان دونوں فرشتوں کے مامور من اللہ ہو کر انسانی شکلوں میں زمین پر آنے' ان کے متعلق دیگر واقعات اور ان کے مبینہ اعمال کی سزا کے بارے میں جملہ تفصیلات جو متعدد کتابوں میں ملتی ہیں وہ سب کی سب اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

---

[1] کشف الظنون میں بتایا گیا ہے کہ ''کتاب الطوالات'' حافظ الکبیر ابی موسیٰ محمد بن ابی بکر عمر المدینی المتوفی ۵۸۱ ہجری کی تصنیف ہے جس میں حدیث صور کی مبالغہ آمیز اور بے سروپا باتوں کے علاوہ اور بہت سی من گھڑت اور ناقابل یقین باتیں درج ہیں۔ (محمود الامام)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس سلسلے میں امام احمدؒ نے جو حدیث مرفوع بیان کی اس کی بھی جگہ جگہ ابن حبان نے تصحیح کی ہے۔ یہ حدیث ہمارے نزدیک بھی محل نظر ہے کیونکہ اس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جو حوالہ دیا گیا ہے تو مذکورہ راوی نے بھی اس حکایت کی تفصیلات یقیناً کعب احبار سے سنی ہوں گی جو پہلے نصرانی تھے اور اکثر اسرائیلیات پر مبنی قصے سنایا کرتے تھے۔ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر عنقریب اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

ویسے اس تمثیل کا خلاصہ یہ ہے کہ زہرہ زمین پر انسانی مخلوق میں ایک حسین ترین عورت تھی جس کی خوبصورتی کا ذکر اس قصے کے ضمن میں حضرت علیؓ ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم کے بیان کردہ تذکروں میں پایا جاتا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ جب ہاروت و ماروت اس کی قربت کے طالب ہوئے تو زہرہ نے اس کی یہ شرط رکھی کہ وہ اسے اسم اعظم سکھا دیں جسے سیکھنے کے بعد وہ زمین سے اڑ کر آسمان پر ستارہ بن گئی۔

اس سلسلے میں حاکم اپنی کتاب مستدرک میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس زمانے میں زمین پر رہنے والی عورت اپنے حسن کے لحاظ سے ستارے زہرہ کی مثال تھی۔ ہمارے خیال میں حاکم کی یہ روایت قرین قیاس ہے اور اس لیے قابل قبول ہوسکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہاروت اور ماروت کا واقعہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے میں گزرا تھا' جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قصہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے زمانے کا ہے تاہم ہم نے اسے اپنی تفسیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے کی حکایات کے ضمن میں لکھا ہے۔

بہرکیف اس قصے کا مرجع کعب احبار ہیں اور عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اسے ثوری موسیٰ بن عقبہ' سالم' ابن عمر رضی اللہ عنہما اور کعب احبار ہی کے حوالے سے بطور حکایت پیش کیا ہے ویسے کعب احبار کے علاوہ یہ روایات ان بڑے ثقہ راویوں کے حوالے اور اسناد کے ذریعہ جس حد تک بیان کی گئی ہیں انہیں صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

جو لوگ قرآن کی آیہ شریفہ ﴿وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ﴾ میں ''ہاروت و ماروت'' سے جنات کے دو قبیلے مراد لیتے ہیں وہ بھی بڑی عجیب اور بعید از قیاس بات ہے اور ہر چند کہ ایسے لوگوں کے اس بیان کو ابن حزم نے روایت کیا ہے مگر چونکہ قرآن میں ''ملکین'' کے تلفظ کے لحاظ سے یہ بات غلط ٹھہرتی ہے اس لیے وہ قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ جو لوگ مندرجہ بالا آیہ قرآن میں ''ملکین'' کے حرف کاف کو مکسور یعنی زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ہاروت و ماروت فارس (ایران) کے دو حکمران (بادشاہ) تھے جنہیں ان کی رعایا پر شدید ظلم و ستم کی وجہ سے سزا کے طور پر گورخر بنا دیا گیا تھا جیسے اس زمانے کے ایک اور ایرانی بادشاہ ضحاک کے شانوں سے اس کے اس قسم کے افعال قبیحہ کی بناء پر دو سانپ قدرت نے نمودار کر دیے تھے جو وقتاً فوقتاً اس کا بھیجہ کھاتے رہتے تھے لیکن ان راویوں کا یہ بیان جگہ جگہ مذکورہ بالا قرآنی لفظ ''ملکین'' کے تلفظ کی وجہ سے غلط ٹھہرتا ہے۔

اس کے علاوہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے ہی تھے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی سزا دی گئی تھی۔ جیسے ابلیس کو جو فرشتہ ہی تھا اللہ تعالیٰ نے حکم عدولی کی سزا دی تھی۔ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ہاروت و ماروت فرشتے تھے اپنی جگہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

درست ہے لیکن ان کا بطور مثال یہ کہنا کہ ابلیس بھی فرشتہ ہی تھا سراسر غلط ہے کیونکہ وہ درحقیقت جن تھا۔ ہم اس موضوع پر انشاء اللہ عنقریب آگے چل کر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

حدیث میں دو اور فرشتوں کا منکر و نکیر کے نام سے ذکر آیا ہے اور حضور نبی کریم کے ارشاد گرامی کے بموجب قبر میں ہر میت سے اس کے رب' اس کے دین' اس کے نبی اور اس کے نیک و بد اعمال کے بارے میں سوالات کریں گے جس پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ مذکورہ حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان فرشتوں کے رنگ عام رنگوں سے مختلف ان کے چہرے عجیب و غریب بلکہ بھیانک اور ان کے دانت بہت لانبے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے سوالات کے جواب دینے میں ثابت الایمان اور قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے' آمین!

ملک الجبال:

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن یوسف' ابن وہب اور یونس نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ ابن شہاب کو عروہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بتایا کہ (ایک روز) آنحضرت نے ان سے فرمایا کہ انہوں نے یوم احد یعنی جس روز میدان احد میں کفار مکہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ تھی اس روز سے زیادہ سخت دن کبھی دیکھا ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا: میں نے وہ دن دیکھا ہے' اس روز ابن عبد یا لیل بن عبد کلال نے مجھو میری جان ہی لے لی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دیا تھا اسی سے طالب امداد تھا۔ بہر کیف اس نامراد اور دوسرے کفار مکہ نے مجھ پر اتنا ظلم کیا تھا کہ میں بتا نہیں سکتا۔ جب کفار مکہ یعنی خود میری قوم کی طرف سے مجھ پر یہ ظلم ہو رہا تھا تو میری نگاہ آسمان کی طرف گئی اور میں نے دیکھا ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے اور اس ابر پارے سے ایک فرشتہ زمین کی طرف آ رہا ہے' جب وہ فرشتہ میرے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ جبریل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مجھے سلام کر کے کہا: ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے آپ کی قوم کا سلوک دیکھ لیا ہے اور آپ کے بارے میں اس کے نازیبا کلمات بھی سن لیے ہیں۔ اس نے مجھے تاکید کی ہے کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں روئے زمین پر جتنے جنگلات ہیں انہیں اٹھا کر آپ کی اس قوم پر الٹ دوں''۔ جبریل علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اس کرم بے پایاں کے بارے میں سن کر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جبریل علیہ السلام سے کہا: ''نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ان (کفار) کے اصلاب سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے جو صرف اسی کو معبود مانیں' اسی کی عبادت کریں اور کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں''۔ (حدیث نبوی کا توضیحی و تشریحی ترجمہ)

یہ حدیث مسلمؒ نے بھی ابن وہب کے حوالے سے بیان کی ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فصل: 1

تقسیم ملائکہ:

فرشتے اپنی اپنی ماہیتوں کی نسبت سے تقسیم کیے گئے ہیں۔ان میں سے کچھ تو حاملین عرش ہیں اور کچھ عرش کے چاروں طرف رہتے ہیں۔فرشتوں کی یہ دونوں قسمیں اشرف ملائکہ ہیں اور مقربین کہلاتی ہیں جن کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلَآئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ جبریل اور میکائیل علیہ السلام بھی انہی ملائکہ مقربین میں شامل ہیں۔یہ فرشتے یعنی ملائکہ مقربین اگرچہ عام مسلمانوں کے سامنے نہیں آتے تاہم ان کے حق میں مغفرت کی دُعا کرتے رہتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ...... الخ﴾

جب یہ فرشتے اہل ایمان کو ان صفات سے متصف پاتے ہیں جن کے لیے وہ ان کے حق میں دُعا کرتے رہتے ہیں تو پھر وہ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جب کوئی بندہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے اس کے پیٹھ پیچھے دعائے خیر کرتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرے لیے بھی ایسی ہی یعنی ہماری یہی دعا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے فرشتے جو ساتوں آسمانوں میں قیام پذیر ہیں شب و روز اور صبح ہو یا شام ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت میں مصروف رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی وقت رب العزت کی عبادت سے غافل نہیں رہتے' کوئی ہمیشہ سجدے میں رہتا ہے اور کوئی قیام میں۔انہی فرشتوں میں وہ فرشتے بھی ہیں جو آگے پیچھے گروہ در گروہ ستر ستر ہزار کی تعداد میں بیت المعمور کی طرف جاتے ہیں لیکن ان فرشتوں کی تعداد اتنی ہے کہ ستر ہزار کے ایک گروہ کو دوبارہ بیت المعمور میں (عبادت کے لیے) دوبارہ جانا نصیب نہیں ہوتا جب کہ کچھ دوسرے جنات پر متعین ہیں نیز ان بزرگ ارواح پر جو آسمان پر قیام پذیر ہیں یہ فرشتے ان کے اور ان کے متعلقین کے رہنے سہنے' کھانے پینے اور ملبوسات کا انتظام کرتے رہتے ہیں جس کے بارے میں (بلکہ اس حد تک) انسان کا خیال بھی نہیں جا سکتا۔

حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنت کا داروغہ بھی ایک فرشتہ ہے جو رضوان کہلاتا ہے' اس کا حدیث شریف میں تفصیل سے ذکر موجود ہے۔کچھ فرشتے ایسے ہیں جو دوزخ پر متعین ہیں' ان کی تعداد ۱۷ (سترہ) ہے' ان فرشتوں کا سرگروہ جو فرشتہ ہے اس کا نام مالک ہے اور دوزخ کی ساری آگ کا وہی نگران ہے۔دوزخ کے ان فرشتوں کا اور مالک کا قرآن شریف میں ذکر موجود ہے۔

کچھ فرشتے بنی نوع انسان کی حفاظت پر مامور ہیں۔والبی سے روایت ہے کہ ہر انسان کے گرد و پیش ایک ایک فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے لیکن اللہ ہی کے حکم سے ان کے پاس سے ہٹ جاتا ہے۔عکرمہ نے بھی ابن

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عباس کے حوالے سے یہی روایت کی ہے۔

مجاہد کی روایت یہ ہے کہ ہر مومن پر ایک فرشتہ تعینات ہے کہ جو اس کی جنات' دوسرے انسانوں اور شیاطین سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور ان وسوسوں سے بھی اسے تحفظ دیتا ہے جو یہ سب اس کے دل میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس فرشتے کا یہ شغل اس مومن کے سلسلے میں اس کے سوتے جاگتے دن رات جاری رہتا ہے۔

ابو اسامہ[1] کہتے ہیں کہ کوئی آدم زاد ایسا نہیں جس کی حفاظت پر ایک فرشتہ مامور نہ ہو اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور آپ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو تو کوئی شخص کسی کو قتل بھی کرنا چاہے تو قتل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو فرشتے مامور ہیں جو ہر وقت اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں' یہ فرشتے یا تو اللہ کے حکم تحت دو حالتوں میں اس آدمی کے پاس سے ہٹتے ہیں ایک تو یہ کہ جو کچھ اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسے پیش آئے یا دوسری صورت میں اس کی موت کے وقت۔

دو فرشتے جو ''کراماً کاتبین'' کہلاتے ہیں ہر انسان کے اعمال کا ریکارڈ رکھتے ہیں ان کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ ویسے ''کراماً کاتبین'' یا نکیرین کے بارے میں حافظ ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے والد' علی بن محمد طافسی' وکیع' سفیان اور مسعر کی زبانی علقمہ بن یزید اور مجاہد کے حوالے سے حدیث نبوی (ﷺ) پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کراماً کاتبین آدمی کے پاس صرف دو حالتوں میں ہٹتے ہیں ایک تو اس وقت جب وہ حالتِ جنابت میں ہو یا غسل کر رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کو اپنا ستر غیر ضروری اوقات میں ڈھکے رہنا چاہیے تاکہ ان فرشتوں کو اس کے پاس سے ان اوقات میں ہٹنا نہ پڑے۔ یہ حدیث مرسل ہے تاہم اسے بزار نے جعفر بن سلیمان کے حوالے اپنی مسند میں شامل کیا ہے لیکن علقمہ اور مجاہد نے اسے محل نظر ٹھہرا کر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے اس سلسلے میں جو حدیث نبویؐ پیش کی ہے وہ زیادہ واضح ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے شرمی سے روکا ہے۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ نکیرین سے بھی شرم کیا کرو جو تم سے تین حالتوں کے سوا کبھی جدا نہیں ہوتے۔ ایک بوقت صحبت یعنی بیویوں سے ہم بستری' دوسری حالتِ جنابت' تیسری حالت غسل کی ہے کہ جب تم برہنہ ہو سکتے ہو پھر فرمایا کہ غسل کے بعد جو کپڑا وغیرہ میسر ہو وہ پہن لیا کرو یا اس سے اپنے جسم کا وہ حصہ چھپا لیا کرو جو ''ستر'' کہلاتا ہے اور جس کے ڈھانپے بغیر نماز نہیں ہوتی کیونکہ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق کریمانہ عطا فرمائے ہیں جو ان کے نام سے ظاہر ہے' یہ فرشتے اعمال قبیحہ کے وقت آدمی سے دور ہٹ جاتے ہیں۔ (ترجمہ مفہومی و توضیحی)

یہ حدیث جملہ صحاح' سنن اور مسانید میں ملتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فرشتے کسی ایسے مکان میں بھی داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی کتا' مجسمہ یا تصویر ہو۔ ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لفظ ''بول'' کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ یعنی جس گھر میں جگہ جگہ (بیت الخلاء کے علاوہ) پیشاب پڑا ہو یا کیا جاتا ہو۔ رافع کی روایت

[1] ایک نسخے میں ابو امامہ لکھا ہے۔ (مرتب)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مرفوع میں بحوالہ سعید ہے کہ فرشتے تصویروں اور مجسموں والے گھر میں داخل نہیں ہوتے جب کہ مجاہد نے جو مشہور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں تصویر یا مجسمے کے ساتھ کتے کا بھی ذکر ہے۔ ذکوان ابی صالح سماک نے جو حدیث ابوہریرہ کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ان لوگوں کے ہمراہ نہیں ہوتے جو اپنے ساتھ کتے یا ناقوس (سنکھ) لے کر چلتے ہیں۔

بزارؒ کہتے ہیں کہ ان سے یہ حدیث اسحاق بن سلیمان بغدادی المعروف فلوس' بیان بن حمران اور سلام نے محمد بن سیرین اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے بنی آدم کے اقوال واعمال کی مناسبت سے اسے پہچانتے ہیں اور ان کا ذرہ ذرہ حساب رکھتے ہیں' پس جب کوئی آدم اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرتا ہے تو وہ (دونوں) فرشتے آپس میں اس کے بارے میں گفتگو کرتے کہتے ہیں کہ اس کی رات خیر وفلاح کے ساتھ گزرے لیکن جب کسی شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اس کے بارے میں باہم گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص رات کو ہلاک ہو جائے سلام مدینی نے اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے۔

بخاریؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے یکے بعد دیگرے روز وشب آسمان سے زمین پر اترتے رہتے ہیں' وہ دونوں گروہ فجر اور عصر کی نماز میں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں' پھر جب وہ لوٹ کر آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ "تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟" اس پر وہ دونوں گروہ باری باری سے ایک ہی جواب دیتے ہیں کہ "ہم نے انہیں آتے جاتے دونوں وقت نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا"۔

یہ روایت بخاریؒ نے سیاق وسباق کے ساتھ عنوان "تخلیق کی ابتدا" کے تحت بیان کی ہے اور اسی کو مسلمؒ کے علاوہ دوسرے راویوں نے بھی بطور خاص اس موضوع کے تحت پیش کیا ہے اور اسی وجہ سے پیش کیا ہے۔

بزارؒ زیاد بن ایوب' مبشر بن اسماعیل حلبی اور تمام بن نجیح کی زبانی حسن یعنی حسن بصریؒ اور انسؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کاتب اعمال فرشتے جب کسی شخص کا دن بھر کا صحیفہ اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کے لیے رب العزت سے طلب مغفرت کرتے ہیں تو وہ فرماتا ہے کہ صحیفے کے دونوں کناروں کے درمیان جو کچھ تم نے لکھا ہے اس کا حساب کتاب میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ یہ حدیث جو تمام بن نجیح نے بطور خاص انتخاب کر کے پیش کی ہے وہ "حدیث صالح" ہے تاہم اسے ابن معین نے "ثقہ" اور بخاری وغیرہ نے ضعیف ٹھہرایا ہے لیکن امام احمدؒ کے نزدیک اس کا اصل مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہر شخص کا نامہ اعمال لکھنے کے لیے اس کے ساتھ دو فرشتے رکھے گئے ہیں جن میں سے ایک اس کے آگے اور ایک پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کے حسب الحکم اس کے تمام اقوال واعمال ریکارڈ کرتے رہتے ہیں اور امام احمدؒ ہی کے بقول ہر شخص کے دائیں اور بائیں دو فرشتے اس کام کے لیے مامور ہیں جیسا کہ خود کلام الٰہی سے ثابت ہے کہ:

﴿عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾

اس ضمن میں اس حدیث کے علاوہ ایک حدیث امام احمدؒ نے متعدد ثقہ حوالوں سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: تم میں سے ہر فرد واحد میں (اور بنا بریں ہر انسان میں) کچھ قرینے (خصائل شر) جنوں کے اور کچھ قرینے (خصائل خیر) فرشتوں کے جمع ہیں۔ یہ سن کر آپ کے صحابہؓ نے آپ سے پوچھا: اور آپ میں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے صفات پر پیدا کیا ہے یعنی مجھ میں تمام خصائل خیر جمع کیے گئے ہیں۔

اس حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا استخراج مسلمؒ نے منصور کی روایت سے کیا ہے جس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہر انسان میں خیر و شر دونوں کی استعداد و بلحاظ تخلیق موجود ہے پھر یہ بھی کہ اسے شیاطین راہِ خیر سے بھٹکا بھی سکتے ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلی طور پر بحکم الٰہی معصوم ہیں اس لیے نہ آپ کو شیطان کسی وسوسے میں مبتلا کر سکتا ہے اور نہ آپ کے نامہ اعمال میں بجز خیر کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ وباللہ المستعان.

امام بخاریؒ احمد بن یونس' ابراہیم بن سعد اور ابن شہاب کی زبانی اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن' الاغر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے روز فرشتے مسجد کے ہر دروازے پر آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے والے ہر نمازی کا نام یکے بعد دیگرے لکھتے رہتے ہیں پھر جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنا صحیفہ سمیٹ کر قرآن سننے لگتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم میں بھی انہی الفاظ میں درج ہے اور منفرد کر کے پیش کی گئی ہے۔ درج ذیل آیہ شریفہ فرشتوں کے شب و روز کلمہ شہادت وردِ زبان رکھنے کی طرف اشارہ ہے نیز یہ بھی کہ وہ وقت فجر مساجد میں آ کر قرآن سنتے ہیں:

﴿ وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴾

یہ روایت ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے اسباط کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کی ہے مگر ہمارے نزدیک بلحاظ تسلسل روایت یہ منقطع ہے۔

بخاریؒ نے متعدد ثقہ راویوں بشمول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''نماز جمعہ کی فضیلت ہر دوسری نماز کی فضیلت سے پچیس گنا ہے نیز یہ کہ رات اور دن کے فرشتے نماز فجر کے وقت جمع ہو کر قرآن سنتے ہیں''۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی تم جب چاہو تلاوت کرو لیکن خود قرآن کی شہادت یہ ہے کہ فجر کے وقت اس کی تلاوت فرشتے بھی سنتے ہیں اور تمہیں تلاوت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں:

﴿ وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴾

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے مسدد اور ابوعوانہ نے اعمش' ابی حازم اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی مرد (رات کو) اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ (بوجہ خفگی) انکار کر دے تو فرشتے صبح تک اس (عورت) پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ حدیث' شعبہ' ابوحمزہ' ابوداؤد اور ابومعاویہ رضی اللہ عنہ نے اعمش کے حوالے سے روایت کی ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ایک دوسری حدیث نبوی جو صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں درج ہے یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب امام (نماز میں) آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ امام کے پیچھے (کھڑا ہوا) جو شخص (مقتدی) آمین کہنے میں سبقت کرتا ہے۔ فرشتے اس شخص کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں خود اسماعیلؒ (بخاریؒ) کے الفاظ یہ ہیں کہ امام کے پیچھے جو (مقتدی) اس کے آمین کہنے کے بعد آمین کہنے میں سبقت کرتا ہے تو ملائکہ آسمان پر آمین کہنے کے بعد اس (مقتدی) کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

صحیح بخاریؒ میں امام مالکؒ کی روایت کردہ سمی' ابی صالح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حدیث نبوی (ﷺ) یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جب امام (نماز میں) سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ کہو (کیونکہ) جو (مقتدی) امام کی اتباع میں یہ الفاظ کہتا ہے اور اس میں (دوسرے مقتدیوں پر) سبقت کرتا ہے تو فرشتے اس (مقتدی) کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں''۔

یہ حدیث امام مالکؒ کے حوالے سے ابن ماجہ کے سوا راویوں کی پوری جماعت نے روایت کی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابو معاویہ اور اعمش کی زبانی ابی صالح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا ابی سعید ہو شک (یعنی الاعمش) کے حوالوں کے ساتھ یہ حدیث نبوی (ﷺ) سنی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے روئے زمین پر سیاحت کرتے رہتے ہیں اور وہ جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو اس کے حق میں دُعائے خیر کرتے ہیں اور جب وہ (زمین سے) پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں دیکھا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ تیرے ذکر میں مشغول تھے' پھر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے پوچھتا ہے کہ کیا میرے ان بندوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں لیکن تیرے ذکر میں ان کی حد درجہ مشغولیت سے ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ تجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے دریافت فرماتا ہے کہ میرے وہ بندے مجھ سے کس چیز کے طالب تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: ''جنت کے'' اس پر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے دریافت فرماتے ہے کہ آیا میرے ان بندوں نے جنت دیکھی ہے؟ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھی تو نہیں لیکن ان کی طلب میں جو شدت تھی اس سے محسوس ہوا جیسے وہ جنت کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے کہ وہ میرے بندے میری پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں؟ وہ (فرشتے) جواب دیتے ہیں کہ آگ (دوزخ) سے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے آگ (دوزخ) کو دیکھا ہے۔ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ (یقیناً) دیکھا تو نہیں لیکن اُن کے خوف اور دہشت کی شدت کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آتش جہنم ان کے سامنے ہے۔

ان فرشتوں سے اپنے ان سوالات کے یہ جوابات سن کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اگر اس قوم کے کسی فرد سے کوئی خطا بھی سرزد ہوئی ہے تو میں اس کی التجائے جنت رد نہیں کروں گا کیونکہ اس قوم کا وہ فرد (یا اس کے کچھ افراد) اس قوم کے جلیس ہیں جس کا تم نے ذکر کیا (یعنی اس قوم کی وجہ سے اس کے کسی اکا دکا فرد کا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

گناہ قابل معافی ہے)

یہی حدیث بخاریؒ نے اسی طرح قتیبہ‘ جریر بن عبدالحمید اور اعمش کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس کے اصل راوی شعبہ ہیں جنہوں نے اسے اعمش کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ تاہم بخاریؒ نے اس پر زور نہیں دیا لیکن یہ حدیث سہیل نے اپنے والد کے حوالے سے زور دے کر روایت کی ہے جب کہ امام احمدؒ نے اس حدیث کو عفان‘ وہیب‘ سہیل‘ سہیل کے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے اس کی روایت میں بخاری ہی جیسا انداز اختیار کیا ہے۔

یہی حدیث مسلمؒ نے محمد بن حاتم‘ بہز بن اسد اور وہب کے حوالے سے روایت کی ہے۔ اسے امام احمدؒ نے بھی غندر‘ شعبہ اور سلیمان (یعنی اعمش‘ ابی صالح اور ابو ہریرہؓ) کے حوالے سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا کہ بخاریؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو معاویہ‘ اعمش اور ابن نمیر نے بیان کیا اور اعمش نے ابی صالح اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بھی انہیں اطلاع دی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص کسی مومن کو کسی دنیاوی کرب سے نجات دلائے تو اللہ تعالیٰ روز قیامت کے کرب سے دنیا میں اس مومن کے کرب سے نجات دہندہ کو نجات بخشے گا۔ نیز یہ کہ جس شخص نے دنیا میں کسی مومن کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس شخص کی پردہ پوشی فرمائے گا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی (ضرور) مدد فرماتا ہے جو اپنے کسی بھائی کی مدد کرتا ہے آپ نے مزید فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں وہ راستہ اپنایا جس سے مقصد حصول علم ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت تک پہنچنے کا راستہ آسان بنا دے گا اور جو شخص مساجد میں سے کسی مسجد میں لوگوں کو اس لیے جمع کرے کہ وہاں قرآن شریف کی تلاوت کی جائے‘ اور باہم مل کر اللہ کے رسول (ﷺ) کی ثنا کی جائے تو اس پر اور وہاں جمع ہونے والے جملہ حضرات پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے‘ ان کے چہار جانب فرشتے جمع ہو جاتے ہیں اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ آسمان پر رہنے والے ان فرشتوں سے بھی فرماتا ہے جو اس وقت اس کے نزدیک ہوتے ہیں (البتہ) جس کے (نیک) عمل میں تاخیر ہوتی ہے (اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان) اس کا نسب (یعنی اس کا پھیلاؤ) ہرگز سریع نہیں ہو سکتا“۔ یہی حدیث مسلمؒ نے بھی ابو معاویہ کی روایت کردہ حدیث کے طور پر بیان کی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے اغر (ابی مسلم) اور ابی سعید (اعمش) کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جو قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جمع ہوتی ہے تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ فرشتے اس کے چہار جانب جمع نہ ہوں‘ اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ رحمت میں نہ لے اور اس پر امن و سکون نازل نہ فرمائے اور جو فرشتے اس کے نزدیک ہوں ان سے اس قوم کا ذکر نہ کرے“۔ یہی حدیث امام احمدؒ نے انہی الفاظ میں اسرائیل‘ سفیان ثوری اور شعبہ کی روایت کردہ حدیث کے طور پر ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کی ہے۔ نیز اس حدیث کو مسلمؒ نے شعبہ‘ ترمذی‘ اور ثوری (سفیان ثوری) کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کرتے ہوئے اسے ”حسن اور صحیح“ لکھا ہے جب کہ ابن ماجہ نے اس حدیث کو ابی بکر بن ابی شیبہ‘ یحییٰ بن آدم‘ عمار بن زریق اور ابی اسحٰق کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ ان موضوعات پر مبنی احادیث کتب احادیث میں کثرت

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پائی جاتی ہیں۔

مسند امام احمدؒ اور سنن ابوداؤد میں بطور مرفوع بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے طالب علم کی راہ میں اپنے پر بچھا دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس طالب علم کے سامنے محاورۃً بچھے رہتے ہیں اور اس طرح حصولِ علم کے لیے جو وہ کوشش کرتا ہے اس پر اظہار خوشنودی کرتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ اور ایک جگہ قرآن میں یہ بھی فرماتے ہیں: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اس آیت میں بھی ﴿اِخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ سے وہی مراد ہے یعنی اظہار تواضع وخوشنودی۔ (شادانی)

امام احمدؒ وکیعؒ کی زبانی سفیان' عبداللہ بن سائب' زاذان اور عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ کے لیے جو فرشتے روئے زمین کی سیاحت کرتے رہتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں"۔ یہ حدیث نسائی نے بھی سفیان ثوری اور سلیمان الاعمش دونوں کی روایت کردہ حدیث کے طور پر عبداللہ بن سائب کے حوالے سے پیش کی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے زہری' عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ملائکہ نور سے' جنات آگ کے بہت بھڑکنے والے شعلے سے اور آدم (علیہ السلام) اسی طرح پیدا کیے گئے ہیں جیسا تم سے بیان کیا جا چکا ہے"۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی اسی طرح محمد بن رافع' عبدۃ بن حمید اور عبدالرزاق کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

ملائکہ کے ذکر پر مبنی احادیث اور بہت سی ہیں۔ ہم نے ان میں سے حتی الامکان جتنی ہوسکیں یہاں بتوفیق ربانی پیش کر دی ہیں۔ وللہ الحمد

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فصل: 2

تفضیل ملائکہ:

انسان پر ملائکہ کی فضیلت کے بارے میں جو اقوال ہیں ان کے سلسلے میں لوگوں میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے تاہم یہ اختلاف اکثر و بیشتر متکلمین اور معتزلہ اور ان کے ہم خیال لوگوں کے مابین ہے جو ان کی کتابوں میں ملتا ہے۔

حافظ بن عساکر نے اپنی کتاب تاریخ میں اس مسئلے کی وضاحت کے سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز امیہ بن عمرو بن سعید بن عاص عمر ابن عبدالعزیز کی مجلس میں حاضر تھے جس میں ایک جماعت پر مشتمل کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ ابن عساکر کے بقول اس مسئلے پر گفتگو کا آغاز خود عمر ابن عبدالعزیزؒ نے کیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں بنی آدم پر کسی دوسری مخلوق کو فضیلت نہیں بخشی اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ قرآنی آیہ شریفہ بطور دلیل پیش کی:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُو الصَّالِحَاتِ اُولٰٓئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ﴾

ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ امیہ بن عمرو بن سعید نے بھی مندرجہ بالا قرآنی آیہ شریفہ کے پیش نظر عمر ابن عبدالعزیزؒ کے مذکورہ بالا دعوے کی تائید کی لیکن عراک ابن مالک نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان فرشتوں کو جو عرش اعظم کی خدمت پر مامور ہیں خصوصاً اس فرشتے کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسولوں کے پاس وحی لاتا رہا ہے بنی آدم پر فضیلت حاصل ہے۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اس نے یہ آیہ قرآنی پیش کی:

﴿ مَا نَهَاکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ اَوْ تَکُوْنَا مِنَ الْخَالِدِیْنَ ﴾

عراک ابن مالک کی زبان سے فرشتوں کی مندرجہ بالا صفات اور اس کے مندرجہ بالا دعوے کی دلیل میں قرآن شریف کی یہ دوسری آیت سن کر عمر ابن عبدالعزیزؒ نے محمد بن کعب قرظی سے کہا کہ ان کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے۔ محمد بن کعب قرظی بولے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو فرشتوں پر فضیلت بخشی کیونکہ انہیں خود اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا' ان میں اپنی روح پھونکی' آدم کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور ان کی اولاد میں انبیاء اور رسول پیدا کیے جن کی زیارت کے لیے ان کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوتے رہے۔

ابن عساکر کے بقول محمد بن کعب قرظی کی ان باتوں کی عمر بن عبدالعزیزؒ نے تائید تو کی لیکن انہیں قرآن کی رو سے بے دلیل بتایا کیونکہ محمد بن کعب نے اس سلسلے میں کوئی قرآنی آیت پیش نہیں کی تھی بلکہ یہ بھی کہا کہ فرشتوں پر بنی آدم کی فضیلت کے دعوے کی دلیل میں خود انہوں نے جو آیت پیش کی تھی اس میں بھی:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُو الصَّالِحَاتِ ﴾

کی حد تک انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اس لیے ان کی یہ دلیل واقعی کمزور ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صفت میں: ﴿وَيُؤْمِنُوْنَ بِه﴾ فرما کر فرشتوں کو شریک کیا ہے بلکہ بقول رب العزت: ﴿وَ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى آمَنَّا بِه﴾ اور ﴿وَ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ﴾ کہہ کر جنات بھی ایمان کی صفت میں شریک ہو جاتے ہیں۔

بہر کیف میرے خیال میں اس مسئلے میں جو استدلال عثمان بن سعید دارمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے مرفوعاً کیا ہے وہ صحیح ترین ہے۔ (مؤلف) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا استدلال یہ ہے کہ:

لـما خلق الله جنة قالت الملائكة يا ربنا اجعل لنا هذه نأكل منها و نشرب فانك خلقت الدنيا لبني آدم.

(یعنی جب اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! اسے (جنت کو) ہمارے لیے مخصوص فرما دے تا کہ ہم اس میں سے کھائیں پئیں' تو نے بنی آدم کے لیے تو دنیا تخلیق فرما دی ہے) لیکن فرشتوں کی یہ گذارش سن کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں آدمؑ کی اولاد سے زیادہ صالح کوئی دوسری مخلوق ہرگز پیدا نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں نے آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا یعنی میں نے اس سے کہا ہو جا پس وہ ہو گیا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ٦

ذکر تخلیق جنات وقصہ شیطان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ فَبِاَیِّ آلَآءِ رَبِّکُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴾

مندرجہ بالا پہلی آیت میں الفاظ "مِن مارج" کے بارے میں ابن عباس' عکرمہ' مجاہد' حسن (بصری) اور متعدد دیگر علمائے دین کہتے ہیں کہ اس سے مراد بھڑکتی ہوئی آگ ہے جب کہ ایک دوسری روایت میں اسے خالص آگ بتایا گیا ہے۔

ہم نے تخلیق ملائکہ اور ان کے اوصاف کے ضمن میں اس سے قبل زہری کے توسط اور عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے حدیث نبویؐ درج کی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ملائکہ نور سے' جنات آگ سے اور حضرت آدم علیہ السلام اس طرح پیدا کیے گئے جیسا کہ تمہیں پہلے بتایا جا چکا ہے"۔ یہ حدیث مسلمؒ سے مروی ہے۔

اکثر علمائے تفسیر کا بیان ہے کہ جنات آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیے گئے تھے جب کہ ان سے یعنی جنات سے قبل زمین پر حنون وبنون (شریر ارواح اور بلاؤں) نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جنات کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان حنون وبنون کو ختم کر دیا اور ان کی جگہ زمین پر خود اپنی بستیاں بسا لیں۔

السدی نے اپنی تفسیر میں ابی مالک' ابی صالح' مرہ' ابن مسعودؓ اور رسول اللہ ﷺ کے دوسرے صحابیوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے حسب منشاء تخلیق کائنات سے فارغ ہوئے اور عرش پر میزان قائم فرما چکے تو ابلیس کو فرشتگان آسمان دنیا کا سربراہ بنا دیا۔ وہ ملائکہ کے اس قبیلے سے تھا جسے جن کہا جاتا تھا۔ ان کا نام جن اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہ جنت کے خازن تھے اور ابلیس بھی دوسرے فرشتوں کے ساتھ ان میں شامل تھا لیکن اس کے دل میں اس (باطل) خیال نے جڑ پکڑ لی کہ وہ جنت میں تمام فرشتوں کا سرگروہ بنا دیا گیا ہے۔

ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب جنات زمین پر فساد پھیلانے اور باہم قتل وغارت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے کچھ دوسرے فرشتوں کی معیت میں ابلیس کو وہاں بھیجا اور ان سب نے ان مفسد اور زمین پر ہلاکت خیزیوں میں ملوث جنات کو سمندری جزیروں کی طرف مار بھگایا۔

محمد بن اسحٰق خلاد' عطا' طاؤس اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور یوں معصیت کے اس ارتکاب سے قبل ابلیس کا نام عزازیل تھا۔ وہ اس وقت ان زمین پر رہنے والے فرشتوں میں جنہیں جن کہا جاتا تھا بلحاظ اجتہاد

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قوت اور علم ممتاز تھا۔

ابن ابی حاتم سعید بن جبیر کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ اس (ابلیس) کا نام پہلے عزازیل تھا اور وہ چار پر دار بازو رکھنے والے فرشتوں میں اشرف سمجھا جاتا تھا۔ ابن حاتم نے اپنی اس روایت کا مزید استناد حجاج' ابن جریج اور ابن عباسؓ سے کرتے ہوئے ابن عباسؓ سے زبانی بتایا ہے کہ ابلیس اشرف الملائکہ اور اپنے قبیلے کی عظیم ترین شخصیت تھا۔ اسی لیے وہ فرشتوں کا خازن تھا اور آسمان اوّل کی سلطنت اس کے حوالے کی گئی تھی بلکہ زمین کی سلطنت بھی اس کے سپرد تھی اور وہ ''سلطان الارض'' کہلاتا تھا۔

توامہ کے غلام صالح ابن عباسؓ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس ہی ارض وسما کے مابین وسوسوں کی بنیاد بنا۔ یہ اصلاً ابن جریر کی روایت ہے جب کہ قتادہ سعید بن مسیب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس پہلے آسمان دنیا میں رئیس الملائکہ تھا۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس کے علاوہ فرشتوں میں کوئی ''طرفۃ العین'' نہیں ہے کیونکہ وہ ''اصل الجن'' ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اصل البشر ہیں۔

شہر ابن حوشب کہتے ہیں کہ فرشتے ابلیس سے دور دور رہتے اور اسے بھی اپنے آپ سے دور دور رکھتے تھے لیکن بعض فرشتوں ہی نے اسے کچھ ایسے اسرار بتا دیئے کہ وہ ان کی وجہ سے زمین سے آسمان پر چلا گیا۔ یہ بھی ابن جریر کی روایت ہے۔

ایسی متعدد روایات ملتی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ تخلیق آدم سے قبل ابلیس سلطان الارض تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا اور ان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تا کہ ان کی اولاد زمین پر آباد ہو تو ابلیس نے جس کا نام پہلے عزازیل تھا اللہ تعالیٰ کے سامنے اس خدشے کا اظہار کیا کہ آدم کے نائب السلطنت ہو جانے کے بعد وہ اور ان کی اولاد اسے اور اس کی ذریت کو ہلاک کر کے اس کی زمین پر تمام ملکیت چھین لے گی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ عبادت گزار ہے۔ اور اسے فرشتوں تک پر فوقیت حاصل ہے۔ تاہم جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر اس میں اپنی روح پھونک دی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو عزازیل حد درجہ حسد میں مبتلا ہو گیا اور آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی وہ اپنی اصل یعنی سرکش ہو گیا۔ لہٰذا اس وقت تک اس نے اللہ تعالیٰ کی جتنی عبادت کی تھی وہ اس کی حکم عدولی کی وجہ سے بے کار گئی اور وہ طوق لعنت میں یہ کہہ کر کہ میں آدمؑ سے افضل ہوں کیونکہ اس کی تخلیق مٹی سے اور میری آگ سے ہوئی ہے گرفتار ہو گیا اور اس سے قبل اسے فرشتوں پر سے جو مشابہت تھی بلکہ ان پر جو مرتبت حاصل تھی وہ آناً فاناً سلب کر لی گئی۔

ظاہر ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا تکبر اور اپنے رب کی نافرمانی تھی نیز اس کی پیدائش چونکہ آگ سے ہوئی تھی اس لیے اس کی سرشت میں سرکشی شامل تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں

﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾

ان آیات مقدسہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے عزازیل (شیطان) کو دوسرے تمام فرشتوں سمیت حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ چنانچہ شیطان کے علاوہ جملہ ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا لیکن اس نے تکبر کیا اور آدم کو سجدے سے انکار کیا اور اس طرح ارتکاب کفر کیا نیز یہ کہ اس کے اس انکار کی وجہ اس کی آگ سے تخلیق اور قوم جنات سے ہونا تھا۔ دوسری آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے دریافت فرماتے ہیں کہ آیا وہ اسے (اللہ تعالیٰ کو) شیطان اور اس کی ذریت کی پیروی کریں گے؟ جب کہ وہ بنی آدم کی دشمنی میں سب سے آگے ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ظالموں کا انجام برا ہوتا ہے یعنی اگر بنی آدم شیطان کی پیروی کریں گے تو ان کا انجام بھی برا ہوگا۔ (توضیح از مترجم)[1]

انہی وجوہ کی بناء پر ابلیس یا شیطان کو جو پہلے عزازیل کہلاتا تھا۔ اور اسے ملائکہ میں بھی ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی ملاءاعلیٰ سے پستی میں گرایا گیا' وہاں کی سکونت اس کے لیے دائمی طور پر حرام قرار دی گئی' زمین کو ہمیشہ کے لیے اس کا مستقر بنایا گیا' اسے اور اس کی ذریت کے علاوہ خود اس کی قوم اور بنی آدم میں سے ان افراد کو جو اس کی اور اس کی ذریت کی پیروی کریں گے بطور سزا آتش دوزخ کا مستحق ٹھہرایا گیا جس سے انہیں خبردار بھی کر دیا گیا۔ البتہ وہ جن ہوں یا انسان ان میں سے جو بھی صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے انہیں جزائے خیر کی بشارت دی گئی۔ جیسا کہ درج ذیل آیہ شریفہ سے واضح ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

اور فرمایا:

﴿ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَّ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴾

اس قصے کا مزید تفصیلی ذکر ہم تخلیق آدم علیہ السلام کے ذکر کے موقع پر ان شاء اللہ عنقریب کریں گے۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا تھا کہ جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور وہ بھی بنی آدم کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور ان کا سلسلہ توالد و تناسل بھی انہی کی طرح چلتا ہے نیز کہ ان میں بھی مومن و کافر دونوں موجود ہیں۔ جیسا کہ سورۂ جن کی درج ذیل آیات قرآنی سے ثابت ہے:

---

[1] چونکہ مؤلف نے حسب معمول ان آیات شریفہ کی وضاحت نہیں کی اس لیے یہاں ان کی وضاحت کردی گا حالانکہ آیات قرآنی کی تفسیر مترجم کا منصب نہیں۔ (شادانی)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

① ﴿وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ يٰقَوْمَنَا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءُ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

② ﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا ○ وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ○ وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ○ وَاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ○ وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ○ وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ○ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ○ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○ وَاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ○ وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ○ وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ○ وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ○ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ○ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ○ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ○ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾

ہم نے اس سورت کی تفسیر اور جنات کا یہ تمام قصہ سورہ احقاف کی تفسیر کے آخر میں پیش کیا ہے۔ اور اس سلسلے کی جملہ متعلقہ احادیث بھی وہیں پیش کی ہیں۔ ویسے نصیبین اور بصرے کے بعض جنات کا ذکر کچھ کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ مکے میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ کچھ دور چلے‘ پھر جہاں آپؐ نے ایک درخت کے نیچے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کی تو وہ وہاں ٹھہر کر آپ کی زبان مبارک سے قرآن کی تلاوت سنتے رہے۔ اس کے علاوہ کچھ کتابوں میں یہ ذکر بھی کیا گیا ہے کہ ایک بار خود آنحضرت ﷺ کی ان کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی جس کے دوران میں انہوں نے آپ سے قرآن کی رو سے بعض اوامر و نواہی کے بارے میں سوالات کیے اور آپ نے ان کے جوابات انہیں دیئے نیز یہ کہ آپ نے انہیں ہڈیوں اور جانوروں کے چارے میں جو لید پائی جاتی ہے اس سے استنجا کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ہڈیوں پر خدا کا نام لکھا ہوتا ہے جن پر کچھ نہ کچھ گوشت بھی ہوتا ہے اور چارہ جانور کھاتے ہیں۔ وہ ان کے جن بھائیوں کی خوراک بھی ہوتے ہیں۔ آپؐ نے انہیں سوراخ میں پیشاب کرنے سے بھی منع فرمایا کیونکہ اس میں (اکثر) ان کے جن بھائیوں کی رہائش ہوتی ہے۔ آپؐ نے انہیں سورہ رحمٰن بھی سنائی جس میں بار بار ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ آتا ہے۔ اسے سن کر انہوں نے کہا الحمد للہ خدا کی نشانیوں میں سے کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وہ تکذیب کرتے ہوں لیکن یہی سورت جب آپؐ نے انسانوں کی ایک جماعت کو سنائی اور اس میں بار بار وہی آیہ شریفہ یعنی ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ آیا تو اسے سن کر وہ لوگ خاموش رہے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کہ ’’تم سے جن ہی بہتر ہیں جنہوں نے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس کلام خداوندی کی نہ صرف یہ کہ تردید نہیں کی بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی نشانی نہیں جس کی وہ تکذیب کرتے ہوں''۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

چونکہ جنات کے ایمان لانے کا کوئی حتمی تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے اس لیے اس بارے میں علمائے دین میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ جنت میں جائیں گے یا محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی وجہ سے آتش دوزخ کے عذاب سے نجات پائیں گے۔

بہرکیف اس بارے میں دو صحیح اقوال یہ ہیں کہ بربنائے فیض قرآنی اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے اس عمومی ارشاد کے مطابق کہ ﴿ وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴾ یعنی اپنے رب کے مقام حاکیت کو سمجھنے اور اس سے ڈرنے والے سب کے سب جنت میں جائیں گے' ایسے جنات کا بھی جنت میں جانا یقینی ہے۔ واللہ اعلم

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے قتیبہ نے مالک' عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی سعید الخدری سے فرمایا کہ آپؐ نے انہیں جنگل میں بکریوں کی گلہ بانی کرتے ملاحظہ فرمایا ہے تاہم اگر انہوں (ابی سعید) نے وہاں جن وانس میں سے کسی مؤذن کی آواز اذان سنے بغیر خود ہی با آواز بلند اذان دے کر بروقت نماز ادا کرلی ہو تو روز قیامت ان کی وہی اذان ونماز ان کے اعمال کی گواہ بن جائیں گی۔ مسلم کے علاوہ اس حدیث نبوی (ﷺ) کو بخاری نے منفرد ذکر کے روایت کیا ہے۔

اگرچہ کافر اور وہ جناتؑ (شیاطین) جن کا جد اعلیٰ ابلیس ہے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ازلی دشمن ہیں اور بنی آدم کو راہ حق سے بھٹکانے اور ورغلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے نہ قیامت تک چھوڑیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان جنات کا جو اس پر ایمان لائے اور عمر بھر اس کی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر کمربستہ رہے صرف یہی عمل ان کی مغفرت کے لیے کافی ہے۔ ہم نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشادات کی روشنی میں کہی ہے:

① ﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ﴾

(اس آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مخاطب کر کے ان اہل ایمان کا ذکر فرمایا ہے جو اس (شیطان) کے دائرہ اختیار سے باہر رہ کر صرف اپنے رب کی حمایت ووکالت کو کافی سمجھتے ہیں)۔ ❶

② ﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَمَا کَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِیْ شَکٍّ وَ رَبُّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴾

(اس آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک نبی کریم ﷺ کی تسلی وتشفی کے لیے ارشاد فرمایا کہ آپ کی امت میں کچھ ہی لوگ ابلیس کے فریب میں آسکتے ہیں لیکن حقیقتاً اہل ایمان پر اسے تسلط حاصل نہیں ہوسکتا' اللہ تعالیٰ شکی لوگوں اور ان لوگوں کو جو

❶ اس آیہ شریفہ کی قوسین (.........) میں توضیحی عبارت مترجم کی ہے۔ (شادانی)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اچھی طرح جانتا ہے اور وہی ہر شے کا حفیظ مطلق ہے)۔ ❶

ان آیاتِ قرآنی سے قبل ہم ان آیات میں سے کچھ آیات پیش کر چکے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو یہ حکم دینے کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تکمیل لیکن شیطان کی طرف سے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار اس کی اس سرکشی و نافرمانی' جنات کی آگ سے تخلیق' ان کی زمین پر آبادیاں لیکن ان کی مفسدہ پردازی کی وجہ سے فرشتوں کے ذریعہ ان کی سطح ارضی سے بے دخلی اور سمندری جزائر میں ان کی آبادی وغیرہ کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ آگے چل کر ہم آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ضمن میں شیطان اور اس کی فتنہ پردازی کے تفصیلی واقعات پیش کریں گے اور آیاتِ قرآنی اور احادیث سے ان کے حوالے بھی پیش کریں گے' ان شاء اللہ تعالیٰ و هو المستعان و لله الحمد.

ویسے نص قرآنی کے مطابق ابلیس کی شیطانی کارگزاریاں ہنوز جاری ہیں اور تا قیامت جاری رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ و كان اسمهٔ قبل معصية العظيمة عزازيل اور نقاش نے اس کی کنیت ابوکردوس بتائی ہے اور اس کے علاوہ ایک روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صیاد سے دریافت کیا کہ آیا انہوں نے کبھی شیطان کو دیکھا؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ "جی ہاں' اس کا عرش سمندر پر ہے" صیاد سے یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ "اس کے بارے میں تمہارا اندازہ حد سے زیادہ ہے حالانکہ اس کی قدر و قیمت زیادہ دنی' خسیس اور حقیر ہے"۔

اس روایت کے بارے میں کہ ابلیس کا عرش (اس کی مستقل سکونت) سمندر پر ہے' امام احمدؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

عرش ابليس في البحر يبعث سراياه في كل يوم يفتنون الناس فاعظمهم عنده منزلة اعظمهم فتنة للناس.

(یعنی ابلیس کی مستقل سکونت سمندر میں ہے لیکن وہ انسانوں کو فریب دینے اور ان میں فتنے پھیلانے کے لیے وہاں سے تمام روئے زمین پر گھومتا رہتا ہے اس لیے خود اس کے نزدیک اس کی مستقل اور عظیم ترین منزل انسانوں میں فتنہ پردازی ہے)۔

امام احمدؒ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان سے روح اور ابن جریج نے بیان کیا اور ابوالزبیر نے بھی انہیں بتایا کہ جابر بن عبداللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ "ابلیس کی مستقل قیام گاہ سمندر میں ہے لیکن وہ (شب و روز) انسانی برادری میں چکر لگاتا رہتا ہے اور ان میں فتنے پھیلانے کو اپنی واحد اور عظیم ترین منزل سمجھتا ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ نے اس سلسلے میں اس حدیث کی روایت کو منفرد حیثیت دی ہے اس حدیث کو جابرؓ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؒ نے یہ بھی روایت ہے کہ ان سے مول' حماد اور علی بن زید نے جابر بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صائد سے فرمایا کہ انہیں ابلیس کے بارے میں کچھ معلوم ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ اس کا عرش یعنی اس

---

❶ اس آیہ شریفہ کی توسین (.......) میں توضیحی عبارت مترجم کی ہے۔ (شادانی)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کی قیام گاہ سمندر میں ہے۔ اس پر آپ ؐ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا' اس کی مستقل قیام گاہ سمندر میں ہے۔

ہم نے ابلیس کی طرف سے بنی آدم میں تفرقہ پردازی کا ذکر آیہ قرآنی: ﴿مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ﴾ کی تفسیر کے ضمن میں تفصیل سے کیا ہے (مؤلف) نیز سورہ والناس بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ (مؤلف)

صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں انس سے اور صحیح بخاری میں صفیہ بنت حسین سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان بنی آدم سے خون کی روانی سلب کر لیتا ہے۔

حافظ ابویعلیٰ موصلی بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن جبیر' عدی بن ابی عمارہ اور زیاد نمیری نے انس کے حوالے سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان کا ہدف ابن آدم علیہ السلام کا دل ہے۔ اور اگر اس کے دل میں نسیان کا عارضہ جڑ پکڑ لے تو اسی کو "وسواس الخناس" سمجھنا چاہیے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر شیطان کے پیدا کردہ ان وسوسوں کا علاج ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "و اذکر ربک اذ نسیت"۔

صاحب موسیٰ کے بقول ان کے قلب میں شیطان کا سب سے بڑا نسیان پیدا کرنا یہ کہ وہ ان کے دل سے خدا کی یاد بھلا دے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا: "فانساہ الشیطان ذکر ربہ" اور یہی وسوسہ یعنی نسیان کا عارضہ شیطان نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں ڈالنے کی متواتر کوشش کی جس کی وجہ سے انہیں قید خانے میں دو سال گزارنے پڑے جس کے بعد انہوں نے کہا: "وقال الذی نجا منھما و ادکر بعد أمة" (یعنی بعد مدت) جس کے بعد انہوں نے اسے نسیان کے نام سے یاد کیا (یعنی ساقی) جب نسیان پیدا کرنے والے کو ساقی کہتے ہیں تو ہمارا مطلب یہی ہوتا ہے اور دونوں اقوال کے مطابق یہی صحیح ہے جس کا ذکر ہم نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ واللہ اعلم

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر اور شعبہ نے عاصم کے حوالے سے بیان کیا کہ عاصم نے ابوتمیمہ کو رسول اللہ ﷺ کے ردیف (پس پشت سوار) کے حوالے سے کہتے ہوئے سنا کہ آپ ؐ کے اس ردیف کی زبان پر کسی روز اپنے گھوڑے کے بارے "نفس الشیطان" آیا تو آپ ؐ نے اسے ٹوک کر فرمایا کہ یہ کہنے سے تو اس کی سرکشی اور بڑھے گی' اس لیے تم اس کی لگام قوت سے کھینچ کر پہلے اسے روکو پھر بسم اللہ کہہ کر اسے آگے بڑھاؤ۔ ابوتمیمہ نے آنحضرت ﷺ کے اس ردیف کو اس کے بعد یہ کہتے سنا کہ "جب میں نے آپ ؐ کے حکم کی تعمیل کی تو میرا گھوڑا اپنی تیز رفتاری بھول کر حسب معمول بڑی دھیمی رفتار سے چلنے لگا"۔

یہ روایت امام احمدؒ نے منفرد کر کے پیش کی ہے جس کی اسناد بڑی جید اور قوی ہیں۔ (مؤلف)

امام احمدؒ سے بحوالہ ابوبکر الحنفی' ضحاک بن عثمان' سعید المقبری اور ابوہریرہؓ ایک اور روایت یہ ہے کہ ابوہریرہؓ کے بقول آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کسی کو مسجد میں شیطان کی موجودگی محسوس ہو تو وہ اسے اللہ کا نام لے کر اس طرح روکے جیسے کسی سرکش گھوڑے کو اس کی لگام کھینچ کر روکا جاتا ہے"۔ اس کے بعد ابوہریرہؓ نے مزید کہا کہ "تم اسے (شیطان کو) مسجد میں اکثر دیکھو گے لیکن تم میں سے ہر شخص کی زبان پر "الا اللہ" نہیں ہوگا' جیسے ملجم کی زبان پر مسجد میں بھی اللہ تعالیٰ عزوجل کا ذکر نہیں تھا"۔ امام احمدؒ نے اس روایت کو بطور روایت منفرد پیش کیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امام احمدؒ ہی کی ابن نمیر اور ثور یعنی ابن یزید کی زبانی اور مکحول اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کردہ ایک اور روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "العینُ حقٌ" فرما کر مزید فرمایا کہ "شیطان کو یہ بات مستحضر تھی لیکن اس کے باوجود اس نے آدم (علیہ السلام) سے حسد کیا"۔

امام احمدؒ ہی شیطان کے بارے میں ایک اور روایت وکیع کی زبانی اور سفیان، منصور، ذر بن عبداللہ ہمدانی، عبداللہ بن شداد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے ایک (عجیب) شے کو آسمان کی طرف اترتے اور اپنی طرف مائل ہوتے دیکھا تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس سے گفتگو کروں لیکن میں نے فوراً ہی اپنے نفس کو اس خواہش پر تنبیہ کی"۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کا مقصد آنحضرت ﷺ سے اس چیز کے بارے میں دریافت کرنا تھا لیکن آپؐ نے اسے صرف یہ جواب دیا کہ "اللہ اکبر" خدا کا شکر ہے کہ اس نے (تمہارے ایمان کی پختگی کے ذریعہ) اس وسوسے کے مکر کو رد فرما دیا"۔ اس روایت کو ابوداؤد اور نسائی نے حدیث منصور کے طور پر پیش کیا ہے جب کہ نسائی اور اعمش دونوں نے اس میں ابی ذر کے حوالے کا اضافہ کیا ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحیٰ بن بکیر اور لیث نے عقیل اور ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور انہیں بتایا کہ ابن شہاب سے عروہ نے اور عروہ سے ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے تو پہلے یہ کہتا ہے کہ یہ چیز کس نے پیدا کی؟ وہ چیز کس نے پیدا کی؟ اور آخر میں پوچھتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ لہٰذا جب وہ یہ سوال کرے تو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے اسے بھگا دیا کرو۔

ایسی ہی ایک روایت مسلمؒ نے حدیث لیث اور حدیث زہری نیز حدیث ہشام اور حدیث بن عروہ کے طور پر پیش کی ہے جب کہ آخر الذکر دونوں نے اسے عروہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تمہارے پاس شیاطین آئیں تو ان کے قرب سے اپنے رب کی پناہ مانگا کرو۔ اس کے علاوہ ایک اور جگہ فرمایا کہ جب شیطان کی طرف سے کوئی متنازعہ بات تمہیں الجھن میں ڈالے تو تم اللہ کی پناہ طلب کیا کرو کہ وہ سمیع وعلیم ہے نیز ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب قرآن پڑھے تو اس سے قبل اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہا کرے کیونکہ اہل ایمان پر شیطان کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اس لیے کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں بلکہ اسے (صرف) ان لوگوں پر اختیار ہے جو اس کی پیروی کرتے اور شراکت باللہ میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

امام احمدؒ نے نیز دیگر اہل سنت نے المتوکل کی زبانی اور ابی سعید کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (ﷺ) بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں شیطان مردود کے وسوسے اس کے تکبر اور اس کی شیخیوں یا جادوگری سے اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم کی پناہ کا طالب ہوں"۔

ایسی ہی ایک حدیث جبیر بن مطعم عبداللہ بن مسعود اور ابی اسامہ باہلی نے بھی روایت کی ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں انس کے حوالے سے درج ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بھی بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تو اس سے قبل "اعوذ باللہ من الخبث و الخبائث" (ضرور) فرمایا کرتے تھے۔ انس سے یہ بھی روایت ہے کہ اکثر علماء شیاطین کے ذکور واناث سب کے مکروفریب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔

امام احمدؒ نے شریح، عیسیٰ بن یونس، ثور، حسین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحابی ابن سعد الخیر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (ﷺ) روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب کوئی بیت الخلا جائے تو (اپنی نگاہوں کی) پردہ داری کرے کیونکہ اس کے پیٹ سے اس وقت جو کچھ خارج ہوتا ہے وہ غلاظت وکثافت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ شیطان اس وقت بنی آدم کے مقاعد سے کھیلتا ہے اس لیے وہ شخص اس پردہ داری سے شیطان کے نقصان پہنچانے سے محفوظ رہے گا (ترجمہ لفظی و مفہومی) اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ثور بن یزید کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے اعمش اور عدی بن ثابت کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر دونوں کو سلیمان بن صرد نے بتایا کہ "(ایک روز) جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو وہاں دو آدمی اس حالت میں آئے کہ وہ ایک دوسرے کو نہ صرف برا بھلا کہہ رہے بلکہ غصے میں گالیاں بھی دے رہے تھے، یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: "میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جو انہیں اس غیض وغضب سے نجات دلا سکتا ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ انہیں (اپنی اپنی جگہ) اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سن کر حاضرین نے ان دونوں میں سے ایک شخص سے پوچھا: جو کچھ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کیا تو نے وہ سنا؟ اس سوال کے جواب میں وہ بولا: "کیا میں دیوانہ ہوں؟" (یعنی آپ کا ارشاد اس نے سن لیا اور اسے بخوبی سمجھ گیا ہے) مسلمؒ، ابوداؤد اور نسائی نے بھی اس حدیث کو اعمش کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام احمدؒ اپنی مسند میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبید اللہ بن عمر نے نافع اور ابن عمر کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ وہ اپنی شمالی جانب سے کچھ کھائے یا پئے اور اسی طرف سے شیطان اس کے اس اکل وشرب میں شریک نہ ہوتا ہو۔

یہ روایت صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں موجود ہے لیکن صحیح بخاری میں اس حدیث کے ضمن میں مندرجہ بالا اسناد کے علاوہ کئی دیگر مستند حوالے بھی دیے گئے ہیں جن کی بنیاد پر یہ حدیث صحیح ترین ٹھہرتی ہے۔

اس قبیل کی ایک اور حدیث امام احمدؒ نے اسماعیل بن ابی حکیم، عروہ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی شمالی جانب سے کچھ پیتا ہے تو شیطان بھی (اس کے ساتھ) اسی جانب سے پیتا ہے۔

امام احمدؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر نے بیان کیا اور انہیں شعبہ نے بھی ابی زیاد الطحان کے حوالے سے بتایا کہ ابی زیاد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (ایک روز) آپؐ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو کھڑے ہو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کر کچھ پی رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے اس شخص سے فرمایا کہ آیا وہ یہ پسند کرے گا کہ اس کے اس (طرح) پینے میں کراہت شامل ہو جائے؟ وہ بولا: ''ہرگز نہیں'' اس کا یہ جواب سن کر آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے اس طرح پینے سے تمہاری اس پینے والی چیز میں شیطانی کراہت شامل ہو جاتی ہے اور شیطان کا شر بھی۔ اس حدیث میں جو کچھ آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں بیان کیا ہے اس کی وجہ سے امام احمدؒ نے اسے بطور خاص اور منفرد کر کے بیان کیا ہے۔

امام احمد ہی سے بحوالہ عبدالرزاق' معمرؒ ایک دوسرے راوی اور ابو ہریرہؓ کی زبانی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ''جو شخص کھڑے ہو کر کچھ پی رہا ہے اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے پیٹ میں کیا جا رہا ہے تو وہ فوراً الٹی کر دے''۔ امام احمدؒ نے چند دوسرے حوالوں سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے موسیٰ اور ابن لہیعہ نے زبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ زبیر نے جابر سے کہا کہ ''میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مکان میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اس کے مکان سے یہ کہہ کر نکل جاتا ہے کہ اس گھر میں میرا دن میں یا رات میں قیام ناممکن ہے لیکن جب وہ شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہیں کہتا تو شیطان کہتا ہے کہ ''میں ان اہل خانہ کو سمجھ گیا ہوں اس لیے میرا یہاں دن اور رات دونوں وقت قیام آسان ہے''۔ زبیر کے اس سوال پر کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے تو جابرؓ نے جواب دیا: بالکل صحیح یعنی آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا تھا۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک' عبداللہ بن دینار اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو کیونکہ یہ اوقات شیطان یا اوقاتِ شیاطین ہوتے ہیں۔

بخاریؒ نے انہی حوالوں سے یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ جب کبھی آنحضرت ﷺ مشرق کی طرف رُخ فرما کر ایستادہ ہوتے تو فرماتے: ''افسوس: فتنہ اس طرف سے اُٹھے گا اور وہ صدی بھی شیطانی صدی ہوگی''۔

''سنن'' میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دھوپ اور سائے کی درمیانی جگہ میں بیٹھنے سے یہ فرما کر منع فرمایا ہے کہ ایسی جگہوں پر شیطان کی مجلس ہوتی ہے۔

چونکہ عام لوگ شیطانی برائیوں اور ملائکہ کے حسن اخلاق میں امتیاز نہیں کر سکتے اس لیے وہ طلوع آفتاب پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے طلوع آفتاب کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ﴿طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ﴾

چونکہ طلوع آفتاب کے بعد جس طرح روئے زمین پر ہر طرف آثار حیات نظر آنے لگتے ہیں اور تمام انسانی برادری عموماً مصروف کار ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح شیطان اور اس کی ذریت کی ابلہ فریبی میں اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ ایک زمانے میں تو طلوع آفتاب کی چمک دمک دیکھ کر انسانوں کی معتدبہ تعداد آفتاب پرستی میں مبتلا ہو گئی تھی اور اس کو اپنا بھگوان یا معبود سمجھنے لگے تھے جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں شیطان کے پیدا کردہ وسوسے تھے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے خوبصورت اور آفتاب کی طرح روشن چہرے سے نقاب اُٹھتے ہی زلیخا کے پاس بیٹھی ہوئی عورتیں پکار اٹھی تھیں کہ: ﴿حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کَرِیْمٌ﴾ (سورہ یوسف)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حسن یوسف کو تابش آفتاب سے مماثل قرار دیتے ہوئے زلیخا کی ساتھی عورتوں کے مذکورہ بالا فریب میں مبتلا ہونے کو وسوسہ شیطانی فرمایا بلکہ خود طلوع آفتاب کے بارے میں انسان کے دھوکا کھا جانے کی وجہ سے طلعھا کانہ رؤس الشیاطین فرمایا۔

بخاریؒ متعدد ثقہ و مستند راویوں کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب شام ہونے لگے یا آفتاب غروب ہو جائے تو اپنے بچوں کو گھر میں بلالیا کرو کیونکہ اس وقت شیاطین ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں اور جب رات کی ایک گھڑی گزر جائے تو اپنے مکان کا دروازہ بند کر کے اپنے بچوں کو سلا دیا کرو اور ان کی نگرانی کیا کرو نیز چراغ بجھا دیا کرو البتہ اگر اس وقت کچھ گھریلو کام مثلاً برتنوں میں پانی بھرنا یا آٹے میں خمیر ملانا وغیرہ رہ جائے تو اسے بلا ناغہ اللہ کا نام لے کر شروع کیا کرو کیونکہ اللہ کا نام لینے سے شیاطین تمہارے کسی کام سے تعارض کر سکتے ہیں نہ اس میں خلل ڈال سکتے ہیں۔ (ترجمہ لفظی و مفہومی)

امام احمدؒ یحییٰ اور ابن جریج کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ شیطان بند دروازے نہیں کھول سکتا۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے آدم اور شعبہ[1] نے منصور، سالم بن ابی الجعد، کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے اہل و عیال کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے کہ یا اللہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو نے بطور رزق ہمیں عطا فرمایا ہے شیطان سے بچا تو اگر ان میاں بیوی کا کوئی بچہ ہوگا تو اسے شیطان کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اس بچے پر مسلط بھی نہ ہو سکے گا۔

بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے اعمش نے بھی سالم، کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایسی ہی ایک حدیث بیان کی۔

بخاریؒ ہی نے اس حدیث کو اسماعیل، ہمام، منصور، سالم، کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ان الفاظ میں بھی روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے اہل خانہ کے پاس آئے اور بسم اللہ کہہ کر یہ کہے کہ یا اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو رزق تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے اسے بھی شیطان سے بچا تو اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی بیٹا دیا ہوگا تو شیطان اسے بھی کبھی کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے اسماعیل اور ان کے اپنے بھائی نے سلیمان، یحییٰ بن سعید، سعید بن مسیبؒ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب شیطان تم میں سے کسی کے سر پر آتا ہے تو اس پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر اپنا ٹھکانہ بنا لیتا ہے اور اس کی وہ تینوں گرہیں تمام رات اپنی اپنی جگہ قائم رہتی ہیں لیکن اگر وہ شخص رات ہی کو کسی وقت اللہ کا نام لے کر اس کا (اللہ تعالیٰ کا) ذکر کرنے لگے تو پھر اس کے سر یا جسم سے شیطان کی لگائی ہوئی پہلی گرہ کھل جائے گی اور اگر

---

[1] ایک نسخے میں آدم اور شعبہ کے بجائے منصور اور سالم لکھا ہے۔ (محمود الامام)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وہ شخص وضو کرے تو اس کے جسم سے شیطان کی لگائی ہوئی دوسری گرہ کھل جائے گی اور اگر وہ شخص وضو کر کے نماز پڑھنے لگے تو شیطان کی لگائی ہوئی دوسری گرہ کھل جائے گی اور وہ صبح کو تروتازہ ہو کر اٹھے گا لیکن اگر کوئی شخص یہ تینوں باتیں نہ کرے تو شیطان کی لگائی ہوئی وہ تینوں گرہیں اپنی اپنی جگہ بدستور قائم رہیں گی اور وہ شخص صبح کو جب اٹھے گا تو اپنے سارے جسم میں اضمحلال اور کسلمندی محسوس کرے گا۔

مسلمؒ نے اس حدیث کو بشر بن حکم اور دردادی کے حوالے سے روایت کیا ہے جب کہ نسائی نے اسے محمد بن زنبور اور عبدالعزیز بن حازم کے حوالے سے روایت کیا ہے تاہم آخر الذکران دونوں نے اس میں یزید بن ہادی کا حوالہ دیا ہے۔

بخاریؒ نے اسی قبیل کی ایک اور حدیث عثمان بن ابی شیبہ کی زبانی اور جریرٗ منصورٗ ابی وائل اور عبداللہ کے حوالے سے روایت کی ہے جس میں ایک ایسے شخص کا ذکر آیا ہے جس کے دونوں کانوں یا ایک کان میں شیطان نے رات بھر ڈیرا ڈالے رکھا اور جب وہ شخص صبح کو بیدار ہوا تو اسے وہاں اس کی موجودگی محسوس ہوئی۔

امام احمدؒ متعدد دیگر راویوں کے علاوہ انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز باجماعت میں صفیں سیدھی رکھا کرو اور دوسرے نمازیوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرو کیونکہ دو نمازیوں کے درمیان اگر ذرا بھی خالی جگہ رہ جاتی ہے تو شیطان اس جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

امام احمدؒ ایک دوسری حدیث قتادہ اور انس بن مالک کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''نماز (باجماعت) میں صفیں سیدھی رکھا کرو اور باہم مل کر کھڑے ہوا کرو اور اپنی اپنی گردنوں کی طرف سے بھی ہوشیار رہا کرو' جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے صفوں کے خلاء میں شیطان کو کھڑے دیکھا ہے جیسے وہ جگہ اس کے لیے خالی تھی''۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابومعمرٗ عبدالوارث اور یونس نے حمید بن ہلالٗ ابی صالح اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم دو آدمی برابر چل رہے ہو اور کوئی تیسرا شخص تم دونوں کے درمیان گھس کر چلنے کی کوشش کرے تو اسے منع کرو لیکن اگر وہ نہ مانے تو دوبارہ منع کرو اور اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو اسے قتل کر دو کیونکہ وہ (درحقیقت) شیطان ہے''۔

اس حدیث کو مسلم اور ابوداؤد نے بھی سلیمان بن مغیرہ کی بیان کردہ حدیث کی صورت میں حمید بن ہلال کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

بخاریؒ نے اس قرآنی آیہ شریفہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جس میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

روحٗ غندرٗ شعبہٗ محمد بن ابی زیاد اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ضمناً بیان کی ہے کہ آنحضرت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ﷺ نے فرمایا کہ "جب کوئی جن میرے قریب سے گزرا تو میں نے گرم ہوا کا جھونکا اپنے اوپر آتے محسوس کیا ہے۔ یہی حال میں نے اس وقت محسوس کیا جب میں مسجد کی طرف نماز کے لیے جارہا تھا' وہ یقیناً کوئی جن یا شیطان تھا میری نماز سے مجھے روکنا چاہتا تھا' میں نے اس سے رابطہ قائم کرنا چاہا کہ تم لوگ بھی صبح کی نماز کے لیے مسجد کی طرف آتے ہوئے اسے دیکھ لو لیکن اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے) اسے میرے پاس سے دفع کر کے مجھے اس کے خطرے سے بچالیا۔ اس وقت میں نے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا پڑھی جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے یعنی:

﴿رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ﴾ (ترجمہ لفظی ومفہومی)

جناب روح اس حدیث کے بیان میں یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے شیطان کو ذلیل کر کے بھگا دیا تھا۔

مسلمؒ ابی ادریس کی زبانی ابی درداء کے حوالے سے ایک روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابی ادریس کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے ایک دن رسول اللہ (ﷺ) کو نماز کے دوران میں: "اعوذ باللّٰہ منک" فرماتے ہوئے سنا' پھر آپ نے اسی نماز کے دوران میں تین بار "العنک بلعنة اللّٰہ" فرمایا اور اپنا ہاتھ اس طرح اٹھایا جیسے آپ کچھ تناول فرما رہے ہوں۔

ابی ادریس کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو "میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ) آج میں نے نماز میں آپ کی زبان مبارک سے وہ کلمات سنے جو پہلے کبھی نہیں سنے تھے' دوسرے یہ کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ بھی اٹھایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ "وہ شیطان تھا اور میرے منہ پر آگ کا ایک شعلہ پھینکنا چاہتا تھا تو میں نے پہلے اسے مخاطب کر کے کہا کہ "اعوذ باللّٰہ منک" اور پھر کہا کہ "العنک بلعنة اللّٰہ" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "میں نے اسے پکڑنے کو اپنا ہاتھ اٹھایا تھا لیکن وہ (کم بخت) بھاگ نکلا ورنہ صبح کو اہل مدینہ کے بچے اس کی لاش سے جو گیند کی شکل کی ہوتی کھیل رہے ہوتے"۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیَاةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغُرُوْرُ﴾

یہاں غرور سے مراد شیطان ہے (مؤلف) اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ﴾

شیطان کسی انسان کے پاس یونہی نہیں آتا بلکہ اپنے جملہ مکر وفریب کے حربوں کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوتا ہے جن کا ذکر حافظ ابوبکر بن ابی الدنیا نے اپنی کتاب موسومہ "مصائد الشیطان" میں تفصیل سے کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ واقعی بہت مفید ہے۔ (مؤلف)

"سنن ابی داؤد" میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے:

و اعوذ بک ان یتخبطنی الشیطان عند الموت.

بعض روایات میں آپ کی دعا یہ بھی لکھی ہے:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یا رب وعزتک و جلالک لا أزال اغوثبهم مادامت ارواحهم فی اجسادهم.

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

و عزتی وجلالی و لا ازال لهم ما استغفرونی.

شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَّاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ومصدق اور شیطان کا وعدہ باطل ہے۔ (مؤلف)

ترمذی ونسائی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں عطاء بن سائب، مرہ ہمدانی اور ابن مسعودؓ کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اور شیطان میں انسان کے لیے بالترتیب خیر وشر کی (زیادہ سے زیادہ) استعداد پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی (سمجھدار) انسان اپنے حق میں بھلائی دیکھتا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے لیکن جب وہ اپنے حق میں کوئی برائی دیکھتا ہے تو اسے شیطان سے منسوب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیہ شریفہ پڑھی:

﴿اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَّاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾

ہم سورہ بقرہ کے فضائل میں بیان کر چکے ہیں کہ جس مکان میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے اس مکان سے شیطان بھاگ جاتا ہے نیز آیت الکرسی کے فضائل بیان کرتے ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ جس گھر میں رات کے وقت یہ آیت پڑھی جاتی ہے شیطان صبح تک اس گھر کے قریب نہیں آتا۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا نیز انہیں مالک نے ابی صالح اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" سو مرتبہ کہا اس کے لیے دس گنا اجر ہوتا ہے، اس کے حق میں سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی جو سو برائیاں لکھی ہوتی ہیں وہ مٹا دی جاتی ہیں اور یہ کلمات اس شخص کے لیے اس روز شام تک شیطان کے خلاف حفاظتی تعویذ بنے رہتے ہیں، پس کسی شخص کے لیے اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ ان کلمات کا اکثر ورد کرتا رہے۔

اس حدیث کو مسلمؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے مالکؒ کے حوالے سے روایت کیا ہے اور ترمذیؒ نے اسے حسن اور صحیح بتایا ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو الیمان اور شعیب نے ابی الزناد، اعرج اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت نے فرمایا کہ "ہر انسان اپنی ہر برائی پر بالاعلان ہر پہلو سے شیطان کو مطعون کرتا ہے اور جب کوئی بچہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی طرح (یعنی باپ کے نام ونشان بغیر) پیدا ہوتا ہے تب بھی وہ مخفی طور پر ہی سہی شیطان ہی کو مطعون کرتا ہے"۔ بخاریؒ نے اسی بنا پر اس حدیث کو منفرد کر کے پیش کیا ہے۔

بخاری عاصم بن علی اور ابن ابی ذئب کی زبانی اور سعید المقبری، ان کے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''ہرانسان کو برائیوں کی رغبت (یقیناً) شیطان ہی دلاتا ہے لیکن جب کوئی انسان کسی برائی کے ارتکاب سے حتی الوسع کوشش کے باوجود بچ نہیں پاتا اور (بعد میں) ہا (افسوس) کہتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے''۔ امام احمدؒ، ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور نسائی نے اسے ابن ابی ذیب کے حوالے سے بیان کر کے صحیح قرار دیا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور سفیان نے محمد بن عجلان' سعید المقبری ان کے والد اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ (ظاہر ہے) انسان کی نیکیوں کو پسند اور اس کی برائیوں کو ناپسند فرماتا ہے لیکن جب کوئی انسان برائیوں کے ارتکاب پر ''ہاہا'' کرتا ہے تو دراصل وہ شیطان کا قہقہہ ہوتا ہے''۔ ترمذیؒ اور نسائی نے اس حدیث کو محمد بن عجلان کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے حسن بن ربیع اور ابوالاحوص نے اشعث' اشعث کے والد اور مسروق کے حوالے سے بیان کیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے (ایک روز) رسول اللہ ﷺ سے نماز کے دوران میں کسی نمازی کے نماز کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف دھیان جانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ''وہ شیطانی اختلاس (وسوسہ) ہے جو شیطان تم میں سے کسی نمازی کے دل میں اس کے نماز پڑھتے وقت ڈالتا ہے''۔ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے بھی مسروق کے حوالے سے اشعث بن ابی شعثاء' سلیم بن اسود المحاربی اور محاربی کے والد کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کی ہے۔

بخاریؒ نے بطور روایت اوزاعی یحییٰ بن ابی کثیر' عبداللہ بن ابی قتادہ اور ابی قتادہ کے حوالے سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''سچے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جب کہ دوسرے خوابوں کا باعث شیطان ہوتا ہے لیکن وہ برے خوابوں کا باعث بننے سے قبل خواب دیکھنے والے کے دل میں خوف پیدا کرتا ہے لیکن اگر کوئی شخص بائیں طرف (کروٹ بدل کر) تھوک دے اور اعوذ باللہ کہے تو وہ شیطان کا پیدا کردہ خوف دور ہو جاتا ہے اور اس شخص کو شیطان سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ (ترجمہ توضیحی)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے ہمام اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی شخص تمہیں یہ مشورہ نہیں دیتا کہ تم اپنے کسی بھائی کے خلاف ہتھیار اٹھاؤ بلکہ وہ مشورہ شیطان کا ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص شیطان کے اس مشورے پر عمل کرتا ہے تو اس کی سزا آگ کا گڑھا ہے''۔ امام احمد اس حدیث کا استخراج عبدالرزاق کی روایت سے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ شیطان کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

① ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ﴾

② ﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

③ ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ○ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ○ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ﴾

④ ﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ○ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ﴾

جنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اخبار آیہ فرمایا:

﴿وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ○ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا﴾

بخاری اورلیث کہتے ہیں کہ ان دونوں سے الگ الگ خالد بن یزید نے سعید بن ہلال کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو ابوالاسود نے عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ آسمان سے زمین کی طرف آتے ہوئے جب بادلوں کے درمیان سے گزرتے ہیں تو آپس میں کسی کلمہ کا تبادلہ کرتے ہیں جسے شیاطین سن کر کاہن کے کان میں اس طرح ٹپکاتے ہیں جیسے قارورے کا قطرہ ٹپکتا ہے اور اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹے کلمات بھی اس طرح ٹپکا دیتے ہیں۔

بخاری ومسلم نے مندرجہ بالا حدیث کی روایت کے آخر میں زہری کی بیان کردہ روایت کے طور پر یحییٰ بن عروہ بن زبیر کے حوالے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے کاہن کی پیشگوئیوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ سب فضول ہوتی ہیں۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے یہی سوال کیا اور عرض کیا کہ کاہنوں کی کچھ باتیں درست بھی تو ثابت ہوتی ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ (کاہن) جو کچھ سچ کہتا ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ شیاطین آسمان سے زمین کی طرف مائل پرواز فرشتوں کی کچھ مبنی برحقیقت باتیں اچک کر ان کے کانوں میں اڑتے ہوئے پرندوں کی بیٹ کی طرح ٹپکا دیتے ہیں جن میں کاہن اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹی سچی باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ (ترجمہ مفہومی وتوضیحی) اس حدیث کی روایت کے آخری الفاظ بخاریؒ کے ہیں۔ (مؤلف)

اسی قبیل کی ایک اور حدیث روایت کرتے ہوئے بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے حمیری بن سفیان اور عمرو نے بیان کیا جب کہ آخر الذکر کے بقول انہوں نے عکرمہ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب روئے زمین کے باسیوں یا خود زمین کے بارے میں بارگاہ خداوندی سے کچھ احکام آسمان دنیا کے فرشتوں تک یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے ہیں تو وہ انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتے ہیں لیکن جب ان کی ترسیل فرشتے باہم اسی طرح کرتے ہیں جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کچھ پیغامات باہم گروہ در گروہ منتقل کرتے رہتے ہیں تو انہیں آسمان وزمین کے درمیان کچھ چور شیاطین اچک کر کاہنوں اور ساحروں کے کانوں میں قطرات کی طرح منتقل کر دیتے ہیں اور یوں وہ کاہن یا ساحر زمین کے باسیوں یا زمین پر وقوع پذیر ہونے والے واقعات وحادثات کے بارے میں تھوڑی بہت ٹھیک پیشگوئیاں کرنے پر قدرت حاصل کر لیتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے اندازے سے ان میں سینکڑوں جھوٹی باتوں کی آمیزش بھی کر دیتے ہیں اس لیے وہ اکثر غلط ثابت ہوتی ہیں۔ (ترجمہ توضیحی) اس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حدیث کو بخاریؒ نے بطور حدیث منفرد پیش کیا ہے جب کہ مسلمؒ نے اسے زہری کی روایت کردہ حدیث کے طور پر علی بن حسین زین العابدین' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور انصار کے کچھ راویان حدیث کے حوالے سے قریباً اسی طرح پیش کیا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات یہ ہیں:

① ﴿وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ﴾

② ﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾

③ ﴿وَقَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ○ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ○ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾

④ ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ○ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾

ہم ملائکہ کے اوصاف پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ملائکہ اور جنات کے بارے میں جو حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کی جا رہی ہے وہ امام احمدؒ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان سے عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے قابوس' قابوس کے والد مسمی حسین بن جندب یعنی ابوظبیان الجنبی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے شیاطین سے واسطہ نہ پڑا ہو''۔

آپ سے یہ سن کر لوگوں نے عرض کیا: ''اور یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا؟'' آپؐ نے فرمایا: ''ہاں میرا بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور میں (ان کے جال سے) سلامت رہا''۔

یہ حدیث امام احمدؒ نے صحیح بخاریؒ کی سند پر پیش کی ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؒ نے اسی قبیل کی ایک اور حدیث دیگر راویوں کے علاوہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روایت کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ''ایک روز شب کے وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس سے اٹھے تو میں نے آپؐ سے پوچھا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا بات ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''شیطان آ گیا تھا''۔ میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''شیطان؟'' آپؐ نے فرمایا: ''ہاں'' میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا شیطان آپؐ کے پاس بھی آ سکتا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''ہاں'' میں نے عرض کیا: ''اور میرے پاس؟'' آپؐ نے فرمایا: ہاں وہ ہر انسان کے پاس آ سکتا ہے' وہ ابھی میرے نزدیک بھی آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور مجھے اس کے فریب سے بچا لیا''۔

یہی حدیث مسلمؒ نے بھی ہارون یعنی ابن سعید کے حوالے اور چند دیگر اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے قتیبہ بن سعید اور ابن لہیعہ نے موسیٰ بن وردان اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''شیطان ہر مومن کو اپنی شرارتوں سے اسی طرح پریشان کرتا ہے جیسے تم میں سے کسی کا شریر اونٹ دورانِ سفر اپنے سوار کو پریشان کرتا ہے''۔

امام احمدؒ نے شیطان کی اس خصوصی حرکت کی وجہ سے جو اس حدیث سے ظاہر ہے اس حدیث کو منفرد کر کے پیش کیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان یوں تو ہر انسان کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے لیکن جب وہ یہ حرکت کسی مومن کے ساتھ کرتا ہے تا کہ اس کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر غلبہ پالے اور اسے ذلیل کرے مگر وہ مومن کے ساتھ اپنے ایمان کی بنیاد پر وہی سلوک کرتا ہے جو کسی شریر اونٹ کا ماہر سوار اپنے اونٹ کے ساتھ کرتا ہے اور آخر کار اس پر قابو پالیتا ہے۔ (مؤلف)

ابلیس کی انہی حرکات کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے اخباراً یوں فرمائی:

﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ○﴾

(یعنی مومن جس جس طرح شیطان کے غلبے سے بچتے ہیں وہ سب طریقے اور قوتِ ایمانی سب کی سب اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتے ہیں لیکن اس خبر کے آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ پاک ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ آپ اس کے باوجود اکثر اہل ایمان کو بھی شکر گزار نہیں پائیں گے (آیہ شریفہ کی توضیح از مترجم)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ہاشم بن قاسم' ابو عقیل یعنی عبداللہ بن عقیل ثقفی' موسیٰ اور ابن میسب نے سالم بن ابی الجعد اور سبرہ بن ابی فاکہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان ابن آدم کو فریب دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اسے طرح طرح سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے وہ ہر مسلمان سے اس کے اسلام قبول کرنے اور دیگر اعمال حسنہ پر اعتراض کرتے ہوئے بالترتیب کہتا ہے: ''کیا تو نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اور اپنے آباء کا مذہب چھوڑ دیا؟'' جب وہ اس کا اقرار کرتا ہے تو اس کے بعد کہتا ہے: ''یہ تو نے بہت غلط کیا'' پھر اس سے پوچھتا ہے: ''کیا تو نے اسلام کے نام پر ہجرت کر کے اپنا نام اور اپنی آبائی زمین بھی چھوڑ دی؟ اگر تو نے ایسا کیا ہے تو تیری مثال اس گھوڑے جیسی ہے جو بے سوچے سمجھے دور دراز راستے پر جدھر منہ اٹھتا ہے ہو لیتا ہے''۔ پھر اس سے پوچھتا ہے: کیا تو نے جہاد کے نام سے جنگ کی ہے' کسی کو قتل کیا ہے؟ کسی (عورت) سے نکاح کر کے اپنا مال اسلام کے طریقے پر تقسیم ہونے کے لیے چھوڑ دیا ہے؟ اگر تو نے یہ سب باتیں کی ہیں تو واقعی بہت بڑی غلطی کی ہے''۔

شیطان کی یہ باتیں بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان نے ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی کی ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے یعنی اگر اس نے اللہ کے لیے ہجرت کی ہے تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے' اگر اس نے اللہ کے نام پر جہاد میں شرکت کی اور کسی (دشمن اسلام) کو قتل کیا یا اس کے ہاتھوں خود قتل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے حتیٰ کہ اگر اس کی سواری کا گھوڑا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں مارا گیا تب بھی اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے وکیع' عبادہ بن مسلم الفرازی' جبیر بن ابی سلیمان ابن جبیر بن مطعم نے بیان کیا کہ آخر الذکر نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام بلا ناغہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ:

''یا اللہ میں دین ودنیا میں تجھ سے عافیت کا طالب ہوں' یا اللہ میں اپنے اور اہل وعیال کے دینی دنیوی معاملات اور اپنے اور ان کے مال ومتاع کے بارے میں تجھ سے معافی اور عافیت کا طالب ہوں' یا اللہ میرے ستر کو مستور اور میرے قلب کو مطمئن رکھ' یا اللہ میرے دائیں بائیں' پیچھے اور اوپر سے میری حفاظت فرما' میں اپنے (قدموں کے) نیچے سے کسی غلطی (کے امکان) سے تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں''۔

وکیع کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ''تحت'' کا مطلب تحت الارض یا پستی ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان اور حاکم نے عبادہ بن مسلم کی بیان کردہ حدیث کے طور پر روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح الاسناد بتایا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باب ۷

تخلیق آدم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی مختلف آیات میں تخلیق آدم، تخلیق آدم کے بعد فرشتوں کو یہ حکم دینے کہ وہ آدم کو سجدہ کریں، اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر تمام فرشتوں کے آدم کو سجدہ کرنے لیکن عزازیل (ابلیس) کا آدم کو یہ کہہ کر کہ ''تو نے اسے مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اس لیے میں خلقت میں اس سے برتر ہوں سجدہ کرنے سے انکار، اللہ تعالیٰ کا اخبار اًارشاداً: اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ. اور ابلیس کو جنت سے نکل جانے کا حکم، ابلیس کا اللہ تعالیٰ سے التماس کہ اسے بنی آدم کو تا قیام قیامت گمراہ کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ بنی آدم پر اپنی برتری ثابت کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ تو بنی آدم کو بہکا کر ان میں سے اکثر کو عذاب جہنم کا مستحق نہیں بنا سکے گا، اس کے ساتھ ہی آدم علیہ السلام کو اور ان کی شریک حیات حضرت حوا کو جنت میں قیام کی اجازت نیز حسب منشا وہاں کھانے پینے کی اجازت لیکن ایک خاص پودے کا پھل کھانے کی ممانعت، ابلیس کا حوا کو یہ کہہ کر کہ انہیں اس لیے پودے کا پھل کھانے کی ممانعت کی گئی ہے تاکہ وہ اسے کھا کر فرشتے نہ بن جائیں اور جنت میں ہمیشہ قیام کے مستحق نہ ٹھہریں اسے کھانے کی ترغیب حوا کا ابلیس کے فریب میں آ جانا اور ان کا آدم علیہ السلام کو بھی اس پودے کا پھل کھانے کی ترغیب، دونوں کا وہ پھل کھا لینا۔ اللہ تعالیٰ کا آدم و حوا علیہما السلام سے یہ فرما کر کہ ابلیس ان کا سب سے بڑا دشمن انہیں تنبیہ اور غلطی پر جنت چھوڑ دینے کا حکم، آدم و حوا کا بارگاہ الٰہی میں التماس ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۝ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ﴾ تاہم اللہ تعالیٰ کا ان سے ارشاد کہ وہ جنت سے زمین پر جائیں جہاں ان کی اولاد یقیناً باہم دشمنی میں مبتلا رہے گی، پھر ان کی لباس جنت سے محرومی اور اللہ تعالیٰ کا ان سے ارشاد کہ ان کا زمین پر قیام (امتحاناً) ایک معین مدت تک رہے گا اور ساتھ ہی ان کی مٹی سے تخلیق، مٹی ہی میں ان کی مراجعت اور پھر مٹی ہی سے ان کے دوبارہ اٹھانے کے بارے میں ارشاد ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ اللہ تعالیٰ کا ابلیس کو مردود (رجیم) فرما کر اسے بھی جنت سے نکلنے کا حکم اور اس کی درخواست پر اسے بھی ایک معین مدت تک زمین پر انسان کے اعمال کی پرکھ کی اجازت ﴿قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ ابلیس کی اللہ تعالیٰ سے گزارش ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ (اگرچہ) یہ راستہ سیدھا ہے لیکن میرے بندوں پر تجھے اختیار نہیں ہے بجز ان کے جو تیرے فریب میں آ جائیں، اگر انہوں نے ایسا کیا (یعنی تیرے فریب میں آ گئے) تو ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے جس کے سات دروازے ہیں جن کا ہر حصہ منقسم ہے:

﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغَاوِیْنَ ۝ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ﴾

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پھر آخر میں اللہ تعالیٰ کا ابلیس سے ارشاد کہ جا (لیکن) جس جس نے تیری اتباع کی ان کا اور تم سب کی جزاء جزائے موفور ہو گی:

﴿ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُورًا ﴾

یہ قصہ تخلیق آدم وقصہ شیطان ہے جس کی کچھ مختصر تفصیلات ہم نے ابھی بیان کیں قرآن شریف میں متفرق مواقع پر موجود ہیں۔ ان کو مکمل طور پر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں بیان کیا ہے۔

اب ہم اس قصے کی تفصیلات جن کا مختصر ذکر ہم نے کچھ قرآنی آیات شریفہ کے حوالے سے سطور ماسبق میں کیا ہے یہاں پیش کریں گے اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں متعلقہ احادیث نبوی (ﷺ) بھی پیش کریں گے۔ ویسے تخلیق آدم کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے ارشاد "انی جاعل فی الارض خلیفه" اور اس پر فرشتوں کے وہ سوالات جو قرآن شریف میں درج ہیں بالترتیب اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں کو بر سبیل تنویہ تخلیق آدم اور زمین پر ان کی اولاد کی خلافت کی خبر دینا تھا نیز فرشتوں کے وہ سوالات علی وجہ استکشاف واستعلام تھے اور ان سے صرف اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت سے باخبر ہونا تھا نہ کہ ان سوالات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اس ارادے پر نعوذ باللہ اعتراض اور اس کی تنقیص یا بنی آدم سے رشک وحسد تھا جیسا کہ بعض مفسرین کی کم علمی پر دلالت کرتی ہیں یا صرف ان کے وہم وگمان پر۔ اس کی ایک مثال قتادہ کا یہ بیان ہے کہ کہا گیا ہے کہ جان لو کہ وہ (یعنی فرشتوں کا کہنا "اتجعل فیها من یفسد فیها و یسفک الدماء" اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (فرشتے) قبل آدم جو کچھ تھا (بعض جنات وبلائیں) سب دیکھ رہے تھے"۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے قبل جنات زمین پر ہزاروں کی تعداد میں آباد تھے لیکن جب وہ یہاں انتہا سے زیادہ خونریزی میں مبتلا پائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ایک گروہ زمین پر بھیجا جس نے ان جنات کو سمندروں کی طرف مار بھگایا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی یہی روایت ہے۔ اور حسن (بصری) کا بھی یہی بیان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فرشتوں کو ان باتوں کا علم لوح محفوظ سے ہوا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ باتیں ہاروت و ماروت نے ان فرشتوں کو بتائی تھیں جو ان دونوں سے اوپر آسمان کے اس مقام پر رہتے تھے جسے "سجل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ روایت ابن ابی حاتم نے ابی جعفر الباقر کے حوالے سے بیان کی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرشتے یہ جان گئے تھے کہ زمین پر پیدا ہونے والی کوئی دوسری مخلوق جنات جیسی ہی ہو گی اور اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ "و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک" یعنی ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے رہتے ہیں اور ہم میں سے کوئی فرد واحد تیری نافرمانی نہیں کر سکتا۔ اگر فرشتوں کی اس بات سے یہ مراد ہے کہ زمین پر بنی آدم (بفرض محال) تیری عبادت کریں گے بھی تو اسی طرح تو نہیں کر سکتے جیسے ہم اس میں دن رات مصروف رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جو جواب دیا تھا یعنی "انی اعلم ما لا تعلمون" تو اس سے یقیناً یہ مراد تھی کہ زمین پر پیدا ہونے والے بنی آدم میں انبیاء، رسول، صدیق اور شہداء بھی تو ہوں گے۔ اس کے علاوہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بلحاظ علم بھی شرف حاصل تھا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ "و علم آدم الاسماء کلها" سے ثابت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ نام وہ تھے جن سے زمینی مخلوق اور دوسری چیزیں جیسے انسان

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

چوپائے‘ خشک زمین‘ نرم زمین‘ سمندر‘ پہاڑ اور اونٹ‘ گدھے اور ان جیسی دوسری چیزیں پہچانی جاتی ہیں جب کہ مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت میں ناموں سے مراد تمام جانوروں‘ پرندوں اور دوسری چیزوں کے نام ہیں۔ ایک روایت میں آسمانی کتابوں تقدیری امور حتی کہ ان میں معمولی معمولی چیزوں جیسے گھاس پھونس مکھی مچھر‘ اینٹ پتھر‘ وغیرہ کے نام تھے۔ سعید بن جبیر‘ قتادہ اور دوسرے متعدد لوگوں نے بھی یہی کہا ہے۔

ربیع کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ملائکہ کے نام بتائے تھے جب کہ عبدالرحمٰن ابن زید کہتے ہیں کہ وہ اسمائے ذریت تھے لیکن صحیح بات وہی ہے جس کی طرف ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اشارہ کیا ہے یعنی وہ اسمائے ذوات اور ان کے سب چھوٹے بڑوں کے نام تھے۔

بخاری و مسلم نے سعید و ہشام کے توسط اور قتادہ و انس بن مالک کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ روز قیامت جب مومنین ایک جگہ جمع ہوں گے اور آپس میں کہہ رہے ہوں گے کہ کاش انہیں کوئی اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرنے والا مل جاتا تو اچانک انہیں آدم علیہ السلام نظر پڑیں گے‘ چنانچہ وہ ان سے عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں‘ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا تھا اور اس کے علاوہ آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا تھا۔ نیز تمام چیزوں کے نام آپ کو بتائے تھے۔

مذکورہ بالا دونوں راویوں نے یہ حدیث آخر تک پوری روایت کی ہے یعنی فرشتوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ﴿اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ تک۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کا ارادہ فرمایا اور اس کا ذکر فرشتوں سے کیا تھا تو وہ آپس میں بولے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسی کوئی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جو ہم سے زیادہ علم رکھتی ہو اور اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے متعلقہ ارشاد کے جواب دینے سے قاصر رہنے کی الجھن میں مبتلا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حکم کے آخر میں جو ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ فرمایا تھا وہ اسی لیے تھا کہ فرشتے وہ تمام نام ہرگز نہ بتا سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بتا دیئے تھے۔ فرشتوں کے اس جواب سے کہ ﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾ (یعنی اے پروردگار ایسا کون ہے جو اس کے علاوہ کچھ جان سکے جتنا علم تو نے اسے عطا فرمایا ہے) جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ ﴿یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ﴾ (اے آدم انہیں وہ نام بتاؤ) اور جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو وہ نام بتائے ﴿فلما أنبأهم باسمائهم﴾ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ (یعنی میں مخفی باتوں کو بھی بالکل اسی طرح جانتا ہوں جیسے ظاہر باتوں کو جانتا ہوں) اس آیت میں ماتبدون اللہ تعالیٰ کا اشارہ فرشتوں کی اس گزارش کی طرف تھا کہ آیا تو زمین پر اسے اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو وہاں فساد پھیلائے گا ﴿اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا﴾ جب کہ اس آیت میں ﴿وما كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا اشارہ ابلیس کے دل میں یعنی مخفی غرور و تکبر اور آدم علیہ السلام پر اپنی برتری کا خیال تھا۔ یہ روایت سعید بن جبیر‘ مجاہد السدی‘ ضحاک اور ثوری کی ہے جسے ان کے حوالے سے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابن جبیر نے پیش کیا ہے۔

ابوالعالیہ ربیع حسن (بصری) اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں "و ما تکتمون" کا اشارہ فرشتوں کے دل ہی دل میں اس خیال کی طرف تھا کہ ان کا رب ہرگز کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جس کا علم ان سے زیادہ ہو یا ان پر فضیلت رکھتی ہو لن یخلق ربنا خلقا الا کنا اعلم منه و اکرم علیه منه لیکن جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل اور ان کی یہ خاص عظمت دیکھی کہ اس نے انہیں کن فیکون فرما کر پیدا کرنے کے بجائے بطور خاص اپنے دستِ قدرت سے تخلیق فرمایا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر فوراً آدمؑ کو سجدہ کرنے پر تیار ہو گئے بلکہ انہیں سجدہ بھی کیا لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ابلیس نے تکبر کی وجہ سے پھر بھی انہیں سجدہ نہیں کیا ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ﴾ حالانکہ فرشتے آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا وہ خصوصی فضل اور ان کی وہ عظمت جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا اور خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا دیکھ کر انہیں سجدہ کر چکے تھے: ﴿فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ﴾

بہرکیف فرشتوں پر آدم کی فضیلت کی وہی چار وجوہ تھیں جن کا ہم تفصیل سے ان شاء اللہ آگے چل کر ذکر کریں گے اور جن کی بناء پر آدمؑ کے زمین پر ورود سے قبل جب وہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ملاء اعلیٰ میں ایک جگہ جمع ہوئے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ آپ ابوالبشر ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے (بطور خاص) اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو تمام اشیاء کے نام بتائے اور یہی آدم سے دوسرے تمام انسان بھی جیسا کہ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر جلد ذکر کریں گے روز حشر کہیں گے۔ ویسے آدم علیہ السلام کو ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی خاص وجہ وہی تھی جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یعنی یہ کہ "جب ہم نے اپنے حکم کے باوجود اس سے آدم علیہ السلام) کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو وہ بولا کہ "میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے اسے مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے:

﴿قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے (باطل طور پر) قیاسی گھوڑے دوڑانے والا شخص ابلیس تھا اور محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ دنیا میں شمس وقمر کی پرستش کا آغاز صرف باطل قیاسات کی بنیاد ہی پر ہوا۔

اسی قسم کی دو روایتیں ابن جریر نے بھی پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ابلیس نے قیاسی طور پر اپنی اور آدم علیہ السلام کی شخصیتوں پر غور کیا اور اسی لیے اس نے اپنی شخصیت کو آدم علیہ السلام کی شخصیت سے برتر سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے باوجود کہ تمام فرشتے آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں انہیں سجدہ کرنے سے انکار کر دیا لیکن ظاہر ہے کہ قطعی حکم کے مقابلے میں قیاس فاسد الاعتبار ہوتا ہے جب کہ مٹی اور آگ خود اپنی اپنی جگہ فطری طور پر متضاد ہیں۔ مثلاً مٹی میں نفع آگ میں ضرر مٹی میں خنکی آگ میں حرارت مٹی میں نمو آگ میں فساد و احتراق اور خشکی بالذات موجود ہیں۔ یہی اسباب اللہ تعالیٰ نے بالترتیب ابلیس کی سرکشی اور سجدے سے انکار اور آدم علیہ السلام کے اس پر شرف کے بیان فرمائے ہیں۔ ویسے بھی عذر گناہ بدتر از گناہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے اخبار اً ارشاد فرمایا: "اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ بولا بھلا میں ایسے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے (ازراہِ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا۔ جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے) اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ۔ اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔ اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار کارساز کافی ہے'' ۔(۱۵:۱۷)

اور جیسا کہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا'' ۔(۱۵:۱۸) یعنی آگ سے پیدائش کی وجہ سے سرتابی و سرکشی شیطان کی فطرت میں تھی اس لیے اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا۔ یہی بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی جسے ہم صحیح مسلم کے حوالے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی پہلے بھی پیش کر چکے ہیں یعنی ملائکہ نور سے' جنات آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے اور آدم اسی طرح اور اسی چیز سے پیدا کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے:

خلقت الملائکة من نور و خلق الجان من مارج من نار و خلق آدم منها وصف لكم.

مندرجہ و مذکورہ بالا تمام باتوں کی وضاحت خود اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یوں فرمائی:

① ''جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب میں اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر شیطان اکڑ بیٹھا اور کافروں میں ہو گیا (خدا نے) فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آ گیا یا اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں (کہ) تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔ (خدا نے) فرمایا: یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی۔ کہنے لگا کہ میرے پروردگار مجھے اس روز تک کہ لوگ اٹھائے جائیں مہلت دے۔ فرمایا تجھ کو مہلت دی جاتی ہے اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے کہنے لگا کہ مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا۔ سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں فرمایا سچ (ہے) اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے۔ سب سے جہنم کو بھر دوں گا'' ۔(۲۳:۳۸۔۳۹)

② ''(پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے' میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے بیٹھوں گا' پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا'' ۔(۸:۷)

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے ہاشم بن قاسم ابو عقیل یعنی عبداللہ بن عقیل ثقفی اور موسیٰ بن مسیب نے سالم بن ابی الجعد اور سبرہ بن

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابی الفاکہ کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''ابلیس ابن آدم کی راہ بات مارنے کے لیے اس کے جملہ راستوں میں بیٹھتا ہے اور اپنی سی پوری کوشش کرتا ہے''۔

ان الشیطان قعد لابن آدم بأطرقة.

امام احمدؒ نے اس حدیث کے علاوہ شیطان کے بارے میں اور کئی احادیث کا ذکر کیا ہے۔

مفسرین ان فرشتوں کے متعلق جنہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا مختلف الرائے ہیں لیکن جملہ آیات متعلقہ اور اقوال جمہور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں تمام فرشتے شامل تھے لیکن جیسا کہ ابن جریرؒ نے ضحاک اور ابن عباسؓ کے حوالے سے روایت کیا ہے اس حکم میں صرف ملائکہ ارضی شامل تھے یعنی یہ حکم صرف ملائکہ ارضی کو دیا گیا تھا تاہم ان تمام آیات واحادیث سے جو ہم اب تک اس سلسلے میں پیش کر چکے ہیں یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں تمام فرشتے شامل تھے۔ واللہ اعلم۔ تاہم اللہ تعالیٰ کا ابلیس سے یہ فرمانا کہ ''یہاں سے چلا جا'' اور ''یہاں سے نکل جا'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت تک ابلیس آسمان ہی پر تھا اور فرشتوں میں اس کا شمار ہوتا تھا کیونکہ وہ بھی انہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا لیکن اس کے غرور اور آدم علیہ السلام سے اس کے حسد کی وجہ سے اسے اس کی سابقہ منزلت سے گرا کر وہاں سے نکلنے اور نیچے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ متعلقہ آیات قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدم کو جنت میں قیام کی اجازت دینے سے قبل اللہ تعالیٰ نے حوا کو پیدا نہیں کیا تھا جس کی وضاحت اسحٰق ابن بشار نے ان آیات کی تفسیر میں کی ہے۔

جہاں تک حضرت حوا کی تخلیق کا سوال ہے تو اس کے بارے میں السدی نے ابی صالح ابی مالک' ابن عباسؓ' مرہ' ابن مسعود اور متعدد دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے توسط اور احادیث کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جنت سے ابلیس کے اخراج کے بعد آدم علیہ السلام وہاں تنہائی کی وجہ سے پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر پھرا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دل بستگی کے لیے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواؑ کو تخلیق فرما دیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی طرح حضرت حوا مٹی سے نہیں بلکہ خود آدم علیہ السلام کے جسم کے زیریں حصے کے گوشت سے پیدا کی گئی تھیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی تخلیق سے قبل آدم علیہ السلام نے خواب میں ایک عورت کو اپنے سرہانے بیٹھے دیکھا تھا اور اس سے پوچھا تھا کہ تم کون ہو تو اس نے کہا تھا کہ میں ایک عورت ہوں اور اس خواب کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حضرت حواؑ کو تخلیق فرمایا تھا اور انہیں ان کی شریک حیات (زوجہ) بنایا تھا۔ ہم اس واقعہ پر ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔

صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں میسرہ اشجعی' ابی حازم اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے زائدہ کی روایت کردہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''عورتوں سے نرمی کا برتاؤ کیا کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا بالائی حصہ اگر ٹیڑھا ہو تو وہ سیدھا نہیں ہو سکتا' اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گا اور چھوڑ دو گے تو ٹیڑھا ہی رہے گا۔ اس لیے عورتوں سے نرمی ہی کا برتاؤ کیا کرو''۔ اس حدیث کے الفاظ بخاری کے پیش کردہ ہیں۔

جہاں تک آدم وحوا علیہما السلام کو جنت میں اللہ تعالیٰ کے حکم ''ولا تقربا ھذہ الشجرۃ'' (یعنی تم دونوں اس درخت کے ۱۰

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قریب نہ جانا) کا تعلق ہے تو مفسرین نے جن میں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں اس درخت کو انگور کی بیل بتایا ہے۔ یہ بیان خصوصاً ابن عباس، سعید بن جبیر، شعبی، جعدہ بن ہبیرہ، محمد بن قیس، السدی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت سے ماخوذ ہے لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس ''درخت'' کو یہود کی روایات میں ''گیہوں کی بالی'' کہا گیا ہے جب کہ قتادہ، ابن جریج اور ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اس فرمانِ الٰہی میں جس شجر کا ذکر ہے وہ ایسا درخت تھا جس کا پھل کھا کر جنتی حادث (فانی) ہو جاتا جب کہ جنت کی کسی چیز کو فنا نہیں ہے۔ ❶

بہرحال اس آیہ قرآنی کی تفسیر میں مفسرین کے باہمی اختلافات بہت معمولی ہیں جب کہ اس آیت میں شجر کی تعیین نہ ہونا یا اس کے نام میں ابہام یقیناً مصلحت خداوندی پر مبنی ہے ورنہ کلام الٰہی میں ابہام ناممکن ہے۔ (مؤلف)

رہے جنت کے محل وقوع یعنی جنت کے زمین یا آسمان پر ہونے کے بارے میں اختلافات تو وہ بھی کچھ ایسے خاص نہیں ہیں۔ ویسے راویوں میں اکثریت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ آیہ قرآنی ﴿وَ قُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ میں ''الجنۃ'' میں الف اور لام کی حیثیت عمومی یعنی معہود لفظی کی نہیں ہے جس کا مطلب جنت سے مراد ''نظروں سے پوشیدہ'' ہوگی جب کہ یہاں اس کی حیثیت معہود ذہنی کی ہے جس سے مراد صرف ''جنت الماویٰ'' ہی ہو سکتا ہے یعنی وہ جنت جس کا محل وقوع آسمان ہے۔ تاہم متاخرین کا کہنا یہ ہے کہ جس جنت میں اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو قیام کے لیے ارشاد فرمایا تھا وہ ''جنت الخلد'' نہیں تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہاں سے ان کا خروج ممکن نہ ہوتا جب کہ ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جب روز حشر تمام بنی آدم ایک جگہ جمع ہوں گے تو وہ آدم علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے ''جنت الخلد'' میں داخلے کی سفارش فرما دیں تو آدم علیہ السلام ان سے فرمائیں گے کہ کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو جہاں سے تمہارے باپ کو خروج کا حکم ملا تھا؟ آدم علیہ السلام کا یہ جواب اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلد ہی سے خروج کا حکم ملا تھا نہ کہ اس جنت سے جس کا محل وقوع زمین تھا لیکن لفظی اعتبار سے اس کا مطلب نگاہوں سے مخفی ہوتا ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ جس جنت کا ذکر مندرجہ بالا آیت قرآنی میں آیا ہے اس سے مراد جنت الماویٰ (خلد) ہی ہے جس کا محل وقوع آسمان ہے۔ اس حدیث پر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تفصیلی گفتگو کریں گے جس سے متاخرین کا مندرجہ بالا استدلال ضعیف تر ہو جاتا ہے۔

ویسے متقدمین و متاخرین دونوں کا بیان یہ ہے کہ جنت ہو یا دوزخ ان کا جنت و دوزخ کے محل وقوع پر گفتگو سے ان کے وجود سے ہرگز انکار نہیں ہے کیونکہ ان کا بین ثبوت قرآنی آیات اور احادیث سے جگہ جگہ ملتا ہے۔

شجر ممنوعہ سے پھل کھانے کی پہل:

امام احمدؒ نے آیات قرآنی اور احادیث کے علاوہ متعدد راویان احادیث و مفسرین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ شجر ممنوعہ کا پھل کھانے میں پہل حضرت حوا کی طرف سے ہوئی تھی جس کی ترغیب جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انہیں ابلیس نے دی تھی اور

---

❶ ظاہر ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام کے لیے اس امتناعی فرمان الٰہی میں یہی حکمت تھی۔ (شادانی)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آدم علیہ السلام نے حضرت حوّا کی ترغیب سے یہ پھل کھایا تھا۔تورات کی متعدد آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

جنت میں آدم وحوا علیہما السلام کا لباس:

اس سے قبل تخلیق ملائکہ' اوصاف ملائکہ' اقسام ملائکہ' تخلیق آدم علیہ السلام ' اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو یہ حکم کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں' تمام فرشتوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل' ابلیس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل سے انکار اور اس کے اسباب' جنات کی تخلیقی اصلیت یعنی ان کا پیدائشی عنصر' اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے ارشاد کہ وہ زمین پر اپنا خلیفہ (آدم علیہ السلام کو) بنانے والے ہیں' فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر حیرت اور اپنے کمال عبودیت کے مقابلے میں زمین پر انسانی اعمال پر اظہار خیال' اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ﴿إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ابلیس کا مردود بارگاہِ الٰہی ٹھہرایا جانا' آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم' جنت و دوزخ کا محل وقوع' شیطان کی طرف سے بارگاہ خداوندی میں یہ التماس کہ اسے آدم و بنی آدم کو روز قیامت تک فریب میں مبتلا اور گمراہ کرتے رہنے کی اجازت دی جائے۔اللہ کی طرف سے اس ارشاد کے ساتھ کہ وہ اس کے مخلص بندوں کو ہرگز راہ حق سے نہیں ہٹا سکے گا اسے انسان کو فریب دینے کی اجازت' آدم علیہ السلام کی دل بستگی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت حوّا کی تخلیق' تلبیس ابلیس اور اس کی ترغیبات کا پہلا شکار وغیرہ پر پچھلے صفحات میں کلام الٰہی اور احادیث نبوی کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے اور انہی ناقابل تردید حوالوں سے یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ جنت میں آدم وحوا علیہما السلام کا لباس کیا تھا نیز یہ کہ جنت سے خروج کے وقت وہ دونوں اس بہشتی لباس سے محروم کر دیئے گئے تھے تاہم اس بارے میں راویوں میں اختلاف کی نشاندہی کی گئی ہے کہ درحقیقت وہ لباس کیا تھا؟

اسرائیلیات کے زبانی بیانات یہ ہیں کہ آدم وحوا دونوں جنت میں اپنے فطری لباس میں رہتے تھے لیکن تورات کے کچھ بیانات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ان کی شرمگاہیں زیتون کے پتوں سے چھپی رہتی تھیں جب کہ وہب بن منبہ کے بقول ان کی شرمگاہوں کے لیے حجاب نور فراہم کیا گیا تھا۔

امام احمدؒ نے تورات وانجیل میں بدیہی تحریفات اور وہب بن منبہ کی روایت میں مستند حوالوں کی عدم موجودگی کے پیش نظر مذکورہ بالا روایات سے اختلاف کرتے ہوئے انہی روایات کو مستند ٹھہرایا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں آدم وحوا علیہما السلام کا وہی لباس تھا جس کا مابقیہ بنی آدم کے جسم پر ہاتھوں اور پیروں کے ناخنوں کی شکل میں اب تک موجود ہے۔

حافظ بن عساکر مجاہد کی روایت حدیث کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم وحوا کو جنت سے لے جائیں اور اسی کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کے سر سے تاج اور میکائیل علیہ السلام نے ان کا لباس اتار لیا لیکن ان کی پیشانی پر ناخن کی شکل کا ایک پرت چھوڑ دیا' آدم یہ دیکھ کر بار بار ''العفو العفو'' کہہ کر رب العزت سے معافی کے طالب ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آدم وحوا علیہما السلام کے جسموں پر جنت کے لباس کا مذکورہ بالا مابقیہ لباس چھوڑ کر انہیں زمین پر اتار دیا جائے تاکہ وہ وہاں اپنی خطا پر عمر بھر اظہار ندامت کرتے رہیں۔

آدم وحوا علیہما السلام کی طرف سے ''العفو العفو'' کی تکرار سے طلب معافی کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے نیز آدم وحوا علیہما السلام کی دعا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَ إِنْ لَمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ کا ذکر پہلے آچکا ہے اور قرآن کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام اور ان کی اولاد کو ایک مقررہ وقت تک (امتحاناً) زمین پر قیام کا حکم اللہ تعالیٰ ہم نے دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا جنت میں قیام سو سال اور ایک روایت کی رو سے ستر سال تک رہا وہ جنت کی یاد میں زمین پر آ کر ستر سال تک آہ وبکا میں مبتلا رہے نیز ستر سال تک اپنی خطا پر مبتلائے گریہ وزاری رہے۔ یہ روایت ابن عساکر کی ہے۔

زمین پر آدم وحوا علیہما السلام کے مقاماتِ نزول:

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ابوزرعہ عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے سعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آدم علیہ السلام جنت سے زمین کے اس مقام پر اترے تھے جو مکہ وطائف کے درمیان واقع ہے اور جسے دحنا کہا جاتا ہے جب کہ حسن (بصری) کا بیان یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا نزول ہند میں اور حوا کا جدہ میں ہوا تھا۔ السدی کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو پہلے حجر اسود کے ساتھ مکے میں اس مقام پر اتارا گیا تھا جہاں حجر اسود آج بھی قائم ہے لیکن بعد میں انہیں ہند بھیج دیا گیا تھا جہاں شجر جنت گیہوں کا پودا آج بھی اُگتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آدم صفا میں اترے تھے جب کہ حوا مروہ میں اتری تھیں۔ یہی روایت ابن ابی حاتم کی بھی ہے۔

عبدالرزاق اور معمر کہتے ہیں کہ ان سے عوف نے قسامہ بن زہیر اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو انہیں تمام صنعتوں کا علم بھی عطا فرما دیا۔ اس کے علاوہ انہیں بطور رزق جنت کے پھل بھی عطا فرمائے جن میں اب کچھ تبدیلیاں رونما ہو گئی ہیں لیکن جس کا پھل کھانے کی وجہ سے وہ جنت سے زمین پر اتارے گئے اس شجر جنت (گیہوں کے پودے) میں ابھی تک کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔

حاکم اپنی کتاب مستدرک میں کہتے ہیں کہ ان سے ابوبکر بن بابویہ نے محمد بن احمد بن نضر معاویہ بن عمر' زائدہ' عمار بن ابی معاویہ البجلی' سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آدم علیہ السلام کا جنت میں قیام کا زمانہ وقتِ عصر سے غروب آفتاب تک رہا۔ حاکم کے بقول اس روایت میں شیخین (حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما) کا حوالہ بھی دیا گیا ہے لیکن اس روایت سے استخراج کسی محدث نے نہیں کیا۔

صحیح مسلم میں اعرج اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے زہری کی بیان کردہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دن کتنا اچھا تھا جس میں یعنی بروز جمعہ طلوعِ آفتاب کے وقت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے' اسی روز اور اسی وقت وہ جنت میں داخل ہوئے۔ اور اسی روز اور اسی وقت وہ جنت سے نکلے۔ صحیح مسلم میں اس آخری واقعے کی بھی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت خیر سے تعبیر کیا یہ توجیہ کی گئی ہے کہ اسی سے تقویم اوقات کی بنیاد پڑی ہے۔

امام احمدؒ نے یہ حدیث محمد بن مصعب اور اوزاعی کی زبانی ابی عمار' عبداللہ بن فروخ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے۔

اس حدیث کی رو سے جسے ابن عساکر نے ابی القاسم بغوی کے توسط' محمد بن جعفر درکانی اور سعید بن میسرہ کی زبانی انس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ جنت سے زمین پر اترنے کے بعد بھی آدم علیہ السلام کے جسم پر لباس جنت کے کچھ اوراق باقی تھے جن کی وجہ سے انہیں حرارت ارضی تکلیف پہنچا رہی تھی اور جس کا اظہار انہوں نے حضرت حواؑ سے کیا تھا نیز یہ کہ پہلے وہ ارض بطحا (مکہ) پر اترے تھے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام ان کے پاس آئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ وہ اپنی اہلیہ کو تلاش کریں اور انہیں ان کی تلاش کا طریقہ بھی بتا دیا تھا۔ پھر جب حضرت حوا علیہا السلام انہیں مل گئیں تو جبریل علیہ السلام نے ان سے پوچھا تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو کیسا پایا تو انہوں نے جبریل علیہ السلام کو جواب دیا تھا کہ "صالحہ"۔

یہ بڑی غریب حدیث ہے جس کی روایت عموماً سعید بن میسرہ یعنی ابو عمران البکری البصری سے منسوب کی جاتی ہے لیکن چونکہ اس کی روایت کردہ احادیث کو وضعی احادیث میں شمار کیا جاتا ہے اسی لیے بخاریؒ نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور اپنے فیصلے میں ابن حبان کا حوالہ دیا ہے۔ ویسے یہ حدیث مجاہد' سعید بن جبیر' ابو العالیہ' ربیع بن انس' حسن بصری' قتادہ' محمد بن کعب' خالد بن معدان' عطا خراسانی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے بھی مروی ہے۔

ابن حاتم کہتے ہیں کہ ان سے علی بن حسین بن اشکاب اور علی بن عاصم نے سعید بن ابی عروبہ' قتادہ' حسن اور ابی بن کعب کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اگر میں توبہ کرلوں تو کیا مجھے (دوبارہ) جنت میں بھیج دے گا؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ہاں"۔

یہ حدیث درج ذیل کلام الٰہی سے مطابقت رکھتی ہے:

﴿ فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ﴾

تاہم یہ حدیث اس لیے غریب ہے کہ اس موضوع پر صرف یہی ایک حدیث دستیاب ہے۔

مندرجہ بالا آیت قرآنی میں لفظ "کلمات" سے ابن ابی نجیح نے مجاہد کے حوالے سے آدم علیہ السلام کے درج ذیل کلمات مراد لیے ہیں:

اللهم لا اله الا انت سبحانک و بحمدک رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی انک انت خیر الغافرین. اللهم لا اله الا انت سبحانک و بحمدک رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی انک خیر الراحمین. اللهم لا اله الا انت سبحانک و بحمدک رب انی ظلمت نفسی فتب علی انک انت التواب الرحیم .

حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں سعید بن جبیر کے توسط اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ "اے (میرے) پروردگار کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟" جواب ملا: "ہاں" اس کے بعد آدم علیہ السلام نے عرض کیا: "کیا تو نے مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟" جواب ملا: "ہاں" آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اور جب مجھے چھینک آئی تو تو نے فرمایا: "اللہ تجھ پر رحم کرے" جواب ملا: "درست ہے" (اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اس جواب کے پیش نظر) آدم علیہ السلام نے عرض کیا: "(اس طرح) تیری رحمت کو تیرے غضب پر سبقت حاصل ہوئی" جواب ملا: "ہاں" آدم علیہ السلام نے عرض کیا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''کیا میرا (یہ) عمل میرے اعمال میں پہلے سے نہیں لکھا گیا تھا؟'' جواب ملا: ''ہاں'' (آخر میں) آدم علیہ السلام نے عرض کیا: (پس) اگر میں توبہ کرلوں تو کیا تیرے پیش نظر یہ ہے کہ تو مجھے جنت میں بھیج دے گا؟ جواب ملا ''ہاں'' توبہ کرلوں تو کیا تیرے پیش نظر یہ ہے کہ تو مجھے جنت میں بھیج دے گا؟ جواب ملا ''ہاں''۔

حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد بتایا ہے لیکن اس پر اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

حاکم کے علاوہ بیہقی اور ابن عساکر نے بتوسط عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور آخر الذکر کے والد اور دادا نیز عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہو چکی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے معاف فرما دے'' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا گیا کہ ''تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے جانتے ہو؟'' آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے تخلیق کر کے مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اوپر سر اٹھایا اور دیکھا کہ قوائم عرش پر لکھا ہے: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تو میں نے سمجھ لیا کہ تو نے جس ہستی کا نام اپنے نام کے ساتھ اضافہ فرمایا ہے وہ کوئی ایسی ہستی نہیں ہو سکتی جو تجھے تیری تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب نہ ہو''۔ (آدم علیہ السلام سے یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آدم تم نے سچ کہا' وہ مجھے میری تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہے اور (چونکہ) تم نے اس کا واسطہ دے کر مجھ سے دعا کی ہے (لہٰذا) میں نے تمہیں معاف کر دیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا''۔

اگرچہ بیہقی نے اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالے سے منتخب کر کے پیش کیا ہے تاہم اسے ضعیف احادیث میں شمار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ البتہ اس سلسلے میں یہ فرمان الٰہی بھی پیش نظر رہنا چاہیے:

﴿ وَ عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ٥ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ هَدٰی ﴾

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آدم وموسیٰ علیہما السلام کے مابین بحث

بخاریؒ نے بحوالہ قتیبہ' ایوب بن نجار' یحییٰ بن ابی کثیر' ابی سلمہ اور ابو ہریرہؓ یہ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ آدم وموسیٰ علیہما السلام کے مابین ایک بحث میں موسیٰ نے آدمؑ سے کہا کہ انہوں (آدمؑ) نے ایک خطا کر کے تمام نوع انسانی کو جنت سے نکلوا دیا تو آدمؑ نے جواب دیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) خدا نے آپ کو اپنی رسالت اور (دوبدو) کلام سے سرفراز فرمایا لیکن کیا آپ مجھے اس خطا پر موردالزام ٹھہرا رہے ہیں جو میری تخلیق سے قبل میرے لیے لکھ دی گئی تھی؟

یہ حدیث مسلم نے عمرو الناقد اور نسائی نے محمد بن عبداللہ بن یزید اور ایوب بن نجار کے حوالے سے روایت کی ہے لیکن ابو مسعود دمشقی کہتے ہیں کہ ان صحیحین (صحیح مسلم اور صحیح نسائی) کے سوا انہوں نے اس حدیث کی روایت میں کسی اور کا حوالہ نہیں دیا جب کہ یہ حدیث امام احمدؒ سے بھی بحوالہ عبدالرزاق' معمر' ہمام اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

امام احمدؒ اسی حدیث کو (اپنی مسند میں) ابو کامل' ابراہیم' ابو شہاب' حمید بن عبدالرحمٰن اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم وموسیٰ (علیہما السلام) کے مابین ایک بحث کے دوران میں موسیٰ نے آدم سے کہا کہ ''آپ ایک خطا کے سبب جنت سے خروج کا باعث بنے'' آدم نے جواب دیا: ''آپ کو اللہ تعالیٰ اپنی رسالت اور (دوبدو) اپنے کلام سے سرفراز فرمایا لیکن کیا آپ بھی مجھے میری اس خطا پر موردالزام ٹھہراتے ہیں جو میرے حق میں میری تخلیق سے قبل لکھ دی گئی تھی؟''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''یہ بحث آدم وموسیٰ (علیہما السلام) کے مابین دوبارہ ہوئی''۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہی حدیث بخاری ومسلم دونوں نے زہری کی زبانی اور حمید بن عبدالرحمٰن اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ (مؤلف)

ویسے یہ حدیث سفیان نے بھی ابو الزناد' اعرج اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسی طرح اور انہی الفاظ میں روایت کی ہے نیز راویوں کی ایک اور جماعت نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے جب کہ ابن ماجہؒ نے اسے سفیان بن عیینہ' عمرو بن دینار' عبداللہ بن طاؤس' عبداللہ کے والد طاؤس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے دس جگہ مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے۔

امام احمدؒ (اپنی مسند میں) ایک جگہ کہتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن اور حماد نے عمار اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب موسیٰ نے آدم کو دیکھا تو ان سے کہا کہ آپ وہی آدم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دست قدرت سے تخلیق کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی' فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو جنت میں رکھا (پھر بھی) آپ نے یہ خطا کی! آدمؑ نے جواب دیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت بخشی' آپ پر توریت نازل کی۔ اس نے آپ سے (دوبدو) گفتگو فرمائی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لیکن کیا آپ بھی مجھے اس خطا پر موردِ الزام سمجھتے ہیں جو میری تخلیق سے (چالیس سال) قبل میرے حق میں لکھ دی گئی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اس بحث میں فرمانِ الٰہی ﴿و عصی آدم ربه فغوی﴾ کا حوالہ بھی دیا تھا۔ (مؤلف)

فرقہ قدریہ نے اس حدیث کی صحت سے ارتکاب کیا ہے جب کہ فرقہ جبیریہ نے اس کی صحت کی تصدیق کی ہے۔

تحقیق مزید سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث دوسرے متعدد راویوں نے بھی مختلف الفاظ میں روایت کی ہے، جن میں کہیں لفظی اور کہیں معنوی اختلاف پائے جاتے ہیں تاہم اس کی صحت کو اسنادِ قوی کی بنا پر ہر جگہ تسلیم کیا گیا ہے۔ البتہ تمام علماء (رحمہم اللہ) نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا اس سلسلے میں نوشتہ قدر پر اعتراض نہیں تھا اور بالکل اسی طرح آدم علیہ السلام کے جواب میں بھی ان کا اشارہ اپنی مصیبت کی طرف تھا نہ کہ معصیت بالقدر کی طرف۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تخلیق آدم علیہ السلام پر احادیث نبوی ؐ کا ذکر

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحیٰ، محمد بن جعفر، عوف اور قسامہ بن زہیر نے ابی موسیٰ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے مختلف حصوں کی مٹی سے تخلیق فرمایا (اس لیے) بنی آدم زمین کے ان مختلف حصوں کی مختلف خصوصیت کی بنا پر سفید، سرخ، سیاہ یا ان کے بین بین پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ان کی طبعی خصوصیات میں طیب، خبیث، شاداں، ملول یا ان کے بین بین ہونا شامل ہے۔

اسی حدیث کو امام احمدؒ نے ہوذہ اور اشعری وغیرہ کے حوالے سے بھی روایت کیا ہے ترمذی اور ابن حبان نے اپنے اپنے مجموعہ ہائے صحیح میں اس حدیث کو عوف بن ابی جمیلہ اعرابی کی زبانی اور قسامہ بن زہیر المازنی بصری اور ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری کے حوالے سے پیش کیا ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو ''حدیث صحیح'' اور ''حدیث حسن'' بتایا ہے۔

السدی ابی مالک، ابی صالح، ابن عباسؓ، مرہ، ابن مسعودؓ اور کئی دوسرے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے پہلے جبریل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا تھا تا کہ وہ وہاں سے (تخلیق آدم علیہ السلام کے لیے) مٹی لائیں لیکن زمین نے ان سے کہا کہ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں کیونکہ تم مجھ میں بہت سے نقائص نکال کر مجھے طرح طرح سے برا بتاؤ گے۔ زمین سے یہ سن کر جبرئیل علیہ السلام یہاں سے واپس چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور وہ سب باتیں عرض کر دیں جو زمین نے ان سے کہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین نے تمہاری طرف سے اذیت محسوس کی ہو گی جو ایسی باتیں کہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین سے مٹی لینے کے لیے میکائیل کو بھیجا تو وہ بھی زمین سے وہی باتیں سن کر یہاں سے واپس چلے گئے تو آخر میں اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کو بھیجا لیکن انہوں نے زمین کو مذکورہ بالا باتیں سن کر کہا کہ وہ اس کی مٹی بہر حال لے کر جائیں گے اور یہ بھی کہا کہ آئندہ نہ جانے مجھے تیرے کتنے اجزا پر قبضہ جمانا پڑے گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے (جگہ جگہ سے) زمین کی مٹی لے جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دی۔ اس کے بعد اسے اگرچہ گوندھ کر یکساں کیا گیا تاہم اس میں زمین کی مختلف طبعی خصوصیات باقی رہیں جو بنی آدم میں ان کے مختلف الالوان ہونے کے علاوہ آج بھی پائی جاتی ہیں۔

بہر کیف اللہ تعالیٰ نے زمین کے مختلف حصوں کی نرم مٹی کو گارے میں تبدیل فرما کر اس سے آدم کا پتلا خود اپنے دست قدرت سے بنایا اور فرشتوں سے فرمایا: (میں نے آدم کو مٹی سے تخلیق کیا ہے) پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے اس پتلے میں اپنی روح پھونکی تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر تمام فرشتوں نے ابلیس کے سوا انہیں سجدہ کیا۔

مذکورہ بالا راویوں کی روایت کردہ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روح آدم کے سر کی طرف سے پھونکی گئی تھی جس سے ان کے دماغ میں روشنی آئی، جب وہ ان کی آنکھوں تک پہنچی تو انہیں بصارت حاصل ہوئی اور وہ جنت کی مختلف چیزیں دیکھنے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لگے پھر جب روح ان کے شکم تک پہنچی تو انہیں کھانے پینے کی خواہش ہوئی۔ اس کے بعد جب روح بتدریج ان کے ٹخنوں تک پہنچی تو وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے اور جلدی جلدی اثمار جنت کی طرف بڑھے جس کا ثبوت فرمان الٰہی ﴿خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ سے ملتا ہے۔ ویسے اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آدم کی تخلیق کے وقت اس گارے کو جس سے ان کی تخلیق ہوئی تھی کنکر میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس لیے جب روح ان کے منہ تک پہنچی تھی تو ان کے منہ سے ٹھیکرے کے بجنے کی سی آواز نکلی تھی۔ اس کا ثبوت تخلیق آدم علیہ السلام میں فرمانِ الٰہی ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ سے ملتا ہے۔

اس سلسلے میں اسی قبیل کی متعدد روایات ملتی ہیں جن میں کچھ اسرائیلیات سے ماخوذ روایات بھی شامل ہوگئی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ سے جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا گیا ہے پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا قد ستر گز تھا جس کے بعد رفتہ رفتہ بنی آدم کا قد کم ہوتے ہوتے اس حد تک آ گیا جو کم و بیش آج کل دیکھا جاتا ہے۔ حدیث نبوی (ﷺ) کے الفاظ یہ ہیں:

ان اللّٰه خلق آدم وطوله ستين ذراعا فلم يزل الخلق ينقص حتى الآن.

ایک اور حدیث سے جو متعدد مستند حوالوں سے روایت کی گئی ہے پتہ چلتا ہے کہ آدم کو جنت سے اوّل اوّل مکہ کے مقام صفا پر اتار کر جبریل علیہ السلام نے جو انہیں کھانے کی مختلف چیزیں دی تھیں ان میں گندم بھی شامل تھا جس کے آٹے سے زمین پر پہلی بار روٹی پکائی گئی۔

اس سلسلے کی بہت سی دوسری احادیث کی جستجو و تحقیق نے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم و حوا علیہما السلام جنت سے پہلے زمین کے الگ الگ مقامات پر اترے تھے۔ اس کی تصدیق فرمان الٰہی ﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ﴾ سے بھی ہوتی ہے۔ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آدم و حوا علیہما السلام ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور ان کے اولاد پیدا ہونا شروع ہوئی تو ان میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی توام پیدا ہوتے تھے لیکن ان میں لڑکوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ وہ اپنے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کی بجائے صرف اپنے بھائی کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کو اپنی زوجیت میں لا سکیں گے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آدم علیہ السلام کے بیٹوں قابیل وہابیل کا قصہ

قابیل وہابیل کا قصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یوں بیان فرمایا ہے:

''اور (اے محمدؐ) ان کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات جو (بالکل) سچے (ہیں) پڑھ کر سنادو کہ جب ان دونوں نے (خدا کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی نہ ہوئی (تب قابیل ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کردوں گا۔ اس نے کہا کہ خدا پرہیز گاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے' اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا مجھے تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے' میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں بھی پھر (زمرہ) اہل دوزخ میں ہو اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا۔ اب خدا نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے۔ کہنے لگا اے ہے مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پھر وہ پشیمان ہوا''۔ (۶:۵:۲۷-۳۱)

ہم نے اس قصے کو بحمد اللہ سورہ مائدہ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں حتی الامکان تفصیلاً پیش کیا ہے۔ بہر کیف ہم اسے یہاں ائمہ سلف کے بیانات کی روشنی میں مختصراً پیش کر رہے ہے۔

السدی بحوالہ ابی مالک' ابی صالح' ابن عباسؓ، مرہ ابن مسعودؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کے ہاں سلسلہ توالد وتناسل شروع ہوا تو انہوں نے یہ اصول رکھا کہ ان کا ہر بیٹا اپنے بعد پیدا ہونے والے بھائی کی بہن سے نکاح کرے اور انہوں نے اسی اصول کے تحت جو حکم الٰہی پر مبنی تھا قابیل کو حکم دیا کہ وہ اس کے بعد پیدا ہونے والے بھائی ہابیل کی بہن سے عقد کرے اور ہابیل قابیل کی بہن کو اپنی زوجیت میں لائے لیکن قابیل جو ہابیل سے بڑا تھا اکڑ گیا اور ہابیل سے اپنی بہن کی شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا جب کہ اس صورت میں قابیل کی شادی ہابیل کی بہن سے ہوئی جو بہت حسین تھی لیکن ہابیل کے سمجھانے کے باوجود قابیل اپنی ضد پر اڑا رہا بلکہ ہابیل سے یہاں تک کہا کہ اگر وہ اس کی بہن سے شادی پر اصرار کرے گا تو وہ اسے قتل کر دے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اصرار تھا کہ ہابیل قابیل کی بہن سے شادی کرے لیکن قابیل کی ضد کے پیش نظر انہیں حکم دیا کہ وہ دونوں خدائے قدوس کے حضور قربانی پیش کریں اور جس کی قربانی بارگاہ حق میں قبول ہو جائے گی اس کی بات مانی جائے گی۔ یہ حکم دے کر آدم علیہ السلام حج کے لیے روانہ ہو گئے اور اپنے دونوں بیٹوں سے کہتے گئے کہ وہ اپنی اپنی املاک کے علاوہ دوسرے کی املاک کی حفاظت کا بھی خیال رکھے۔ ہابیل تو آدم علیہ السلام کے اس حکم پر عمل کے لیے تیار ہو گیا جب کہ قابیل نے اس سے بھی انکار کر دیا حالانکہ قابیل کی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بہت زیادہ تھے جب کہ ہابیل کی ملکیت صرف کچھ زراعتی زمین تھی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جب ان دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی قربانی بطور نذر خدا ساتھ ساتھ ایک جگہ رکھیں تو آسمان سے ایک بجلی کی طرح ایک شعلہ آیا اور ہابیل کی قربانی کو لے اڑا جس کا یہ مطلب تھا کہ ہابیل کی قربانی بارگاہ خداوندی میں قبول ہوگئی جب کہ قابیل کی قربانی اپنی جگہ موجود رہی جس کا یہ مطلب تھا کہ اس کی قربانی ناقابل قبول ٹھہری۔ یہ دیکھ کر قابیل اور بھر گیا ہابیل نے اسے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ بارگاہ خداوندی میں نذر کی قبولیت کی شرط صرف قربانی پیش کرنے والے کی پرہیز گاری ہوتی ہے۔ ہابیل سے یہ سن کر قابیل اور غضب ناک ہوگیا۔ اور اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کردیا۔

اس کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک کوا وہاں آیا اور زمین کریدنے لگا جس سے قابیل کو یہ اشارہ ملا کہ وہ ہابیل کی لاش زمین میں کس طرح چھپائے۔ قابیل بولا کہ اس سے زیادہ عقل مند کوا ہی رہا اور اس نے زمین کھود کر اس میں ہابیل کی لاش دفن کردی۔ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین پر نوع انسانی میں یہ پہلا قتل تھا۔

جن راویوں نے ایک حدیث کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق قاتل نے اگر مقتول کو آخر الذکر کے کسی گناہ پر اسے قتل کیا ہے تو قتل کا مجرم نہیں ہوتا اور اس پر شرعاً قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی جاسکتی اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور جملہ محدثین نے اس روایت کو بطور حدیث پیش کیے جانے کو غلط ٹھہرایا ہے کیونکہ جملہ صحیح احادیث میں قتل کو عظیم ترین گناہ بتایا گیا ہے۔ ہم نے اس مسئلے پر اپنی کتاب تفسیر میں مفصل گفتگو کی ہے۔

مؤرخین اور اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے ہابیل کی موت پر مرثیہ کہا تھا جو دنیا کا بالاتفاق پہلا مرثیہ کہا جاتا ہے۔

ایک صحیح حدیث کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ المناک واقعات پر اظہار غم ایک فطری عمل ہے اور آنحضرت ﷺ نے ہابیل کے قتل پر آدم علیہ السلام کے اظہار غم کو انسان کے لیے ایک فطری عمل ہی قرار دیا۔ اس موضوع پر علماء نے بڑی تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے جس پر شرح وبسط کے ساتھ اظہار رائے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

بعض علماء کے بیانات کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے حسن کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ علماء نے آنحضرت ﷺ کے اس قول مبارک سے یہ معانی اخذ کیے ہیں کہ یوسف کو آدم علیہ السلام کے حسن کا نصف حصہ دیا گیا تھا علمائے کرام کا رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا قول مبارک سے یہ نتیجہ اخذ کرنا نامناسب یا بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا جب کہ ساری کائنات کی حیثیت تخلیق اللہ تعالیٰ کے حکم ''کن فیکون'' سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آدم میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو یہ حکم دے کر کہ انہیں سجدہ کریں انہیں اعلیٰ ترین عظمت سے سرفراز فرمایا۔ پھر جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آدم علیہ السلام کو زمین پر تو نے اپنی خلافت سونپ کر وہاں کی ہر چیز پر انہیں تسلط عطا فرمایا ہے اب جنت کو ہمارے لیے مخصوص فرمادے۔ فرشتوں کے اس التماس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ جنت بھی اس کی صالح ذریات کے لیے مخصوص ہے جسے ہم نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اس میں اپنی روح پھونکی اور اسے اپنی صورت پر ڈھالا اس امر کی بین دلیل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت کیا تھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت آدمؑ علیہ السلام کی وفاتؑ اور اپنے بیٹے شیثؑ کو ان کی وصیتؑ

شیث کے معنی اللہ کے نام ہبہ کے ہوتے ہیں۔ اپنے اس بیٹے کا یہ نام آدم علیہ السلام نے اس لیے رکھا تھا کہ انہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے رزق دے ہی رہا تھا لیکن ان کے اس بیٹے کے لیے بھی بغیر مشقت ہابیل کے قتل کے بعد رزق کا وہی (اللہ تعالیٰ) ضامن تھا۔

ابو ذر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے پیغمبروں پر) سو صحیفے اور چار (مکمل آسمانی) کتابیں نازل فرمائیں جن میں سے پچاس صحیفے صرف شیث (علیہ السلام) پر نازل فرمائے۔

محمد بن اسحٰق (ایک حدیث کے حوالے سے) فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کو وصیت کی' انہیں شب و روز کی ساعتوں اور ان ساعتوں میں عبادات نیز (آئندہ) آنے والے طوفان کے بارے میں بتایا۔ ابن اسحٰق کچھ دوسری روایات کے حوالے سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے نہ صرف شیثؑ بلکہ جملہ بنی آدم کو پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ واللہ اعلم

حضرت آدم علیہ السلام نے جمعہ کے روز وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ہاتھ ان کی لاش کے لیے جنت سے اشیائے حنوط اور کفن بھیجا جو ان کے بیٹے شیثؑ اور ان کی وصیت کے لیے بھی بڑا اعزاز تھا۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد سورج اور چاند سات روز تک مسلسل رات دن گہن میں رہے۔

عبداللہ بن امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ان سے ہدبہ بن خالد اور حماد بن سلمہ نے حمید' حسن اور یحییٰ یعنی ابن ضمرہ السعدی کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے مدینے میں ایک شخص کو گفتگو کرتے ہوئے سنا تو لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ابی بن کعب ہیں۔ ابن کعب کہہ رہے تھے کہ جب آدم علیہ السلام کی وفات قریب آئی تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ ان کا جی جنت کے پھل کھانے کو چاہ رہا ہے اور ان سے فرمائش کی کہ وہ انہیں کہیں سے ڈھونڈھ کر لائیں۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے زمین پر نزول کے وقت ان کے ساتھ جنت کے پھل اور ان کے پودے جن میں گیہوں کا پودا بھی شامل تھا بھجوائے تھے۔ چنانچہ جب وہ (آدم علیہ السلام کے بیٹے) ان کی تلاش میں نکلے تو ان کا سامنا ان فرشتوں سے ہو گیا جو آدم کی تجہیز و تکفین' حنوط اور ان کی تدفین کے لیے دوسرا سامان لے کر آ رہے تھے۔ فرشتوں نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کیا لینے جا رہے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے مریض باپ کے لیے جنت کے پھلوں کی تلاش میں جا رہے ہیں کیونکہ ان کے والد کو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ان کے کھانے کی خواہش ہے۔فرشتوں نے یہ سن کر کہا کہ ان کے والد تو قضائے الٰہی سے فوت ہو چکے ہیں۔فرشتوں سے یہ سن کر آدم کے بیٹے اپنے گھر کی طرف لوٹے تو فرشتے بھی ان کے ساتھ ہو لیے لیکن جب وہ ان کے مکان پر پہنچے تو بی بی حوا انہیں پہچان کر بولیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ان سے جدا کر دیا ہے اور یہ کہہ کر انہوں نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی میت کے قریب جانے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی میت کو غسل دے کر اسے حنوط کیا۔پھر اسے کفنا کر اس کے لیے قبر کھودی اور اس میں اسے دفن کر کے فاتحہ پڑھی اور آدمؑ کے بیٹوں سے کہا کہ ''یہی تمہاری اور باقی تمام بنی آدم کے لیے آج سے سنت ہوگی''۔

اس روایت کی جملہ اسناد صحیح اور مستند ہیں۔(مؤلف)

شیبان بن فروخ کی طرح ابن عساکر نے بھی محمد بن زیاد' میمون بن مہران اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام (کے جنازے) پر چار تکبیریں کہی تھیں' اسی طرح ابوبکر' فاطمہ رضی اللہ عنہما (کے جنازے) پر چار تکبیریں کہیں گے' عمر' ابوبکر رضی اللہ عنہما کے جنازے پر چار تکبیریں اور اسی طرح صہیب' عمر رضی اللہ عنہما (کے جنازے) پر چار تکبیریں کہیں گے۔ابن عساکر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی میمون نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بھی روایت کی ہے۔

آدم علیہ السلام کے مدفن کے بارے میں مؤرخین میں باہم اختلافات ہیں سب سے زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آدم ہندوستان میں پہاڑ سے اتر کر جس میدان میں آئے تھے ان کا مزار وہیں ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر مکے کے کوہ ابوقبیس پر ہے۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سر مسجد ابراہیم میں ہے اور ان کے پاؤں صخرہ بیت المقدس تک پھیلے ہوئے ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان کے وقت آدم و حوا علیہما السلام دونوں کی لاشیں ایک تابوت میں رکھ کر بیت المقدس پہنچائی تھیں۔یہ روایت ابن جریر کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حوا آدم علیہا السلام کی وفات کے ایک سال بعد ہی وفات پا گئی تھیں۔آدم علیہ السلام کی عمر کے بارے میں بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ہم نے اس سے قبل حدیث کے حوالے سے اس سلسلے میں جو روایت پیش کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی عمر لوح محفوظ میں ایک ہزار سال درج ہے جب کہ توریت میں بتایا گیا ہے کہ وہ نو سو تیس سال زندہ رہے۔توریت کا یہ بیان بظاہر مذکورہ بالا حدیث سے متعارض ہے لیکن غور کیا جائے تو یہ تعارض باقی نہیں رہتا۔کیونکہ توریت کے بیان میں بدیہی طور پر آدم علیہ السلام کے جنت سے زمین پر اتر کر زندہ رہنے کا ذکر ہے اور نو سو تیس سال کی یہ مدت بھی شمسی سال کے لحاظ سے ہوتی ہے۔اگر اس میں قمری سال کے لحاظ سے ستائیس سال اور بڑھا دیے جائیں تو آدم علیہ السلام کی زندگی کی یہ مدت نو سو ستاون سال ہو جاتی ہے اور اگر اس میں ابن جریر کی روایت کے مطابق آدم علیہ السلام کی جنت میں زندگی کے ۴۳ سال اور اضافہ کر دیے جائیں تو ان کی زندگی کی مجموعی مدت وہی ایک ہزار ہو جاتی ہے جو مذکورہ بالا حدیث کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔

عطاء الخراسانی کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی وفات پر ساری مخلوق خداوندی سات دن تک گریہ وزاری میں مبتلا رہی۔

ابن عساکر سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیث علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے اور ایک

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حدیث کی رو سے جسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابی ذر (غفاری) کے حوالے سے روایت کیا ہے شیث علیہ السلام بھی نبی تھے اور ان پر جیسا کہ مشہور ہے صحیفے نازل ہوئے تھے۔

جب شیث علیہ السلام کی وفات قریب آئی تو انہوں نے اپنے بیٹے انوش کو وصیت کے ذریعہ اپنا جانشین مقرر کیا اور انوش کے بعد ان کے بیٹے قینن اپنے باپ کے جانشین ہوئے۔ قینن کے بعد ان کے بیٹے مہلا ئیل ان کے جانشین ہوئے۔ مہلا ئیل بڑے پر عزم اور باہمت شخص تھے' وہ گھوڑسواروں کے ایک جتھے کو ساتھ لے کر عجمی ممالک کی طرف بڑھے اور سات ملکوں کو اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا۔ وہ مہلا ئیل ہی تھے جنہوں نے درخت کٹوائے شہروں کی بنیاد رکھی اور بڑے بڑے قلعے تعمیر کیے۔ انہی نے بابل اور سوس اقصیٰ کی بنیاد رکھی۔ انہی نے ابلیس' اس کے جتھوں اور غول بیابانی کو سمندروں اور پہاڑی غاروں کی طرف بھگا دیا تھا' انہی نے شری وفسادی جنات کے لشکر کے لشکر کاٹ کر رکھ دیئے تھے۔ انہی نے اپنے لیے ایک بہت بڑا تاج بنوایا تھا۔ وہ اکثر لوگوں سے خطاب بھی کیا کرتے تھے انہوں نے چالیس سال حکومت کی۔ مہلا ئیل نے اپنی وفات کے وقت وصیت کے ذریعہ اپنے یرد کو اپنا جانشین بنایا۔ یرد کے بعد ان کے بیٹے خنوخ ان کے جانشین ہوئے جو ادریس کے نام سے مشہور ہیں۔

ادریس علیہ السلام کا ذکر:

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾

قرآن شریف کی یہ آیہ شریفہ ادریس علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے نبی ہونے اور ان کے مرتبے کی اس رفعت پر دلالت کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ ادریس علیہ السلام وہی ہیں جن کا ذکر خنوخ کے نام سے علمائے انساب نے بنی آدم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب میں آپؐ کے جداعلیٰ کی حیثیت سے کیا ہے اور ادریس علیہ السلام ہی کو اللہ تعالیٰ نے آدم وشیث علیہ السلام کے بعد عہدہ نبوت سے سرفراز فرمایا۔

ابن اسحٰق ادریس علیہ السلام کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ بنی آدم میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے لکھنے کے لیے قلم استعمال کیا اور یہ کہ انہیں زمین پر آدم علیہ السلام کی زندگی کے تین سو آٹھ سالہ واقعات کے بارے میں مکمل معلومات حاصل تھیں۔

اکثر ثقہ راویوں کے نزدیک حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جس روایت میں بتایا گیا ہے کہ معاویہ بن حکم سلمی کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی آدم میں جس شخص نے خط رمل میں تحریر کی بنیاد ڈالی' وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور انہیں خط رمل میں آج تک ہر شخص پر فوقیت حاصل ہے تو آپ کا اشارہ ادریس علیہ السلام ہی کی طرف تھا۔

اکثر علمائے تفسیر اور احکام شریعت کے مطابق ادریس علیہ السلام پہلے نبی تھے جنہوں نے احکام شریعت کے بارے میں خطاب کیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوامر ونواہی کے متعلق آگاہ کیا جس پر اس زمانے کے لوگوں نے انہیں "ہرمس الہرامسہ" کے نام سے موسوم کیا اور بہت سے جھوٹے قصے ان کے نام سے منسوب کر دیے جیسا کہ آئندہ بھی اس قسم کے لوگ اکثر انبیائے مرسلین اور اولیائے کرام کے ساتھ ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جہاں تک ادریس علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ ورفعناہ مکانًا علیا ﴾ کا سوال ہے تو اس کے بارے میں صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں حدیث اسریٰ پیش کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ جب معراج کی شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلک چہارم سے گزرے تو وہاں آپ کی ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔

ادریس علیہ السلام کے علوئے مرتبت کے بارے میں دوسرے جتنے قصے بیان کیے جاتے ہیں وہ سب کے سب اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں اس لیے اکثر علمائے تفسیر وحدیث نے انہیں نا قابل اعتبار ٹھہرایا ہے' مثلاً ایسی بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ادریس نوح علیہ السلام سے قبل نبی نہیں ہوئے بلکہ وہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے اور یہ کہ ان کی روح عزرائیل نے اس وقت قبض کی تھی جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں زمین سے فلک چہارم یا ششم یا ہفت میں اٹھا لیا گیا تھا نیز یہ کہ انہیں آسمان پر ابوالبشر آدم ابوالانبیاء ابراہیم اور فخر انبیاء و مرسلین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علوئے مرتبت کی وجہ سے مرحبا کہا تھا اس لیے وہ از روئے رتبہ ان تینوں بزرگ انبیاء و مرسلین سے بلند تر تھے۔

ظاہر ہے کہ اگر ان تینوں بزرگ انبیاء مرسلین نے اگر ادریس علیہ السلام کو آسمان پر مرحبا کہا ہوگا تو وہ از روئے تواضع کہا ہوگا' ورنہ ان کا رتبہ جیسا کہ ان روایات میں بیان کیا گیا ہے' خود ابوالبشر آدم (علیہ السلام) ابوالانبیاء اور خلیل اللہ ابراہیمؑ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود فخر انبیاء و مرسلین' محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند تر کیسے ہو سکتا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ۸

قصہ حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام لامک بن متوشلخ بن خنوخ کے فرزند تھے جب کہ خنوخ تاریخ میں عموماً ادریس بن یرد بن مہلائیل بن قینن بن انوش ابن شیث بن ابوالبشر آدم علیہ السلام کے نام سے مشہور ہیں۔

جیسا کہ ابن جریر نے بیان کیا ہے حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی تھی لیکن قدیم اہل کتاب کے مطابق وہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھیالیس سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ تاہم حافظ ابو حاتم بن حبان نے اپنی تاریخ صحیح میں حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت میں درمیانی فصل کے بارے میں محمد بن عمر بن یوسف وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آیا حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام دونوں نبی تھے اور جب آپؐ نے اس کے سوال کا اثبات میں جواب دیا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش کے درمیانی وقفے کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے دس قرون فرمایا۔ یہ حدیث مسلم نے پیش کی ہے لیکن اس کا کہیں سے استخراج نہیں کیا۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بھی حدیث آئی ہے اور اس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک قرن سے یہاں مراد سو سال ہیں۔ اس طرح وفات حضرت آدم علیہ السلام اور ولادت حضرت ادریس علیہ السلام کا درمیانی فصل ایک ہزار سال قرار پاتا ہے نیز یہ کہ اس دوران میں حضرت آدم علیہ السلام کی جملہ اولاد کا مذہب اسلام تھا۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے صحیح بخاری میں جو روایت بیان کی گئی ہے اس پر تمام اہل اسلام متفق ہیں اس سے جو بات متبادر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد کا مذہب اسلام نہیں تھا۔ اس طرح کچھ مورخین اور اہل کتاب کی اس بارے میں روایات صحیح قرار پاتی ہیں یعنی حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اسلام پر قائم نہیں رہی۔ تاہم ابن امامہؓ کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم مورخین اور اہل کتاب کا یہ بیان کہ قابیل اور اس کے بعد ہی سے آدم علیہ السلام کی اولاد اسلام کے دائرے سے خارج ہو گئی تھی غلط ہے۔

اگر قرن سے مراد بنی آدم کا ایک زمانہ یا ان کی ایک نسل لیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "ہم نے نوح کے بعد کئی قرنوں کے لوگوں کو بلا کر کہا اور قرن آخر میں ان کی نشاۃ ثانیہ کی اور یہ بھی فرمایا کہ اس دوران میں ان کی کئی قرون یعنی نسلیں گزریں اور یہ بھی کہ اس سے قبل ان کی کئی نسلیں گزر چکی تھیں اور اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کو کہ "میرا زمانہ خیر القرون ہے" پیش نظر رکھا جائے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہی بنی آدم کی کئی نسلیں دنیا میں رہ چکی تھیں اور اس طرح حضرت ادریس علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک ہزاروں سال ہو جاتے ہیں اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فرمائی ہے کہ "اس دوران میں کئی قرون یعنی نسلیں تھیں"۔ واللہ اعلم

بہر کیف نوح علیہ السلام وہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس وقت نبوت عطا فرمائی جب اس زمانے کے لوگ اصنام پرستی اور حد درجہ گمراہی میں مبتلا تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے پہلے پیغمبر تھے جنہیں اس نے زمین پر نبوت کے عہدۂ جلیلہ سے سرفراز فرمایا جیسا کہ اہل موقف قیامت کے دن بھی کہیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا نام جیسا کہ ابن جبیر وغیرہ نے بیان کیا ہے بنوراسب تھا اور وہ اسی نام سے مشہور تھی۔

البتہ اس روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو پچاس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت تین سو پچاس سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور بعض راویوں کے بیان کے مطابق وہ اس وقت چار سو اسی سال کے ہو چکے تھے۔ یہ روایات ابن جبیر نے بیان کی ہیں اور انہیں حوالہ بحوالہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کا قصہ اور یہ کہ ان کی قوم میں جن لوگوں نے ان کی ہدایات پر عمل کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ انہیں کاذب اور گمراہ ٹھہرایا اور ان سے معجزات طلب کیے اور تا آخر اسی کفر و ضلالت میں مبتلا رہے تا آنکہ ان پر طوفان عظیم کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوا اور وہ لوگ جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کا اتباع کیا تھا اور ان پر اور خدائے تعالیٰ پر ایمان لا چکے تھے کس طرح ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر اس طوفان عظیم اور دردناک عذاب سے بچ نکلے تھے سورہ ہائے اعراف' یونس' ہود' انبیاء' مومنون' شعراء' عنکبوت' صافات' اقترب میں تفصیلاً بیان فرمایا ہے بلکہ اس قصے کی مکمل تفصیل کے ایک پوری سورت (سورہ نوح) بھی نازل فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورت سورۂ براۃ اور سورۂ ابراہیم میں بھی حضرت نوحؑ اور عاد و ثمود کی قوموں پر عذاب الٰہی کے نزول کا ذکر فرمایا ہے۔ تاہم ہم نے حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کے حالات تمام کے تمام کتاب وسنت اور دوسری دینی کتب سے لیے ہیں اور ان میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات کو مقدم سمجھا ہے اور انہی کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ہم نے اس سے قبل حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات اور حضرت نوحؑ کی ولادت کے درمیانی فصل کے بارے میں قرون کا ذکر کرتے ہوئے انہی کی روایات کا حوالہ دیا ہے اور وہی روایات بخاریؒ نے بھی پیش کی ہیں۔ ویسے بخاریؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایات قوم نوحؑ کے بعد دیگر اقوام کے بارے میں ابن جریج اور عطاء کے حوالے سے پیش کی ہیں اور "کلھم علی الاسلام" کے الفاظ یعنی وہ سب اسلام پر تھیں استعمال کیے ہیں ان میں یہ بھی بتایا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وہ روایات احادیث نبویؐ کے علاوہ متعلقہ قرآنی آیات کے حوالے سے بیان کی ہیں اور ان اقوام کے بعد عرب کی دوسری اقوام جو زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نسلاً بعد نسل اصنام پرستی میں مبتلا ہوئیں ان کے اسباب بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں اور ان سے قبل قوم نوحؑ کے رجال صالحین کا بھی ذکر کیا ہے۔

یہ روایات عکرمہ' ضحاک' قتادہ اور محمد بن اسحٰق نے بھی مذکورہ بالا حوالوں ہی سے پیش کی ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متبعین کی نسلوں کے جو افراد عرصہ بعید و مدت مدید تک اسلام پر قائم رہے ان کی اصنام پرستی کے آغاز کے اسباب میں سے ابی حاتم نے متعدد حوالوں سے ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس زمانے کے کچھ لوگ اپنے کسی عزیز کی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

وفات کے بعد اس کی قبر پر اظہار افسوس اور گریہ وزاری کر رہے تھے کہ اس وقت شیطان انسانی شکل میں ان کے سامنے آ کر بولا کہ وہ خواہ مخواہ اس شخص کی موت پر نوحہ کناں ہیں جب کہ وہ اسے زندہ سلامت ان کے روبرو لا سکتا ہے۔ شیطان سے یہ سن کروہ لوگ بولے کہ اگر وہ ایسا کر سکتا ہے تو کر کے دکھائے۔ چنانچہ شیطان فوراً اس مردہ شخص کی شکل اختیار کر کے ان کے سامنے آ گیا۔ پھر بولا کہ اگر وہ چاہیں تو وہ ان کے بہت سے دوسرے مردہ افراد کو بھی زندہ کر کے دکھا سکتا ہے۔ پھر ان کی درخواست پر شیطان نے ایسا ہی کیا اور ان کے متعدد افراد کی شکل اختیار کر کے ان کے سامنے آ گیا۔ پھر بولا کہ اگر وہ چاہیں تو وہ ان کے بہت سے دوسرے مردہ افراد کو بھی زندہ کر کے دکھا سکتا ہے۔ پھر ان کی درخواست پر شیطان نے ایسا ہی کیا اور ان کے متعدد افراد کی شکل اختیار کر کے یکے بعد دیگرے ان کے سامنے آتا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ حیرت میں رہ گئے اور پھر شیطان کے اس مظاہرۂ قدرت ذ اختیار کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد خدائے واحد کی پرستش ترک کر کے شیطان کے کہنے پر اس راستے پر یعنی اصنام پرستی کے راستے پر چلنے لگے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک تک اقوام عرب اولاد در اولاد اس کفر و ضلالت میں مبتلا رہیں جس کا ذکر ہم نے حسب موقع اپنی کتاب تفسیر میں بالتفصیل کیا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں آنحضرت ﷺ کی حدیث مبارکہ درج کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ جب آپؐ سے ام سلمہ وام حبیبہ نے حبشہ کے ایک تبکدے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں بڑی خوب صورت تصاویر اور بتوں کے مجسمے رکھے گئے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ ازمنہ قدیم میں جب کوئی مرد صالح وفات پا جاتا تھا۔ تو اس کی قوم کے افراد اس کی قبر پر ایک مسجد تعمیر کر دیتے تھے لیکن رفتہ رفتہ وہی مساجد اب تبکدوں میں تبدیل ہو گئی ہیں جہاں لوگ اپنے اپنے مردہ افراد کے مجسمے بنا کر انہی کی پرستش کرنے لگے ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک اس کے بندوں کا شر ہے۔

ان روایات کے اندراج کا یہاں اصل مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جب دنیا میں بت پرستی کی وبا عام ہوئی اور اس سے ہر طرف انتشار کی کیفیت پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام کو زمین پر اپنے بندوں کی اصلاح اور صرف اپنی پرستش کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تا کہ مخلوق خداوندی اس شر آمیز وبا سے بچ سکے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے جو متفق علیہ اللہ تعالیٰ کے زمین پر پہلے پیغمبر تھے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بت پرستی سے باز آنے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن ان کے کچھ متبعین کے علاوہ سب کے سب اسی وبا میں مبتلا رہے بلکہ ان کے متبعین کی اولاد در اولاد بھی آگے چل کر جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے اس بلا کا شکار ہو گئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق قوم نوح کے بت پرست جنہیں انہوں نے خدائے واحد کی پرستش کی ہدایت فرمائی تھی لیکن وہ اس ہدایت پر عمل پیرا ہونے کے بجائے آپ کو کاذب ٹھہراتے ہوئے اصنام پرستی پر بضد رہے تھے روز قیامت پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں گروہ در گروہ پہنچیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا اور آپ میں اپنی روح پھونکی تھی، پھر آپ کو جنت میں قیام کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری شفاعت فرما دیجیے تا کہ وہ ہمارے گناہ معاف فرما دے لیکن

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ان کے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہیں کہ وہ جنت میں رہتے ہوئے اس کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے تھے۔ اس لیے تم اپنے نبی حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔

اس کے بعد وہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی درخواست ان سے بھی کریں گے لیکن وہ فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آج اس قدر حالتِ غضب میں ہے کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا اور آج کے بعد شاید پھر کبھی نہ ہو' یہ کہہ کر وہ ان سے اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی شفاعت سے اپنی معذرت کا اظہار فرمائیں گے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث شفاعت کو جو کافی طویل ہے بخاری نے قصہ نوحؑ کے تحت بہ تمام وکمال روایت کیا ہے۔ بہرکیف حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے حتی الامکان وہ تمام ہدایات کی تھیں جو اللہ تعالیٰ کے ایک رسول کے شایان شان ہو سکتی تھیں۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے وہی تمام باتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے سامنے بیان کی تھیں اپنی قوم سے بیان کی تھیں اور جیسا کہ سورۂ انعام اور سورۂ کہف میں آیا ہے وہ اپنی قوم کو ایک ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل کرنے اور اس سلسلے میں ان سے متواتر بحث کرتے رہے تھے جس کے بعد ان کی قوم پر طوفان عظیم کی صورت میں عذاب الٰہی نازل ہوا تھا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کو مذکورہ بالا طوفانِ عظیم میں غرقابی سے بچا لیا تھا اور ان متعدد مستند روایات کے باوصف کہ ان کی کشتی کوہ جودی تک جا پہنچی تھی جو ارضِ جزیرہ کا مشہور پہاڑ ہے اور جس کے باشندوں کا ذکر ہم ''خلق الجبال'' (پہاڑی باشندے) کے ضمن میں کر چکے ہیں کچھ لوگ یہ (احمقانہ) سوال کرتے ہیں کہ جب طوفانِ نوح میں سب کچھ اور تمام مخلوق غرق ہو گئی تھی تو پھر روئے زمین پر اتنی کثرت سے انسان کہاں سے آ گئے؟ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا ارشاد کے علاوہ اس کے یہ ارشادات کہ: ① ''ہم نے اس کی ذریت کے کچھ لوگوں کو باقی رکھا تھا''۔ ② ''وہ ہمارے رحم وکرم کی وجہ سے بچ گئے تھے''۔ بھول جاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں تین افراد سام' حام اور یافث بہت مشہور ہیں اور روئے زمین پر خصوصاً حبشہ اور روم وغیرہ میں تمام اجناس انہی تینوں کے نام سے مشہور چلی آتی ہیں۔

امام احمدؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے کہ سام کی اولاد میں عرب' اہل فارس اور اہل روم ہیں' یافث کی اولاد میں ترک' سقالبہ اور یاجوج ماجوج ہوئے اور حام کی اولاد میں قبط' بربر اور سوڈان کے لوگ ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث نبویؐ کے مطابق آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ''سام کی اولاد میں قبط' بربر اور سودان کے لوگ ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث نبویؐ کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ''سام کی اولاد میں اچھے لوگ پیدا ہوئے جب کہ یافث اور حام کی اولاد میں برے لوگ ہیں''۔

حافظ ابوبکر البزار کہتے ہیں کہ ''اس حدیث نبوی کے علاوہ ایسی دوسری کوئی مستند روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔ لہٰذا ہم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نے حضرت نوح علیہ السلام کی ان اولادوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث نبوی کی بنیاد پر لکھا ہے۔ واللہ اعلم

ویسے کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے یہ تینوں بیٹے ان کے ساتھ تھے جب کہ ان کا بیٹا کنعان طوفان میں غرق ہوا اور دوسرا بیٹا عابر طوفان سے قبل فوت ہو چکا تھا اور یہی روایت صحیح ہے۔

مستند خبروں کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی سیرت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے: ﴿کان عبداً شکورا﴾ یعنی وہ شکر گزار بندہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب بھی کچھ کھاتے پیتے یا پہنتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ضرور ادا کرتے تھے اور وہ اپنی شانِ نبوت پر بھی ہمیشہ اپنے پروردگار کے شکر گزار رہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو اسامہ اور زکریا بن ابی زائدہ نے سعید بن ابی بردہ اور انس بن مالک کے حوالے سے یہ حدیث نبوی روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو کھائے تو اس کا شکر ادا کرے، پیئے تو اس کا شکر ادا کرے“۔ یہ حدیث نبوی مسلمؒ، ترمذیؒ اور نسائی نے بھی ابو اسامہ ہی کے حوالے سے روایت کی ہے۔

ظاہر ہے کہ شکر گزار وہی ہو سکتا ہے جو اپنے قول و عمل اور دل سے اپنی تمام عبادات میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا رہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

شکر فائدہ مند تب ہی ہوتا ہے کہ شکر زبان، عمل اور ضمیر سے ادا ہوتا ہے

حضرت نوح علیہ السلام کا روزہ:

باب صیام نوحؑ میں ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ ان سے سہل بن ابی سہل اور سعید بن ابی مریم نے ابن ابی لہیہ، جعفر بن ربیعہ اور ابی فراس کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”نوح (علیہ السلام) روز عید الفطر اور روز عید الاضحیٰ کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے“۔

یہی حدیث نبوی ابن ماجہؒ نے عبداللہ بن لہیہ کے ذریعہ سے انہی کی سند اور الفاظ میں روایت کی ہے۔

طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے ابو اثر تباع روح بن فرج، عمرو بن خالد حرانی اور ابن لہیہ نے ابی قتادہ اور یزید بن رباح کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے عبداللہ بن عمرو سے سنا اور عبداللہ بن عمرو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”نوح (علیہ السلام) عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ کے دن کے علاوہ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے جب کہ داؤد علیہ السلام آدھے سال کے روزے رکھا کرتے تھے اور ابراہیم (علیہ السلام) ہر مہینے میں تین دن روزے سے رہتے تھے اور ان میں تین دنوں میں بھی روزہ چھوڑ بھی دیتے تھے“۔

حضرت نوح علیہ السلام کے حج کا ذکر:

حافظ ابو یعلیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے سفیان بن وکیع اور خود ان کے والد نے زمعہ یعنی ابن ابی صالح، سلمہ بن وہرام، عکرمہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ (مدینے سے مکے) حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کے راستے میں وادی عسفان پڑی۔ جب آپ اس وادی سے گزر رہے تھے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے دریافت فرمایا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کون سی وادی ہے؟''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) یہ وادی عسفان ہے''۔

حضرت ابوبکر سے یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''جب نوح' ہود اور ابراہیم (علیہم السلام) بیت العتیق (قدیم خانہ کعبہ) کے حج کے لیے آئے تھے تو وہ اسی وادی سے گزرے تھے' ان کے اونٹ سرخ رنگ کے تھے جن کی نکیلیں کھجور کی چھال کی بنی ہوئی تھیں' ان کا اپنا لباس تہدوں' اور عباؤں پر مشتمل تھا اور ان کی عبائیں چیتے کی کھال کی طرح تھیں''۔

اس حدیث میں بڑی غرابت پائی جاتی ہے۔ (مؤلف)

حضرت نوحؑ کی اپنے بیٹے کو وصیت:

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے سلیمان بن حرب اور حماد بن زید نے صقعب بن زہیر اور زید بن اسلم کے حوالے سے بیان کیا جب کہ حماد کو جہاں تک یاد تھا انہوں نے عطاء بن یسار اور عبداللہ بن عمرو سے سنا تھا کہ ایک روز جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو وہاں ایک صحرانشین شخص یعنی بدو آیا جس نے بڑا قیمتی جبہ پہنا ہوا تھا جس میں دیبا کا کام تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے اس بدو سے فرمایا کہ آیا اس کا ساتھی وہی لباس تھا جو اہل فارس اور اہل روم بطور نمائش استعمال کرتے ہیں اور کیا اہل عرب بھی اب اہل فارس اور اہل روم کی طرح کبر و نخوت میں مبتلا ہونے لگے ہیں؟ پھر آپ نے اس کا جبہ ایک طرف سے پکڑ کر فرمایا:

''یہ لباس تم پر نہیں سجتا کیونکہ اس سے عقل میں اضافہ نہیں ہوتا''۔

اس کے بعد آپ نے جملہ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''جب اللہ کے نبی حضرت نوح (علیہ السلام) کی وفات کا وقت قریب تھا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلا کر فرمایا تھا: میں بطور وصیت تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا اور دو باتوں سے روکنا چاہتا ہوں۔ جن دو باتوں کا میں تمہیں حکم دینا چاہتا ہوں ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اور دوسری یہ کہ ہمیشہ اس کی تحمید و تمجید بیان کرتے رہنا۔ زمین اور آسمان کے سات سات طبقات ہیں اگر زمین کے ساتوں طبقات اور آسمان کے ساتوں طبقات کسی ایک جگہ جمع ہو کر مبہم شکل میں بھی کسی کے سامنے آجائیں تو وہ ان سب کو لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ وبحمدہ کہتا ہوا پائے گا کیونکہ اللہ ہی ہے جو تمام زمینوں اور آسمانوں کی مخلوقات کو رزق دیتا ہے اور انہیں شرک اور کبر سے روکتا ہے۔ لہٰذا میں بھی تمہیں ان دو باتوں سے اجتناب کی وصیت کرتا ہوں''۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس نے یا تمام حاضرین نے آپ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) کیا اچھا لباس زیب تن کرنا شرک میں داخل ہوگا؟'' آپ نے فرمایا نہیں۔

پھر دریافت کیا گیا: ''کیا اچھی سواری پر سوار ہونا شرک سمجھا جائے گا؟''۔

جب آخر میں آپ سے دریافت کیا گیا کہ آیا کسی کی مجلس میں لوگوں کا آ کر بیٹھنا اس شخص یا دوسروں کے لیے شرک سمجھا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جائے گا؟ تو آپ نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ اس لیے آپ سے دریافت کیا گیا کہ پھر کبر و شرک میں فرق کیا ہے اور شرک کیا ہے؟ اس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ ''حق کو کمتر اور لوگوں کو بڑا سمجھنا شرک ہے''۔

یہ اسناد صحیح ہیں لیکن ان سے کسی (محدث) نے استخراج نہیں کیا۔ (مؤلف)

ابوالقاسم طبرانی نے عبدالرحیم بن سلیمان کی روایت محمد ابن اسحٰق عمرو بن دینار اور عبداللہ بن عمرو کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت نوح علیہ السلام کی وصیت کے بارے میں فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو دو خصائل سے پیوستگی اور دو خصائل سے اجتناب کی وصیت کی تھی۔ اس کے بعد آپؐ نے وہ باتیں بھی بیان فرمائی تھیں جن کا ذکر حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے سطور بالا میں آ چکا ہے۔

یہی حدیث ابوبکر بزار سے بھی ابراہیم بن سعید، ابی معاویہ الضریر، محمد ابن اسحٰق، عمرو بن دینار، عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے حوالے سے اسی طرح مروی ہے جیسا اسے طبرانی نے روایت کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کے آخری حوالے میں بھی عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی جگہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ہوگا جیسا کہ طبرانی کی روایت کے آخری حوالے میں بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

اہل کتاب کا گمان یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر شریف چھ سو سال تھی لیکن اہل کتاب کا یہ گمان یا خیال محل نظر ہے کیونکہ اگر قرآنی بیانات سے اہل کتاب کے اس قیاس کا مقابلہ کیا جائے تو اہل کتاب کا یہ قیاس صریحاً غلط ٹھہرے گا۔ قرآن کا پہلا بیان یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر بعثت سے قبل اور طوفان تک کا زمانہ ملا کر نو سو پچاس سال ہو چکی تھی۔ طوفان کے بعد وہ کتنے سال اور زندہ رہے یہ خدا بہتر جانتا ہے۔ قرآن کا دوسرا بیان جسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے استخراجاً پیش کیا ہے اور اب تک محفوظ ہے یہ ہے کہ وقت بعثت حضرت نوح علیہ السلام کی عمر چار سو اسی سال تھی اور طوفان کے بعد وہ تین سو پچاس سال اور زندہ رہے تو اس حساب سے ان کی پوری عمر ایک ہزار سات سو اسی سال قرار پاتی ہے۔

جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کی قبر کے محل وقوع کا سوال ہے تو جیسا کہ ابن جریر اور ازرقی نے عبدالرحمٰن بن سابط یا کسی دوسرے تابعی کے حوالے سے مرسلاً بیان کیا ہے ان کی قبر مسجد حرام میں ہے۔ یہ بیان قوی ہے اور یقیناً صحیح بھی ہے کیونکہ اکثر متاخرین نے حضرت نوح علیہ السلام کا قیام علاقہ بقاع کے کسی شہر میں بتایا ہے جسے آج کل کرک نوح علیہ السلام کہا جاتا ہے جہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مسجد کرک نوح علیہ السلام کی نسبت سے تعمیر کی گئی ہوگی۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باب ۹

قصہ ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام کا پورا نام ہود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح تھا۔ انہیں ہود کے علاوہ عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بھی کہا جاتا تھا جب کہ کچھ لوگ انہیں ہود بن عبداللہ بن رباح بن جارود بن عاد بن عوض بن ارم' ابن سام بن نوح (علیہ السلام) بھی کہتے تھے اور کچھ دوسرے لوگ انہیں یکے بعد دیگرے وقتاً فوقتاً پہلے دونوں ناموں سے پکارتے تھے۔

ابن جبیر نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا قبیلہ عاد بن عوص بن سام بن نوح کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ عرب تھے اور ان کی سکونت یمن کے پہاڑی علاقے رمل میں تھی جو عمان و حضر موت کے سمندری ساحل پر واقع تھا جسے شحر کہا جاتا تھا اور ان کی وادی کا نام مغیث تھا۔

حضرت ہود علیہ السلام کے قبیلے والے خس سے تیار کردہ خیموں میں رہتے تھے لیکن ان کی بناوٹ اتنی عمدہ ہوتی تھی کہ خود اللہ تعالیٰ نے قوم عاد پر عذاب الٰہی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اس کے خیموں کی خوب صورتی اور عمدگی کی طرف بھی اشارہ کیا جو عذاب خداوندی کے بعد یکسر تباہ و برباد ہو گئے تھے ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ یہی عاد اوّل کی وہ قوم تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس جیسی قوم پھر دنیا کے کسی علاقے میں نہیں پیدا کی گئی ﴿اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ﴾ اس آیت قرآنی میں عاد ارم سے ظاہر ہے کہ عاد اولیٰ کی قوم مراد ہے۔ کچھ لوگ اس آیہ قرآنی میں عاد ارم یعنی قوم عاد پر زور سمجھتے ہیں جب کہ کچھ دوسرے لوگ ذات العماد یعنی ان کے خیموں کی عمدگی اور خوبصورتی کی طرف اشارہ بتاتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس آیہ قرآنی میں قوم عاد ہی پر زور دیا گیا ہے جو اپنے رہن سہن کے لحاظ اس قدیم ترین زمانے میں بھی عروج پر تھی لیکن اپنے کبر و غرور اور کفر و الحاد کی بناء پر اسے عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑا جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے کیا ہے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ارم ایک شہر تھا جو سطح ارضی پر دائرے کی شکل میں تھا اور جس کا ایک حصہ یمن' ایک حصہ شام اور ایک حصہ حجاز میں تھا وہ بعید از قیاس ہے اس قیاس کا کوئی ثبوت اب تک سامنے آیا ہے نہ کوئی دلیل حتیٰ کہ کوئی ایسی روایت بھی مورخین کی نظر سے اب تک نہیں گزری جو اس قیاس کی بنیاد ٹھہرتی ہو۔

ابن حبان کی کتاب ''صحیح'' میں ابوذر کی طویل روایت میں جس میں انبیاء و مرسلین کا ذکر کیا گیا ہے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان چاروں انبیاء یعنی ہودؑ' صالحؑ' شعیبؑ اور ایک صاحب صحیفہ نبی یا اباذر کا تعلق عرب کی سرزمین سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام پہلے شخص تھے جو عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے جب کہ وہب ابن منبہ نے بتایا ہے کہ عربی زبان میں پہلی بار گفتگو کرنے کا سہرا حضرت ہود علیہ السلام کے والد کے سر تھا۔ کچھ لوگوں نے یہ بات حضرت نوحؑ کی بابت کہی ہے اور کچھ دوسروں نے یہی بات

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں بتائی ہے لیکن یہ دونوں باتیں بڑی مشتبہ ہیں' کچھ لوگوں نے اس سلسلے میں اور بہت کچھ کہا ہے۔

جہاں تک عرب مستعربہ کا تعلق ہے تو اس کا اطلاق حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد پر ہوتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے شخص تھے جو فصیح و بلیغ عربی میں گفتگو فرماتے تھے۔ تاہم حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین حرم پر ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو جن انعامات سے سرفراز فرمایا ان میں عربی زبان بھی شامل تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی عربی زبان میں حد درجہ فصاحت کے ساتھ مخاطب فرمایا تھا جس کا ذکر ہم حسب موقع ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔

ویسے یہاں اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں رسول اللہ ﷺ کی فصیح البیانی بھی خداداد تھی۔

بہرکیف اس باب میں ہمیں یہ بیان کرنا ہے کہ عاد کی قوم اور عاد کے زمانے سے طوفان کے بعد عرب میں بت پرستی شروع ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں انہی کے ایک بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو بہ حیثیت نبی مبعوث فرمایا تاکہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو خدائے واحد کی پرستش کی ہدایت فرمائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں بیان فرمایا ہے اور قوم نوح علیہ السلام کے بعد سورۂ "قد افلح المومنون" میں بھی قوم عاد کا ذکر فرماتے ہوئے بتایا ہے کہ حضرت ہودؑ نے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن وہ پھر بھی بت پرستی کی عادت قبیحہ میں مبتلا رہے اللہ تعالیٰ نے سورۂ حم سجدہ میں بھی قوم عاد کی شدت سے اصنام پرستی کے علاوہ ان کے انتہائی کبر و نخوت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی سورہ الحاقہ میں ارشاد فرمایا کہ قوم عاد پر ہوائے تند کی طوفانی شکل میں عذاب الٰہی کس طرح نازل ہوا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود اور فرعون پر عذاب الٰہی کے نزول کی طرف اشارے فرمائے ہیں جن کا ذکر ہم نے بحمد اللہ اپنی کتاب تفسیر میں جگہ جگہ حسبِ موقع تفصیلاً کیا ہے۔

عاد اور اس کی قوم کی پہلی شان و شوکت اور صرصر کے ذریعہ ان کی تباہی و بربادی کے بارے میں مذکورہ بالا قصے سے ملتا جلتا ایک قصہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں زید بن حباب' ابو منذر سلام بن سلیمان نحوی اور عاصم بن ابی النجود کی زبانی اور ابی وائل اور حارث یعنی ابن حسان کے حوالے سے جو ابن یزید البکری بھی کہلاتا تھا بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آخر الذکر ایک روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے ربذہ سے گزر رہا تھا کہ اسے بنی تمیم کی ایک بہت ہی بوڑھی عورت ملی۔ اس نے اس ضعیفہ کی منزل مقصود دریافت کی تو اس نے آگے کی طرف اشارہ کر دیا۔ چونکہ وہ ضعیفہ بہت کمزور تھی اور چلنے میں دشواری محسوس کر رہی تھی اس لیے اس نے اسے اپنی پیٹھ پر اٹھا لیا۔ کافی دور چلنے کے بعد ایک مسجد نظر آئی جہاں اس ضعیفہ کے کہنے پر اس نے اسے اپنی پشت سے اتار دیا۔ بوڑھی نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے مدینے جا رہا ہے اور اس سے پوچھا کہ اگر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہو تو اسے بتا دے وہ آپ کی خدمت میں اس کی طرف سے اسے پیش کر دے گا۔ بوڑھی نے جواب دیا کہ اس نے اپنی قوم کے بزرگوں کی زبانی قوم عاد کے بارے میں وہ قصہ سنا ہے جو اس کی قوم کے بڑے بوڑھے یکے بعد دیگرے انہیں سناتے آئے تھے۔ پھر وہ بولی کہ میں وہ قصہ آپ کو سنانا چاہتی تھی لیکن میں اتنی دور خود چلنے سے قاصر ہوں اور تمہیں بھی تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ اس لیے تم میرے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حوالے سے آپ کو وہ قصہ سنا دینا۔ اس نے اس کا اقرار کیا تو اس ضعیفہ نے قوم عاد کا قصہ جو اس کے بزرگ اپنے قبیلے کے بزرگوں سے سنتے چلے آرہے تھے اور اس نے بھی سنا تھا اسے سنایا۔ چنانچہ اس نے حسب وعدہ قوم عاد کے بارے میں تمام قصہ جو اس قوم کی پہلی شان وشوکت اور آخر میں ان کی تباہی کا قصہ آپ کی خدمت میں عرض کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ راوی اس ضعیفہ کو آپ کی خدمت میں لایا تھا اور اسی نے آپ کو قوم عاد کا قصہ اپنی زبان سے سنایا تھا۔ اس نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا قوم عاد کی تباہی کے بعد ان کی عمارات کے کھنڈرات کی زمین بوس دیواروں کی دراڑوں سے بے شمار خزانے بھی نکلے تھے۔ اس بوڑھی عورت نے آپ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ وہی خزائن قبل اسلام بنوتمیم اور بنو عاص کی باہمی مخاصمت کا سبب بنے تھے۔ اس روایت کے بارے میں راویوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ویسے بھی یہ روایت غریب اور محل نظر ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کے حج کے بارے میں جو قصہ بیان کیا جاتا ہے اسے ہم پہلے ہی حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ حج کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضرت ہود علیہ السلام کی قبر کا یمن میں پایا جانا ثابت ہوتا ہے لیکن بعض متاخرین نے اس کا محل وقوع دمشق میں بتایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دمشق کی جامع مسجد کے احاطے میں سمت قبلہ جو قبر پائی جاتی ہے وہ حضرت ہود علیہ السلام کی ہے۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قوم ثمود کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ

ثمود وہی قبیلہ ہے جو اپنے جد ثمود اور اپنے بھائی جدلیس کے نام سے مشہور ہے اس قبیلے کا جد اور اس کا بھائی جدلیس دونوں عابر بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ یہ قبیلہ عرب العاریہ میں شامل اور عرب ہی کا مشہور قبیلہ تھا جو وادی حجر میں سکونت رکھتا تھا یہ وادی تبوک اور حجاز کے درمیان واقع ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی حجر سے مسلمانوں کے ساتھ تبوک جاتے ہوئے گزرے تھے۔ اسی زمانے میں غزوۂ تبوک وقوع پذیر ہوا تھا۔ ہم اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے چل کر حسبِ موقع جلد کریں گے۔

قوم ثمود بت پرست تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا ایک شخص صالح بن عبد بن ماسح بن عبید[1] بن حاجر ابن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اس قوم کی ہدایت و اصلاح کے لیے بحیثیت نبی مبعوث فرمایا جس نے انہیں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی۔ اور اصنام پرستی سے روکنے کی کوشش کی مگر اس کی قوم کے کچھ لوگ تو اس پر اور اس کے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے۔ البتہ ان میں سے اکثر لوگ کفر پر قائم رہے بلکہ اپنے قول و فعل سے حد درجہ ان کی مخالفت کرنے لگے بلکہ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی کوشش کرنے لگے بلکہ اس اونٹنی کو مار ڈالا جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اتمام حجت کے لیے دلیل حق بنا کر ان پر اتاری تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں گھیرا اور ان پر وہ عذاب نازل کیا جس کا ذکر اس نے سورۂ اعراف میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا ذکر سورہ ہود' سورۂ حجر' سورۂ سبحان (سبحان الذی) سورۂ شعراء' سورۂ نمل میں بھی فرمایا ہے اور وہ تمام ہدایات بھی ارشاد فرمائی ہیں جو اس نے اپنے بندے اور نبی حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعہ ان کو پہنچائیں لیکن جب وہ بت پرستی اور احکام الٰہی سے روگردانی سے باز نہ آئے تو ان پر بطور سزا عذابِ عظیم نازل فرمایا لیکن ان لوگوں کو محفوظ رکھا جو اس پر اور اس کے بندے اور نبی حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا کر خدائے بزرگ و برتر و واحد کی طرف مائل ہو گئے تھے

﴿ وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ (سورۂ حم سجدہ)

اللہ تعالیٰ نے اس قوم اور اس پر عذاب الٰہی کا ذکر سورہ براۃ' سورۂ ابراہیم' سورہ فرقان' سورۂ (ق)' سورۂ نجم و الفجر میں بھی فرمایا ہے۔ ان تمام قرآنی سورتوں میں اگرچہ انبیائے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے ذریعہ ان کی قوم پر توریت و زبور میں جو ہدایات بھیجی گئی تھیں اور اسے خدائے واحد پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ بطور خاص انہی کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی قوم ثمود کی نافرمانی و سرکشی کا ذکر اس کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ہم نے ان قرآنی آیات کی تفصیلی تفسیر بحمد اللہ اپنی کتاب تفسیر میں

---

[1] ایک نسخے میں عبید بن ماشخ لکھا ہے جو در اصل صالح بن عبید بن ماسح بن آصف الخ تھا۔ (محمود الامام)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کی ہے۔ یہاں ہم نے عنوانِ بالا کے تحت قوم عاد کے بعد قوم ثمود کا ذکر اس پر عذاب الٰہی کا اور حضرت صالح علیہ السلام کو محفوظ رکھنے نیز ان کے متبعین کو اس عذاب سے بچا لینے کا ذکر کیا ہے۔ قوم ثمود پر عذابِ الٰہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

﴿وَ آتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا﴾

مذکورہ بالا ناقہ کے قتل کا مرتکب اگرچہ قوم ثمود کا رئیس قدار بن سلف بن جندع ہوا تھا لیکن اس کی سزا اس کی ساری قوم نے جو کفر و سرکشی میں اس سے کم نہ تھی بھگتی۔ قدار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک زانیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا لیکن چونکہ اس نے سالف کے بستر پر جنم پایا تھا' اس لیے اسے قدار بن سالف بن جندع کہا جاتا تھا ویسے' جیسا کہ کہا جاتا ہے' اس کے باپ کا نام صبیان تھا۔ قوم ثمود کے رئیس قدار کی رنگت سرخ بتائی گئی ہے لیکن یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے جسم اور چہرے پر گہرے نیلے دھبے تھے۔

امام احمدؒ نے عبداللہ بن نمیر اور ہاشم یعنی ابوعزرہ کی زبانی اور ہاشم کے والد عبداللہ بن زمعہ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کے ایک خطبے کا ذکر کیا ہے جس میں آپ ؐ نے حضرت صالح' ان کی قوم ثمود اور اس پر وجود باری تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کی دلیل ثابتہ کے طور پر نزولِ ناقہ کا ذکر فرما کر اس کی سرکشی اور ناقہ صالح علیہ السلام پر ظلم اور اس کے قتل کا تذکرہ بھی فرمایا تھا نیز اس قدم پر بالآخر عذاب الٰہی کا قصہ بیان فرمایا تھا اور آیہ قرآنی ﴿أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِثَمُودَ﴾ بھی تلاوت فرمائی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوم ثمود اپنے جداعلیٰ کے بعد لعنت کفر میں مبتلا ہوئی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی ایک خطبہ غزوۂ بدر کے بعد تیسری شب کو مدینے واپس ہوتے ہوئے اہل قلیب کے سامنے اس وقت فرمایا جب آپ سواری پر سوار ہو کر اپنے ہمراہیوں کو وہاں سے کوچ کا حکم دے چکے تھے۔ آپ ؐ نے اہل قلیب سے فرمایا تھا:

''تم نے اپنا ہوتے ہوئے اپنے نبی کو یعنی مجھے ہزار ہا تکلیفیں پہنچائیں جب کہ غیروں (اہل مدینہ) نے میرا ساتھ دیا' تم نے میرے قتل کی سازش کی جب کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے غیروں نے مجھے بچانے کی کوشش کی' میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے احکام پہنچائے لیکن تم لوگوں نے میری ایک نہ سنی بلکہ ہمیشہ میری مخالفت اور دشمنی پر کمربستہ رہے اور اب آخر میں مجھے اور میرے ساتھیوں کو کمزور سمجھ کر ہم پر چڑھ دوڑے لیکن تم نے اس کا انجام دیکھ لیا کہ میرے رب نے اپنے فضل و کرم سے تمہاری کثرت تعداد کے باوجود ہماری قلیل تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود ہمیں تم پر غالب کیا۔ لیکن کیا یہ میرے رب کی حقانیت اور میری تمہارے نبی کی حیثیت سے صداقت کا ثبوت نہیں ہے؟'' (خطبہ نبوی کا تشریحی ترجمہ)

آنحضرت ﷺ کے اس خطبے کے خاتمے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ؐ سے عرض کیا کہ ''حضور! آپ ان لوگوں کو قوم نوح اور اقوام عاد و ثمود کے انجام سے بھی آگاہ فرما دیتے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر آپ ؐ نے فرمایا: اس کے بارے میں تو میں انہیں آیات قرآنی کے حوالے سے بار بار آگاہ کر چکا ہوں لیکن یہ اپنی حرکات سے کہیں باز آنے والے تھے۔ تاہم یہ بھی اپنا انجام کچھ دیکھ چکے ہیں اور کچھ آگے چل کر دیکھ لیں گے۔ الا ماشاء اللہ''۔ (مفہومی و وضاحتی ترجمہ)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے وکیع اور زمعہ بن صالح نے سلمہ بن وھرام اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آنحضرت ﷺ حج کے لیے مدینے سے مکہ جاتے ہوئے وادی عسفان سے گزرے تو آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: ''اے ابا بکر! یہ کونسی وادی ہے''۔ تو انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) یہ وادی عسفان ہے''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: ''ہود اور صالح علیہ السلام بھی حج کے لیے جاتے ہوئے اسی وادی سے گزرے تھے۔ الخ''۔

حدیث نبوی کی یہ روایت ہم قصہ نوح علیہ السلام کے ضمن میں طبرانی کے حوالے سے بھی بہ تفصیل بیان کر چکے ہیں۔

غزوۂ تبوک کے سال آنحضرت ﷺ کا وادیٔ حجر سے گزر:

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالصمد اور صخر بن جویریہ نے نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب غزوۂ تبوک کے سال رسول کریم ﷺ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ارض ثمود کی قریبی وادی حجر سے گزرے تو آپؐ کے ہمراہیوں نے وہاں خیمے نصب کر کے اس چشمے سے پانی پیا جس سے قوم ثمود کے لوگ پانی پیا کرتے تھے اور اپنی سواری کے اونٹوں کو چارہ ڈالا تو آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ اپنے اپنے چولہے کی لکڑیاں جلا کر بھسم کر دو اور اپنے اونٹوں کا باقی ماندہ چارہ بھی جلا ڈالو' پھر آپؐ نے انہیں وہاں سے (جلد) کوچ کا حکم دیا۔ اس کے بعد جب آپ اس کنویں پر پہنچے جہاں (حضرت صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پانی پیا کرتی تھی تو آپؐ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس زمین میں داخل نہ ہوں جس پر عذاب الٰہی نازل ہو چکا ہے مبادا کہیں انہیں بھی کسی ایسے ہی عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔ البتہ وہ اسے دیکھ کر عذاب الٰہی سے خوف کا سبق حاصل کرنا چاہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

امام احمدؒ نے ایسی ہی ایک روایت عفان' عبدالعزیز بن مسلم اور عبداللہ بن دینار کی زبانی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کے سال سرزمین ثمود کی قریبی وادی حجر سے گزرتے ہوئے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا تھا کہ وہ اس سرزمین میں داخل نہ ہوں جہاں قوم ثمود عذاب الٰہی سے دوچار ہو چکی ہے بلکہ اسے دور سے دیکھ کر عذاب الٰہی سے خوف کا سبق حاصل کریں۔

مذکورہ بالا روایات کے علاوہ قوم ثمود کے بارے میں کچھ ایسی روایات بھی سننے میں آئی ہیں جن پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ مستند نہیں ہیں۔ لہٰذا ایسی روایات پر اعتبار نہ کرنا بہتر ہے۔ البتہ یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ متعلق آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے متضاد تو نہیں اور اگر ہوں تو انہیں مسترد کر دیا جائے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باب ١٠

قصہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا پورا نام اہل کتاب کی کتابوں میں اندراج کے مطابق ابراہیم بن تارخ ''٢٥٠'' بن ناخور ''١٤٨'' بن ساروغ ''٢٣٠'' بن راعو ''٢٣٩'' ابن فالغ ''٤٣٩'' بن عابر ''٤٦٤'' بن شالح ''٤٣٣'' بن ارفخشد ''٤٣٨'' بن سام ''٦٠٠'' ابن نوح علیہ السلام تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے آباؤ اجداد کے یہ نام جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اہل کتاب کی کتابوں سے لیے گئے ہیں نیز خود میں نے ان کے ناموں کے نیچے ہندی اعداد جو یہاں درج کیے گئے ہیں دیکھے ہیں اور یقیناً انہی کی مدد سے اہل کتاب کی کتابوں میں یہ نام درج کیے گئے ہیں۔[1] چونکہ ہم قصہ نوح کے تحت اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں اس لیے یہاں اس مختصر بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب تاریخ میں اسحٰق بن بشر الکاہلی صاحب ''المبتدا'' کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام ''اُمیلہ'' بتایا ہے جس کے بعد آپ کی ولادت کے ضمن میں جو طویل گفتگو کی ہے اس میں بھی بار بار یہی نام لکھا ہے لیکن کلبی نے آپ کی والدہ کا نام بونا بنت کربنا بن کرثی لکھا ہے اور انہیں بنی ارفخشد بن سام بن نوحؑ کے خاندان سے بتایا ہے۔

ابن عساکر نے مذکورہ بالا حوالے کے علاوہ عکرمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم ممکن ہے ''اباضیفان'' ہوں اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب تارخ کی عمر پانچ سو ستر سال تھی تو ان کے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور ناحور و ہاران بھی تارخ ہی کے بیٹے تھے جب کہ ان لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے' اسی روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان بھائیوں میں تارخ کے ''فرزند اوسط'' یعنی درمیان کے بھائی کہلاتے تھے۔ اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہاران اپنے والد کی زندگی اور اپنی جائے ولادت یعنی کلدانیوں کی سرزمین میں جو بابل کے نام سے مشہور ہے وفات پا گئے تھے۔ ابن عساکر کا وہ بیان اہل سیر و تواریخ کے نزدیک درست سمجھا گیا ہے جو انہوں نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت کے بارے میں پیش کیا تھا یعنی انہوں نے جیسا کہ ابن عساکر نے پہلے ہشام ابن عمار کی طرح ولید' سعید ابن عبدالعزیز' مکحول اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا تھا بقوطہ دمشق کے ایک قریہ میں جسے برزہ کہا جاتا تھا اور جو اس

---

[1] ہمارا ان ناموں کے متعلق یہ بیان تورات سے ماخوذ ہے لیکن خود تورات میں بھی اکثر جگہوں پر ان ناموں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ان میں کہیں کہیں تارخ کی جگہ تارح' ساروغ کی سروج' فالغ کی جگہ فالج' ارفخشد کی جگہ ارفکشاد' راعو کی جگہ رعو لکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے ان کے ناموں کے ساتھ ان کے ناموں سے منسوب عمارات یا ان کے ناموں کے نیچے درج ہندی اعداد بھی درج کر دیے ہیں۔ (مؤلف)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پہاڑی علاقے میں واقع تھا جسے اس زمانے کے لوگ قاسیون کہتے تھے ولادت پائی تھی لیکن ابن عساکر نے اپنے اس پہلے بیان کی بعد میں تصحیح کر کے ان کی جائے ولادت بابل ہی بتائی ہے۔ بابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسم گرامی سے اس لیے بھی منسوب ہے کہ جب آپ لوط علیہ السلام کی مدد کے لیے وہاں آئے تھے تو وہیں نماز بھی پڑھی تھی۔

جیسا کہ مورخین نے بیان کیا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ سے شادی کی تھی۔ کہتے ہیں کہ سارہ بانجھ تھیں اور ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ تارخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ اپنی بہو سارہ اپنے بھائی کی بیوی ملکا اور اپنے بھائی کے بیٹے لوط بن ہاران کو بھی بہت چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ ان تینوں کو لے کر اور کلدانیوں کی سرزمین کو جو بابل کہلاتی تھی چھوڑ کر کنعانیوں کی سرزمین کی طرف چلے گئے تھے۔ مزید بتایا گیا ہے کہ جب یہ لوگ حران پہنچے تو تارخ جن کی عمر اس وقت دو سو پچاس سال تھی وہاں وفات پا گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حران میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی جائے ولادت کلدانیوں کی سرزمین یعنی بابل ہی تھی۔

بہرکیف باقی لوگ حران سے کنعانیوں کے علاقے قاصدین چلے گئے تھے جہاں بیت المقدس واقع ہے۔ جب یہ لوگ حران میں مقیم تھے اس وقت وہ علاقہ سرزمین کشدانیاں کہلاتا تھا جس میں جزیرہ اور شام بھی شامل تھے۔ حران کے لوگ کواکب سبعہ (سات ستاروں) کا علم رکھتے تھے۔

انہی لوگوں نے شہر دمشق کی بنیاد ڈال کر اسے تعمیر کیا تھا۔ ان کا مذہب یہ تھا کہ وہ قطب شمالی کا احترام اور سات ستاروں کی جن کا انہیں علم تھا پرستش کرتے تھے اور ان کے نام اقوال و اعمال انہی سات ستاروں کی پرستش کے تحت یا زیر اثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دمشق کے سات دروازوں پر جو سات ہیکلیں یا عبادت خانے تھے وہ الگ الگ انہی سات ستاروں کے نام سے منسوب تھے جہاں ان کی تماثیل رکھی گئی تھیں اور بار بار ناقوس بجائے جاتے تھے۔

یاد رہے کہ اس زمانے میں تمام روئے زمین پر کفر کا دور دورہ تھا اور اصنام پرستی رائج تھی الا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام' ان کی بیوی سارہ اور ان کے بھائی کے بیٹے حضرت لوط علیہ السلام اس مرض کفر و ضلالت سے بچے ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام وہی تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین یعنی اسلام کی اشاعت کا آغاز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انہی کو صغر سنی میں رشد و ہدایت اور پھر بعثت نبوت سے سرفراز فرمایا اور آخرکار ان کے عالم پیری میں انہیں اپنا خلیل ٹھہرایا ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ﴾ آیہ قرآنی۔ یعنی وہ اس کے اہل تھے کہ وہ روئے زمین پر خدائے واحد کی پرستش کا آغاز کریں اور اہل عالم کو اس راہ پر ڈالیں۔

اس کے بعد قصہ ابراہیم علیہ السلام کے تحت قرآن شریف کی سورۂ ابراہیم میں ان کے بت پرستوں کے معبد میں جانے اور بتوں کے مختلف اعضاء کی قطع و برید اور اس کے بارے میں ان کا یہ بیان کہ بڑے بت نے دوسرے بتوں کے اعضاء کی شکست و ریخت کر دی ہوگی۔ اس کے بارے میں ان کے اور ان کے والد کے درمیان بحث و تکرار' ان کے والد کا یہ کہنا کہ بت نہ حرکت کر سکتے ہیں۔ نہ ان میں گفتگو کی طاقت ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے یہ کہنا کہ پھر وہ ایسے پتھروں سے تراشیدہ بتوں کی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پرستش کیوں کرتے ہیں اور انہیں خدائے قدوس و واحد اور قادر مطلق کی پرستش پر مائل کرنا اور یہی بحث و تکرار بابل کے حکمران نمرود کے اہلکاران اور حضرت ابراہیم کے درمیان ہونا اور آخر کار نمرود سے بھی ان کی بحث اور اس کا انہیں آگ کے انبار میں پھنکوانا اور وہاں سے بحکم خداوندی ﴿یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ﴾ ان کا صحیح سلامت نکل آنا اور اس سے قبل صغر سنی ہی میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں رشد و ہدایت کی دولت میسر آنا یعنی قرآنی الفاظ میں پہلے ان کا ستاروں کو دیکھ کر انہیں اپنا رب سمجھنا اور پھر یکے بعد دیگرے چاند اور سورج کو اپنا رب سمجھنا لیکن پھر ان کا یہ کہہ کر کہ وہ غروب ہونے والی چیزوں کی عبادت نہیں کر سکتے اور آخر میں نہ صرف خود خدائے واحد کی پرستش کرنے لگنا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرنا بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاریؒ سے اسماعیل ابن عبداللہ اور ان کے بھائی عبدالحمید کی زبانی ابن ابی ذئب' سعید المقبری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے یہ حدیث نبوی مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ (روز قیامت ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر کے چہرے پر خجالت کے آثار ہوں گے اور وہ اپنے بیٹے ابراہیمؑ سے کہے گا کہ وہ اپنے پچھلے اعمال پر شرمندہ ہے اور اب ہمیشہ ان کی ہدایت پر عمل کرے گا۔ اپنے باپ کی اپنے پچھلے گناہوں پر خجالت دیکھ کر اور اس کی زبان سے آئندہ راہ ہدایت پر چلنے کا وعدہ سن کر ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ "یا اللہ تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو مجھے روز قیامت رنجیدہ نہیں کرے گا لہٰذا آج میں تجھ سے اپنے باپ کی مغفرت کا طالب ہوں اور میری تجھ سے آج پہلی اور آخری گزارش ہے"۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ "میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے"۔ یہ فرما کر اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ سے فرمائیں گے کہ ابراہیمؑ اپنے ٹخنوں کے نیچے دیکھو۔ جب ابراہیمؑ نیچے دیکھیں گے تو انہیں وہاں آگ بھڑکتی اور اس سے شعلے اٹھتے نظر آئیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ تمام کافروں کا یہی مقام ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے"۔

بخاریؒ نے قصہ ابراہیم کے تحت یہ حدیث نبوی منفرداً روایت کی ہے۔ البتہ انہوں نے اس کی تفسیر میں ابراہیم بن طہمان وغیرہ کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ قرآن میں سورہ الانبیاء' سورۂ شعراء اور سورۂ الصافات وغیرہ کی قرآنی آیات میں بھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں قصہ ابراہیم کے ضمن میں بہت سے واقعات کا ذکر آیا ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن موسیٰ نے یا ابن سلام نے عبداللہ بن موسیٰ سے سن کر اور ابن جریج نے عبدالحمید بن جبیر' سعید بن مسیب اور ام شریک کے حوالے سے یہ حدیث نبوی بیان کی کہ آپؐ نے گرگٹ کے مارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ اس نے اپنی پھونکوں سے اس آگ کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔

مسلم نے یہ روایت ابن جریج کے حوالے سے بیان کی ہے اور نسائی اور ابن ماجہ نے اس کا استخراج سفیان بن عیینہ کی روایت سے کرتے ہوئے دونوں نے عبدالحمید بن جبیر بن شیبہ کا حوالہ دیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان ملاحدہ سے جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے منکر تھے

خصوصاً نمرود سے جسے خدائی کا دعویٰ تھا مناظرہ

قرآن پاک میں کلام الٰہی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل کے حکمران نمرود کے حامیوں سے جنہیں نمرود کی خدائی کا اقرار تھا اور اللہ کے خالق کون ومکاں اور قادر مطلق ہونے اور اس کی ربوبیت سے انکار تھا اللہ کی عظمت و ربوبیت کے بارے میں مناظرہ کیا۔ ان میں خود نمرود بھی شامل تھا جسے خدائی کا دعویٰ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شان قدرت اور اس کی ربوبیت کی عظمت بیان کرتے ہوئے نمرود سے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے بادشاہت بخشی ہے لہٰذا اسے خدا پر ایمان لانا اور اس کا شکر گزار ہونا چاہیے نہ یہ کہ وہ خود خدائی کا دعویٰ کرے' آپ نے نمرود سے یہ بھی فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں کو جلاتا اور مارتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی زبان سے یہ سن کر نمرود بولا کہ ''یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں''۔ یہ کہہ کر اس نے ایک شخص کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ شخص نمرود کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ''بتاؤ میں اس شخص کو قتل کر سکتا ہوں یا نہیں؟ تم کہو گے کہ میں اسے قتل کر سکتا ہوں لیکن میں اس کی جاں بخشی کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اس شخص کی موت اور زندگی میرے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایک ہی شخص نہیں بلکہ میں روئے زمین کے ہر شخص کو مار سکتا ہوں۔ اگر میں اسی طرح سب کو مارنے یا زندہ رکھنے پر قدرت رکھتا ہوں تو بتاؤ میں تمہارے بقول جلانے اور مارنے والا یعنی خدا ہوا یا نہیں؟''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی اس گفتگو کے جواب میں فرمایا:

''جس شخص کی بھی تو مارنے پر قدرت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اگر تو اسے مار دے تو وہ اس شخص کی طبعی موت نہ ہو گی جس کا اختیار قادر مطلق خدا ہی کو حاصل ہے' اس کے علاوہ تو جو کسی کو مارنے کے بجائے اس کی جاں بخشی کر کے اسے جلانے کا دعویٰ کرتا ہے یعنی اپنے آپ کو خالق ٹھہراتا ہے تو تو ایک مکھی ہی پیدا کر کے دکھا دے اور یہ بھی دیکھ کر سورج خدا کے حکم سے مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے' اگر تجھے خدائی کا دعویٰ ہے تو سورج کو مغرب سے نکال کر دکھا دے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مدلل گفتگو سن کر نہ صرف نمرود کے حمایتی بلکہ وہ خود بھی حیران رہ گیا لیکن پھر بھی کفر و ضلالت سے باز نہ آیا۔

اسی لیے اللہ نے قصہ ابراہیم علیہ السلام بیان فرماتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ظالم قوم کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔

مفسرین اور مؤرخین کے بیانات اور علماءِ علم الانساب کی روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بابل کے حکمران کا نام نمرود تھا اور اس کا شجرۂ نسب حسبِ ذیل بتایا گیا ہے:

''نمرود ابن کنعان بن کوش بن نوح''۔

نمرود کا یہ شجرۂ نسب مجاہد کا بیان کردہ ہے جب کہ کچھ دوسرے اس کا شجرۂ نسب یہ بتاتے ہیں:

''نمرود بن فالح بن صالح بن ارفخشد ابن سام بن نوح''۔

مجاہد نے نمرود کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ دنیا کے بادشاہوں میں اپنے زمانے کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں دو مومنوں اور دو کافروں کا ذکر کیا گیا ہے اور مومنوں کے نام ذوالقرنین اور سلیمان جب کہ کافروں کے نام نمرود اور بخت نصر بتائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس نے اپنے ملک پر چار سو سال حکومت کی' وہ بڑا جابر و ظالم بادشاہ تھا۔ اور اس نے دنیا میں اپنی ان ظالمانہ عادات کے کافی آثار چھوڑے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے حق پرستی کی دعوت دی تو اپنی راہ پر قائم رہا اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک خدائی کا دعویٰ کرتا رہا۔ حضرت ابراہیم نے جب اس سے فرمایا تھا کہ موت و زندگی کا اختیار صرف خدائے واحد کے قبضہ قدرت میں ہے تو اس نے جواب دیا تھا: ''جلانا اور مارنا تو میرے ہاتھ میں بھی ہے''۔

ابویعلیٰ کہتے ہیں کہ ان سے ابو ہشام الرفاعی اور اسحٰق بن سلیمان نے ابی جعفر الرازی عاصم بن ابی النجود ابی صالح اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کو آگ میں پھینکا گیا تو اس وقت ان کی زبان پر یہ تھا کہ ''یا اللہ تو آسمان پر واحد ہے اور تیری عبادت کرنے والا زمین پر صرف میں واحد ہوں''۔

اسلاف صالحین میں سے بعض نے بتایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو جبرئیل علیہ السلام نے انہیں اپنے ہاتھوں پر اوپر اٹھا لیا اور ان سے دریافت کیا: ''اگر آپ کو میری کچھ اور ضرورت ہو تو فرمایئے؟'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''مجھے آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے فرشتے کو حکم دیا تھا کہ وہ آگ کے اس انبار پر پانی برساتا رہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ چنانچہ وہاں صرف ایک دائرے کی شکل میں تماشائیوں کی نظروں کے سامنے آگ کے شعلے اٹھتے رہے لیکن اس کے درمیانی حصے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک گلزار کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس کے علاوہ اس حصے پر سائے کے فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سایہ ابر کیے رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود بعد میں فرمایا کہ انہیں وہاں ایسا آرام و سکون ملا تھا کہ اس جگہ ساری ساری عمر ہی خوشی سے رہ سکتے تھے کیونکہ فرشتوں نے جیسا کہ انہیں حکم دیا گیا تھا اس کی فوری تعمیل کر دی تھی اور منشائے الٰہی بھی یہی تھا۔ آیہ شریفہ ﴿یَا نَارُ کُونِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ﴾ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لفظ سلاماً کی تفسیر فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ آگ سرد ہو کر اتنی سرد نہ ہو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کو ضرر پہنچانے لگے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوالعالیہ نے بھی مندرجہ بالا آیہ شریفہ میں لفظ سلاماً کی یہی وضاحت کی ہے۔

کعب الاحبار نے بیان کیا کہ اگر آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بالکل سرد (یخ) ہو جاتی تو اس میں حرارت باقی نہ رہتی اور وہ اپنی فطرت کھو بیٹھتی لہٰذا پھر اس سے نوع انسانی کو ضرورۃً بھی کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔

ضحاک ایک روایت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کے چہرۂ مبارک پر پسینے کے سوا جسے جبرئیل صاف کرتے رہے اور کسی تکلیف کے آثار نہیں پائے گئے تھے۔

چند دوسری روایات کے مطابق آتش نمرود کے گرد کھڑے ہوئے تماشائیوں نے یہ حیرت انگیز منظر تو دیکھا کہ آگ کے حلقے کے اندر ایک پر بہار گلزار ہے اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بالکل مطمئن اور سکون سے تشریف فرما ہیں لیکن وہ اس حلقہ آتش کو عبور کر کے اس گلزار ابراہیمؑ میں جا نہیں سکتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر نے اپنی تمام زندگی میں منہ سے کوئی اچھا کلمہ نکالا تو وہ یہ تھا کہ جب اس نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے کے بعد یہ منظر دیکھا تو بولا:

''اے ابراہیم! تیرا رب واقعی عظیم ہے''۔

منہال بن عمرو سے مروی ہے کہ اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف چالیس یا پچاس سال تھی۔ اس روایت میں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس خوف ناک آگ سے باہر آنے کے بعد فرمایا تھا کہ اگر میں تمام عمر بھی اس آگ کے حلقے میں قیام کرتا تو اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرتا رہتا۔

اس روایت کو بخاریؒ نے ابی یمان' شعیب بن ابی حمزہ' ابی زناد اور اعرج نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بحوالہ حدیث نبوی مختصراً بیان کیا ہے۔

ایک حدیث نبوی میں جسے ابن ابی حاتم نے سفیان' علی بن زید اور ابن جدعان کی زبانی ابی نضرہ اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا ہے آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ ابراہیم اور ایک دوسرے نبی لوط علیہ السلام نے جو اپنے اور دشمنان خدا کے سامنے اپنی اپنی بیویوں کو اپنی بہنیں بتایا تھا تو وہ ان دونوں کے مومنات اور اپنی ہم مذہب ہونے کے رشتے سے بتایا تھا جس رشتے سے روئے زمین کے تمام مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے بہن بھائی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اس قول میں بحکم الٰہی کافروں کے مکر کا توڑ بھی مقصود تھا نیز یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آتش نمرود میں جس صبر واستقامت کا ثبوت دیا تھا تو وہ تمام اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ کے عین مطابق تھا کہ ابراہیم اس وقت بھی انتہائی صبر کے ساتھ نماز میں مصروف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انہیں آتش نمرود میں محفوظ رکھا بلکہ ان کی بیویوں کی عصمت کی بھی حفاظت فرمائی۔

بعض علماء نے عورتوں میں زوجہ ابراہیم حضرت سارہ' ام موسیٰ اور حضرت مریم والدہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی طرف بھی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اشارات کیے ہیں۔ خصوصاً حضرت سارہؓ کی طرف کہ ان کے اور ان کے خاوند حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مابین جنہیں وہ بہت چاہتی تھیں اللہ تعالیٰ نے تمام ظاہری و باطنی حجابات اٹھا کر انہیں معصوم قرار دیا تھا۔

بعض روایات میں حضرت سارہؓ کو حضرت حوّا کے سوا ان کے زمانے تک تمام دنیا کی حسین ترین خاتون بتایا گیا ہے اور یہ بھی کہ وہ بابل کے حکمران کی دختر ہونے کے باوصف اپنے خاوند ابراہیم علیہ السلام کی ہم مذہب تھیں۔ جیسا کہ بعض اہل تواریخ نے بیان کیا ہے کہ بابل کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر میں قیام فرمایا تھا جہاں کا بادشاہ ضحاک کا بھائی تھا جو اپنے ظلم و استبداد کی وجہ سے آج تک ساری دنیا میں مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے کے فرعون مصر کا پورا نام سنان بن علوان بن عبید بن عویج بن عملاق بن لاود بن سام ابن نوح تھا۔ سہیلی نے بھی یہی بتایا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر سے یمن تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ کافی مال و متال کے علاوہ غلام بھی تھے اور ان کے ہمراہ ہاجرہ قبطیہ بھی تھیں جو ان کی بیوی سارہ کی کنیز تھیں۔ وہاں سے حضرت لوط علیہ السلام وہ سامان اور مال و متاع لے کر جو ابراہیمؑ نے انہیں دیا تھا اور انہی کے حکم سے علاقہ غور کی طرف چلے گئے جسے اس زمانے میں غور زغر کہتے تھے۔ پھر وہ وہاں سے شہر سدوم چلے گئے تھے جسے اس زمانے میں ''ام البلاد'' کہا جاتا تھا لیکن وہاں کے باشندے انتہائی شریر و مفسد اور کافر تھے اور بد اعمال بھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ لوط علیہ السلام کی مدد کے لیے بصرہ جائیں اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں ہر طرف نظر رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام حصوں پر انہیں اور ان کی اولاد کو حکمران بنایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کی امت کبھی (قریباً) تمام اقصائے عالم پر حکومت کرے گی' ابراہیمؑ پر اس وحی الٰہی پر محمول تھا۔

کہا جاتا ہے کہ تیمن کے ظالم و جابر لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر حد سے زیادہ ظلم کیا' ان کا تمام مال لوٹ لیا اور انہیں قید کر دیا۔ البتہ جب وہ ان کی اسیری سے نجات حاصل کرتے اور کچھ مال واپس لینے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں کو شکست دی اور انہیں کثیر تعداد میں قتل کر کے تیمن سے مشرقی دمشق کی طرف چلے گئے اور وہاں انہوں نے عساکر بھی جمع کر لیے۔ اس تمام عرصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے ہمراہ تھے۔ اسی لیے دمشق کے اس شرقی حصے کو ''جیش ابراہیم کا مسکن'' کہا جاتا ہے اور اب تک وہ جگہ اس نام سے مشہور چلی آتی ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اصل مقام ارض بیت المقدس تشریف لے گئے جہاں کے لوگ ان کے ساتھ شرمندگی کے ساتھ ساتھ بڑے احترام سے پیش آئے۔

حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت:

اہل کتاب کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے نیک و طیب اولاد کی دعا کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی بشارت بھی دی تھی۔ چنانچہ جب وہ سرزمین بیت المقدس میں بیس سال قیام فرما چکے تو ایک روز حضرت سارہؓ نے ان سے عرض کیا کہ ''مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے نہیں نوازا' ممکن ہے ہاجرہ کے بطن ہی سے وہ ہمیں اس نعمت سے سرفراز فرما

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دے"۔ یہ کہہ کر انہوں نے ہاجرہؓ کو ابراہیمؑ کے نام ہبہ کر کے انہیں ہاجرہؓ سے خلوت کی اجازت دے دی لیکن جب وہ خدا کی قدرت سے حاملہ ہو گئیں تو جناب سارہؓ جیسا کہ عموماً عورتوں کی فطرت ہے ہاجرہؓ سے حسد اور ان پر رشک کرنے لگیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ہاجرہؓ خوف کھا کر ان کے پاس سے چلی گئیں اور وہاں جا پہنچیں جہاں اب ایک چشمہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتے نے ان سے کہا کہ "بے خوف ہو کر واپس چلی جایئے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بابرکت فرزند عطا فرمانے والا ہے"۔ پھر اس فرشتے نے ان سے کہا کہ "جب آپ کے بطن سے لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام اسماعیل رکھیے گا' دنیا کے تمام انسان ان کے زیر دست ہوں گے اور ان کے بھائی ساری دنیا پر اقتدار حاصل کریں گے"۔

فرشتے کے اس کہنے پر حضرت ہاجرہؓ خوش ہو گئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (یہاں اہل کتاب کا بیان ختم ہوتا ہے)

اللہ کی طرف سے حضرت ہاجرہؓ کے لیے اس فرشتے کی زبانی جو بشارت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی کہ ان کے اس فرزند کے بھائی دنیا میں حامل سرفرازی واقتدار ہوں گے وہ آنحضرت ﷺ کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے جداعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح نبوت سے سرفراز فرمایا' پھر ساری سرزمین عرب میں آپ کا اقتدار قائم کیا۔ اور آپ کے بعد جیسا کہ آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں فرمادیا تھا آپ کی امت تمام بلاد مشرق و مغرب پر حکمرانوں کی حیثیت سے چھا گئی۔ اس کے علاوہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کو اللہ تعالیٰ نے علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی جو اس سے قبل کسی نبی کے حصے میں نہیں آئی تھی اور آپ ہی کو بلا استثناء تمام روئے زمین کے لیے اپنا نبی و رسول مبعوث فرمایا۔ (مؤلف)

بہر کیف جب حضرت ہاجرہؓ فرشتے کی زبانی مذکورہ بالا بشارت خداوندی سن کر خوش ہو کر واپس لوٹیں تو ان کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ تولد ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی سال تھی جس کے تیرہ سال بعد حضرت سارہؓ کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام تولد ہوئے۔

مؤرخین نے متعدد مستند حوالوں سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ تولد ہوئے تو حضرت سارہؓ کے غصے کی انتہا نہ رہی اور انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بلا کر ان سے کہا کہ ہاجرہ کو ان کے سامنے سے کہیں دور بھجوا دیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور اپنے نومولود بچے حضرت اسماعیلؑ کو لے کر کے اس مقام پر چلے آئے جہاں انہوں نے بعد میں بیت العتیق (قدیم خانہ کعبہ) تعمیر کیا۔

جیسا کہ مؤرخین (محدثین) نے احادیث نبویؐ کے حوالے سے روایات پیش کی ہیں۔ جب حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؓ کو اس بے آب و گیاہ خشک پہاڑی پر چھوڑ کر ان سے رخصت ہونے لگے بلکہ پیٹھ موڑ کر چل بھی دیئے تو انہوں نے آپ کا دامن پکڑ کر کہا: "آپ ہمیں اس چٹیل اور ویران جگہ چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں ہماری دیکھ بھال کون کرے گا اور ہمیں کون کھلائے پلائے گا؟" لیکن ابراہیمؑ یہ کہہ کر کہ "اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے"۔ ان سے رخصت ہو گئے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی بیوی ہاجرہؓ اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مکے کے پہاڑ فاران کی طرف ہجرت اور وہاں ان کے بیت العتیق تعمیر کرنے کا ذکر

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہؓ کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام کی ولادت پر اپنی بیوی سارہؓ کی انتہائی خفگی اور غیض وغضب دیکھ کر اور ان کے یہ کہنے کے بعد کہ ہاجرہؓ کو لے کر کہیں اور چلے جاؤ' ہاجرہؓ اور اپنے نومولود بچے اسماعیلؑ کو لے کر جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے سرزمین بیت المقدس سے نکلے تو سفر کرتے ہوئے مکے کے قریبی پہاڑ فاران پر پہنچے اور وہاں ان دونوں کو چھوڑ کر جانے لگے تو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت ہاجرہؓ نے ان کا دامن پکڑ کر ان سے کہا کہ وہ ان دونوں کو اس ویران جگہ پر چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ یہ حکم ہے۔ اس پر حضرت ہاجرہؓ نے کہا کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو وہ ضرور جائیں اور اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں اور ان کے نومولود بچے کی جانیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے رخصت ہو گئے تو ہاجرہ یہ محسوس کر کے کہ ان کا ننھا بچہ پیاسا ہو گا جب کہ خود بھی پیاسی تھیں فاران کی پہاڑی سے صفا کی پہاڑی کی طرف رُخ کیا اور وہاں کھڑے ہو کر نیچے وادی پر نظر ڈالی تو انہیں وہاں چٹیل میدان ہی نظر آیا جہاں دور تک کوئی آدم زاد نہ تھا۔ پھر وہ وہاں سے دوڑتی ہوئی دوسری پہاڑی مروہ پر پہنچیں اور نیچے وادی پر دور تک نظر ڈالی تو وہاں بھی انہیں کوئی انسان نظر نہ آیا۔ اسی طرح انہوں نے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہوئے سات چکر لگائے لیکن انہیں کہیں دور تک وہاں کوئی آدمی نظر آیا نہ پانی کے آثار نظر آئے۔ آخر کار وہ تھک کر اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے پاس آئیں جنہیں وہ صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہوئے مڑ مڑ کر دیکھتی بھی جاتی تھیں لیکن جب وہ وہاں سے آخری چکر لگا کر اپنے بیٹے کے پاس پہنچیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہاں قدرتِ الٰہی سے پانی ابل ابل کر پتھروں کے نیچے سے اوپر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے حسبِ وعدہ ان کی اور ان کے بیٹے کی جان بچا لی تھی۔

حضرت ہاجرہؓ نے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے تھے انہی کی یاد میں اب حجاج ان پہاڑیوں کے درمیان انہی کی طرح دوڑتے ہوئے سات چکر لگاتے ہیں جنہیں ''سعی'' کہا جاتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خانہ کعبہ کے احاطے کے قریب چاہِ زمزم وہاں حضرت ہاجرہؓ اور ان کے صغر سن بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدوم میمنت لزوم کی برکت کا نتیجہ ہے جس سے اہل مکہ کے علاوہ تمام دنیا کے مسلمان سیراب ہوتے ہیں اور تا قیام قیامت ہوتے رہیں گے۔

متعدد مستند روایات کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ حضرت ہاجرہؓ کے زیر سایہ سرزمین مکہ پر پلتے بڑھتے رہے اور وہاں لوگ پانی کی وجہ سے آ آ کر آباد ہوتے چلے گئے' حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی بھی ہو گئی اور انہوں نے اپنی پہلی بیوی کو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

طلاق دے کر دوسری شادی کر لی' اس دوران میں قضائے الٰہی سے ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ وفات پا گئیں۔ حضرت اسماعیلؑ کی دوسری شادی کے بعد حضرت ابراہیمؑ بعد مدت اپنے بیوی اور بچے کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے لیے کئی بار سرزمین مکہ کو لوٹے لیکن ہر بار اس وقت حضرت اسماعیلؑ اپنی قیام گاہ پر موجود نہ ہوتے۔ ان کی بیوی نے دریافت کرنے پر انہیں بتایا کہ ایک بہت بوڑھا شخص آپ کے پیچھے آیا تھا اور آپ کی اور ہم سب کی خیریت دریافت کر رہا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ نے کہا کہ ''کہیں وہ میرے والد نہ ہوں''۔

آخر کار ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت اسماعیلؑ جب اپنی بکری چرا کر اپنی قیام گاہ کو لوٹے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام حسبِ معمول ان کی خیریت دریافت کرنے وہاں آئے ہوئے تھے۔ پہلے تو دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کو غور سے دیکھتے رہے پھر ایک دوسرے کو پہچان کر آپس میں بغل گیر ہو گئے۔ باپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے لیکن بیٹے میں باپ کی اتنی شباہت تھی کہ ایک دوسرے کو پہچاننا زیادہ دیر تک مشکل نہ ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت عنفوان شباب میں تھے اور حضرت ابراہیم کی طرح لوگ ان کے حسن اور ان کی وجاہت کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔ جہاں تک اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے بیٹے کو بطور فدیہ راہِ خدا میں ذبح کرنے کا تعلق ہے اس کا ذکر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ عنقریب کریں گے۔

قصہ ذبیح:

یوں اسرائیلیات میں قصہ ذبیح کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے جو سراسر خلاف واقعہ ہے اور تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ وہ صرف من گھڑت باتیں ہیں۔

قرآن شریف کی سورۂ صافات میں اس کا جو ذکر ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح کا ہے جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر فدیہ خداوندی کے طور پر اپنے نزدیک ذبح کر دیا تھا۔

سورۃ الصافات میں وہ قصہ یوں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ وہ اپنے نوجوان بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو راہ خدا میں ذبح کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب دوبارہ دیکھا اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کے خواب رویائے صادقہ ہوتے ہیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی راہ خدا میں قربانی دینا اپنے لیے فرض عین سمجھا۔

انہوں نے پہلے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اپنا خواب سنایا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ ان کا خواب سچا ہے لیکن انہوں نے امتحاناً اس کے بارے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رائے معلوم کی تو جیسا قرآن پاک سے ثابت ہے انہوں نے یہ جواب دیا کہ آپ اپنے رب کا حکم پورا کیجیے مجھے ان شاء اللہ ہر حال میں صابر و شاکر پائیں گے۔

اپنے بیٹے کی رائے معلوم کرنے کے بعد اور انہیں ثابت پا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ایک پہاڑی کے دامن میں لے گئے اور پیشانی کے بل لٹا کر ان کی گردن پر چھری پھیر دی لیکن کئی بار کوشش کے باوجود وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ کئی مستند روایات کے مطابق ان کی چھری اور ان کے بیٹے کی گردن کے درمیان کوئی تانبے کی پتری آ جاتی تھی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آخر کار انہوں نے اپنی کوشش کو اپنے نزدیک کامیاب سمجھ کر جو دیکھا تو قریب ہی ایک مینڈھا ذبح کیا ہوا پڑا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام صحیح و سالم موجود تھے۔ اس کے بعد غیب سے آواز آئی: ''ابراہیم علیہ السلام تم اس امتحان میں جو ہمیں منظور تھا کامیاب ہوئے''۔

یہ صدائے غیب سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سربسجدہ ہو گئے اور باپ بیٹے دونوں نے اپنے پروردگار کے اس رحم و کرم کا شکر ادا کیا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر نوے سال سے کافی تجاوز کر چکی تھی۔

جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں بیت العتیق کی تعمیر کا تعلق ہے اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آ چکا ہے۔ اس کی مختصر تفصیل متعدد مستند روایات کے مطابق یہ ہے کہ اس کی بنیادیں کھودنے اور انہیں پتھروں سے پر کرنے کے بعد جب اس کے احاطے کی دیواریں اٹھائی جانے لگیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام دور دور سے مناسب پتھر تلاش کر کے لاتے اور ان کے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں دیواریں اٹھانے کے لیے تہ بہ تہ جماتے جاتے تھے اور ہر درے کے بعد جیسا کہ قرآن کی متعلقہ آیات سے ثابت ہے کہتے جاتے: ''یا اللہ تو ہماری اس محنت کو قبول فرما کہ تو سننے اور جاننے والا ہے''۔

آخر میں جب دونوں باپ بیٹوں کی محنت ٹھکانے لگی تو حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی کہ ''اللہ تعالیٰ تو ہماری اولاد میں (سر زمین عرب سے) ایک ایسا نبی مبعوث فرما جو تیرے اس گھر میں تیری عبادت کی لوگوں کو تلقین کرتا رہے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا جو ان کے دل سے نکلی تھی قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سرزمین عرب پر اپنا آخری نبی فخر الانبیاء بنائے لولاک اور باعث تکوین کون و مکان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر دنیا سے کفر و ضلالت کے نشانات مٹا دیئے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ذکر مولد حضرت اسحٰق علیہ السلام

قرآن شریف کی سورت ابراہیمؑ کی ایک آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کا شمار بھی انبیائے صالحین میں ہوگا۔

کلام الٰہی سے اس امر کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے تیرہ سال بعد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی تھی نیز جملہ مؤرخین وعلماء اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کے وقت ان کی عمر ننانوے سال تھی اور مؤرخین و علماء کا یہ بیان کلام الٰہی کے عین مطابق ہے جس میں کسی تضاد کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

اس کے علاوہ خود حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور علماء و مؤرخین نے بھی بیان کیا ہے اس بات پر حیرت تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خود ان کی کہن سالی بلکہ بانجھ ہونے کے باوجود ان کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کیسے ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کے ذریعے انہیں بھی براہ راست حضرت مریمؑ کی طرح اپنی قدرت کاملہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے مطمئن فرما دیا تھا۔ ان مدلل و باثبوت بیانات کے بعد اسرائیلیات کے دوسرے لغو و باطل روایتی بیانات کی طرح اس کا یہ بیان بھی کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت سے قبل ہوئی تھی جو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے قطعاً باطل ٹھہرتا ہے۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں قرآن شریف کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی تھی ﴿وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ﴾ یہ اس امر ثابتہ کی جسے محمد بن کعب القرظی وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے دلیل ہے کہ ''ذبیح'' کا اطلاق صرف حضرت اسماعیلؑ پر ہو سکتا ہے کیونکہ وہی حضرت اسحٰق علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام ہی جیسا کہ مندرجہ بالا آیہ قرآنی سے ثابت ہوتا ہے حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے۔ چنانچہ یوں بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت حضرت اسماعیل علیہ السلام سے قبل جیسا کہ اسرائیلی روایات میں مشہور چلا آتا ہے صریحاً غلط قرار پاتی ہے اور اسی لیے حضرت اسحٰق علیہ السلام پر ''ذبیح'' کا اطلاق بھی باطل ٹھہرتا ہے۔

یہی بات بنائے ''بیت العتیق'' کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی نے اپنے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' تعمیر کیا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی جسے ابن حبان نے اپنی ''تقاسیم'' میں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے مابین چالیس سال کا فرق ہے۔ عقل و نقل دونوں طرح سے غلط قرار پاتی ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بیت العتیق کی بنیاد اور تعمیر کا ذکر

قرآن شریف کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں سرزمین مکہ پر بیت العتیق (قدیم ترین بیت اللہ) کی بنیاد اور اس کی تعمیر کا مختصر حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں صرف ان آیاتِ قرآنی کا ذکر کریں گے جس میں بیت العتیق کی تعمیر اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی مکمل دعا کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب (حضرت) ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل (علیہ السلام) بیت العتیق کی بنیادیں بھر کر ان کی کسی قدر دیواریں اٹھا چکے تو (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ''اے میرے رب ہمیں اپنے اوپر (یعنی خدا) ایمان لانے والا بنا' اور ہماری ذریت کو بھی مومن بنانا اور اے ہمارے رب ان میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمانا جو لوگوں کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی باتیں بتائے''۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں سرزمین مکہ میں ''بیت العتیق'' کی بنیاد پڑنے کا ذکر فرمایا ہے۔ جو عموماً انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا روئے زمین پہلا گھر تھا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے والے ہوں گے اور اس بیت اللہ کے حوالے سے اللہ کی عظمت کا ذکر کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس قدیم بیت اللہ کی تعمیر کی ہدایت خود اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ فرمائی تھی اور جیسا کہ ہم پہلے تخلیق سماوات کے ضمن میں بیان کر چکے اس قدیم بیت اللہ کی مکانیت روئے زمین پر ویسی ہے جیسے آسمان پر ''بیت معمور'' کی ہے۔ صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں بیان کیا گیا کہ روئے زمین پر اس بیت اللہ سے قبل جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سرزمین مکہ میں تعمیر کیا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کوئی عمارت نہ تھی نہ اس کی عبادت کرنے والوں کا کہیں نام ونشان تھا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّ هُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾

یعنی خدا کا پہلا گھر مکے میں تعمیر ہوا جو (بعد میں) بنی آدم کی ہدایت اور ان کے لیے خیر وبرکت کا باعث بنا۔

کہا جاتا ہے کہ اول کعبۃ اللہ کا محل وقوع (جس کے بارے میں آیات بینہ بھی موجود ہیں) وہی تھا جہاں اب حجر اسود اور مقام ابراہیم ہے اور پہلے اس کی دیواریں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قد کے برابر تھیں۔ اس بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک طویل روایت بیان کی ہے۔

یہ مقام ابراہیم جو احاطہ خانہ کعبہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے تک متصل تھا جہاں اب تک حجر اسود کے گرد مسلمانان عالم طواف کرتے ہیں اور وہیں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی طواف کرتے تھے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول آنحضرت ﷺ کے لیے ارشاد فرمایا تھا: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى﴾ فانزل اللّٰہ چنانچہ آپ کی امت کے لوگوں نے بھی مقام ابراہیمؑ کو بطور مصلیٰ قائم رکھا ہے۔ اسلام کے اوّلین زمانے تک صخرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدوم میمنت لزوم کے کچھ آثار باقی تھے جن کی مدح میں حضرت ابوطالب نے ''الامیہ'' کے نام سے ایک قصیدہ بھی کہا تھا جو اب تک مشہور ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کے رسول آنحضرت ﷺ نے بھی بار بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توصیف فرمائی اور روایت صحیحین کے مطابق آپ نے اپنے خطبہ مبارک میں یہ بھی فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں اپنا خلیل بنا کر بھیجا تھا اور ان کے ذریعہ اہل عالم کو ہدایات دی تھیں اسی طرح اس نے آپ کو بھی اپنا خلیل بنا کر دنیا میں بھیجا ہے اور اہل عالم کو ہدایت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

جنت میں قصر ابراہیم علیہ السلام کا ذکر:

حافظ ابوبکر البزار کہتے ہیں کہ ان سے احمد بن سنان القطان واسطی اور محمد بن موسیٰ القطان نے بیان کیا کہ ان دونوں کو یزید بن ہارون اور حماد بن سلمہ نے سماک' عکرمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث سنائی جس میں آپ نے فرمایا کہ جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سالم موتی کا ایک ایسا قصر (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) تعمیر کیا گیا ہے جس میں کہیں کوئی جوڑ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی قصر میں انہیں رکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

البزار نے آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کے بارے میں احمد بن جمیل المروزی' نضر بن شمیل اور حماد بن سلمہ کی زبانی سماک' عکرمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس سے ملتی جلتی ایک اور روایت بھی پیش کی ہے۔

اوصاف ابراہیمؑ کے بارے میں روایات:

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یونس وحجین نے بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ان دونوں نے لیث' ابی زبیر اور جابر سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب (شب معراج) آپ سے انبیاء کا تعارف کرایا گیا تو آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکل وشباہت میں شنوءۃ کے لوگوں کی طرح پایا' حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام عروہ بن مسعود سے مشابہ تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دحیہ سے مشابہت رکھتے تھے۔

امام احمدؒ نے اس حدیث کی بنیاد پر اس روایت کو منفرد کر کے پیش کیا ہے۔

امام احمدؒ نے اس بارے میں ایک دوسری روایت پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان سے اسود بن عامر اور اسرائیل نے عثمان لیثی ابن مغیرہ' مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپؐ نے (شب معراج) عیسیٰ بن مریمؑ' موسیٰ اور ابراہیم (علیہم السلام) کو دیکھا تو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی رنگت سرخ تھی اور ان کے گیسو ان کے سینے تک پہنچے ہوئے تھے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فربہ اندام تھے۔

لوگوں نے آپؐ سے دریافت کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے تھے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''آپ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لوگ مجھے دیکھ کر ان کی شکل وشباہت کا اندازہ لگالو''۔

امام بخاریؒ سے مروی ہے کہ ان سے بنان بن عمرو' نضر اور ابن عون نے مجاہد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کیا کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کفر کا نشان (ک۔ف۔ر) ثبت ہوگا۔ جب ان سے (ابن عباس رضی اللہ عنہما سے) کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ لوگوں نے سنا ہے کہ آپ نے (شب معراج) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تھا تو کیا آپ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکل وشباہت کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ اس کے جواب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب یہ سوال لوگوں نے آپؐ سے کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ ''تم مجھے دیکھ لو'' جس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شکل وشباہت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔

امام بخاریؒ نے یہ روایت صحیح بخاری میں ''کتاب الحجج و اللباس'' کے عنوان کے تحت بھی بیان کی ہے جب کہ مسلم نے اسے محمد بن مثنیٰ' ابن ابی عدی اور عبداللہ بن عون کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر کے بارے میں مختلف روایات

ابن جریر نے اپنی کتاب تاریخ میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود بن کنعان کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے جو ایران کے ایک زمانہ قدیم کے بادشاہ ضحاک کی طرح ظلم وستم میں مشہور تھا اور اس نے بابل پر ایک ہزار سال تک حکومت کی تھی۔

بعض دوسرے مؤرخین کی روایات کے مطابق نمرود بنی راہب میں سے تھا جن پر حضرت نوح علیہ السلام نبی کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے اور یہ کہ نمرود اپنے زمانے میں قریب قریب ساری دنیا پر حکومت کر رہا تھا۔

بعض مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نمرود نے آسمان پر ایک ستارہ طلوع ہوتے دیکھا تھا جو سورج اور چاند سے روشنی میں کچھ ہی کم ہوگا۔ اس ستارے کو دیکھ کر نمرود پر ہیبت طاری ہوگئی تھی اس نے اپنے زمانے کے بہترین مشہور نجومیوں اور کاہنوں کو طلب کر کے اس ستارے کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ ستارہ اس بات کی علامت تھا کہ اس کی رعایا میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کی سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا۔ چنانچہ اس نے اس کے سدباب کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اپنی رعایا کے مردوں کو ان کی بیویوں سے خلوت کی ممانعت کر دی تھی اور اس کے بعد بھی اگر کسی کے ہاں کسی لڑکے کی ولادت کی اسے خبر ملتی تھی تو وہ اس نومولود لڑکے کو فوراً قتل کرا دیتا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جو اسی کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے اس کے اس بہیمانہ طرز عمل سے محفوظ رکھا۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسن وجمال بخشا تھا کہ اس سے قبل کوئی بچہ اس حسن وجمال کے ساتھ پیدا نہیں ہوا تھا۔ پھر صغرسنی ہی میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' انہوں نے وہ کرشمہ دکھایا کہ اس کی مثال بھی آج تک دنیا میں کوئی دوسرا شخص نہیں دے سکا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں' بعض روایات میں ان کی جائے ولادت سوس میں بتائی گئی ہے' بعض میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے بابل میں ولادت پائی تھی اور کچھ روایات میں آپ کی جائے ولادت کوثی [1] بتائی گئی ہے جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق وہ دمشق کے شرقی علاقے برزہ میں پیدا ہوئے تھے' نمرود انہی کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا' وہاں سے وہ ارض شام میں شہر حران چلے گئے جہاں پہلے حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ان کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے تھے' حضرت سارہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات سے قبل سرزمین کنعان کے قریہ حبرون میں اس وقت وفات پا گئی تھیں جب ان کی عمر ایک سو ستائیس سال تھی۔

---

[1] معجم البلدان کے مطابق کوثی نام کی بستی تین جگہ پائی جاتی تھی یعنی ایک سواد عراق میں دوسری سواد بابل میں اور تیسری سواد مکہ میں۔ اس سلسلے میں معجم البلدان کی آخری روایت یہ ہے کہ ابراہیم کی ولادت جس کوثی میں ابراہیم نے ولادت پائی تھی وہ ارض بابل میں تھی وہیں آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور وہیں انہوں نے وفات پائی۔ (محمود الامام)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اہل کتاب کے بیانات کے مطابق حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت رنج ہوا تھا' انہوں نے بنی حیث کے ایک شخص سے جس کا نام عفرون بن صحر بتایا گیا ہے ایک قطعہ اراضی چار سو مثقال میں خرید کر وہاں حضرت سارہؓ کو دفن کیا۔ جہاں ان کی قبر ابھی تک موجود ہے۔ حضرت سارہؓ کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسحٰق علیہ السلام سے بات کی اور ان کی شادی رفقا بنت بتوئیل بن ناحور بن تارخ سے کر کے انہیں وہاں سے ان کے ساز و سامان کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قنطورا سے شادی کی جن کے بعد سے زمران' یقشان' مادان ومدین اور شیاق وشوح پیدا ہوئے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سب قنطورا کی اولاد نہیں تھے۔

ابن عساکر نے کچھ متقدمین کے علاوہ کچھ دوسرے اہل کتاب کے بیانات کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بارے میں روایات اتنی کثرت سے بیان کی گئی ہیں کہ ان کی صداقت وصحتِ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کے بارے میں اللہ ہی کو علم ہے۔

اہل کتاب کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فجات میں وفات پائی تھی۔ انہوں نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی وفات کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ انہوں نے بھی وہیں وفات پائی تھی جب کہ کچھ دوسروں کو اس سے اختلاف ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے حبرون حیثی میں وفات پائی تھی اور انہیں عفرون بن صحر کے اس قطعہ زمین میں دفن کیا گیا تھا جہاں ان کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا مدفون تھیں نیز یہ کہ ان کے دونوں بیٹے اسماعیل واسحٰق علیہما السلام ان کی تجہیز وتکفین اور تدفین میں شریک تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ختنہ کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کسی میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے جوانی ہی میں ختنہ کرا لی تھیں جب کہ اکثر روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی ختنہ سو سال کی عمر کے بعد ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

مالک یحییٰ بن سعید اور سعید بن مسیب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے مہمانداری کی ابتدا کی' ختنوں کی بنیاد رکھی۔ پانی پلانے کی رسم کا قصہ بیان کیا اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قابل ذکر طویل عمر پائی اور اس کے بعد حیرت سے اپنے پروردگار سے عرض کیا کہ ''یارب یہ کیا ہے؟'' جواب ملا: ''وقار'' یہ جواب سن کر پھر عرض کیا: ''اگر یہ وقار ہے تو اس میں اضافہ فرما اور اس کے علاوہ اور (دوسری باتوں میں) وقار عطا فرما''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی دنیا کے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ہر چیز کی ایک حد متعین کی اس میں توازن قائم کیا اور اس کی تلقین بھی کی نیز انہی نے دنیا میں لباس کے طور پر چوغہ اور دستار استعمال کیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر اور ان کے بیٹے اسحٰقؑ اور اسحٰقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کی قبریں بھی شہر حبرون کے اسی احاطے میں ہیں جو سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) نے وہاں بنوایا تھا۔ خود شہر حبرون اب شہر خلیل کے نام سے مشہور ہے۔

یہ بات اُمت بعد اُمت' نسلاً بعد نسل زمانہ بنی اسرائیل سے ہمارے زمانے تک مسلسل چلی آتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر حبرون کے اسی احاطے میں ہے جس کا ذکر ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں اور اب محقق ہو چکی ہے۔ ویسے بھی اس احاطے بلکہ اس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے قرب وجوار میں بھی لوگ اب تک زراعت کے لیے ہل چلاتے ڈرتے ہیں کہ شاید کہیں وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام یا ان کی اولاد میں سے کسی کی قبر ہو۔

ابن عساکر نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حبرون میں مذکورہ بالاشکستہ احاطے کے قرب وجوار میں ایک سنگی کتبہ پایا گیا ہے جس پر درج ذیل عربی اشعار کندہ ہیں: ترجمہ اشعار:

الٰہی! کون نادان سمجھ سکتا ہے — کہ وہ وقت معین پر نہیں مرے گا؟
جب اس کی موت آئے گی — تو کسی حیلے سے نہیں ٹلے گی
آخری شخص کیسے بچے گا — جب اس سے پہلے لوگ مر چکے ہیں
کسی شخص کے ساتھ قبر میں — اس کے اعمال کے سوا کچھ نہ جائے گا

اولادِ ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے پہلے ان کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہؓ قبطیہ مصریہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر ان کی پہلی بیوی حضرت سارہؓ کے بطن سے جو ان کی چچا زاد بہن تھیں حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قنطورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کی جن کے بطن سے ان کی چھ اولادیں مدین' زمران' سرج' یقشان' نشق اور ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اب تک معلوم نہیں ہو سکا۔

قنطورا کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجون بنت امین سے عقد کیا جن کے بطن سے ان کے پانچ لڑکے کیسان' سورج' امیم' لوطان اور نافس پیدا ہوئے۔

یہ روایت ابوالقاسم سہیلی نے اپنی کتاب ''التعریف والاعلام'' میں بیان کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات میں لوط علیہ السلام کا قصہ ہے جو ان کے چچا زاد بھائی تھے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی ہدایت کے لیے بحیثیت نبی مبعوث فرمایا تھا' لیکن ان کی قوم اپنے قبیح اعمال سے باز نہ آئی۔ ان کی قوم لواطت یعنی امرد پرستی کے علاوہ لوٹ مار' قتل و غارت گری اور رہزنی میں مبتلا رہی' انہی کی قوم میں ایک عورت فاحشہ بھی نکلی حالانکہ اس سے قبل (غالباً) دنیا میں کوئی روایتی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت کے پاس حرام کاری کی نیت سے نہیں گیا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' اس پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور وہ قوم اپنے کیفر کردار کو پہنچی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بدخصلت بیوی کے سوا ان کے دوسرے اہل خانہ کو جیسا کہ سورۂ اعراف سے ظاہر ہوتا ہے اس عذاب سے محفوظ رکھا:

﴿فَاَنْجَيْنَاهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِيْنَ ○ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾

اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام کا ذکر ان کے کرتوتوں کا حال اور ان پر عذاب الٰہی کی کیفیات کو سورۂ ہود وغیرہ میں بھی بیان فرمایا ہے تاکہ دوسری اقوام اس سے عبرت پکڑیں مثلاً: ﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ﴾ اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مدین میں قوم شعیب علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں قصہ قوم لوط کے بعد قوم مدین اور اس پر اس کے بھائی بند حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت کا قصہ یوں بیان فرمایا ہے:

''اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اے قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ چکی ہے تو تم ماپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور ہر رستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے اسے تم ڈراتے اور راہِ خدا سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو۔ اور اس وقت کو یاد کرو۔ جب تم تھوڑے سے تھے تو تم کو خدا نے جماعت کثیر بنا دیا۔ اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کیے رہو یہاں تک کہ خدا ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (تو) ان کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب (یا تو) ہم تم کو اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ انہوں نے کہا خواہ ہم تمہارے دین سے بیزار ہی ہوں (تو بھی) اگر ہم اس کے بعد کہ خدا ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے خدا پر جھوٹ افترا باندھا۔ اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہاں خدا جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا خدا ہی پر بھروسہ ہے۔ اے پروردگار ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو) اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے' تو ان کو بھونچال نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے' (یہ لوگ) جنہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہوئے کہ وہ گویا ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے (غرض) جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے۔ تو شعیبؑ ان میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے ہیں اور تمہاری خیر خواہی کی تھی تو میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے رنج و غم کیوں کروں)''۔ (۷:۸۵۔۹۳)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہود سورۂ حجر اور سورۂ شعراء میں بھی قوم لوط علیہ السلام کے ذکر کے بعد یہی قصہ بیان فرمایا ہے۔ اہل مدین

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عرب تھے جو قریہ مدین میں جو اطراف شام میں علاقہ معان سے قریب اور سرحد حجاز سے ملے ہوئے بحیرہ قوم لوط علیہ السلام کے بھی قریب تھا رہتے تھے اور اس کے بعد بھی کچھ عرصے تک وہاں مقیم رہے۔ مدین کی بستی اس قبیلے مدین کے نام سے مشہور ہوئی جو وہاں آباد تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے نسب کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کسی میں انہیں بنی مدین بن مدیان بن ابراہیم بتایا گیا ہے اور کسی میں انہیں ابن مکیل بن یشجن بتایا گیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سریانی زبان میں انہیں نبزون کے نام سے پکارا جاتا تھا' لیکن یہ روایت محل نظر ہے۔

بہر کیف بعض دوسری روایات میں ان کا نسب نامہ ''شعیب بن یسحر بن لاوی بن یعقوب'' بیان کیا گیا ہے جب کہ کچھ روایات میں ''شعیب بن نویب بن عیقا بن مدین بن ابراہیمؑ بھی پایا جاتا ہے۔

ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے انہیں ''خطیب الانبیاء'' فرمایا تھا۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ شعیب' یوسف علیہ السلام کے بعد ہوئے تھے۔

وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ شعیب علیہ السلام کی وفات مکے میں ہوئی اس وقت ان کے ساتھ دوسرے مومنین بھی تھے' حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ مومنین کی قبور بقول وہب بن منبہ خانہ کعبہ کے غربی حصے میں دارالندوہ اور دار بنی سہم کے درمیان واقع ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باب ۱۱

ذریتؑ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر

ہم نے اب تک یعنی پچھلے باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام' ان کی قوم اور انہیں اپنی زندگی میں جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر کیا ہے نیز اس کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام' ان کی قوم اور اس پر عذابِ الٰہی نازل ہونے کا ذکر ضمناً کر دیا ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس طرح ان کی مدد کے لیے پہنچے تھے بیان کر چکے ہیں بلکہ اس کے ساتھ بتقاضائے محل و قرینہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کی قوم اور اس پر عذابِ الٰہی کا ذکر بھی کر دیا ہے اور اسے قرآنِ پاک کے حوالے سے پیش کیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ قوم مدین کو اصحاب ایکہ بھی کہتے تھے۔

اب ہم اسی باب میں ذریت ابراہیم یعنی ان کی اولاد کا ذکر کریں گے جن میں اللہ تعالیٰ نے نسلاً بعد نسل انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔

ذکر اسماعیل علیہ السلام:

یوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت سے بیٹے تھے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں لیکن ان میں سے دو جلیل القدر نبی ہوئے۔ ان میں سے پہلے اسماعیل علیہ السلام تھے اور جیسا کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے ''ذبیح'' بھی وہی تھے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انہی کو شیر خواری کے زمانے میں اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو ساتھ لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مکے کے قریبی پہاڑ فاران پر پہنچے اور اسی ویران اور لق و دق مقام پر ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے تھے جب کہ ان کے پاس کھانے پینے کی چیزوں کی مقدار بہت ہی قلیل تھی لیکن حضرت ہاجرہ علیہا السلام توکل بخدا وہاں ٹھہری رہیں جس کے بعد کا قصہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اہل کتاب کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ''ذبیح'' بتانا اور یہ دلیل دینا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے چونکہ وہ جب پیدا ہوئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے چند سال بعد پیدا ہوئے۔ اس کی وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے حضرت اسحٰق ان کی کبرسنی میں کیسے پیدا ہو سکتے تھے یعنی جب ان کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ خود ان کی کتابوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا دوسرا بیٹا پہلے بیٹے کے تیرہ سال بعد پیدا ہوا تھا تو کیا وہ دوسرا بیٹا حضرت اسحٰق علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔ رہا کبرسنی کا سوال تو کیا توریت و انجیل اور قرآن کی نصوص قطعی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت اسحٰق جب حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے تو انہیں اپنے بانجھ پن اور کبرسنی نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کبرسنی کے باوجود ان کی پیدائش پر سخت حیرت ہوئی تھی۔ نیز کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے واقعات سے جو مستند تاریخی کتب میں اب تک ثبت چلے آ رہے ہیں یہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت ہاجرہؑ اور حضرت سارہؑ کے علاوہ دو دوسری بیویوں کے بطن سے ان کے کئی بیٹے پیدا ہوئے تھے جن کے نام ہم گزشتہ باب میں بتا چکے ہیں اور ان میں آخری بیٹے کی پیدائش کے وقت تو جیسا کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف سو سال سے بہت زیادہ تجاوز کر چکی تھی۔

قرآن شریف میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اپنا دو بار دیکھا ہوا خواب سنایا کہ وہ انہیں بحکم الٰہی ذبح کر رہے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ ان کا وہ خواب غلط نہیں ہو سکتا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے دیکھے ہوئے خواب بلا استثنار ویائے صادقہ (سچے خواب) ہوتے ہیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان سے عرض کیا کہ وہ اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کریں اور وہ انہیں ثابت قدم اور صابر شاکر پائیں گے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف میں اللہ تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكُوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴾

علمائے علم الانساب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی نے گھوڑے کو سدھا کر اس پر سواری کی ورنہ ان سے قبل گھوڑے جنگلی و وحشی ہوا کرتے تھے۔ تواریخ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے اوصاف کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اہل اسلام کو حکم دیا'' کہو کہ ہم اللہ پر اس کی نازل کردہ کتاب پر اور ان کتابوں پر جو ابراہیم واسماعیل اور یعقوب واسباط (علیہم السلام) پر نازل ہوئی تھیں ایمان لے آئے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ارشاد فرمایا (اگر یہ لوگ (یعنی یہود و نصاریٰ) یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم واسماعیل' اسحٰق و یعقوب اور اسباط (علیہم السلام) یہودی یا نصرانی تھے تو آپؐ ان سے دریافت کیجیے کہ آیا خدا بہتر جانتا ہے یا تم؟) اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صفات جمیلہ بیان فرماتے ہوئے انہیں ان تمام باتوں سے بری الذمہ ٹھہرایا ہے جو جاہل لوگ ان سے منسوب کرتے ہیں۔

سعید بن یحییٰ اموی نے اپنی کتاب ''مغازی'' میں لکھا ہے کہ ان سے قریش کے ایک بزرگ (شیخ) اور عبدالملک بن عبدالعزیز نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ ''گھوڑوں کو سدھا کر ان پر سواری کیا کرو' یہ تمہارے باپ (جدِ مورثِ اعلیٰ) کی میراث ہیں''۔ کیونکہ اس وقت تک یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے تک عرب میں گھوڑے' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' جنگلی و وحشی تھے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب میں پہلے شخص تھے جنہوں نے فصیح و بلیغ عربی زبان میں گفتگو فرمائی بلکہ دوسرے قبائل کے جو لوگ یمن وغیرہ سے یا ان قبائل کے لوگ جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ ماسبق سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ آتے تھے انہیں بھی صحیح عربی بولنا سکھایا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس مختصر ذکر کے بعد ہم ان شاء اللہ بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء (علیہم السلام) اور لوگوں کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک کے جملہ حالات تفصیلاً بیان کریں گے۔

ذکر اسحٰق علیہ السلام:

ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ جب حضرت اسحٰق علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے تیرہ یا چودہ سال کے بعد پیدا ہوئے تو ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال سے متجاوز اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر نوے سال ہو چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا (قرآن میں) ارشاد ہے کہ (ہم نے اسے (ابراہیم کو) اسحٰق علیہ السلام کی انبیائے صالحین میں سے ولادت کی بشارت دی اور ہم نے انہیں اور ان کے بیٹے اسحٰق علیہ السلام پر برکات نازل کیں (نیز) ان کی ذریت کو محسن اور اپنے نفس پر مکمل طور پر قابو رکھنے والی بنایا) اس آیت قرآنی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کئی دوسری آیاتِ قرآنی میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی صفات حسنہ کی تعریف فرمائی ہے۔

ہم اس سے قبل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے حوالے سے بھی حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام) کے اوصاف حسنہ کا ذکر کر چکے ہیں۔

اہل کتاب کے بیانات کے مطابق جب حضرت اسحٰق علیہ السلام نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حین حیات میں رفقا بنت تبواسیل سے شادی کی تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور ان کی بیوی بانجھ تھیں۔ تاہم جب حضرت اسحٰق علیہ السلام نے اپنی مذکورہ بالا بانجھ بیوی کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے بطن سے دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے ایک کا نام جو ان دونوں میں کچھ بڑے تھے حضرت اسحٰق علیہ السلام نے عیصو رکھا جنہیں اہل عرب عیص کہتے ہیں اور وہی روم کے والد تھے۔ دوسری مشہور روایت حضرت اسحٰق علیہ السلام کے دوسرے بیٹے یعقوب علیہ السلام کا نام یعقوب ہونے کے بارے میں یہ ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے ان کا یہ نام اس لیے رکھا تھا کہ وہ اپنے توام بھائی کے عقب میں بطن مادر سے تولد ہوئے تھے۔ ان کا ایک اور نام جو تاریخ میں مشہور ہے اسرائیل تھا اور قوم اسرائیل یعنی بنو اسرائیل ان کے اسی نام کی وجہ سے مشہور ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بھائی کو پیار سے عیصو کہہ کر پکارا کرتے تھے اور انہیں بہت چاہتے تھے کیونکہ وہ ان کی دعا کے نتیجے میں ان کی بانجھ بیوی رفقا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور ان کی پہلی اولاد تھے۔

تاہم حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ انہی کو چھوٹا بیٹا ہونے کی وجہ سے زیادہ چاہتی تھیں۔ ویسے بھی جب حضرت اسحٰق علیہ السلام کبرسنی کو پہنچے اور ضعف بصارت میں مبتلا ہو گئے تو وہ اپنے اسی بیٹے کو اکثر اپنے کھانے کے لیے چیزیں لانے کو کہا کرتے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو شکار کا بہت شوق تھا اور وہ بہت اچھے شکاری بھی تھے اس لیے حضرت اسحٰق علیہ السلام اکثر انہی کو شکار

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے لیے جانے اور ان کے لیے شکار کا گوشت فراہم کرنے کی فرمائش کیا کرتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام بڑے شوق اور صدق دل سے اپنے ضعیف باپ کی اس فرمائش کو پورا کیا کرتے تھے یا کبھی کبھی ان کی والدہ ان سے کہہ کر اپنے شوہر حضرت اسحٰق علیہ السلام کے لیے کوئی بکرا بکری ذبح کرالیا کرتی تھیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے بھائی عیصو یا عیص جسامت میں ان سے کہیں زیادہ تھے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی خدمت کی ان سے زیادہ کوشش کرتے لیکن وہی ہمیشہ ان پر سبقت لے جاتے بلکہ ان کے بھائی کی زرعی زمینیں اکثر بنجر ہونے کی وجہ سے وہی انہیں غلہ اور پھل پھلار بھی فراہم کرتے رہتے تھے۔

چونکہ حضرت یعقوب کے مذکورہ بالا بھائی عیصو یا عیص انہی وجوہات کی بناء پر ان کا شکر گزار ہونے کی بجائے ان سے حسد کرنے لگے تھے اس لیے ان کی والدہ رفقا نے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی وفات کے بعد انہیں مشورہ دیا کہ وہ حران سے کنعان چلے جائیں کیونکہ ان کے بھائی ان کی کسی بیٹی کو اپنی زوجیت میں لانے کا ارادہ بھی کر بیٹھے تھے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام حران سے چلے جو ان کے والد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی وصیت بھی تھی تو راستے میں ایک پتھر کا تکیہ بنا کر لیٹے اور سو گئے جہاں انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے فرشتے نازل ہو رہے ہیں جب کہ ایک فرشتے نے انہیں خدا کی طرف سے وحی پہنچائی اور نہ صرف انہیں نبوت اور برکت کی بشارت دی بلکہ ان کی اولاد میں سلسلہ نبوت جاری رہنے کی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی۔ اس جگہ کا نام حجر بھی اس واقعہ کی وجہ سے پڑا تھا لیکن جب حضرت یعقوب علیہ السلام آگے جا کر وہاں واپس آئے تھے تو انہوں نے اس جگہ کا نام حجر کی بجائے ایل رکھا تھا جس کے معنی بیت اللہ ہوتا ہے اور انہوں نے وہاں ایک عمارت بطور معبد تعمیر کی تھی اور اس کا نام بھی بیت اللہ یا معبد خدا رکھا تھا جو آج کل بیت المقدس کے نام سے مشہور ہے جس کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام ہی نے ڈالی تھی جیسا کہ ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے بیان کریں گے۔

بہرکیف جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں لابان کے پاس حران واپس آئے تو اس وقت ان کے مذکورہ بالا ماموں کی دو بیٹیاں جوان تھیں جن میں سے بڑی بیٹی کا نام لیا اور چھوٹی کا راحیل تھا جو بہت حسین و جمیل تھیں جب کہ لیا نہ صرف ضعف بصارت کی مریض تھیں بلکہ کریہہ المنظر بھی تھیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں لابان سے درخواست کی کہ وہ راحیل سے ان کی شادی کر دیں لیکن ان کے ماموں نے اس کی یہ شرط رکھی کہ وہ سات سال تک ان کے مویشی چراتے رہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی یہ شرط قبول کر کے اُسے پورا کیا۔ چنانچہ لابان نے اپنی برادری کے لوگوں کو جمع کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے بڑے شان دار طریقے پر اپنی بڑی لڑکی کی شادی کر دی۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں سے اس کی شکایت کی تو وہ بولے کہ بڑی بیٹی کے ہوتے ہوئے ان کی شادی چھوٹی بیٹی سے کس طرح کر سکتے تھے کیونکہ یہ بات نہ صرف ان کی برادری بلکہ دنیاوی روایات کے بھی خلاف تھی۔ البتہ ان کے ماموں نے ان سے کہا کہ اگر وہ مزید سات سال تک ان کے مویشی چرائیں تو وہ اپنی چھوٹی بیٹی راحیل سے بھی ان کی شادی کر دیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں کی یہ شرط منظور کر کے مزید سات سال تک ان کے مویشی چرانا شروع کر دیا جس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے اختتام پر ان کے ماموں نے راحیل سے بھی ان کی شادی کر دی جو ان کی ملت میں اس وقت جائز تھا لیکن بعد میں شریعت تورات کے مطابق اسے منسوخ کر دیا گیا۔ تورات میں اس کی تنسیخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے قبل اس کی اباحت درست تھی اور اس سلسلے میں حضرت یعقوب علیہ السلام قطعاً معصوم تھے۔ لابان نے اپنی بڑی بیٹی لیا کو ایک کنیز دی تھی جس کا نام زلفی تھا اور ایک کنیز راحیل کو دی تھی۔ جس کا نام بلہی تھا۔ لیا کے جب کوئی اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے اپنی کنیز زلفی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی جس کے بطن سے ان کے پہلے بیٹے روبیل؛ پھر شمعون پھر لاوی اور پھر یہودا پیدا ہوئے۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کے صلے میں کہ لیا نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونے کے لیے اپنی کنیز زلفی انہیں ہبہ کر دی تھی ان کا ضعف بصارت دور فرما دیا تھا۔

جب راحیل نے یہ دیکھا کہ لیا کی طرح ان کے بھی کوئی اولاد نہیں ہوتی تو انہوں نے بھی اپنی کنیز بلہی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ جس کے بطن سے ان کے دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے پہلے کا نام دان اور دوسرے کا نیفتالی تھا۔ پھر اللہ کی قدرت سے لیا بھی حاملہ ہو گئیں۔ اس سے قبل زلفی کے بطن سے دو اور بیٹے جاد اور راشیر پیدا ہو چکے تھے۔ لیا کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹے ایسا خرا اور زابون پیدا ہوئے پھر ایک بیٹی دینا پیدا ہوئی۔

اس دوران میں راحیل نے جو اس وقت تک لاولد تھیں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ان کے بطن سے بھی اس کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کی کوئی اولاد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرماتے ہوئے انہیں بھی اولاد سے نوازا اور ان کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دنیا میں حسین ترین بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے ماموں لابان کے مویشی چراتے ہوئے پورے چودہ سال ہو چکے تھے اور ان میں مختلف چوپاؤں کے ریوڑوں میں بے حساب اضافہ ہو چکا تھا۔ اس لیے انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ چونکہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے مویشیوں میں اتنی برکت دی ہے تو وہ بھی ان میں سے جتنے مویشی چاہیں لے لیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی یہ پیشکش قبول کر لی اور ان سے اجازت لے کر اپنی بیوی راحیل...... اپنے بیٹوں اور بھیڑوں' بکریوں' بیلوں' گایوں اور مینڈھوں دنبوں کے ایک بڑے ریوڑ اور کافی مال و متاع کے ساتھ اپنے آبائی وطن حبرون روانہ ہوئے اور وہاں جا کر بیت المقدس کی از سر نو تعمیر کی جس کی تعمیر مزید حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی۔ بیت الحم بنایا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ وہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیوی راحیل دوبارہ حاملہ ہوئیں اور ان کے بطن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بنیامین پیدا ہوئے لیکن ان کی ولادت کے ساتھ ہی شدت تکلیف کی وجہ سے ان کی ماں راحیل بھی فوت ہو گئیں انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت لحم میں دفن کیا اور ان کی قبر پر ایک سنگی کتبہ نصب کیا جو اب تک موجود ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد اسحٰق کے پاس کچھ عرصہ رہے جہاں ان کے دادا حضرت ابراہیم مقیم رہے تھے۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی وفات ایک سو اسی سال کی عمر میں ہوئی اور انہیں ان کے بیٹوں عیصو اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہیں دفن کیا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر تھی اور جس جگہ کو وہ خرید چکے تھے جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اسرائیل کی زندگی میں امورِ عجیبہ کا ذکر

ان امور عجیبہ میں حضرت یوسف بن راحیل (علیہ السلام) کا قصہ بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف میں بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جس میں لوگوں کے لیے مواعظ حسنہ کے علاوہ اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدن قدیم' حکمت اور کچھ عبرت انگیز باتیں ہیں۔ سورۂ یوسف علیہ السلام کی تفسیر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیلاً پیش کی ہے۔ اس قصے میں ہم یہاں بالاختصار پیش کریں گے۔

یاد رہے کہ قرآن پاک میں جو قصص الانبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اہل اسلام کی درس گیری و سبق آموزی کے لیے فصیح و بلیغ عربی میں بیان کیے گئے ہیں وہ حرف بحرف مبنی بر صداقت ہیں کیونکہ انہیں خود اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون جان سکتا تھا۔ اس کے بارے میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو حدیث قدسی مروی ہے اس میں ارشاد باری تعالیٰ کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ ''من ابتغی الھدی لغیرہ اضلہ اللہ'' یعنی جو شخص قرآن کے علاوہ دوسری ہدایات پر بھروسہ کرے گا وہ (گویا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہ کن ہوگا۔

یہ حدیث مسند امام احمدؒ کے علاوہ صحیح ترمذی میں بھی موجود ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کتاب لائے جو انہیں اہل کتاب میں سے کسی سے ملی تھی۔ اسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میرے پاس ایسی کتاب کیوں لائے ہو جس میں (اکثر و بیشتر) تحریفات کی گئی ہیں۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے ہی تھے جیسا اس کتاب میں لکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے انہیں وہ قصہ بھی بالاختصار سنایا جو قرآن شریف میں بیان ہوا ہے۔ اس میں پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس خواب کا ذکر ہے جس میں انہوں نے دیکھا تھا اور اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا تھا کہ انہیں گیارہ ستارے اور چاند سورج سجدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کو حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے سن کر ان کے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ اپنا وہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنائیں کہ وہ اسے سن کر ان سے حسد کرنے لگیں گے کیونکہ شیطان انسانوں کو بہکا سکتا ہے۔ (سورۂ یوسف)

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام بھی پہلے گنا چکے ہیں جن سے نسل اسباط کے ذریعہ بنی اسرائیل کی قوم وجود میں آئی جن میں عظیم ترین شخصیت کے مالک اور شریف ترین انسان حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ ان کے کسی بھائی کی نسل سے کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ البتہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے اسرائیل سے جو لفی یا لیلی کے بطن سے تھے اسرائیل کی نسل بڑھی جو بنی اسرائیل کہلائی اور اس میں نبی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بھی پیدا ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ قرآن پاک کے علاوہ احادیث قدسی کے حوالے سے کتب احادیث صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ جیسا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے عزیز ترین بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو تاکید کی تھی کہ وہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے یا کسی اور سے بیان نہ کریں تو انہوں نے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا لیکن چونکہ حضرت یعقوب حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے دوسرے تمام بھائیوں سے زیادہ چاہتے تھے جس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ ان کی محبوب مرحومہ بیوی راحیل کے بطن سے ان کے پہلے فرزند تھے۔ بہرکیف کوئی وجہ ہو ان کے بھائی ان کی دشمنی پر اتر آئے اور انہوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ سب مل کر انہیں شکار کے بہانے جنگل میں لے جا کر انہیں ٹھکانے لگا دیں۔

اس سازش کے تحت انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا کہ وہ اس دفعہ یوسف علیہ السلام کو بھی شکار پر لے جانا چاہتے ہیں لیکن چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے خبث باطنی سے واقف تھے اس لیے انہوں نے اس کی اجازت نہ دی لیکن ان کے حد سے زیادہ اصرار پر اجازت دے دی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے شکار پر جانے سے قبل انہیں تاکید کی تھی کہ اپنے چھوٹے بھائی کی حفاظت کا خیال رکھنا کہ کہیں اسے بھیڑیا اٹھا کر نہ لے جائے اور وہ ادھر ادھر شکار میں مشغول رہیں لیکن جب انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ ان کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھیں گے تو انہیں ان کو مجبوراً دوسرے بھائیوں کے ساتھ بھیجنا پڑا۔

جنگل میں پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آیا انہیں قتل کر دیا جائے اور ان کے خون آلود کپڑے دکھا کر اپنے والد سے کہہ دیا جائے کہ انہیں بھیڑیا اٹھا کر لے گیا تھا۔ اور ان کے وہ خون آلود کپڑے انہیں بڑی تلاش کے بعد ملے ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا لیکن پھر ان کی اکثریت اس بات پر متفق ہوئی کہ انہیں اس کنویں میں پھینک دیا جائے جو جنگل کے کنارے راستے میں تھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہہ دیا جائے کہ وہ ان کی تاکید کے باوجود کہ ایک جگہ بیٹھے رہیں ادھر ادھر کہیں چلے گئے تو انہیں بھیڑیا چیر پھاڑ کر کھا گیا۔

خون آلود کرتہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو دکھانے کے بارے میں انہوں نے یہ اسکیم کی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں دھکا دینے سے قبل کسی بہانے سے ان کا کرتہ اتروا لیا جائے۔ کنوئیں میں پھینکنے سے ان کی قسم بھی نہیں ٹوٹے گی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ انہیں کنوئے میں دھکا دینے سے قبل ان کا کرتہ کسی بہانے سے اتروا لیا اور پھر انہیں کنویں میں دھکا دے دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین دلانے کے لیے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے پر اپنے شکار کردہ جانور کا خون لگا دیا اور قسم کھا کر ان سے کہہ دیا کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹوں کا یقین تو نہ آیا لیکن وہ صبر کے سوا اور کیا کر سکتے تھے اس لیے رودھو کر چپ ہو گئے لیکن اپنے چہیتے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کر کے اکثر روتے رہتے تھے۔

ادھر خدا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں گرنے کے باوجود محفوظ تو رکھا۔ پھر اس کا کرنا ایسا ہوا کہ جس کنویں میں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

انہیں پھینکا گیا تھا وہاں ایک قافلہ آ کر ٹھہرا لیکن اہل قافلہ میں سے کسی نے اس کنویں سے پانی نکالنا چاہا تو اسے اندر سے آواز آئی جسے سن کر وہ ڈر گیا اور میر کارواں سے کہا کہ کنویں میں ضرور کوئی آدمی ہے جو اس کے اندر سے بول رہا ہے۔ چنانچہ اس نے کسی دوسرے آدمی کو بھیج کر اس کی تصدیق کرائی اور رسی ڈال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو باہر نکال لیا گیا۔

اس قافلے کا سالار تاجر تھا لیکن بڑا لالچی۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو بڑی حیرت سے دیکھا پھر سوچا کہ اگر وہ انہیں مصر کے بازار میں غلام کہہ کر فروخت کرے تو اسے ان کی کافی قیمت مل جائے گی۔ چنانچہ وہ انہیں وہیں لے گیا اور وہ اس کی منزل بھی تھی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر لے جا کر غلاموں کی منڈی میں جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا' غلاموں کی منڈی میں کھڑا کیا گیا تو ان کا حسن و جمال دیکھ کر لوگ حیرت زدہ رہ گئے اور خریداروں کی اتنی بھیڑ لگی کہ منڈی کے علاوہ ادھر ادھر کے راستے بھی لوگوں سے پٹ گئے اور کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔

یہ خبر شدہ شدہ عزیزِ مصر (مصر کے حکمران) تک بھی پہنچی تو اس نے دریافتِ حال کے لیے اپنے کسی درباری کو بھیجا اور تصدیق کے بعد اس نے جیسا کہ بعض مستند روایات سے ظاہر ہوتا ہے' حضرت یوسف علیہ السلام کو اس تاجر سے دس مثقال سونے اور بہت سے دیبا و حریر اور دوسرے ریشمی پارچہ جات میں خرید لیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ کر عزیزِ مصر بھی بہت حیران ہوا اور پھر اس نے اپنی خدمت سے انہیں اپنی منکوحہ بیوی زلیخا کی خدمت میں بھیج دیا جہاں وہ ایک مدت تک رہ کر جب عنفوان شباب کو پہنچے تو زلیخا بھی ان کے حسن و جمال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی بلکہ جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے ان کے عشق میں مبتلا ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ زلیخا کی راز دار سہیلیوں نے اسے ٹوکا تو اس نے کہا کہ اگر وہ اسے دیکھیں گی تو دل پر قابو رکھنا دشوار ہو جائے۔ اس کی سہیلیوں نے جب اس کا حد سے زیادہ مذاق اڑایا تو اس نے ایک دن ان سب کو جمع کر کے ایک ایک لیموں اور چاقو ان کے ہاتھ میں دے کر انہیں منتظر رہنے کے لیے کہا۔ اس کے بعد اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے درمیان سے گزرنے کو کہا۔ پھر جونہی حضرت یوسف علیہ السلام ان عورتوں کے درمیان سے گزرے تو اسی وقت اس نے انہیں لیموں کاٹنے کا حکم دیا۔ ان عورتوں کی نگاہیں پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے روئے مبارک پر پڑیں تو وہیں گڑی رہ گئیں۔ زلیخا نے انہیں دوسری بار حکم دیا ''لیموں کاٹو'' تو ان بیچاریوں نے محویت کے عالم میں لیموؤں کی جگہ اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ واللہ اعلم

زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی لاکھ کوششیں کیں لیکن وہ جو فطرۃً معصوم اور پاکیزگی کا مجسمہ تھے خدا کے خوف سے اس کی باتوں میں نہ آئے۔ پھر جیسا کہ سورۂ یوسف کی متعلقہ آیات شریفہ اور روایات احادیث سے ظاہر ہوتا ہے ایک دن زلیخا کہ سر پر نفس کا ایسا بھوت سوار ہوا کہ اس نے حضرت کو اپنی خواب گاہ میں طلب کر کے اس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور بتوں کی تصاویر اور مجسموں پر پردہ ڈالنے لگی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس کا مقصد سمجھ گئے اور یہ دیکھ کر اس سے بولے۔ ''خدا تو یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے''۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لیکن چونکہ زلیخا پر نفس کا بھوت سوار تھا اس لیے اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بستر پر لے جانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک کر دروازے کا رخ کیا تو اس نے ان کے کرتے کا دامن پکڑ لیا جو اسی کش مکش میں پھٹ گیا۔ تاہم حضرت یوسف علیہ السلام اپنا دریدہ دامن کسی نہ کسی طرح اس سے چھڑوا کر اس کی خواب گاہ سے نکل آئے تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا اور خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے اپنی کنیزوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر سارا الزام حضرت یوسف علیہ السلام کے سر تھوپنے کی کوشش کی۔

عزیز مصر کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ انتہائی غضب ناک ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن کچھ خاص خاص لوگوں نے اس سے کہا کہ ایسا کرنا آداب حکمرانی کے خلاف ہے اور اسے مشورہ دیا کہ پہلے اس واقعے کی تحقیق کی جائے اب سوال یہ تھا کہ زلیخا اور یوسف علیہ السلام میں سے اصل خطاوار کی پہچان کیسے ہو تو کسی دانشمند نے عزیز مصر سے کہا کہ اگر یوسف علیہ السلام کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہو تو وہ خطاوار ہیں اور اگر پیچھے سے پھٹا ہو تو یقیناً ملکہ مصر زلیخا ہی کو یقیناً خطاوار ٹھہرایا جائے گا۔

یہ سن کر عزیز مصر سوچ میں پڑ گیا لیکن اس دانش مند کی بات اس کے دل کو ایسی لگی کہ اس نے فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سامنے طلب کیا لیکن جب دیکھا گیا تو ان کا کرتا پیچھے سے دریدہ پایا گیا۔ پھر بھی عزیز مصر زلیخا کو سزاوار ٹھہرانے اور اسے سزا دینے پر تیار نہ ہوا بلکہ اپنے قریب ترین سرکاری حکام کے مشورے کے علی الرغم حضرت یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام زندان میں صبر و شکر کے ساتھ قید و بند کے مصائب جھیل رہے تھے تو عزیز مصر نے ایک شب کو خواب میں سات دبلی پتلی گائیں دیکھیں اور صبح کو کاہنوں کو طلب کر کے اپنے اس خواب کی تعبیر معلوم کرنا چاہی لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کے اس خواب کی تعبیر نہ بتا سکا۔

اتفاق سے عزیز مصر کے دربار میں اس وقت ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جسے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا یقین تھا اور اس نے یہ بھی سنا تھا کہ وہ زندان میں قیدیوں کی اصلاح کے لیے کوشاں ہیں اور بہت سے قیدی صرف روبہ اصلاح ہی نہیں ہوئے ہیں بلکہ حضرت یوسف کی پارسائی کے قائل بھی ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس نے عزیز مصر کو یہ واقعات سنا کر اسے مشورہ دیا کہ اس کے خواب کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کی جائے اور اسے یقین دلایا کہ ان کی بتائی ہوئی تعبیر یقیناً صحیح ہو گی۔

چنانچہ جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زندان سے طلب کر کے اپنے خواب کی ان سے تعبیر بتانے کے لیے کہا تو انہوں نے اسے بتایا کہ سات دبلی پتلی گائیں خواب میں دیکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ مصر آئندہ سات سال تک قحط میں مبتلا رہے گا۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو امتحاناً قید سے رہا تو کر دیا لیکن انہیں نظر بند رکھا یعنی انہیں کہیں آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔

پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر خواب سچ نکلی اور اگلے سال مصر میں قحط پڑ گیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے مشورے سے اس سال مصر کے علاوہ ادھر ادھر سے اتنا غلہ جمع کر لیا گیا کہ سارے گودام بھر گئے اور جیسا کہ حضرت یوسف

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نے فرمایا تھا تو اگلے سال سے لے کر آئندہ سات سال تک مصر میں غلے کی کمی محسوس نہ ہو سکی۔

اللہ تعالیٰ نے اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی مدد فرمائی تو عزیز مصر بھی ان کی بے گناہی اور راست بازی کا قائل ہو گیا اور انہیں اپنی زندگی ہی میں اپنا نائب السلطنت اور ولی عہد مقرر کر دیا۔ چنانچہ جب عزیز مصر فوت ہوا تو وہی عزیز مصر کی جگہ مصر کے بادشاہ ہوئے اور اس سے ہر کس و ناکس کو بے حد خوشی ہوئی اور وہ مدت تک ان کی دیانت' سخاوت اور عدل و انصاف کے گن گاتے رہے۔

ادھر حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے دوران حکومت میں کنعان شدید قحط کا شکار ہو گیا اور لوگ وہاں سے عزیز مصر کی داد و دہش اور سخاوت کے قصوں کے علاوہ یہ سن کر کہ وہ اطراف و جوانب کے قحط زدہ علاقوں کے حاجت مندوں کو بھی غلہ تقسیم کر رہا ہے جوق در جوق مصر کی طرف روانہ ہونے لگے۔

یہ دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی جو ان کی دشمنی میں حد سے گزر گئے تھے اور بد طینتی اور خبث باطنی میں بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے قحط کے ہاتھوں مجبور ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام سے اجازت کے طالب ہوئے تاکہ وہ بھی مصر سے کچھ غلہ لانے کے لیے وہاں جائیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جو اپنے عزیز ترین بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی اور ان کی یاد میں روتے روتے بینائی کھو چکے تھے بولے: جاؤ لیکن جلد لوٹ آنا کیونکہ میں یہاں تنہا رہ جاؤں گا' بس تم ہی یا یہ تمہارا چھوٹا بھائی بنیامین ہی میری زندگی کا سہارا رہ گئے ہو۔ ویسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا سب سے بڑا سہارا ہے مگر اسی نے تو تمہیں میرا سہارا بنا رکھا ہے۔ (روایت)

ادھر حضرت یوسف علیہ السلام جو عزیز مصر کی وفات کے سال ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ صرف مصر کی بادشاہت بلکہ نبوت سے بھی سرفراز فرما دیئے گئے تھے اب اس کی ہدایات کے مطابق نہ صرف لوگوں کو خدا پرستی کی دعوت دے رہے تھے اور قحط زدہ علاقوں کے لوگوں میں حسب ضرورت روزانہ غلہ بھی تقسیم فرما رہے ہیں بلکہ اپنی رعایا کی ہر ضرورت کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھ رہے تھے جس کی وجہ سے ان کی نرم دلی اور سخاوت کی خبر دور دور جا پہنچی تھی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے کنعان سے مصر پہنچے تو آپ نے انہیں فوراً پہچان لیا لیکن ان کے اونٹوں پر غلہ اپنے سامنے بار کراتے وقت ان سے کنعان کے حالات اور ان کے والد کے بارے میں بھی دریافت کیا تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی ضعیفی' بصارت سے محرومی اور اپنے بھائی یعنی خود حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں ان کی شب و روز گریہ و زاری کا حال سنایا لیکن یہ نہ بتایا کہ اس کا سبب وہ خود تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ آیا اپنے والد کے صرف وہی بیٹے تھے یا ان کا کوئی اور بھائی بھی ہے تو انہوں نے بتایا کہ ان کا سب سے چھوٹا ایک اور بھائی ہے لیکن ان کے والد اسے کبھی جدا نہیں کرتے۔ اس لیے وہ اسے ساتھ نہیں لائے ان سے یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کا دل تڑپنے لگا اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن ضبط کرتے ہوئے بولے:

''تم اب کے آؤ تو اپنے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی لانا تاکہ اس کے حصے کا اناج بھی تمہیں مل سکے۔ لیکن جب وہ دوسری بار غلہ لینے مصر آئے تو بنیامین یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے حقیقی بھائی ان کے ساتھ نہ تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے دریافت فرمانے پر انہوں نے بتایا کہ ان کے والد نے اسے ان کے ساتھ آنے کی اجازت نہیں دی۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے حسبِ معمول انہیں غلہ دے کر ان سے یہ بھی فرمایا کہ اگر اب کے وہ اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو انہیں مزید غلہ نہیں ملے گا۔ چنانچہ اگلی بار جب وہ غلہ لانے کے لیے کنعان سے مصر آنے لگے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی اپنے ساتھ لے چلنے پر زور دیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اگر وہ بھی ان کے ساتھ ہوئے تو ان کے حصے کا غلہ بھی انہیں مل جائے گا جسے ملا کر ان کے کچھ مزید دن آرام سے بسر ہو جائیں گے۔ تاہم حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے سے صاف انکار کر دیا تو انہوں نے انہیں بتایا کہ اگر وہ ساتھ نہ گئے تو عزیزِ مصر کی شرط کے مطابق خود انہیں بھی اب کے غلہ نہیں ملے گا تو حضرت یعقوب علیہ السلام انہیں ساتھ بھیجنے پر مجبور ہو گئے لیکن ساتھ ہی چلتے وقت انہیں ان کی حفاظت کی خاص طور سے سخت تاکید کر دی اور جب انہوں نے ان کی حفاظت کی پہلے کی طرح قسم کھائی تو انہوں نے گویا دل پر صبر کی سل رکھ کر انہیں ان کے ساتھ کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح اپنے چھوٹے حقیقی بھائی بنیامین کو بھی دیکھتے ہی پہچان لیا لیکن اب بھی مصلحتاً انجان بنے رہے تاہم جب وہ اپنے اونٹ پر غلہ بار کر رہے تھے تو انہیں پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر جب وہ اپنے اونٹ پر حسبِ ضرورت اپنے حصے کا غلہ لاد کر اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ روانہ ہو گئے تو ایک دم شور مچ گیا کہ کسی نے اپنے غلے میں سونے کا وہ پیمانہ بھی جس سے غلہ ماپ کر دیا جاتا تھا چرا کر رکھ لیا ہے۔ وہاں سے سب سے آخر میں روانہ ہونے والے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہی تھے لہٰذا انہیں راستے سے لوٹا کر لایا گیا اور ان کے اونٹوں کی تلاشی لی گئی تو بنیامین کے غلے میں چھپا ہوا سونے کا وہ پیمانہ برآمد کر لیا گیا جسے خود حضرت یوسف علیہ السلام نے وہاں انہیں روکنے کے لیے رکھ دیا تھا۔ پھر ان کے بھائیوں کو جانے کی اجازت دے دی گئی اور جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود چاہتے تھے بنیامین کو روک کر ان کے بھائیوں سے کہا گیا کہ انہیں قانون کے مطابق سزا دی جائے گی کیونکہ ان پر چوری کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دوسرے بھائی رونے لگے اور گڑگڑا کر حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ "بنیامین کا سگا بھائی پہلے ہی بھیڑیے کا شکار ہو چکا ہے جس کے غم میں روتے روتے ان کے والد یعقوب علیہ السلام بصارت کھو بیٹھے ہیں' اس لیے اگر ہم بنیامین کو جسے ہم حفاظت کے ساتھ واپس لانے کی قسم کھا کر آئے ہیں اپنے ساتھ نہ لے گئے تو ہمارے والد اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکیں گے"۔

اپنے بھائیوں سے یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں لیکن انہوں نے ضبط کرتے ہوئے ان سے کہا:

"اچھا تم انہیں یہاں چھوڑ جاؤ اور اپنے والد سے ہماری طرف سے جا کر کہنا کہ ہم انہیں بھی بہت جلد ان کے پاس پہنچا دیں گے اور اس کی ضمانت میں تم ہمارا ایک کرتہ لے جاؤ"۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد ان کے بھائی ان کا کرتہ لے کر روانہ ہو گئے۔ اس کے سوا وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے لیکن راستے میں اپنی اپنی جگہ سب سوچتے جا رہے تھے کہ بنیامین کو ان کے ساتھ نہ پا کر ان کے والد حضرت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یعقوب علیہ السلام واقعی تڑپ کر مر جائیں گے لیکن جب کنعان پہنچ کر انہوں نے سارا واقعہ سنا کر انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ یہ کہہ کر دیا کہ عزیزِ مصر نے ان کے بھائی کو جلد ان کے پاس بھیجنے کی ضمانت کے طور پر اپنا کرتہ دیا ہے تو انہوں نے ہاتھ بڑھا کر وہ کرتہ لے لیا اور تڑپ کر بولے: ''یہ تو یوسفؑ کا کرتہ ہے' مجھے اس سے اس کے بدن کی خوشبو آ رہی ہے''۔

یہ کہہ کر انہوں نے وہ کرتہ اپنی آنکھوں سے لگایا تو خدا کی قدرت سے ان کی آنکھوں کی بینائی فوراً لوٹ آئی اور خوشی سے بولے: ''میں نہ کہتا تھا کہ یہ یوسفؑ کا کرتہ ہے' چلو تم مجھے اس کے پاس لے چلو''۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ان سے لاکھ کہتے رہے کہ ''یہ تو واقعی مصر کے بادشاہ کا کرتہ ہے۔ البتہ اسے آپ اپنے پروردگار کی قدرت یا رحمت سمجھئے کہ اسے آنکھوں سے لگانے سے آپ کی بصارت لوٹ آئی ہے جسے آپ اپنے جذبے کی انتہا قرار دے سکتے ہیں'' لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے گویا ان کی بات سنی ہی نہیں اور وہ ان سے انہیں مصر پہنچانے پر اصرار کرتے رہے اور آخر کار ان کے بیٹے انہیں لے کر دو روز بعد ہی مصر روانہ ہو گئے۔

اُدھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دوسرے بھائیوں کی روانگی کے بعد اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو خلوت میں طلب کیا اور انہیں گلے لگا کر سارا قصہ انہیں سنا دیا جسے سن کر وہ روتے ہوئے اپنے بڑے بھائی کی قدمبوسی کے لیے جھک گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کا قصہ بھی بڑا اثر انگیز ہے وہ ایک دوسرے کو بالکل اسی طرح دیکھتے رہے اور پھر یک دم بغلگیر ہو گئے دراں حالیکہ دونوں کی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تا دیر دیکھتے رہے تھے اور پھر یک دم باہم بغلگیر ہو کر دونوں رو پڑے تھے۔

ابن اسحٰق علیہ السلام نے اہل کتاب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر آ کر اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سترہ سال مقیم رہے تھے اور اپنی وفات کے وقت انہیں وصیت کی تھی کہ انہیں ان کے والد حضرت اسحٰق اور ان کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبروں کے پاس دفن کیا جائے۔

السدی کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی میت مصر سے شام لے جا کر انہیں حضرت اسحٰق و حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کے پاس المنارہ میں دفن کیا تھا۔

اہل کتاب کے نزدیک حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر جب وہ کنعان سے مصر تشریف لائے تھے ایک سو تیس سال تھی اور انہوں نے وہاں سترہ سال قیام فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی پوری عمر ایک سو چالیس سال ہوئی جو بظاہر غلط ہے تاہم ایک نسخے میں یہی لکھا ہے۔ ممکن ہے ان سے یہ حسابی غلطی سہواً ہو گئی ہو لیکن یہ تضاد ان کے ہاں اکثر و بیشتر پایا جاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے ذکر کے ساتھ متعلقہ قرآنی آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے:

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے دریافت کیا:

''تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے؟ تو وہ بولے: ''ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء اسماعیل و اسحٰق اور ابراہیم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(علیہ السلام) کے معبود کی پرستش کریں گے اور ہم اسی پر ایمان لائے ہیں''۔

- گویا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو خدا کی پرستش کی بالاخلاص وصیت کی تھی جو درحقیقت اسلام تھا اور ہے جس کے لیے از ابتدا تا انتہا انبیاء علیہم السلام مبعوث کیے گئے تھے۔

اہل کتاب نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ''حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو الگ الگ وصیت کی تھی اور اپنے بیٹے یہودا (عربی تلفظ یہوذا) سے فرمایا تھا کہ ان کی نسل سے ایک عظیم نبی پیدا ہوں گے جن کی تمام شعوب وقبائل اطاعت کریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی نبی تھے (یعنی جن کی ولادت کا یہودا کی نسل سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا۔ واللہ اعلم

یہ بھی اہل کتاب کا بیان ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات پائی تو اہل مصر نے ستر دن تک ان کا سوگ منایا' حضرت یوسف علیہ السلام نے اطباء کو حکم دیا تھا کہ ان کی لاش کو خوشبویات سے غسل دیا جائے اور انہیں اسی طرح چالیس دن تک خوشبوؤں میں رکھا جائے۔ اس کے بعد اہل مصر نے ان سے اجازت لی کہ انہیں ان کے آبائی قبرستان میں جس کی زمین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عفرون بن صحر حیثی سے خریدی تھی دفن کیا جائے اور ان سے اجازت ملنے پر مصر کے اکابرین وشیوخ ان کی میت لے کر مصر سے حبرون روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر انہیں اسی مقارہ میں دفن کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خریدا تھا۔ اس کے بعد وہ وہیں ان کی عزاداری میں مصروف رہے اور پھر مصر لوٹ آئے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے ساتھ مل کر کچھ روز اپنے والد کا سوگ مناتے رہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم وتکریم بھی کرتے رہے۔ جس کے بعد وہ سب کے سب مصر ہی میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ انہیں بھی مصر سے لے جا کر حبرون میں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا جائے لیکن ان کی لاش اس وقت تک حنوط کر کے محفوظ رکھی گئی جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے خروج نہ کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے روانگی کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی حنوط شدہ لاش بھی ان کے ساتھ کر دی گئی اور انہیں بھی ان کی وصیت کے مطابق ان کے آبائی قبرستان میں حبرون ہی میں دفن کیا گیا۔ اس کی تفصیل ہم بھی ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع پیش کریں گے۔

اہل کتاب کے مطابق حضرت علیہ السلام کی عمر ایک سو دس سال ہوئی۔ یہی ابن جریر نے بھی بیان کیا ہے جب کہ مبارک بن فضالہ نے حسن کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تھا اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی اور وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے اسی سال تک جدا رہے جس کے بعد وہ تیئس سال تک اور زندہ رہے اور اس طرح ان کی عمر مبارک ایک سو بیس سال ہوئی۔

مبارک بن فضالہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وصیت اپنے بھائی یہودا (عربی تلفظ یہوذا) کو کی تھی۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ۱۲

قصہ حضرت ایوب علیہ السلام

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ایک شخص جن کا تعلق روم سے بتایا جاتا ہے درحقیقت وہی ایوب بن موص بن زراح بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تھے لیکن کچھ لوگ انہیں ایوب بن موص بن رعویل بن عیص بن اسحٰق بن یعقوب بتاتے ہیں جب کہ کچھ دوسرے لوگوں نے اس کے علاوہ اور کچھ بھی بتایا ہے۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ان کی ماں لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے والدان لوگوں میں شامل تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے سے قبل ان کے ساتھ ایمان لاچکے تھے۔ سب سے زیادہ مشہور بات یہ ہے کہ ان کا تعلق بھی ذریت ابراہیم علیہ السلام سے تھا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمَانَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَ هَارُوْنَ ﴾

اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس آیت میں جو ضمیر ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اس کے علاوہ یہ صحیح بات ہے کہ وہ (حضرت ایوب علیہ السلام) بھی ان انبیاء میں سے ہیں جن پر وحی الٰہی نازل ہوئی جیسا کہ قرآن پاک کی سورہ النساء میں ہے:

﴿ اِنَّـا اَوْحَيْنَا اِلَيْکَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ ﴾

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایوب عیص بن اسحٰق اور ان کی بیوی کے جن کا نام لیا بتایا جاتا ہے بیٹے تھے لیکن کچھ لوگوں نے انہیں رحمہ بنت افرائیم کا بیٹا بتایا ہے نیز انہیں منشا بن یوسف بن یعقوب بتایا گیا ہے جو صحیح ترین بات بھی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان کا یہاں ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد ہم ان شاء اللہ پھر انبیائے بنی اسرائیل کے ذکر کی طرف آئیں گے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا (جب ایوب علیہ السلام نے ہمیں پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار کہ مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے تو ہم نے ان کی فریاد سنی اور انہیں بتایا کہ انہیں کیا بیماری ہے اور ان کے ساتھ ان کے اہل کر دیئے اور انہی جیسے اور بھی جن میں ہماری رحمت بھی شامل تھی اور ہمارا ذکر عابدین کے لیے ہے) نیز سورہ (ص) میں بھی ارشاد ہوا:

﴿ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا اَيُّوْبَ الخ ﴾

کلبی کی طرح ابن عساکر سے بھی مروی ہے کہ مبعوث ہونے والے انبیاء میں پہلے ادریس ہیں پھر نوح ہیں پھر ابراہیم ہیں پھر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اسماعیل' پھر اسحٰق' پھر یعقوب' پھر یوسف' پھر لوط' پھر ہود' پھر صالح' پھر شعیب' پھر موسیٰ اور ہارون' پھر الیاس' پھر الیسع پھر عرفی[1]' پھر سویلح بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب' پھر یونس بن متی جو بنی یعقوب میں سے ہیں' پھر ایوب بن زراح[2] بن آموص بن لیفرز بن عیضو بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام) ہیں۔

بہر کیف یہ ترتیب بعض جگہ محل نظر ہے کیونکہ ہود اور صالح کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل مبعوث ہوئے تھے۔ واللہ اعلم

علمائے تفسیر و تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت ایوب بڑے صاحب ثروت شخص تھے ان کے پاس حوران کے علاقے بثینہ میں بڑا مال و زر' غلام' زرعی زمینیں اور دوسری بہت سی چیزیں تھیں۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ ان کے پاس کثیر مال و متاع کے علاوہ ان کے اہل و عیال اور قرابت دار بھی کثیر تعداد میں تھے لیکن پھر ان کے پاس سے یہ سب کچھ یک لخت جاتا رہا اور وہ بہت سے جسمانی عوارض میں مبتلا ہو گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ ان کے دل اور زبان کے علاوہ ان کے جسم کا کوئی عضو صحیح و سالم نہ رہا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وہ اس حال کے باوجود دن رات اور صبح و شام صبر کرتے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہے اور پھر یہاں تک نوبت آ گئی کہ ان کے جسم میں تعفن کی وجہ سے ان کے سب عزیز و اقربا نے ان کے پاس آنا جانا ترک کر دیا' بس صرف ان کی بیوی رہ گئیں جو ان کی ضروریات کا خیال رکھتی تھیں اور ان کے کھانے پینے حتیٰ کہ رفع حاجت کے لیے بھی وہی انہیں اٹھاتی بٹھاتی تھیں۔ سچ یہ ہے انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کے پچھلے احسانات اور زوجیت کا حق ادا کر دیا لیکن پھر ان کی اس سے بھی زیادہ بری حالت ہو گئی اور لوگوں نے انہیں ایک نربلہ کے کنارے ڈلوا دیا۔ اس زمانے میں بھی ان کی بیوی ہی نے ان کا ساتھ دیا۔ وہی انہیں بھی کھانا کھلاتیں جو اڑوس پڑوس کے لوگ ان کی بیوی کے لیے لے آتے تھے اور وہی ان کے جسم سے نجاست و غلاظت ہٹاتی رہتی تھیں۔

آخر جب لوگوں سے اس شریف خاتون کی یہ حالت نہ دیکھی گئی تو انہوں نے اسے کسی اور جگہ پہنچا دیا لیکن وہاں بھی وہ اپنے خاوند حضرت ایوب علیہ السلام کو یاد کرتی اور روتی رہتی تھیں۔

وہب بن منبہ نے یہ سب باتیں بنی اسرائیل کے اکثر ثقہ لوگوں کے حوالے سے تفصیلاً بیان کی ہیں جن کی صحت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جب کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''دنیا میں سب سے زیادہ مصائب انبیاء علیہم السلام کو برداشت کرنے پڑے نیز یہ کہ جو اپنے دین و ایمان پر جتنا ثابت قدم رہا اسی نسبت سے اسے بلاؤں کا سامنا بھی کرنا پڑا''۔

اس روایت کے آخر میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے سب سے زیادہ مصداق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ

---

[1] ایک نسخے میں عزبی لکھا ہے۔ [2] ایک نسخے میں رازح لکھا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آپ نے ہی بعد بعثت کفار کے ہاتھوں سب انبیاء علیہم السلام سے زیادہ مصائب برداشت کیے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے مصائب کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ وہب کے نزدیک وہ ان بلاؤں میں پورے تین سال مبتلا رہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے ان سخت ترین بلاؤں کا شکار رہنے کے باوجود صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کے صلے میں انہیں پھر وہی تمام نعمتیں عطا فرما دیں جن سے انہیں اس سے قبل سرفراز فرمایا تھا۔

ابن حاتم اور ابن جریر نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام ان بلاؤں میں پورے اٹھارہ سال مبتلا رہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کی بیوی کے علاوہ جن کا نام کلام الٰہی میں رحمہ بتایا گیا ہے ان کے دو دوسرے قریبی عزیز بھی ان کی خبر گیری کرتے رہتے تھے اور ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا تھا کہ حضرت ایوب علیہ السلام جیسی مصیبت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں کسی کو اتنی مدت تک مبتلا نہ رکھا ہوگا۔ پھر دوسرے کے سوال کے جواب میں پہلے نے بڑے وثوق سے اس کا حساب لگا کر اس مدت کا تعین اٹھارہ سال کیا تھا۔

اس روایت میں یہاں سب کے سب ابن جریر کے الفاظ پیش کیے گئے ہیں جب کہ اس روایت کو اور زیادہ تفصیل سے ابن حبان نے اپنی کتاب ''صحیح'' میں محمد بن حسن بن قتیبہ بن حرملہ اور وہب ہی کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ تاہم یہ روایت جو حضرت ایوب علیہ السلام کی مدت مصائب کے تعین کے بارے میں ہے بڑی عجیب و غریب ہے جسے ان حضرات نے وہب کے حوالے سے بیان کیا ہے لیکن اس پر تاریخی حیثیت سے بمشکل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پہلی عیش و آرام کی زندگی پر لوٹا دیا تو جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر سونے کی بارش فرمائی تھی اور وہ اس سونے کو اپنے کپڑوں میں چھپا لیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگوں نے ان سے دریافت کیا تھا کہ وہ اپنے کپڑوں میں اس طرح کیا چھپایا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ وہ ان کے پروردگار کی رحمت تھی جسے کوئی نہیں چھپا سکتا۔

یہ روایت ابن حاتم نے بھی بیان کی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے نام کے بارے میں جو مختلف روایات ہیں انہیں قرآن شریف میں ان کا نام خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''رحمہ'' بتائے جانے کے بعد ختم سمجھنا چاہیے۔

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر مصائب کے اختتام اور ان کے صبر و شکر کے صلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ان کی اصلی جسمانی حالت اور امیرانہ زندگی کی طرف لوٹائے جانے کے بعد ان کی بیوی رحمہ کے بطن سے ان کے ستائیس بیٹے پیدا ہوئے تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام نے ان مصائب کے بعد روم میں ستر سال گزارے تھے لیکن اس دوران میں ان کے پیروکار دین ابراہیمی پر قائم نہیں رہے تھے اور انہوں نے اس میں بہت سی نئی نئی باتیں داخل کر لی تھیں۔

علمائے تاریخ میں ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی عمر ان کی وفات کے وقت ترانوے سال تھی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لیث نے مجاہد کے حوالے یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت انبیاء میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام زوال سے حصول کمال میں حضرت یوسف علیہ السلام کا نام اور اہل بلاء میں حضرت ایوب علیہ السلام کا نام بطور حجت اپنے بندوں کے سامنے بتائیں گے۔

ابن عساکر نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے اس کے مفہوم پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حوبل کو وصیت کی تھی لیکن اس پر عمل ان کے دوسرے بیٹے بشر بن ایوب علیہ السلام نے کیا۔ اور انہی کو اکثر لوگ ذوالکفل بتاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ انہی کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہی بشر بن ایوب نے پچھتر سال عمر پائی۔

بہرکیف ہم ان بشر ابن ایوبؑ کا ذکر جنہیں اکثر لوگ نبی اور ''ذوالکفل'' بتاتے ہیں سطور ذیل میں کر رہے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قصہ ذی الکفل

ذی الکفل وہی ہیں جنہیں سب لوگوں نے ابن ایوب علیہ السلام بتایا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے سورہ انبیاء میں دوسرے انبیاء کے ساتھ ان کا ذکر فرماتے ہوئے انہیں بھی صالحین میں شمار فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ص میں بھی ان کا اس طرح ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ جیسا مختلف روایات میں ذکر ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نبی تھے (علیہ السلام) اوران کی نبوت کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں وہ غلط نہیں ہیں۔ البتہ کچھ متاخرین نے ان کا شمار صالحین میں کرتے ہوئے ان کے اوصاف میں عدل وحکمت اور دیانت وغیرہ کو شامل کیا ہے۔ ابن جریر نے بھی صرف اتنا ہی کہا ہے۔ واللہ اعلم

ابن جریر اور ابن ابی نجیح نے مجاہد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ چونکہ بشر ابن ایوب علیہ السلام ایک مرد صالح تھے' اپنی قوم کے مسائل عدل وانصاف سے نمٹایا کرتے تھے اور اس کی موقع بموقع کفالت بھی کرتے تھے اس لیے وہ ذی الکفل کے نام سے مشہور ہوئے اور اب تک اس نام سے مشہور چلے آتے ہیں۔

یہی روایت ابن ابی حاتم سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قریباً اسی سیاق کے ساتھ مروی ہے۔

ذی الکفل کے بارے میں عبداللہ ابن الحارث' محمد بن قیس اور حجیرہ الاکبر کی روایات جو انہوں نے کچھ متاخرین کے حوالے سے پیش کی ہیں ان کے انہی احوال پر مبنی ہیں۔

ابن ابی حاتم ایک اور جگہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابو الجماہر' سعید بن بشیر اور قتادہ نے کنانہ بن اخنس کے حوالے سے بیان کیا اور آخر الذکر نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے جب وہ منبر سے لوگوں کو خطاب کر رہے تھے فرماتے ہوئے سنا کہ ذی الکفل نبی نہیں تھے بلکہ ایک مرد صالح تھے جو ایک ہی شب وروز میں سات بار نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر لوگوں کی کفالت بھی کرتے تھے اس لیے ذی الکفل کے نام سے مشہور ہوئے۔

یہ روایت بھی ابن جریر نے عبدالرزاق کے توسط اور معمر وقتادہ کے حوالے سے بیان کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قول اس بارے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس سلسلے میں جو حدیث نبوی امام احمدؒ سے مروی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذی الکفل بنی اسرائیل میں سے تھے تاہم ان کے تمام اعمال زہد وورع پر مبنی نہیں تھے اس کے بعد آپؐ نے وہ قصہ جس میں بتایا گیا ہے کہ ذی الکفل نے سو دینار ایک عورت کو کیوں دیے تھے تفصیل سے بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ذی الکفل کو اس قصے کی وجہ سے کبھی خطا کار نہیں ٹھہرایا تھا بلکہ جب انہوں نے وفات پائی تو صبح کو ان کے دروازے پر لکھا پایا گیا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ذی الکفل کی مغفرت فرما دی ہے''۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے ساتھ جسے انہوں نے اعمش کے حوالے سے پیش کیا ہے اسے حدیث حسن قرار دیا ہے تاہم دوسرے راویوں نے اسے حدیث غیر مصدقہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ جس ذی الکفل کے بارے میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی جاتی ہے وہ کوئی دوسرا ذی الکفل ہوگا جس کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باب ۱۳

ہلاک ہونے والی امتوں کا ذکر

ہلاک ہونے والی امتیں نزول توریت سے قبل ہوئی تھیں جیسا کہ ارشاد ربانی: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَى﴾ سے ثابت ہے۔

ابن جریرؒ ابن ابی حاتم اور البزار سے عوف اعرابی کی زبانی اور ابی نضرہ وابی سعید الخدری کے حوالے سے مروی ہے کہ نزول توریت کے بعد کسی ارضی یا سماوی عذاب سے کوئی قوم اس قریہ کے علاوہ جو قطعاً مٹ کر خاک ہوگیا۔ ہلاک نہیں ہوئی۔

اس بیان کے راوی بھی اپنے اس بیان کے ثبوت میں قرآن شریف کی مندرجہ بالا آیہ شریفہ ہی پیش کرتے ہیں بلکہ البزار نے اپنی روایت میں زیادہ زور اسی آیہ کریمہ پر دیا ہے تاہم اس آیت قرآنی سے بہ تمام وکمال یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نزول توریت سے قبل بنی اسرائیل کے سوا دوسری قومیں ہلاک کر دی گئی تھیں۔

اس کے علاوہ نزولِ توریت سے قبل جن قوموں کی ہلاکت کا ذکر سورۂ ''ق'' میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ بھی صرف قوم نوح علیہ السلام' اصحاب الرس' ثمود وعاد' فرعون' اخوان لوط' اصحاب ایکہ اور ان کا کفر میں اتباع کرنے والی قومیں تھیں۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے علاوہ باقی پچھلی قومیں سب کی سب ہلاک کر دی گئی تھیں۔

اس گفتگو کے بعد سورۃ البروج سے استناد کرتے ہوئے ابن جریر کا یہ بیان کہ اصحاب الاخدود کا زمانہ اسحٰق علیہ السلام کے بعد اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا محل نظر اور قابل تردید ٹھہرتا ہے۔

پھر ابن جریر نے خود ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اصحاب الرس اہالیان قریہ ثمود میں شامل تھے۔

اس کے علاوہ حافظ کبیر ابو القاسم بن عساکر نے اپنی تاریخ کی ابتدا ہی میں بنائے دمشق کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ ابی القاسم بن عبداللہ بن جرداد کے حوالے سے کہ اس شہر کی بنیاد ڈالنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا تھا ان کا نام حنظلہ بن صفوان تھا جنہیں ان لوگوں نے (معاذ اللہ) کاذب ٹھہرا کر قتل کر دیا تھا جس کے بعد عاد ابن عوص بن ارم بن سام بن نوح اپنے بیٹے کو لے کر قریہ رس سے لوٹ آئے تھے جب کہ سورۂ احقاف کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قریہ مذکور کے اشرار کو ہلاک کر دیا تھا اور باقی سب لوگ منتشر ہو کر وہاں سے پہلے یمن چلے گئے تھے اور پھر روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل گئے تھے آخر کار جبرون بن سعد بن عاد بن عوص بن ارم بن سام ابن نوح پھر علاقہ دمشق میں وارد ہوئے اور وہاں ایک شہر بسا کر اس کا نام جیرون رکھا۔ جو بعد میں ارم ذات العماد کہلایا کیونکہ اس وقت دمشق کی عمارات کا تو ایک پتھر بھی سالم نہ رہا تھا۔ بہرکیف جیرون ہی کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے ہود بن عبداللہ بن رباح بن خالد بن خلود بن عاد کو عاد یعنی قوم عاد پر احقاف میں مبعوث فرمایا لیکن انہوں نے چونکہ انہیں کاذب ٹھہرا کر ان کی نبوت کی تردید کی اور کفر پر قائم رہے بلکہ اس سلسلے میں حد سے گزر گئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

انہیں ہلاک کر دیا۔ یہ روایت اس بات کی مقتضی ہے کہ اصحاب الرس قوم عاد سے قبل دنیا کے مختلف شہروں میں پھیل کر مدت تک وہاں قیام کرتے رہے تھے۔ واللہ اعلم

ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق اصحاب الرس کا تعلق آذربائیجان سے تھا' وہیں ان پر نبی مبعوث ہوئے تھے اور انہوں نے انہیں ہلاک کیا تھا جہاں وہ مدفون ہیں جب کہ ثوری ابی بکر اور عکرمہ کے حوالے سے ان کی جائے فلج بتاتے ہیں نیز کہتے ہیں کہ وہی اصحاب یاسین تھے۔

ابن جریر اپنے مذکورہ بالا بیان کی آگے چل کر خود تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جن اصحاب الرس کا قرآن شریف میں ذکر ہے یہ وہ اصحاب الرس نہیں تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا تھا اور پھر انہی میں سے وہ لوگ پیدا کیے تھے جو اپنے نبی پر ایمان لائے تھے۔ اب یہ کہاں تک ممکن ہے کہ اصحاب الرس ہی اپنے آباؤ اجداد کی ہلاکت کے بعد اسی زمانے کے نبی پر ایمان لائے ہوں۔ واللہ اعلم

پھر ابن جریر نے انہی کو اصحاب الاخدود بتایا ہے۔ یہ روایت بھی اس کا پہلا بیان پیش نظر رکھتے ہوئے ضعیف ٹھہرتی ہے کیونکہ اصحاب اخدود کے لیے تو قرآن شریف کے مطابق عذاب آخرت کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کی ہلاکت کا کہیں ذکر نہیں ہے جب کہ اصحاب الرس کی ہلاکت کا صریحی ذکر قرآن میں موجود ہے۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصہ قوم یٰسین جو اصحابُ القریہ واصحابِ یٰسین تھے

ان اصحاب قریہ کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''ہم نے ان پر پہلے اپنے دو رسول اتارے لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی۔ پھر ہم نے ان پر اپنا تیسرا رسول اتارا لیکن انہوں نے انہیں بھی (معاذ اللہ) کاذب ٹھہراتے ہوئے کہا کہ تم ہماری طرح کے انسان ہو۔ وہ لاکھ کہتے رہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے لیکن ہماری ذمہ داری صرف تمہیں اس کا صرف صاف صاف پیغام پہنچانا ہے''۔

اس کے بعد جیسا کہ قرآن شریف کی آیاتِ متعلقہ سے ظاہر ہوتا ہے کسی اور شہر سے ایک شخص آیا اور انہیں بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہاں بھیجے ہوئے نبی کی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انعاماتِ خداوندی کا مستحق ٹھہرا ہے لیکن ان اصحاب قریہ نے اس کی بھی ایک نہ سنی اور کفر وضلالت میں مبتلا رہے۔ اس لیے آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل وخوار اور تباہ کر دیا۔

اکثر اسلاف واخلاف کے بیانات کے مطابق یہ قریہ انطا کیہ تھا۔ ابن اسحٰق سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کعب الاحبار اور وہب بن منبہ کے حوالے سے یہی مروی ہے۔

ابن اسحٰق نے بریدہ بن الحصیب، عکرمہ، قتادہ اور زہری وغیرہ کے حوالے سے بھی یہی اس قریہ کا نام یہی بتا کر مزید بتایا ہے کہ اس قریہ کے حکمران کا نام انطیخس بن انطیخس تھا، وہ بتوں کو پوجتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے اور اس کی قوم کے لیے یکے بعد دیگرے تین انبیاء صادق وصدوق[1] اور شلوم مبعوث فرمائے لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ تینوں حضرات اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبی ہی تھے لیکن قتادہ کا خیال ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام کے حواری تھے۔ یہی بات ابن جریر نے وہب بن سلیمان اور شعیب جبائی کے حوالے سے بتائی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان حواریوں کے نام شمعون ویوحنا اور بولس بتائے ہیں لیکن قریہ کا نام انطا کیہ ہی لکھا ہے تاہم یہ قول قطعاً ضعیف ہے کیونکہ اہل انطا کیہ کی طرف مسیح علیہ السلام نے اپنے جو تین حواری بھیجے تھے وہ ان کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے اور انطا کیہ اس وقت ان چار قریوں میں سے ایک تھا جہاں نصاریٰ آباد تھے۔ یہ چار قریے انطا کیہ، قوس، اسکندریہ اور رومیہ تھے اور نصرانی پہلے ان چاروں قریوں میں آباد تھے جس کے بعد وہ قسطنطنیہ منتقل ہو گئے تھے لیکن ان چار قصبوں کے مکینوں میں سے کوئی بھی ہلاک نہیں ہوا تھا جب کہ قرآن میں جس قریہ کا ذکر آیا ہے اس کے تمام باشندے ہلاک ہو گئے تھے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس بھیجے

---

[1] ایک نسخے میں صدوق لکھا ہے۔ (مترجم)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہوئے تینوں سچے پیغمبروں کو قتل کر دیا تھا۔

بہر کیف اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جن اہل انطاکیہ کا قرآن میں ذکر ہے وہ قدیم انطاکیہ تھا جس کے باشندے ہلاک کر دیئے تھے اور اس کے بعد ظہور مسیح علیہ السلام کے وقت وہ قریہ پھر آباد ہو گیا تھا اور اس کے باشندے مسیح علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے تو ان راویوں کی بیان کردہ روایات کو تسلیم کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے۔ واللہ اعلم

البتہ ان روایات میں جن مذکورہ بالا اصحاب کو بھی مسیح علیہ السلام کا حواری بتایا گیا وہ اس لیے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ انہیں قرآن شریف میں صاف صاف انبیائے مرسلین بیان کیا گیا ہے ﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلاً الخ ﴾ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے (ان) اہل قریہ پر یکے بعد دیگرے تین انبیائے مرسلین اتارے تھے۔ الخ

ابن اسحٰق نے اپنے بعض معاصرین کے علاوہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہی لوگوں نے خود حضرت مسیح علیہ السلام کو رجم کیا تھا یا صلیب پر چڑھایا تھا اور پھر اس قصبے سے نکل بھاگے تھے۔

اس کے علاوہ طبرانی نے حسین اشقری کی زبانی سفیان بن عیینہ' ابن ابی نجیح' مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جو حدیث نبوی روایت کی ہے اور اس میں بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے حواری یوشع کو عیسیٰ علیہ السلام کے حواری صاحب یٰسین کو اور خود اپنے حواری حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بیان فرمایا صرف محل نظر ہی نہیں بلکہ صریحاً بعید از قیاس ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصہ یونس علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا:

''تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا' ہاں یونس کی قوم کہ جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا''۔ (۱۰:۹۸)

پھر سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوا:

''اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پاسکیں گے آخر اندھیرے میں (خدا کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں' تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات بخشی۔ اور ایمان والوں کو ہم اس طرح نجات دیا کرتے ہیں''۔ (۲۱:۸۶۔۸۷)

سورۂ والصافات میں ارشاد ہوا:

''اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے۔ اس وقت قرعہ ڈالا تو انہوں نے زک اٹھائی۔ پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ (قابل) ملامت (کام) کرنے والے تھے۔ پھر اگر وہ (خدا کی) پاکی بیان نہ کرتے تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے (اسی کے پیٹ میں رہتے) پھر ہم نے ان کو جب کہ وہ بیمار تھے فراخ میدان میں ڈال دیا۔ اور ان پر کدو کا درخت لگایا۔ اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا۔ تو وہ ایمان لے آئے سو ہم بھی ان کو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدے دیتے رہے''۔ (۳۷:۱۳۹۔۱۴۸)

پھر سورۂ نون (قلم) میں ارشاد ہوا:

''تو اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہو اور مچھلی (کا لقمہ ہونے) والے (یونس) کی طرح نہ ہونا کہ انہوں نے (خدا کو) پکارا اور (غم و) غصے میں بھرے ہوئے تھے' اگر تمہارے پروردگار کی مہربانی ان کی یاوری نہ کرتی تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا۔ پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے نیکوکاروں میں شامل کر لیا''۔ (۶۸:۴۸۔۵۰)

اہل تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو سرزمین موصل میں اہل نینوا کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا لیکن وہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اپنے کفر و سرکشی پر ڈٹے رہے۔ البتہ جب ان کے ان اعمال قبیحہ کو مدت گزر گئی تو (آخرکار) ان پر غیب سے عذاب نازل کیا گیا۔ یونس نے بھی انہیں تین سال بعد نزول عذاب کے بارے میں تنبیہا اطلاع دی تھی۔

ابن مسعودؓ مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ قتادہ اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے اسلاف و اخلاف نے بیان کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو غیب کے عذاب نے آ گھیرا اور انہیں اس کا یقین ہو گیا تو وہ توبہ تلا کرنے لگے اور جو سلوک انہوں نے اپنے نبی کے ساتھ کیا تھا اس پر نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنے تمام مویشیوں کی قربانی دے ڈالی اور ان کے مرد و زن سب خدا کے حضور رونے گڑگڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان پر سے وہ عذاب دور فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

﴿ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا ﴾

پھر ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴾

پھر ارشاد ہوا:

﴿ إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴾

یعنی جب قوم یونس ایمان لے آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ذلت کا وہ عذاب دور فرما کر انہیں ان کی دنیاوی زندگی میں پھر مال و منال عطا فرما دیا۔

بہرکیف اس کے بارے میں اہل تفاسیر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس آیہ کریمہ میں اس قوم پر اس کے ایمان لانے پر جو اسے نعمتیں عطا فرمائیں اور اس سے انعام مزید کا وعدہ فرمایا تو اس میں انعام اخروی شامل ہے یا نہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک اس آیت قرآنی میں "لما آمنوا" کے بعد متاع الیٰ حین سے مراد دنیا میں انہیں انعام و اکرام سے سرفرازی کے علاوہ عذاب اخروی سے بھی ان کی نجات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

اہل تفاسیر میں اس بارے میں بھی باہم اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن تک رہے تھے۔

سعید بن ابوالحسن اور ابو مالک نے اس سلسلے میں چالیس دن کی تعداد متعین کی ہے لیکن واللہ اعلم کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں پورے چالیس دن رہے یا اس سے کچھ کم و بیش عرصے تک رہے بہرکیف اس بات پر سب متفق ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے غم و غصہ کی معافی طلب کرتے ہوئے یہ قرآنی آیت:

﴿ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴾

بار بار پڑھ کر اس سے دعا کی تھی۔

ابو خالد نے کہا ہے کہ غالباً انہوں نے مصعب یعنی ابن سعد نے سعد کے حوالے سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے یونس کی طرح دعا کی اس کی دعا (ضرور) قبول ہوئی"۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یونس علیہ السلام کے فضائل:

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یونس کی تصدیق یوں فرمائی: ﴿وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں جن دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرماتے ہوئے ان پر اپنے انعام کا ذکر فرمایا ہے ان میں حضرت یونس علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے وکیع اور سفیان نے اعمش' ابی وائل اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کسی بندے کے لیے یہ مناسب نہیں ہے (یعنی اس کا یہ منصب نہیں ہے) کہ وہ اپنے آپ کو یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر بتائے''۔

یہ روایت حدیث بخاریؒ نے بھی سفیان ثوری کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر متعدد ثقہ راویوں سے یہ حدیث نبوی مروی ہے۔

بخاریؒ نے اپنے ہاں یہ بھی کہا ہے کہ ''میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی فرد واحد یونس بن متی سے بہتر ہے''۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی شخص کے لیے یہ بات اچھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اپنی ذات کو یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر قرار دے۔ تاہم حرف آخر اس سلسلے میں مندرجہ بالا حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث نبوی کے مطابق انبیاء پر اپنی ذات کو فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے تاہم یہ تمام احادیث نبوی آپ کی منکسر المزاجی اور اخلاق حسنہ کی بین دلیل ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قصہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام کا پورا نام موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام) ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی کئی سورتوں میں کہیں تفصیل سے اور کہیں مختصراً ارشاد فرمایا ہے۔ ہم ان کا قصہ قرآن وسنت اور ان کے بارے میں اسرائیلات میں جو کچھ منقول ہے اس کے حوالے اور دیگر اسلاف واخلاف کے بیانات کے حوالوں سے آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ قصص میں ارشاد فرمایا: ﴿بسم الله الرحمن الرحيم طسم﴾ ''یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں (اے محمدؐ) ہم تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات مومن لوگوں کو سنانے کے لیے صحیح صحیح سناتے ہیں کہ فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا بے شک وہ مفسدوں میں تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں۔ اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے''۔ (۲۸:۶۱)

اللہ تعالیٰ نے قصہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ ملخص بیان فرمانے کے بعد اسے تفصیلاً بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نے اپنے نبی (محمدؐ) کو فرعون وموسیٰ کا قصہ (تفصیل سے) اس لیے سنایا ہے تا کہ دوسرے سننے والوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ جن لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ''اس نے انہیں اس حد تک کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا''۔ وہ بنی اسرائیل یعنی اللہ کے نبی یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہم السلام) کے سلسلہ نسب سے تعلق رکھتے تھے اور اس زمانے میں دنیا کے ممتاز ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے لیکن فرعون نے انہیں ملک کے ادنیٰ ترین لوگ بنانے کی کوشش میں ان کے بیٹوں کو قتل کرنا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھنا شروع کر دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بنی اسرائیل کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ نسب سے ہے اور اسے خدشہ تھا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی اٹھ کر اسے ہلاک کر کے اس کے ملک واقتدار کو اس سے چھین لے گا اور خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو اس سے قبل مصر سے شاید اسی وجہ سے نکالا ہو بہرکیف اللہ تعالیٰ نے ان کی آبرو کی حفاظت فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ خود بنی اسرائیل میں یہ بشارت خداوندی مشہور چلی آ رہی تھی کہ انہی میں سے کوئی فرعون کا تختہ اُلٹے گا اور یہی بات فرعون کے امراء اور اس کے قرابتداروں نے اس کے دل میں بٹھا دی تھی جس کی وجہ سے اس نے بنی اسرائیل کے مردوں اور بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

السدی نے ابی صالح' ابی مالک' ابن عباس' مرہ' ابن مسعود اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کئی لوگوں کے حوالے سے بیان کیا ہے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہ فرعون نے خواب میں بیت المقدس کی طرف سے آگ آتے دیکھی تھی جس نے قبط سمیت سارے مصر کو جلا کر بھسم کر ڈالا تھا لیکن اس آگ سے محفوظ رہنے والے اگر کوئی تھے تو وہ بنی اسرائیل تھے۔

اس خواب کو دیکھنے کے بعد اس نے اپنے کاہنوں، نجومیوں اور جادوگروں کو طلب کر کے ان سے اس بلائے عظیم سے محفوظ رہنے کی کوئی تدبیر جاننا چاہی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ بنی اسرائیل ہی میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اس کے ملک اور تخت وتاج کو تہس نہس کر دے گا۔ اس کے بعد ہی فرعون نے بنی اسرائیل کی ساری اولاد ذرینہ اور نو مولود لڑکوں تک کو قتل کرانا شروع کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ قصہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ اس لیے اس نے چاہا وہ کمزوروں کو زبردستوں کے ظلم وستم سے نجات دلا کر انہی کو ان پر غالب کر دے اور ان ستم گروں اور ظالموں کے جنت نما باغ وعمارات اور خزانے وغیرہ ان سے چھین کر کے سب بنی اسرائیل کے قبضے میں دے دے۔

ہم ان واقعات کو آگے چل کر ان شاء اللہ حسب موقع تفصیل سے بیان کریں گے۔ بہر کیف جیسا کہ کچھ اہل تفسیر وغیرہ نے بیان کیا ہے جب کچھ اہل قبط نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کی تعداد مصر میں کم سے کمتر ہوتی چلی جا رہی ہے تو انہیں شک گزرا کہ فرعون ان کے لڑکوں اور بچوں کو قتل کرا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مخفی طور پر بنی اسرائیل کو مشورہ دیا کہ آئندہ ان کے ہاں جب کوئی لڑکا پیدا ہو تو اس کو تابوت نما کسی ٹوکری میں لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا کریں لیکن اس کے ساتھ ایک لمبی رسی باندھ دیا کریں تاکہ وہ (قبطی) اس رسی کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے اپنی طرف لے جایا کریں اور ان کے بچوں کی حفاظت کیا کریں۔ اس طرح ان کے نومولود لڑکے فرعون کے ہاتھوں قتل سے بچ جایا کریں گے اور فرعون کو شبہ بھی نہیں گزرے گا۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے شکریے کے ساتھ ان اہل قبط کے اس مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا اور اسی زمانے میں بنی اسرائیل میں موسیٰ وہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی پیدائش کا خدا کی قدرت سے فرعون کو علم نہ ہو سکا اور اہل قبط انہیں مذکورہ تدبیر سے اپنے ہاں لے گئے۔

ادھر چونکہ فرعون کے خود کوئی اولاد ذرینہ نہیں تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی کو القا فرمایا کہ وہ فرعون سے کہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کہیں اور سے کوئی نو مولود لڑکا حاصل کر کے اسے لا دے تاکہ وہ اولاد کی محرومی سے نجات پا سکے۔ چنانچہ فرعون جب اس بات پر رضامند ہو گیا کہ اس کی بیوی اہل قبط کے کسی بچے کو گود لے سکتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جو اس زمانے میں فرعون کی بیوی کی خدمت پر مامور تھیں اس سے کہا کہ وہ قبطیوں میں سے کوئی نومولود بچہ اسے لا کر دے سکتی ہیں یا خود فرعون کی بیوی نے ان سے اس بات کی خواہش کی اور اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل ہی میں آغوش مادر میں پہنچ گئے کیونکہ اس کی بیوی نے اس کو لیے ہوئے نومولود بچے کو دودھ پلانے کا کام بھی انہی کے سپرد کر دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں مذکورہ طریقے سے دریائے نیل میں ڈالا تھا تو ان کی تابوت نما ٹوکری دریائے نیل میں قدرت خداوندی سے اس طرف پلٹ آئی جہاں سے دریائے نیل سے نکالی گئی ایک نہر فرعون کے محل میں آتی تھی اور وہ اس نہر میں بہتی ہوئی فرعون کے محل میں پہنچی جس پر سب سے پہلے فرعون کی بیوی ہی کی نظر پڑی اور جب اس نے اسے کھول کر دیکھا تو اسے اس میں ایک جیتا جاگتا بچہ نظر آیا جسے دیکھ کر وہ نہال ہو گئی اور اسے اپنے معبودوں کی عطا سمجھا اور فرعون سے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس کی پرورش کی اجازت طلب کی۔

فرعون نے سینکڑوں شبہات ظاہر کر کے اپنی بیوی کو ہر چند منع کیا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہی اس لیے فرعون کو چار و ناچار اس کے سامنے سپر انداز ہونا پڑا نیز یہ کہ اسے اس بات پر بھی کچھ زیادہ اعتراض نہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہی جنہیں وہ اپنی بیوی کی پیش خدمت ہی سمجھتا تھا انہیں دودھ پلائیں یعنی ان کی قابلہ مقرر کی جائیں۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہر وقت اس اندیشے میں گھری رہتی تھیں کہ کہیں ان کا راز فاش نہ ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ اطمینان دلایا اور انہیں بتایا کہ ان کے بیٹے کو اس نے نبوت سے سرفراز فرمانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ہی بچے کو بطور قابلہ دودھ پلانے لگیں۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان تھا۔

کچھ دوسروں کے علاوہ یہ روایت ابن الحسن اشعری کی ہے۔

سہیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ایارخا بتایا ہے جب کہ کچھ دوسرے راوی ان کا نام ایاذخت [1] بتاتے ہیں اور فرعون کی بیوی کا پورا نام آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن ولید بتاتے ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں فرعون مصر تھا۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھی بلکہ کچھ لوگ تو اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تک بتاتے ہیں یہ حکایت سہیلی کی بیان کردہ ہے۔ واللہ اعلم

فرعون کی بیوی آسیہ کا مزید قصہ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حضرت مریم بنت عمران والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے کے ساتھ بیان کریں گے۔ ویسے وہ دونوں معتبر روایات کے مطابق جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھ ہوں گی۔

کئی دیگر آیاتِ قرآنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں دریا میں ڈالا تھا اور وہ اس لیے خوفزدہ تھیں کہ کہیں وہ کسی دشمن کے ہاتھ نہ پڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تب ہی وحی کے ذریعہ ان کی سلامتی کی اطلاع دی تا کہ وہ رنجیدہ نہ ہوں نیز ان کی رسالت کی خبر بھی دے دی تھی اور پھر انہیں ان کی آغوش میں پہنچا دیا تھا تا کہ ان کے دل کو قرار آ جائے اور وہ مایوس نہ ہوں۔ یہ آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی بشارات پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر اس سلسلے میں حسب موقع حدیثِ فتون بھی پیش کریں گے۔

بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پل بڑھ کر جوان ہوئے تو ان کی شکل و صورت اور وجاہت قابل دید تھی اور تمام اہل مصر ان کی عزت و حرمت کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کو معلوم تھا کہ وہ انہیں میں سے ہیں۔ اس لیے ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور انہیں حد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ دوسرے لوگ اس وجہ سے ان کی عزت کرتے تھے کہ وہ فرعون کے متبنیٰ تھے اور ان

---

[1] تفسیر قرطبی میں ان کا نام ثعلبی کے حوالے سے لوخابنت ہانذ بن لاد ابن یعقوب بتایا گیا ہے جب کہ بعض تفاسیر میں یوخابذ (عربی تلفظ یوحانذ) بتایا گیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے قصر میں مقیم تھے۔

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ جیسا قرآن و احادیث اور مؤرخین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی زمانے میں کہیں تشریف لیے جا رہے تھے تو انہوں نے دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے دیکھا۔ ان میں سے ایک قبطی اور دوسرا بنی اسرائیل میں سے تھا۔ انہوں نے انہیں سمجھانے اور لڑائی سے باز آنے کے لیے کہا لیکن وہ نہ مانے بلکہ اور تیزی سے لڑنے لگے۔ چونکہ وہ شخص جس کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا کمزور پڑ رہا تھا اور قبطی اس پر حاوی آنے والا تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کے ایک مکہ مار کر اسے دوسرے کمزور شخص سے الگ ہٹانا چاہا لیکن جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے' ان کا مکہ کچھ ایسا سخت تھا کہ وہ شخص یعنی وہ قبطی اسی وقت زمین پر گر کر مر گیا۔

چونکہ اس واقعے کے بارے میں سارے شہر میں شور مچ گیا اور شدہ شدہ اس کی خبر فرعون کو بھی ہو گئی بلکہ تمام قبطی اس کے پاس فریاد لے کر پہنچنے لگے اور ان کے ساتھ دوسرے کفار بھی ہو گئے بلکہ فرعون کے اہل دربار بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا کر کہنے لگے کہ انہوں نے پہلے ہی فرعون کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر مصر کی تباہی کا باعث ہوگا جس کی تصدیق بڑے بڑے کاہنوں' نجومیوں اور جادوگروں نے بھی کی۔ لیکن اس نے ان کا کہنا نہ مان کر سخت غلطی کی تھی اور اسے قتل نہ کیا تھا اسی لیے اب یہ حادثہ پیش آیا ہے اور ابھی کیا ہے آگے چل کر یہ نوجوان نہ جانے کیا غضب ڈھائے گا۔ اس لیے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش کے لیے اِدھر اُدھر لوگ دوڑا دیے۔

اِدھر جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون جیسے ظالم کے خوف سے جو پہلے ہی ان سے خوش نہ تھا اپنی جان بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اپنی اس بلا ارادہ خطا پر معافی چاہنے اور اس سے دعا کرنے لگے تو اس نے انہیں تسلی دی جس کے بعد وہ مصر سے جدھر منہ اٹھا چل دیے اور چلتے چلتے مدین جا پہنچے وہاں انہوں نے لوگوں کو ایک کنویں سے پانی نکالتے دیکھا لیکن دو لڑکیاں ان سے الگ ایک طرف ملول کھڑی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں سے اس کا سبب پوچھا تو وہ بولیں کہ ان کا باپ ضعیف ہے اس لیے کنویں تک آ نہیں سکتا اور لوگ انہیں پانی بھرنے نہیں دیتے۔

ان لڑکیوں سے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے کنویں سے پانی نکالنا چاہا تو دوسرے لوگ ان سے لڑنے جھگڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قریب سے ایک پتھر اٹھا کر جسے' جیسا کہ کہا جاتا ہے' دس افراد بھی مل کر مشکل سے اٹھا سکتے تھے کنویں کے منہ پر رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ بہت حیران ہوئے اور انہیں ان لڑکیوں کے لیے کنویں سے پانی نکالنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ پتھر کنویں سے اٹھا کر ان دونوں لڑکیوں سے کہا کہ وہ پانی کنویں سے نکال لیں بلکہ خود ان کی ضرورت کے مطابق کنویں سے پانی نکال کر انہیں دے دیا اور خود ایک سایہ دار درخت کے نیچے جا بیٹھے۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین تک آتے آتے صرف کھیتوں سے پھلیاں لے کر یا درختوں کے پتوں پر گزارہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کرتے آئے تھے اس لیے حد درجہ نڈھال اور کمزور ہو گئے تھے اس لیے اس درخت کے نیچے لیٹ گئے۔

ادھر مذکورہ بالا لڑکیوں نے اپنے ضعیف باپ کو سارا قصہ سنا کر کہا کہ جس نوجوان نے انہیں کنویں سے پانی نکال کر دیا ہے کیوں نہ اسے پانی لانے اور ان کے بھیڑ بکریوں کے گلے کو چرانے پر نوکر رکھ لیا جائے کیونکہ ان کا کوئی بھائی نہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ دقت پیش آ رہی تھی۔

باپ سے اس گفتگو کے بعد اور اسے اس پر رضا مند دیکھ کر وہ لڑکیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں اور انہیں بلا کر اپنے باپ کے پاس لے گئیں۔ اس نے ان سے اپنے مذکورہ کام کی ماہانہ اجرت پوچھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام سوچ میں پڑ گئے تو اس بزرگ نے خود ہی ان سے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو وہ ان سے ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کی شادی کر دے گا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے۔

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ایک لڑکی سے شادی کر کے اس مرد بزرگ کی دس سال تک جیسا کہ معاہدہ ہوا تھا' طے شدہ خدمت انجام دی۔ بعض دوسری روایات میں اس مدت کو بیس سال بتایا گیا ہے۔

روایات میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بزرگ کی کس لڑکی سے شادی کی تھی۔ بعض روایات میں اسے ''بڑی لڑکی'' اور وفادار و خدمت گزار بتایا ہے جب کہ کچھ دوسرے راوی اسے چھوٹی لڑکی بتاتے ہیں بلکہ اسے سب سے چھوٹی لڑکی بتا کر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پیر مرد کی سات لڑکیاں تھیں لیکن یہ روایات اس لیے محل نظر ہیں کہ اگر وہ سب سات بہنیں تھیں تو ان دو لڑکیوں کے علاوہ جوان کی پانچ بہنیں اور تھیں تو وہ ان کے ساتھ پانی بھرنے کیوں نہیں آئی تھیں۔

بعض روایات میں بتایا گیا ہے کہ ان لڑکیوں کے باپ درحقیقت حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جنہوں نے بہت طویل عمر پائی تھی جب کہ کچھ دوسری روایات میں اس مرد بزرگ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھتیجا اور کچھ میں انہیں ان کا پھوپھی زاد بھائی بتایا گیا ہے۔

بہر کیف' جیسا کہ قرآن پاک کی مختلف سورتوں کی آیات شریفہ' احادیث نبوی اور متعدد مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس مرد بزرگ یعنی اپنے خسر سے بیس سال بعد رخصت ہونے لگے تو اس نے انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ماموں اور ان کے خسر لابان کی طرح تو انہوں نے بھی ان کی خدمات' نیکی اور خوش اخلاقی سے خوش ہو کر انہیں اپنی بھیڑ بکریوں کے گلے سے معتدبہ حصہ دے دیا تھا اور وہ مدین سے جب مصر واپسی کے ارادے سے اس طرف چلے تو ان کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی اور جب وہ مصر کے قریب پہنچے تو رات کا وقت تھا' سردی حد درجہ بڑھ رہی تھی اور رات بھی اندھیری تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے باہر پڑاؤ ڈالا تو انہیں آگ کی ضرورت ہوئی۔ انہوں نے دیکھا کہ اس ویران علاقے کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مغربی جانب اور قبلہ رُخ حصے میں جسے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے "طویٰ" کے نام سے یاد فرمایا ہے ایک پہاڑی پر جسے طور کہا جاتا ہے آگ روشن ہے انہیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کیونکہ وہاں آبادی کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ تاہم وہ اللہ کا نام ونشان نہ تھا۔ تاہم وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس طرف چل دیئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس پہاڑی کے جس حصے پر انہیں آگ نظر آئی تھی وہاں ایک سرسبز جھاڑی ہے جو روشنی سے منور ہو رہی ہے۔

ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکے تھے کہ اس جھاڑی سے جو بقعہ نور بنی ہوئی تھی آواز آئی:

﴿ یَا مُوسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ﴾ (سورہ نمل)

اس کے علاوہ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے بعد یہ آواز سنائی دی:

﴿ یَا مُوسٰی اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِی الْمُقَدَّسِ طُوًی. وَ اَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ اِنَّ السَّاعَةَ آتِیَةٌ اَکَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدٰی ﴾

"موسیٰ میں تو تمہارا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دو۔ تم (یہاں) پاک میدان (یعنی) طویٰ میں ہو۔ اور میں نے تم کو انتخاب کر لیا ہے تو جو حکم دیا جائے اسے سنو۔ بے شک میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے۔ تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے (کہیں) تم کو اس (کے یقین) سے روک نہ دے تو (اس صورت میں) تم ہلاک ہو جاؤ"۔ (۲۰:۱۱-۱۶)

متقدمین ومتاخرین مفسرین میں سے اکثر نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس آگ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو اس کے قریب پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ وہ آگ ایک سرسبز درخت کے نیچے جل رہی ہے جس سے وہ سارا درخت بقعہ نور بنا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ حیرت سے وہیں ٹھٹک گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آواز دے کر فرمایا کہ وہ وادی' وادی مقدس طویٰ ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام قبلہ رُخ کھڑے تھے اور وہ درخت ان کی داہنی جانب سے مغرب میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جوتیاں اتارنے کا جو حکم دیا تھا وہ اس شجر مبارکہ اور اس میں نور کی تعظیم وتکریم کے لیے تھا کہ اس جیسی آگ اس اندھیری رات میں کہیں دور دور تک نہ تھی۔

اہل کتاب کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو آگ دیکھی تھی وہ اتنی خیرہ کن تھی کہ انہوں نے اپنا چہرہ ایک طرف کر کے اپنی آنکھوں پر اس لیے ہاتھ رکھ لیے تھے کہ کہیں ان کی بصارت زائل نہ ہو جائے۔

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی احدیت ومعبودیت کا اظہار فرما کر انہیں اپنی عبادت اور ذکر کی تاکید فرمائی تھی نیز یہ فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی جس کے لیے بنی آدم کو تیار رہنا چاہیے اور اپنے اعمال حکم الٰہی کے مطابق رکھنے چاہئیں تاکہ انہیں ان کے مطابق ان کی جزا ملے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ان بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شب کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری کے لیے منتخب کر کے انہیں اس عہدہ جلیلہ سے سرفراز فرما دیا تھا۔

بہر کیف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے تو ان کی آمد کی خبر سن کر بنی اسرائیل جوق در جوق ان کے استقبال کے لیے اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور انہیں بڑے تزک و احتشام سے لے گئے۔

ادھر جب فرعون کو یہ اطلاع ہوئی تو وہ سخت پیچ و تاب میں مبتلا ہو گیا لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دے کر اسے کسی بڑے انقلاب کا اندیشہ تھا اس لیے اس نے ان سے نجات حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا۔

پہلے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نمرود کی طرح اپنے دربار میں بلا کر حتی الامکان انہیں بھی اصنام و نجوم پرستی پر مائل کرنے کی کوشش کی لیکن جب انہوں نے اسے خدائے واحد و علیم و حکیم و خبیر کی پرستش کی ہدایت کرتے ہوئے اسے بتایا کہ معبود حقیقی صرف وہ خدائے واحد ہے جس نے زمین و آسمان' چاند' ستارے اور ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ ارشادات سن کر فرعون آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے مصر کے ان تمام جادوگروں کو جن کی ساحرانہ صلاحیتوں کا اس زمانے میں بڑا شہرہ تھا بلا کر حکم دیا کہ وہ اس کے زور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کر دیں۔

ان جادوگروں کی تعداد کے بارے میں راویوں میں اختلافات ہیں۔ کسی نے ان کی تعداد اسی ہزار' کسی نے ستر ہزار' کسی نے چالیس ہزار یا تیس ہزار اور کسی نے صرف چند سو بلکہ اس سے بھی کم بتائی ہے۔

بہر کیف جب وہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جمع ہوئے تو انہوں نے پہلے اپنے جادو سے سانپ بنا کر ان کے سامنے چھوڑے لیکن جیسا کہ آیہ قرآنی سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنا عصا ان سانپوں کے سامنے ڈال دیں اور جب انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جادوگروں کے تخلیق کردہ سانپوں کے سامنے اسے زمین پر ڈالا تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک خوفناک اژدھا بن گیا اور پھر وہ ہر طرف مڑ مڑ کر ان جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا۔

غرض اسی طرح ان جادوگروں نے اپنے اپنے جادو کے طرح طرح سے کرشمے دکھائے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس کے بندے اور رسول برحق کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور وہ بے بس ہو کر رہ گئے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا عصا زمین سے اٹھاتے ہوئے ڈر لگا کیونکہ وہ ایک حد درجہ دہشت ناک اژدھے کی شکل میں ہر طرف پھنکار رہا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے دوبارہ زمین سے اٹھا کر ہاتھ میں لیا تو وہ پہلے ہی جیسا پھر عصا بن گیا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنا داہنا ہاتھ جیب میں ڈال کر باہر نکالیں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں اپنا ہاتھ جیب میں ڈال کر باہر نکالا تو ان کے اس ہاتھ کی ہتھیلی چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا جو ''ید بیضا'' کے نام

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سے آج تک مشہور ہے۔ وہ جب چاہے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالتے اور پھر اسے باہر نکالتے تو ان کی ہتھیلی ہمیشہ چاند کی طرح روشن ہوتی تھی۔

فرعون نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو بہت بڑا جادو ٹھہرایا تھا' لیکن جیسا کہ خود قرآنی آیات سے ثابت ہے اس کے تمام جادوگران پر اپنے ہر جادو کو ناکام پا کر اور اپنی جان کے خوف سے سب کے سب بیک وقت سجدے میں گر کر پکارنے لگے تھے کہ ہم "موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کے خدا پر ایمان لے آئے ہیں"۔

فرعون نے اپنے جادوگروں کو ہر چند ملامت کی اور ڈرایا دھمکایا بھی لیکن اس کے بعد وہ اس کی کسی بات پر عمل کرنے اور اس کے کسی حکم کی تعمیل کے لیے تیار نہ ہوئے بلکہ اس کے کچھ امراء و وزراء بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خائف ہو گئے۔

اس سے قبل جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا اور فرمایا تھا کہ وہ گمراہ ہے ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ اور اس کی ہدایت کا حکم دیا تھا تو انہیں سات معجزات عطا فرمائے تھے اور ان کی مدد کے لیے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ سبحان میں ذکر فرمایا ہے۔

سعید بن جبیر' عکرمہ' قاسم بن ابی بردہ' اوضاعی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب فرعون کے جادوگروں نے سجدہ میں گر کر خدا کی عظمت و وحدانیت کا اقرار کیا تھا تو انہوں نے سجدے میں رہتے ہوئے جنت میں اپنے اپنے اعلیٰ مقامات دیکھ لیے تھے اس لیے انہوں نے اس کے بعد فرعون کے احکام کی تعمیل سے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ البتہ یہ بات کہ فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم دیا تھا محل نظر اور خلاف قیاس ہے۔ تاہم اس نے ان پر تشدد کی انتہا کر دی تھی بلکہ ان میں سے بہتوں کو قتل بھی کرا دیا تھا اور جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبید بن عمیر سے مروی ہے انہوں نے مرتے وقت صبر و استقامت اور ایمان پر قائم رہنے اور اپنی وفات مسلمانوں کی حیثیت سے ہونے کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی جیسا کہ آیت قرآنی ﴿رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾ سے ثابت ہے۔

اس کے علاوہ فرعون نے بنی اسرائیل پر بھی ظلم و ستم کی انتہا کر دی' انہیں رات دن زیادہ سے زیادہ قتل کرنے لگا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو فرعون کے شر سے محفوظ رکھا اور وہ اپنی قوم کو صبر و استقامت کی تلقین فرماتے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

اور ان کی قوم نے بھی ایمان اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے دکھا دیا۔

قارون بنی اسرائیل میں سے تھا اور اس کے پاس مال و زر کی انتہا تھی لیکن وہ اس خوف سے کہ فرعون اس سے اس کا سب کچھ نہ چھین لے فرعون کے ساتھ ملا رہا۔ اس کا حال ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع تفصیل سے بیان کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فرعون جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مصر کا بادشاہ اور ہامان اس کا وزیر تھا۔ یہ دونوں تو اپنی اپنی جگہ ظلم وتشدد کے پتلے تھے ہی فرعون کے درباری اور قرابت دار ظلم وستم میں فرعون کی بیوی کے سوا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے ان دونوں سے بھی چار قدم آگے تھے کیونکہ فرعون نے انہیں یقین دلا رکھا تھا کہ آخر کار وہ موسیٰ وہارون علیہما السلام سمیت بنی اسرائیل پر غالب رہے گا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اہل مصر و اہل قبط پر ان کے کفر اور ظلم وستم پر عذاب نازل کیا یعنی ان کی کھیتیاں سوکھ گئیں، ان کے اشجار پھلوں سے خالی رہنے لگے اور ان پر یکے بعد دیگرے دوسرے مصائب نازل ہونے لگے تو فرعون نے کہا کہ وہ سب کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی (نعوذ باللہ) نحوست کی وجہ سے تھا اور اس نے بنی اسرائیل پر ظلم وتشدد میں اور اضافہ کر دیا۔

آخر کار خدائے واحد وقہار کا غضب جوش میں آیا اور پھر فرعون اور اس کے حواریوں پر کیا گزری ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فرعون وجنودِ فرعون کی ہلاکت

جب مصر کے قبطی صرف تین افراد کے علاوہ جن میں فرعون کی بیوی بھی شامل تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایات سننے اور ان کے معجزات دیکھنے کے باوجود فرعون اور اس کے حواریوں ہامان وغیرہ کی ہاں میں ہاں ملانے اور انہی کی طرح کفر وضلالت پر کمر بستہ رہے حالانکہ نہ وہ ایمان لانے والے جادوگروں کے علاوہ جادوگر تھے نہ آل فرعون میں شامل تھے تو شہر کے قرب وجوار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے عرض کیا کہ وہ وہاں سے اپنے ساتھیوں یعنی بنی اسرائیل کو لے کر نکل جائیں ورنہ جیسا کہ اسے معلوم ہوا ہے' فرعون نہ صرف انہیں بلکہ تمام بنی اسرائیل کو ان کے بال بچوں سمیت ایک ساتھ قتل کرنے والا ہے اور وہ ان اہل قبط اور آل فرعون کو بھی جو ایمان لے آئے ہیں قتل کر دے گا۔

اس روایت کے بارے میں اہل کتاب خاموش ہیں۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے بیان کیا ہے اور انہی کے حوالے سے ابن ابی حاتم نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے تفصیل سے بتایا ہے کہ تمام جادوگر' کچھ اہل قبط اور آل فرعون کے کچھ لوگ اور بنی اسرائیل تمام کے تمام افراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے۔ اس کا ثبوت ارشاد باری تعالیٰ:

﴿فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاْئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

سے بھی ملتا ہے جب کہ کلام الٰہی میں ﴿اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ﴾ کی ضمیر صرف فرعون کی طرف راجع ہے جیسا کہ سیاق کلام سے صاف ظاہر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اوّل اوّل فرعون اور اس کے جابر وظالم حواریوں کے خوف سے اپنی رسالت کا اعلان نہیں فرمایا تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ اور فرعون کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے ﴿وان فرعون لعال فی الارض﴾ یعنی بغیر حق صرف ظلم وجبر سے زمین پر حکومت کر رہا تھا۔ اس کے متعلق جیسا کہ سطور بالا میں پیش کیا گیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ یعنی جو کچھ طاقت اور زر ومال اسے حاصل تھا اسے جا و بے جا غل و غش صرف کرتا تھا۔ اس کے علی الرغم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے' اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴾ یعنی اے قوم اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ تو اسی پر توکل کرو تاکہ معلوم ہو کہ تم واقعی مسلم ہو۔ اس کا جواب جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا' یہ دیا:

﴿عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور مجاہد' ابو مالک' ابراہیم نخعی' ربیع وضحاک' زید بن اسلم اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن وغیرہ نے ان آیات کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم سے کہیں کہ اس کے افراد اپنے لیے اہل قبادِ مصر سے الگ پہچانے والے یعنی مساجد کی طرح کے مکان بنالیں تاکہ وہ فرعون اور اس کے معاونین و ملازمین کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں اور وہ مکان ایسے ہوں کہ جب ضرورت پڑے تو وہ انہیں زمین سے اکھاڑ کر اور سواریوں میں لاد کر فوری طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جہاں چاہیں لے جا سکیں اور اس وقت تک حکم الٰہی ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ پر عمل کرتے رہیں۔ پھر جیسا کہ سب جانتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے یہی حکم آنحضرت ﷺ کے ذریعہ مصائب میں مبتلا اہل ایمان کو دیا تھا جب کہ آپ خود بھی ایسے مواقع پر حکم الٰہی پر عمل کرتے تھے۔

بہرکیف جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے' جب فرعون کے مظالم حد سے گزر گئے اور وہ بنی اسرائیل کے مرد و زن اور بچوں کے علاوہ خود اپنی قوم اور اہل قبط کے ان لوگوں کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور خدا پر ایمان لے آئے تھے چن چن کر قتل کرانے لگا تو ان لوگوں نے اپنے ان مکانوں کو جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت مساجد کی طرز پر بنائے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر جو انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اکھاڑ کر سواریوں پر لاد دیا اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سفر کے ارادے سے ایک ساتھ مصر سے نکل کر دریا کے کنارے جا پہنچے تو دیکھا کہ دریا حد سے زیادہ طغیانی پر ہے اور ادھر جب فرعون کو اس کی خبر ہوئی تو اپنا لاؤ لشکر لے کر ان کے تعاقب میں چل پڑا تاکہ انہیں دریا عبور کرنے سے قبل ایک ایک کر کے قتل کر دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا کہ دریا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام' ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھی اہل ایمان کے لیے خشک زمین کی طرح اتنا چوڑا راستہ بنا دیا کہ اس پر چل کر وہ سب اور ان کا مال اسباب اس کنارے سے آسانی کے ساتھ دوسرے کنارے پر جا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ اور ان پر اس کا یہ کرم دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہی خوش ہو گئے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہمراہیوں کو اس راستے سے دریا پار کرنے کا حکم دیا تو خدا کا نام لے کر اس راستے پر ہو لیے اور سب کے سب بآسانی دریا کے دوسری جانب جا پہنچے جب کہ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے' فرعون اور اس کا لاؤ لشکر جو جس طرح خدا کی قدرت سے پہلے وہ راستہ پیدا ہوا تھا اچانک تہ دریا چلا گیا اور فرعون اور اس کا تمام لاؤ لشکر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے اور اس کی وضاحت میں مفسرین' محدثین اور دوسرے معتبر و ثقہ راویوں نے طویل روایات و حکایات قلمبند کیں دیکھتے ہی دیکھتے دریا کی طوفانی لہروں کی نذر ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کی ہلاکت کا واقعہ روز عاشورہ پیش آیا تھا۔

بخاری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مدینے میں آنحضرت ﷺ اور مدینے کے یہودی بھی یوم عاشورہ کو روزہ رکھا کرتے تھے کیونکہ مدینے کے یہودیوں سے آپؐ نے فرمایا تھا کہ اگر تم موسیٰ علیہ السلام کے دین پر چلتے ہو تو اس روز روزہ رکھا کرو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون پر فتح کامل سے سرفراز فرمایا تھا۔ یہ حدیث بہ تمام و کمال صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں موجود ہے۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کا احوال

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہلاکت کا قرآن شریف میں ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب فرعون نے اپنے شاہانہ تکبر کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان کی قوم بنی اسرائیل کے علاوہ ان تمام لوگوں پر جو ان کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے ظلم کی انتہا کر دی تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر اسے' اس کے امراء و وزراء اور لشکر کو دریا میں غرق کر دیا اور فرعون کے مال و متاع پر انہی لوگوں یعنی بنی اسرائیل کو جو اس کے نزدیک کمزور اور بے کس و بے بس تھے قابض کر دیا۔ اس سے قبل بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے مویشی ذبح کر کے ان کا خون نشانی کے طور پر اپنے گھروں کے دروازوں پر لگا دیں مگر ان مویشیوں کا گوشت خود پکا کر نہ کھائیں البتہ وہ ان کے سری پائے چاہیں تو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔

پھر جب فرعون کے امراء و وزراء اس کا لشکر اور وہ خود حکم الٰہی سے دریا میں غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مصر کے مشرقی و مغربی علاقوں پر قابض فرما کر انہیں وہاں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔

• جہاں تک اہل مصر کا تعلق ہے وہاں فرعون کے امراء و وزراء کی بیویاں یا وہاں کے نچلے طبقے کے غریب لوگ باقی رہ گئے تھے جن سے ان امراء و وزراء کی بیویوں نے مجبوراً شادی کر لی تھی اور ان کی غربت کی وجہ سے ان پر حاوی ہو گئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی مصر میں وہی روایت چلی آتی ہے یعنی وہاں کی عورتیں مردوں پر غالب اور حاوی چلی آتی ہیں۔

جب بنی اسرائیل نواح مصر میں آباد ہو گئے تو وہاں وہ ہر سال کئی عیدیں منایا کرتے تھے جن میں ان کی عورتیں دف بجا کر خوشی کا اظہار کیا کرتی تھیں اور ان میں پیش پیش خود مریم بنت عمران یعنی حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کی بہن ہوتی تھیں۔

اہل کتاب کے بعض بیانات میں مریم بنت عمران کو مریم نبیہ بتایا گیا ہے وہ صریحاً غلط ہے بلکہ جن روایات میں ان کے نام کے بعد یہ لفظ بڑھایا گیا وہ صرف تعظیماً بڑھا دیا گیا ہے کیونکہ قرابت کے لحاظ سے ان کا تعلق انبیاء یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے تھا لیکن درحقیقت جیسا کہ ظاہر ہے وہ نبیہ نہیں تھیں۔

جہاں تک عیدوں کے موقعوں پر بنی اسرائیل کی لڑکیوں کے دف بجا بجا کر گیت گانے اور مریم بنت عمران کے اس میں پیش پیش رہنے کا تعلق ہے تو خوشی کے مواقع پر اظہار مسرت کے طور پر یہ رواج عربوں میں بھی تھا بلکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لے گئے تو وہاں آپ کے استقبال کے موقع پر لڑکیاں چھتوں پر چڑھ کر دف بجا کر وہ مشہور گیت گا رہی تھیں جس کے بول طلعت البدر علینا . وغیرہ ہیں اور جب جیسا کہ بعض روایات میں مذکور ہے انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دف بجا کر گانے سے منع کیا تو آپ نے ان سے فرمایا تھا: ''انہیں یونہی گانے دو' یہ ان کی عید ہے''۔ اس کے بعد آپ نے فرعون پر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

غلبہ پانے کے بعد بنی اسرائیل کی لڑکیوں کے عید منانے اور دفوں پر گیت گانے کا حوالہ بھی دیا تھا۔ واللہ اعلم

اہل کتاب کی روایات کے مطابق دریا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں کے لیے جو خشکی کا راستہ بنا تھا وہ دریا کے کنارے پانی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنا عصا مارنے سے بنا تھا اور وہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کے دریا میں اترنے کے بعد غائب بھی تب ہی ہوا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کے دوسرے کنارے پہنچ کر وہاں پانی پر دوبارہ عصا مارا تھا۔ واللہ اعلم

بہر کیف اس واقعے سے قبل بنی اسرائیل سالہا سال سے مصر میں آباد چلے آ رہے تھے اور اس کے بعد بھی وہ وہاں کم و بیش چار سو تیس سال تک اس کے نواحی علاقوں میں آباد رہے۔ اس زمانے میں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کی تھی کہ انہیں بھی قوم فرعون کی طرح اصنام تراشی کی اجازت دی جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا: ''کیا تم بھی نادان قوم ہو؟'' بلکہ قرآنی آیہ شریفہ کے مطابق ان سے ﴿ان یسومون سوء العذاب﴾ بھی فرمایا تھا۔

چار سو تیس سال کے بعد جیسا کہ بعض روایات میں بتایا گیا ہے' بنی اسرائیل شام کی طرف چلے گئے تھے۔

اکثر مفسرین نے بنی اسرائیل کے بارے میں جو بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بھیجے ہوئے جو بارہ آدمی شاہ جبارین کے پاس یکے بعد دیگرے آئے تھے وہ قد و قامت کے لحاظ سے ایسے طویل القامت اور فربہ اندام تھے کہ انہیں دیکھ کر اس نے کہا تھا: ''کیا یہ بنی آدم ہیں؟'' تو یہ صرف کہانیاں اور اسرائیلات کے خرافات سے ماخوذ ہیں کیونکہ یہ بات صریحاً خلاف عقل اور بعید از قیاس ہے۔

اسی طرح تلک جبارین کی بابت جو یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا بھیجا ہوا جو مسمیٰ عوج بن عنق شخص بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا تاکہ وہ انہیں ایک ایک کر کے ہلاک کر دے اس کا قد تین ہزار تین سو تیس گز اور ایک تہائی گز تھا اور اس کے کھانے کے لیے اس نے جو انگور اور اسی قسم کے پھلوں کے جو خوشے اسے دیئے تھے ان میں سے ایک ایک دانہ اتنا بڑا تھا کہ وہ موٹے سے موٹے اور قد آور سے قد آور شخص کی پورے دن کی خوراک ہو سکتا تھا تو وہ سب بھی اسرائیلات میں درج دیگر خرافات کی طرح صرف خرافات و فضولیات ہی گردانا جا سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک متفقہ صحیح حدیث کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کا قد پہلے زیادہ سے زیادہ ستر فٹ بنایا تھا لیکن پھر رفتہ رفتہ اس میں کمی ہوتی چلی گئی۔

اسی طرح اسرائیلات میں درج یہ بیان بھی جو عوف البکالی سے مروی ہے اور ابن جریر نے اسی کے حوالے سے پیش کیا ہے سراسر لغو ہے کہ جب عوج بن عنق بنی اسرائیل کی طرف آ رہا تھا تو پہلے وہ ایک عظیم پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو اس نے اس پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل پر پھینکنا چاہا تھا لیکن اس وقت کہیں سے ایک پرندہ نمودار ہوا اور اس نے اس پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور اس کے ایک ٹکڑے کا حلقہ بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا یا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد خود دس گز تھا ہوا میں دس گز اچھلے تھے تو عوج بن عنق کے صرف ٹخنے تک پہنچ پائے تھے تاہم انہوں نے اس کے ٹخنے ہی پر اپنا عصا مار کر اسے ہلاک کر دیا تھا صرف ایک ناقابل یقین مضحکہ خیز کہانی ہے جسے عوف البکالی ہی نے بیان کیا ہے اور ابن جریر نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش کیا ہے لیکن ابن جریر کی یہ سند محل نظر ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اسرائیلیات کی یہ حکایات واقعہ نگاری کے اصول کے صریحاً خلاف ہیں جب کہ خود انہی کے دو باوثوق افراد نے ان کی صاف صاف تردید کی ہے۔ بنی اسرائیل کے یہ بیانات اس وجہ سے بھی ناقابل یقین ہیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء کو قتل کر کے اس کا الزام دوسروں پر تھوپنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ قرآن کے علاوہ دیگر معتبر روایات سے ثابت ہے' بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جہاد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں سے خود جہاد کریں اور اپنی مدد کے لیے اپنے خدا کو بلائیں۔ بنی اسرائیل کے جن دو اشخاص کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم کے ان اعمال اور ان کی خلاف مذہب حرکات پر انہیں خدا سے خوف کی وجہ سے ﴿رَجُلَانِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ﴾ ٹوکتے تھے ان کے نام ابن عباس' مجاہد' عکرمہ' عطیہ' السدی' ربیع بن انس کے علاوہ متعدد دوسرے ثقہ راویوں نے یوشع اور کالب بتائے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل ایمان ہونے کی وجہ سے نوازش فرماتے ہوئے انہیں انعام سے نوازا تھا: ﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا﴾ جب کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا: ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ﴾ یعنی یا اللہ مجھے صرف اپنے اوپر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے۔ اس لیے ہمیں اور اس فاسق قوم کو علیحدہ علیحدہ کر دے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت میں ''فافرق'' کا مطلب ''اقض'' بتایا ہے یعنی ہم میں اور اس قوم فاسق کے درمیان انصاف فرما دے۔

انہی دو وجوہ کی بنا پر کہ بنی اسرائیل نے دشمنوں سے جہاد کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا تھا کہ ''ہمیں کیا غرض کہ ہم ان سے جہاد کریں' جاؤ تم اور تمہارا خدا ان سے لڑو''۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ انہیں ''صرف اپنے اور اپنے بھائی پر اختیار ہے۔ اس لیے اس فاسقوں کی قوم اور ہمارے درمیان انصاف فرما دے' بنی اسرائیل متواتر چالیس سال تک روئے زمین پر بھٹکتے پھرے تھے اور انہیں کہیں ٹھکانا نہ ملا تھا اور وہ سب کے سب سوائے یوشع اور کالب علیہما السلام کے ہلاک ہو گئے تھے کیونکہ انہی دونوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لا کر ان کی حمایت کی تھی۔

اس کے برعکس جیسا کہ سعد بن معاذ کے حوالے سے امام احمدؒ، وکیعؒ، سفیانؒ، مخارق ابن عبداللہ احمسیؒ، طارق یعنی مقداد ابن شہابؒ وغیرہ نے جن میں عبیدہ بن حمید' حمید اور انس شامل ہیں بیان کیا ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے آپؐ سے متواتر یہی عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جان و دل سے آپ کے ساتھ ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے آپؐ کے اور اسلام کے دشمنوں سے آخر وقت تک مقابلہ کرتے رہیں گے تا آنکہ آپ کی دعا سے ہمارا پروردگار ہمیں ان پر فتح سے ہمکنار یا شہادت سے سرفراز فرمائے''۔

یہ روایت نسائی نے محمد بن مثنیٰ' خالد بن حارث' حمید اور انس کے حوالے سے پیش کی ہے اور ابن حبان نے انہی اسناد کی بنیاد پر اسے اپنی کتاب صحیح میں ابی یعلیٰ' عبدالاعلیٰ بن حماد اور معمر کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بنی اسرائیل کا اُلتیہ میں داخلہ اور وہاں ان کے لیے امور عجیبہ کا ذکر

ظالم جبارین کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے قتل اور ان کے جانی و مالی نقصانات کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ جب جبارین کے ظلم و جبر و تشدد سے کسی طرح اپنی جانیں بچا کر وہ التیہ پہنچے تو انہوں نے مصر سے نکلنے کے بعد دوبارہ کسی قدر سکون کا سانس لیا۔ تاہم اس سے قبل وہ حضرت موسیٰ' حضرت ہارون اور حضرت یوشع علیہم السلام کے ساتھ کچھ عرصے البریہ میں قیام کر چکے تھے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ہزار ہزار سو سو اور پچاس پچاس کی جماعتوں میں تقسیم کر کے ان میں سے ہر جماعت پر ان ہی میں سے ایک سالار مقرر کر دیا تھا اور وہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شریعت موسوی کے مطابق تمام بالغوں سمیت بچوں کی ختنوں کی بنیاد ڈالی تھی۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ جیسا کہ ابھی بیان کیا ان کے بھائی ہارون اور یوشع علیہما السلام بھی تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اہل خانہ میں ان کی بیوی اور دو بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک کی شادی وہ یوشع علیہ السلام سے پہلے ہی کر چکے تھے۔

بہرکیف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام البریہ میں داخل ہوئے تھے تو انہوں نے پہلے ایک پہاڑ کے دامن میں قیام کیا تھا لیکن وہاں انہیں پہاڑ سے دھواں اٹھتا نظر آیا تھا اور بجلی کی چمک کے ساتھ ایسا کڑکا سنائی دیا تھا جس سے ان کے ہمراہی تمام بنی اسرائیل کانپ اٹھے تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے تھے لیکن وہ پہاڑ تمام کا تمام لرز رہا تھا۔ تاہم اسی وقت انہیں ایک غیبی آواز سنائی دی جو ان کے پروردگار کی تھی یعنی خود ذات باری تعالیٰ اپنے بندے اور اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ آواز اس سے پہلے بھی سن چکے تھے جب وہ مصر میں داخلے سے قبل وہاں کی ایک وادی میں دور سے پہاڑ پر آگ روشن دیکھ کر کڑکڑاتی سردی کے باوجود وہاں آگ لینے پہنچے تھے اور وہیں انہیں ذاتِ باری تعالیٰ نے پہلی بار مخاطب فرما کر نبوت کے عہدۂ جلیلہ سے سرفراز فرمایا تھا جس کے بعد انہوں نے نہ صرف بنی اسرائیل بلکہ تمام اہل مصر کو اللہ تعالیٰ اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی ہدایت کی تھی۔ اس لیے یہ دوسرا موقع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید ہدایات دے کر ان پر توریت کی پہلی دس آیات نازل فرمائی تھیں جن میں ان کی قوم کو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کی ہدایت کے علاوہ اسے تمام برائیوں مثلاً دروغ گوئی' چوری اور بے جا قتل و غارت گری وغیرہ سے ممانعت کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہی آیات میں بنی اسرائیل کے لیے عبادت کا دن یوم السبت یعنی ہفتہ (سنیچر) کا دن مقرر فرمایا تھا جسے یہودی (بنی اسرائیل) یوم الیسوع کے نام سے یاد کر کے عید کی طرح آج بھی مناتے ہیں۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اہل اسلام کے لیے ہفتے میں یہ دن جمعہ مقرر فرمایا گیا اور اسے ہفتے کے دوسرے دنوں پر فضیلت بخشی گئی اور اس روز انہیں بطور خاص ادائے نماز کی ہدایت کی گئی جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جو آیاتِ ربانی پہلے روز حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں اور ان میں بنی اسرائیل کو جو ہدایات دی گئی تھیں۔ ان پر جملہ علمائے اسلاف و اخلاف متفق ہیں۔ ان کے علاوہ جو ارشادات ربانی وحی الٰہی کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے جن میں بنی اسرائیل مخاطب ہیں اور وہ توریت میں درج ہیں ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سورۂ انعام اور دوسری سورتوں میں فرمایا ہے مثلاً سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کو پہلے فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دلائی گئی۔ پھر انہیں انعام و اکرام سے نوازا گیا' جب انہوں نے زمین پر اُگی ہوئی غذائی اشیاء کھانے سے تنگ آ کر کسی نئی چیز کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خواہش ظاہر کی تو ان کی دعا پر ان کے لیے آسمان سے براہِ راست من و سلویٰ نازل کیا گیا لیکن وہ اس سے بھی تنگ آ گئے اور پھر اپنی پہلی غذائی اشیاء کا تقاضا کرنے لگے تو دوبارہ ان کی اس خواہش کو پورا کیا گیا لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اور جیسا کہ سورۂ بقرہ میں تفصیل سے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے انہوں نے گائے کی قربانی کرنا چاہی اور اس کے رنگ' اس کی نسل اور عمر وغیرہ کی سینکڑوں شرائط رکھیں تو ان کے لیے ایسی گائے تخلیق کی گئی لیکن پھر بھی رو بہ اصلاح نہ ہوئے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے سونے کا ایک بچھڑا بنا کر اس کی پرستش کرنے لگے۔

بنی اسرائیل کی ان تمام باتوں کا ذکر ہم قرآن ہی کے حوالے سے ان شاء اللہ آگے چل کر عنقریب کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں بنی اسرائیل کی بچھڑا پوجنے کی داستان

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے الگ ہو کر حکم الٰہی کے تحت میقات میں چالیس روز گزارنے اور وہاں رب العزت کی عبادت میں شب وروز مصروف رہنے کے لیے تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل نے ان کی غیبت میں ایک سوکھے اور دبلے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی جو انہوں نے سونے سے سامری جادوگر کی ترغیب پر خود بنایا تھا چونکہ اس میں گائے کی طرح ڈکرانے کی صلاحیت نہیں تھی اس لیے سامری نے اس کے دبر میں جادو کے زور سے کوئی چیز داخل کر کے اس کے منہ سے نکالی تو وہ بچھڑا گائے کی طرح ڈکرانے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ سامری نے جادو سے ہوا بنا کر اس بچھڑے کی دبر میں داخل کی تھی اور اس کے منہ سے نکالی تھی۔ بہرحال جب وہ بچھڑا گائے کی طرح ڈکرانے لگا تو سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ دیکھو یہ تمہارے موسیٰ (علیہ السلام) کا اور تمہارا خدا ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں لاکھ سمجھایا اور خدا کے خوف سے ڈرایا لیکن انہوں نے ان کی کوئی بات نہ سنی اور کہنے لگے کہ ہم موسیٰ (علیہ السلام) کی غیبت میں تمہاری ایک بات نہ مانیں گے۔

بہرکیف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام میقات سے واپس تشریف لائے تو وہ اپنی قوم بنی اسرائیل کی یہ قبیح حرکت دیکھ کر بہت غضب ناک ہوئے اور انہیں سخت سست کہا تو وہ پھر توبہ کرنے لگے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ اس نے ان کی توبہ قبول کر کے انہیں اپنی رحمت سے معاف فرما دیا۔

بنی اسرائیل کی اس داستان کے ساتھ قرآن شریف میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی تھی ''رب ارنی'' (اے میرے پروردگار تو مجھے کھلی آنکھوں سے اپنا جلوہ دکھا) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا ''لن ترانی'' یعنی تم مجھے ہرگز اس طرح نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا تھا ''پہاڑ کی طرف دیکھو'' لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف نگاہ کی تو وہاں بجلی کی طرح ایک ایسی نگاہوں کو خیرہ کرنے والی چمک دیکھی کہ وہ غش کھا کر گر پڑے۔

قرآن شریف کی ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے جن میں یہ ذکر آیا ہے مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ جلوۂ خداوندی کی ایک جھلک بھی انسانی بصارت کے لیے محال ہے نیز یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف رخ کر کے جو جلوہ دیکھا تھا وہ جلوہ خداوندی کی ایک معمولی سی جھلک تھی اور وہ بھی پس پردہ تھی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ابن حبان کی روایت کردہ حدیث نبویؐ

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن اسحٰق اور ابن لہیعہ نے ابی الہیثم اور ابوسعید الخدری کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تھا کہ یا رب تو نے اس وقت کے دنیا میں اپنے نیک ترین بندے کے لیے کیا انعام رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھول کر ان سے فرمایا تھا کہ دیکھو یہ وہ جگہ ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے اور یہ دیکھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حسب وعدہ اس انعام و اکرام کا شکرادا کر کے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تھا کہ کافروں کے لیے تو نے کون سی جگہ مقرر فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے دوزخ کا سب سے زیادہ آتش فشاں منظر کر دیا تھا۔

ابن حبان سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ اس کے ذکر میں کون سا ذکر سب سے اچھا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جواب دیا تھا کہ لا الہ الا اللہ اور مزید یہ بھی فرمایا تھا کہ اس سے بہتر ذکر الٰہی میں کوئی ذکر نہیں ہے اور سبع سماوات میں اور زمین کے ہر طبقے میں مخلوق خداوندی جو جہاں ہے یہی ذکر کرتی ہے۔

حدیث بطاقہ سے بھی اس حدیث نبوی کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس سے ملتی جلتی ایک اور حدیث نبوی سنن میں (ابن ماجہ نے) پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر معروف و افضل وہ دعا ہے جو میں کرتا ہوں اور مجھ سے قبل تمام انبیاء (علیہم السلام) کرتے رہے ہیں۔ وہ دعا یہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

ان احادیث کے علاوہ متعدد دیگر احادیث قصہ موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں اکثر مفسرین و مؤرخین نے بطورِ سند پیش کی ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بقرۂ بنی اسرائیل کی تفصیل

بقرۂ بنی اسرائیل کا ذکر اللہ تعالیٰ جلہ شانہٗ نے قرآن پاک میں یوں فرمایا ہے:

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو' وہ بولے کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔ انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے التجا کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ بیل کس طرح کا ہوگا۔ (موسیٰ نے) کہا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ بیل نہ تو بوڑھا ہو نہ بچھڑا بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو۔ انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے درخواست کیجیے کہ ہم کو یہ بھی بتادے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰ نے کہا پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں (کے دل) کو خوش کر دیتا ہو۔ انہوں نے کہا (اب کے) پروردگار سے پھر درخواست کیجیے کہ ہم کو بتادے کہ وہ اور کس کس طرح کا ہو کیونکہ بہت سے بیل ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں (پھر) خدا نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔ موسیٰ نے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ بیل کام میں لگا ہوا نہ ہو۔ نہ تو زمین جوتتا ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتا ہو اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے اب تم نے سب باتیں درست بتادیں۔ غرض (بڑی مشکل سے) انہوں نے اس بیل کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو باہم جھگڑنے لگے لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ تو ہم نے کہا کہ اس بیل کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو۔ اس طرح خدا مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو''۔ (۲: ۶۷ تا ۷۳)

ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک بوڑھا شخص بہت مالدار تھا۔ اس سے اسی کی قوم کے کسی شخص نے جو اس بوڑھے کا قرابت دار تھا اسے قتل کر دیا تاکہ اس کے مال پر قابض ہو جائے جب دوسرے لوگوں کو اس کا علم ہوا تو وہ اس مقتول کے دروازے پر جمع ہو گئے اور قاتل کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے اور آپس میں جھگڑنے لگے تو کسی نے ان سے کہا کہ اللہ کے رسول (یعنی موسیٰ علیہ السلام) کے پاس کیوں نہیں جاتے تاکہ وہ اپنے پروردگار سے دریافت کر کے تمہیں قاتل کا نام اور پتا بتادیں۔

چنانچہ جب وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور سارا معاملہ ان کے سامنے رکھ کر ان سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معلوم کر کے اس شخص کے یعنی قاتل کے بارے میں معلوم کر کے انہیں بتادیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ وہ ایک بیل ذبح کریں لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ کیا وہ ان سے مذاق کرتے ہیں یعنی وہ تو ان سے قاتل کا نام اور پتہ معلوم کرنا چاہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ان کے پروردگار کا حکم ہے کہ وہ ایک بیل ذبح کریں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس روایت میں آگے چل کر ابن عباس رضی اللہ عنہما متعدد مستند حوالوں سے وہی کچھ بیان کرتے ہیں جو قرآن شریف میں آیا ہے اور جسے ہم بھی پہلے بطور حوالہ پیش کر چکے ہیں یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملنے کے بعد) کہا کہ وہ ایک بیل ذبح کریں تو پہلے تو انہوں نے اسے جیسا کہ قرآن شریف میں بیان کیا ہے' مذاق سمجھا اور اس کے بعد اس کے بارے میں طرح طرح کے سوال کیے اور آخر کار اسے ذبح کیا۔ پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ان سے کہا گیا کہ وہ اس ذبح شدہ بیل کا کوئی سا ٹکڑا اس مقتول کو ماریں تو وہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دے گا۔ پھر جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی (اسی کے حوالے اور دیگر مفسرین کے حوالے سے) بیان کیا ہے کہ انہیں اس بیل کو ذبح کرنے کی وجہ بتائی گئی یعنی اس ذبح شدہ بیل کا کوئی سا ٹکڑا اس مقتول کو ماریں گے تو وہ زندہ ہو جائے گا اور قاتل کے بارے میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا سب کچھ بتا دے گا۔ پھر جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے متعلقہ قرآنی آیات کی تفاسیر کے حوالے سے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ کی منشاء انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھانی تھیں کہ وہ اس طرح بھی مردوں کو زندہ فرما دیا کرتے ہیں ورنہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ روز قیامت تمام نوع انسانی کو ان کی موت کے بعد فرد واحد کی طرح دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام

قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام کے بارے میں قرآن پاک میں جو ذکر ہے وہ یہ ہے:

''اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں۔ جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنا لیا۔ جب آگے چلے تو موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لیے کھانا لاؤ۔ اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہو گئی ہے (اس نے) کہا کہ آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا۔ موسیٰ نے کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جسے ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔ خضر نے کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔ اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیونکر سکتے ہو۔ (موسیٰ نے) کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا' (خضر نے) کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں' تو دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضرؑ نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں۔ یہ تو آپ نے بڑی (عجیب بات کی) (خضر نے) کہا کیا میں نہیں کہتا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے' (موسیٰ نے) کہا کہ مجھ سے جو بھول ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے' پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے مار ڈالا (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا۔ یہ تو آپ نے بری بات کی (خضرؑ نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کو قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے۔ پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔ خضرؑ نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا) خضرؑ نے کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی (مگر) جن

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باتوں پر تم صبر نہ کر سکے ان کا تمہیں بھید بتائے دیتا ہوں (کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت کر کے (یعنی کشتیاں چلا کر) گزارہ کرتے تھے اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں (تا کہ وہ اسے غصب نہ کر سکے) اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے۔ تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر جو بدکردار ہوتا' کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے' تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار ان کو اس کی جگہ اور (بچہ) عطا فرمائے جو پاک طینتی اور محبت میں اس سے بہتر ہو۔ اور وہ جو دیوار تھی سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں رہتے تھے اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا۔ تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ ان باتوں کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے''۔ (۱۸: ۶۰۔۸۲)

بہر کیف حضرت خضر علیہ السلام کے اس قصے کے بارے میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس لیے مبعوث فرمایا تھا تا کہ وہ آخر الذکر کی معاونت کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ ان کے زمانے میں جو دوسرا نبی مبعوث ہو تو وہ ہمیشہ ان کے معین و معاون ہوں گے۔ مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس طرح جبریل علیہ السلام کو دوسرے فرشتوں پر فضیلت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سلسلہ ابراہیمی کے انبیاء کو جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں دوسرے انبیاء پر فضیلت بخشی تھی۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ' حضرت خضر علیہ السلام سے خدا کے نزدیک اشرف تھے لیکن جس حدیث نبوی کے حوالے سے یہ تفاسیر پیش کی گئی ہیں وہ اہل تحقیق کے نزدیک ضعیف ہے اور حاکم نے جن اسناد کے حوالے سے پیش کیا ہے وہ خود اپنی اپنی جگہ ضعیف بتائی گئی ہیں۔ واللہ اعلم

حدیثِ فتون

حدیث فتون کے بارے میں امام عبدالرحمن نسائی نے اپنی کتاب سنن میں سورۂ طٰہٰ کی آیہ شریفہ:

﴿ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنَّاكَ فُتُوْنًا ﴾

یعنی حدیث فتون کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اس آیہ شریفہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو فرماتے ہوئے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے از اوّل تا آخر تمام واقعات بیان فرمائے نیز بنی اسرائیل کے کردار' ان کے ہاتھوں انبیاء مرسلین کے قتل اور ان کے ان بداعمال کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے جو انہیں سزا دی اور وہ دنیا میں دربدر کی برسوں ٹھوکریں کھاتے پھرے اور آپ کے زمانے تک ان کا وہی حال رہا اسے بھی تسلسل سے اور تفصیلاً بیان فرمایا۔

اس حدیث کے بارے میں دیگر مفسرین و علمائے دین کی متعدد روایات ہیں جن پر مؤرخین نے بھی اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے انداز میں روشنی ڈالی ہے جن کے بیانات ہم نے بخوف طوالت یہاں حذف کر دیے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ذکر بناءِ قبّۃُ الزمان

اہل کتاب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ ایک قبہ (گنبد) تعمیر کریں جس میں درخت شمشاد کی لکڑیاں‘ مویشیوں کی کھالیں اور بکریوں کے بال استعمال کیے جائیں اور اسے سونے چاندی کے تانے بانے سے تیار کردہ حریر کے کپڑے سے آراستہ کیا جائے اس گنبد میں جیسا کہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے۔ اس گنبد میں جو اندر سے بڑا وسیع وعرض تھا دس چوکور ستون تھے جن کی لمبائی اٹھائیس فٹ اور چاروں طرف سے ان کی چوڑائی چار فٹ رکھی گئی تھی۔ اس گنبد کی چھت بھی مرصع تھی اور اس میں سونے چاندی سے نقش بنائے گئے تھے۔ اس گنبد کے ہر پہلو میں دو دو دروازے تھے جن کی سردلیں اور چوکھٹیں سونے چاندی سے تیار کر کے انہیں نقش ونگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کے سب سے بڑے مرکزی دروازے کو بھی اسی طرح سونے چاندی سے تیار کر کے نقش ونگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔

اس گنبد کے ساتھ جو مینار تھا وہ بھی سونے چاندی سے تیار کیا گیا تھا جس میں اوپر تک ہر منزل میں تین مرصع روشندان تھے جن پر حریر کے پردے پڑے رہتے تھے۔ اس گنبد اور مینار کا بالائی حصہ خالص سونے سے تیار کیا گیا تھا۔ اور گنبد کے اندرونی حصے کی طرح اس میں بھی ہر منزل کے ہر حصے میں چراغوں کی گنجائش رکھی گئی تھی۔

اس گنبد میں ایک وسیع وعریض دسترخوان بھی زائرین کی ضیافت کے لیے تیار کیا گیا تھا اور اسے بھی زرتار بنایا گیا تھا اور اس کے تین مساوی حصے رکھے گئے تھے۔

ان تمام چیزوں کے علاوہ اس گنبد کے احاطے میں ایک مذبح یا قربان گاہ بھی رکھی گئی تھی۔

یہ قبہ یا گنبد سنتِ موسوی کے مطابق فصل ربیع میں مکمل ہوا تھا اور اس میں تابوت شہادت بھی رکھا گیا تھا جس کا ذکر قرآن پاک کی سورۂ بقرہ کے سولھویں رکوع کی چھٹی آیت ﴿إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ الخ﴾ میں آیا ہے۔

اس قبہ یا گنبد کا حال اہل کتاب کی تفسیر کتابوں میں بڑے طول طویل انداز میں کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں بچھڑے کی عبادت کے رواج سے قبل موجود تھا۔ اور اس کی قدامت کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ اس کی بنیاد بیت المقدس سے بھی قبل رکھی گئی تھی اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد اور اس گنبد میں داخلے کے وقت بنی اسرائیل نے پہلی بار باقاعدہ خدائے واحد کی عبادت کی ابتداء کی تھی۔

ان کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے اس کی نگرانی سنبھالی تھی اور پھر یہی گنبد‘ گنبد صخرہ کہلایا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک جملہ انبیائے کرام کا مرکز عبادت اور کعبۃ اللہ کی طرح کعبہ وقبلہ رہا جو درست ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قارون کا قصہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قارون بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اگر چہ اس کا تعلق بھی بنی اسرائیل سے تھا لیکن وہ اپنی زر پرستی اور حرص و ہوس کی وجہ سے فرعون کے ساتھ ہو کر اس کے کفر اور بنی اسرائیل سے اس کی دشمنی میں برابر کا شریک تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ اس کی بداعمالیوں اور زر پرستی کا ذکر بھی اللہ جل شانہ نے تفصیل سے فرمایا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی اس زر پرستی اور حرص و ہوس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے تمام خزانوں کے ساتھ زندہ درگور کر دیا گیا تھا تا کہ اہل بصیرت اس کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ موسیٰ کی قوم ہی میں سے تھا لیکن اس نے اپنے مال و زر کے گھمنڈ میں آ کر جو درحقیقت اسے خدا ہی نے دیا تھا اپنی قوم سے غداری کی تھی حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اس کی قوم کے ان لوگوں نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے' اسے سمجھانے کی لاکھ کوشش کی تھی کہ اس کا سارا مال و متال اور دنیا کا سامان راحت سب یہیں دھرارہ جائے گا۔ جب کہ اس کے نیک اعمال آخرت میں اس کے کام آئیں گے اور وہاں اس کے ابدی آرام کا وسیلہ بنیں گے لیکن اس نے اپنے زمانے کے نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام اور اپنی قوم کی ان باتوں پر کان نہ دھرا بلکہ ان کی تضحیک کی اور مسلسل فرعون اور اس کے امراء و وزراء اور اس کے دیگر ساتھیوں کا مسلسل ساتھ دیتا رہا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور دشمنی میں ان سے بھی چار قدم آگے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گمراہی' کفر پرستی اور غرور و تکبر کی اسے یہ سزا دی کہ اسے اس کے تمام خزانوں کے ساتھ زیر زمین زندہ دفن کر دیا۔

اعمش نے منہال بن عمرو' ابن سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم یعنی چچا زاد بھائی بتایا ہے اور ابراہیم نخعی' عبداللہ ابن الحرث بن نوفل' سماک بن حرب' قتادہ' مالک ابن دینار اور ابن جریج نے مذکورہ بالا راویوں کے اس بیان میں اضافہ کرتے ہوئے اس کا پورا نام قارون بن یصہر بن ہافث بتایا ہے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران بن ہافث تھے۔ اس لیے ابن جریج نے ٹھیک بتایا ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم یعنی چچا زاد بھائی تھا اور دوسرے متعدد راویوں کے اس بیان کی تصدیق کی ہے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ توریت میں جو اس کا نام نور بتایا گیا ہے وہ اس کے خوش الحان ہونے کی وجہ سے بتایا گیا ہے اور قتادہ نے اس کے ذکر کی وضاحت بھی کی ہے جب کہ بخاری نے بھی ایک حدیث نبوی کے حوالے سے مذکورہ بالا راویوں کے بیانات کی تصدیق کی ہے اور ساتھ ہی اس کے ضمن میں متعلقہ آیات قرآنی کے حوالے بھی دیے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت وفضائل اور وفات کا ذکر

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر فرمایا اور آپ سے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو یاد کیجیے جنہیں ہم نے نبوت اور (براہِ راست) ہم کلامی کا شرف بخشا اور انہیں یہ امتیاز بھی عطا کیا کہ ان کی سفارش پر ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو بھی نبوت بخشی۔ قرآن پاک کی اس آیہ شریفہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی مرسل فرماتے ہوئے انہیں بطور خاص مخلص فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ:

''ہم نے انہیں طور کی طرف سے آواز دی اور اپنی خاص قربت بخشی''۔

﴿ وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوْسٰى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا وَّ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا وَّ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَا اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴾

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی ایک دوسری آیہ شریفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (ذریعہ وحی) ارشاد فرمایا کہ:

''جن کے ہم نے آپ سے قصے بیان کیے وہ سب انبیائے مرسلین تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جن کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہم کلامی کا شرف بھی بخشا''۔

پھر ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''اے ایمان لانے والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اذیت پہنچائی (جبکہ) ہم نے انہیں ان جملہ الزامات سے جو ان لوگوں (مخالفین) نے ان پر لگائے تھے بری الذمہ قرار دیا اور اللہ کے نزدیک وہ وجیہ تھے''۔

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روز قیامت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہونے والی جس عزت وحرمت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ''مجھے موسیٰ (علیہ السلام) پر ترجیح نہ دینا'' وہ حقیقت آپؐ کے حسن اخلاق اور تواضع کی دلیل اور آپ کی سیرت کا ایک نمونہ ہے ورنہ بحیثیت نبی آخر الزمان جیسا کہ خود ارشاد باری تعالیٰ ہے آپ کو تمام انبیائے ماسبق پر فضیلت حاصل ہے۔

اکثر راویوں نے یہ اسناد صحیح بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ہاتھوں ان کی تکالیف اور اذیتوں کا ذکر فرمایا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر کی تعریف وتوصیف فرمائی۔

جناب اعمشؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص آپؐ کے حق میں بطور الزام زبان کھولے تو ہم آپ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سے اس کا ذکر نہ کیا کریں لیکن ایک بہت ہی معتبر آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دوسرا شخص یہ کہہ رہا تھا کہ فلاں موقع پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں حکم الٰہی کے مطابق انصاف نہیں فرمایا''۔

اعمش (رحمۃ اللہ علیہ) بیان فرماتے ہیں کہ اس شخص سے یہ بات سن کر آپ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا:

''بخدا موسیٰ (علیہ السلام) پر اس سے زیادہ الزامات لگا کر ان کی قوم نے انہیں تکلیف پہنچائی لیکن انہوں نے (ہمیشہ) صبر کیا''۔(ترجمہ مفہومی)

یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی نے بھی اسرائیل کی زبانی اور ولید بن ابی ہاشم کے حوالے سے بیان کی ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں احادیث اسراء کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ جب شب اسراء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہوا تھا تو آپؐ نے انہیں ان کی قبر میں بحالت قیام نماز میں مشغول دیکھا تھا۔

اس روایت کو مسلمؒ نے انسؓ کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔

صحیحین میں حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے سے شب معراج کے تذکرے کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان ششم پر دیکھا تھا اور جب جبریل علیہ السلام نے ان سے آپ کا تعارف کرایا تھا تو آپؐ نے انہیں سلام کیا تھا اور انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے آپ کو انبیائے صالحین میں سے ایک اور اپنا بھائی کہہ کر آپ کی وہاں تشریف آوری پر آپ کو مبارک باد دی تھی لیکن جب آپؐ نے وہاں سے آگے قدم بڑھایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے تھے۔ جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ان کے بعد آخر میں مبعوث ہونے والے ایک نبی مرسل روز قیامت ان سے قبل جنت میں داخل ہوں گے اور جنت میں داخل ہونے والوں میں ان کی امت کی تعداد ان کی اپنی امت کے لوگوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی طرف تھا۔

اس حدیث نبوی کی روایت میں بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات فلک ہفتم پر ہوئی تھی لیکن کچھ دوسرے معتبر تر راویوں کا بیان ہے کہ فلک ہفتم پر آپ کی ملاقات آپؐ کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تھی جہاں ان کی مسند بیت المعمور کی پشت پر نزدیک ہی فلک ہفتم پر تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات فلک ششم پر ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ اس حدیث کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ واپسی پر بھی آپ کی ملاقات دوبارہ فلک ششم ہی پر ہوئی تھی اور جب آپؐ نے ان سے بیان کیا تھا کہ آپ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی ہے تو انہوں نے آپ سے کہا تھا کہ اس میں آپ اللہ تعالیٰ سے التجا فرما کر کمی کرائیں تو آپؐ نے انہی کے مشورے پر آپ کی اللہ تعالیٰ سے اس میں کمی کے لیے درخواست کی تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر آپ کی اللہ تعالیٰ سے چند بار درخواست کے نتیجے میں پچاسؔ وقت کی نماز گھٹتے گھٹتے پانچ وقت کی رہ گئی تھی تب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو اس میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے کمی کرانے کا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مشورہ دیا تھا لیکن اس بار آپؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ ''اب مجھے اس میں کمی کے لیے اپنی پروردگار سے درخواست کرتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے''۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان کے فضائل کے ساتھ سورۂ انعام' سورۂ مائدہ' سورۂ انبیاء اور سورۂ قصص میں بھی کئی جگہ آیا ہے۔

متعدد معتبر روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ بن نوفل سے آپ پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ آپؐ سے اس وحی میں:

﴿ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَءْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴾

فرمایا گیا تو ورقہ بن نوفل نے آپ کی زبان مبارک سے اللہ کا یہ کلام سن کر کہا تھا:

''سبحان اللہ، سبحان اللہ یہ وہی ''ناموس'' ہے جو وحی کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران پر نازل ہوا تھا''۔ (یعنی وحی الٰہی)

ورقہ بن نوفل کا یہ کہنا درست تھا' لیکن اس کے بعد توریت وانجیل میں جو بے شمار تحریفات کی گئیں ان کا ذکر یہاں طوالت سے خالی نہیں۔ البتہ آگے چل کر ہم ان شاء اللہ اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

موسیٰ علیہ السلام کے حج بیت العتیق کا ذکر

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے داؤد بن ابی ہند نے ابوالعالیہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ وادی ازرق سے گزر رہے تھے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے راوی سے پوچھا کہ وادی ازرق کون سی ہے اور کہاں ہے تو اس نے پھر صرف وادی ازرق ہی بتایا اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی گفتگو جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ جب آپ وادی ازرق سے گزر رہے تھے تو آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تھا اور انہوں نے بیان کیا تھا کہ وہ بھی کبھی حج العتیق کے لیے اسی وادی سے گزرے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعد میں جب آپ نے انہیں دیکھا تو وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) تلبیہ پڑھتے ہوئے بیت العتیق کے قریب پہنچ چکے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آپ اس وقت ثنیۂ ہرشاء میں تھے۔ راوی سے پوچھا گیا کہ یہ ثنیۂ ہرشاء کیا اور کہاں ہے تو اس نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ آپؐ نے یونس بن متی کو بھی دیکھا تھا وہ اس وقت سرخ اونٹ پر سوار تھے' ان کا جبہ اونی تھا۔ جو خطام کا بنا ہوا تھا آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث' حدیث اسراء کہلاتی ہے اور اس میں یقیناً آپؐ نے عہد عتیق کا ذکر فرمایا ہوگا ویسے طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیت العتیق (قدیم بیت اللہ) کے حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تو حدیث مذکور کے مطابق وہ سرخ رنگ کے ایک بیل پر سواری کر رہے تھے لیکن یہ روایت بہت عجیب ہے۔

امام احمدؒ نے جو حدیث نبوی اسودٗ اسرائیل' عثمان بن مغیرہ' مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے شب معراج اور آنحضرت ﷺ کے فلک ہفتم تک ہر آسمان سے گزرتے ہوئے حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات اور ان تمام انبیاء کے شکل و شمائل اور قد و قامت کے بارے میں اپنی مسند میں پیش کی ہے اسے ہم بہ تفصیل اس سے قبل گذشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکرِ وفات:

امام بخاریؒ اپنی ''صحیح'' میں وفات موسیٰ علیہ السلام کے عنوان کے تحت بیان فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے ابن طاؤس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب عزرائیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے ان کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو وفات کے ذریعہ یاد فرمایا ہے تو انہوں نے ان سے کہا کہ کیا میرے رب نے مجھے اس ارض مقدس سے ارض حجر یعنی قبر میں جانے کا حکم دیا ہے اور جب عزرائیل نے اثبات میں جواب دیا تو وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اپنے پروردگار کے اس حکم کی تعمیل پر بخوشی تیار ہو گئے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے میں اس قدر فرما کر پھر ارشاد

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فرمایا کہ ''کاش میں تم لوگوں کو کثیب احمر کے راستے میں بنی ہوئی ان کی قبر دکھا سکتا''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نبویؐ ان سے معمرؒ نے ہمام اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی اسی طرح بیان کی تھی۔

ویسے یہ حدیث مسلم نے مذکورہ بالا پہلی حدیث کے الفاظ میں حماد بن سلمہ' حماد بن ابی حماد اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کی اور امام احمدؒ اسے وہیں سے اخذ کیا ہے۔

دوسرے متعدد ثقہ راویوں نے کئی مستند حوالوں سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب عزرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے اللہ تعالیٰ کا مذکورہ بالا حکم بیان کیا تو وہ انہیں پہچان نہ سکے تھے جس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک اعرابی کی شکل میں ان کے سامنے آئے تو وہ انہیں جھٹ پہچان گئے کیونکہ ترسیل وحی کے لیے وہ اس شکل میں بھی کئی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے اور اس کے بعد انہوں نے عزرائیل کو قبض روح کا اشارہ کر دیا۔

انبیاء علیہم السلام کی قبض روح کے سلسلے میں متعدد روایات میں بتایا گیا ہے کہ عزرائیل ان کی اجازت لے کر ان کی قیام گاہوں میں داخل ہوئے اور پھر انہیں ان کے پروردگار کا حکم سنانے کے بعد ان کا اشارہ پا کر ان کی ارواح قبض کرتے تھے۔

اس روایت میں حدیث نبویؐ کے حوالے سے اس کی کئی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہارون علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے التیہ سے بیت المقدس روانہ ہونے اور وہاں پہنچنے کے بعد ان کی وفات ہوئی تھی جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیل سے کریں گے۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تدفین کے بعد ملائکہ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ان پر صلوٰۃ و سلام پڑھا تھا۔

اہل کتاب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال بتائی ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یوشع علیہ السلام کی نبوت اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد عبائے بنی اسرائیل میں ان کے قیام کا ذکر

یوشع علیہ السلام کا پورا نام اور نسب نامہ یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام ہے۔ اہل کتاب انہیں ہود علیہ السلام کا چچازاد بھائی بتاتے ہیں۔

بہرکیف اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کی صراحت کیے بغیر موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصے کے ضمن میں ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتَاهُ﴾ ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ﴾ [1] فرمایا ہے اور اس آیہ شریفہ میں دونوں جگہ فتاہ سے تمام مفسرین کے مطابق یوشع علیہ السلام ہی مراد ہیں۔

اس سے قبل ہم اپنی ''صحیح'' کے حوالے سے ابن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ اس روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوشع نون کے بیٹے تھے اور آپ اہل کتاب کی اس روایت سے متفق تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس زمانے کے کچھ لوگ جو سامریہ کہلاتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع کے سوا کسی نبی کو نبی نہیں مانتے تھے کیونکہ توریت میں صرف انہی کی نبوت کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے علاوہ کچھ دوسرے بھی اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے اور جہاں تک یوشع کا تعلق ہے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ وہ ان پر نازل ہونے والی وحی کے بارے میں از اوّل تا آخر تمام کیفیات بتائیں جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی قدر مکدر ہو گئے تھے۔ ممکن تھا کہ وہ پھر ان کے سامنے ان کی وضاحت کر دیتے لیکن اس دوران میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور ان کے بعد خود یوشع کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت تفویض کی گئی۔

ہم اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قبۃ الزمان کی تعمیر کا ذکر کر چکے ہیں اسی قبے یا گنبد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ آسمانی کتاب توریت ان کی وفات کے بعد رکھی گئی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ محمد بن اسحٰق نے اہل کتاب کے بیانات کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس سے قبل بنی اسرائیل کو توریت کے اندراجات کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا کیونکہ توریت تابوت الشہادۃ کے پاس مدت تک یونہی رکھی رہی تھی۔

اہل کتاب کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اپنے تیسرے سفر کے موقع پر فرمایا تھا کہ اگر جبارین ان سے جنگ کریں تو وہ بھی اپنے دفاع کے لیے ان سے جنگ کرنے پر تیار رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے پیروکاروں کو یہ حکم یقیناً حکم الٰہی کے تحت تھا جیسا کہ جنگ تبوک کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا

[1] اس آیہ شریفہ کا ترجمہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ (مترجم۔شادانی)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کہ اسلامی لشکر کو حکم دیں کہ وہ صرف ان سے قتال کریں جو ان کے مقابلے میں آئیں اور یہی سلسلہ اسلامی طریقہ جنگ کا اس وقت تک جاری رکھا گیا جب مشرق و مغرب کے بہت سے ملک مسلمانوں کے زیرنگیں آ چکے تھے۔ البتہ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾

یعنی اس کے بعد جو اس حکم سے پھرا وہ گمراہ ہوا تو جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے احکام سے سرتابی کی تو انہیں جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے انہیں دربدری کی سزا دی گئی جس طرح نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روگردانی کی سزا ملی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے اسود بن عامر اور ابوبکر نے ہشامؒ ابن سیرین اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے لیے یوشع (علیہ السلام) کے علاوہ چند راتوں تک محبوس نہیں کیا یعنی طلوع ہونے سے نہیں روکا جب انہوں نے بیت المقدس کو فتح نہیں کر لیا''۔

اس حدیث نبویؐ سے صاف ظاہر ہے کہ بیت المقدس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہیں بلکہ یوشع علیہ السلام نے فتح کیا تھا۔

اس سلسلے کی ایک حدیث نبوی وہ بھی ہے جسے امام احمدؒ نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے دروازے میں جھک کر داخلے کا حکم دیا تھا تو وہ اپنے پروردگار اور یوشع علیہ السلام کے حکم سے برعکس بیٹھ کر اس دروازے میں داخل ہوئے تھے: '' قال اللّٰہ لبنی اسرائیل ادخلوا الباب سجداً '' حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مبنی بر کلام اللہ یعنی حدیث قدسی۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اس سرتابی سے جیسا کہ متعدد راویوں نے بیان کیا ہے' بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب بطور سزا نازل کیا گیا تھا۔ بعض راویوں نے طاعون کے بجائے برد (انتہائی خنکی) بیان کیا ہے جب کہ بعض دوسروں نے طاعون اور انتہائی خنکی دونوں بتایا ہے۔

یوشع علیہ السلام کی عمران کی وفات کے وقت ایک سو ستائیس سال بتائی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ستائیس سال زندہ رہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خضر والیاس علیہما السلام کے قصے

قصہ خضر علیہ السلام:

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی کتاب عزیز قرآن پاک کے سورۂ کہف میں خضر علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پہلے سفر میں خضر علیہ السلام ملے تھے اور انہوں نے ان سے کہا تھا کہ انہیں علم لدنی سے آگاہ فرمائیں اور خضر علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست قبول کر کے انہیں اپنے ساتھ سفر کرنے کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ خضر علیہ السلام جو کچھ بھی کریں موسیٰ علیہ السلام ان سے اس کے بارے میں نہ کوئی سوال کریں نہ انہیں ٹوکیں اور اس کے بعد بھی یہ کہا تھا کہ وہ درحقیقت صبر نہیں کر سکیں گے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی پہلی شرط قبول کر کے ان سے وعدہ کیا کہ وہ ہر بات کو دیکھ کر صبر کریں گے اور کسی حیرت و اضطراب کا مظاہرہ نہیں کریں گے تو خضر علیہ السلام نے اس سفر میں موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی تھی۔

خضر و موسیٰ علیہما السلام کا یہ قصہ توریت میں بھی کافی صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ خضر علیہ السلام کے نام اور ان کے نسب نامے کے بارے راویوں میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے اور قابیل کے بھائی تھے جب کہ کچھ دوسرے لوگ انہیں بنی اسرائیل سے اور کچھ آل فرعون سے بتاتے ہیں اور جس طرح ان کے نام و نسب کے بارے میں راویوں میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں ویسے ہی ان کی نبوت اور عصر حاضر تک ان کے زندہ رہنے کے بارے میں بھی اختلافات ہیں۔

ابو حاتم نے متعدد حوالوں سے ان کا نام خضرون بتایا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور انہی کو آدم علیہ السلام نے اپنی تدفین کے بارے میں وصیت کی تھی۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ وہ خضر علیہ السلام ہی تھے جنہیں آدمؑ نے اپنی تدفین کی وصیت کے علاوہ انہیں طوفان نوح کی خبر دی تھی اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو کر طوفان سے محفوظ رہنے والوں میں سے ایک تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے انہیں تا قیامت طول عمر کی دعا دی تھی اس لیے وہ اب تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''معارف'' میں وہب بن منبہ کے حوالے سے ان کا نام ملیا بتایا ہے جب کہ ان کا نام ایلیا بن ملکان بن فالغ بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بھی بتایا جاتا ہے۔

جن راویوں نے انہیں فرعون کا بیٹا بتایا ہے ان کی روایات ضعیف ٹھہرائی گئی ہیں۔

ابن جریر نے یہ صحیح کہا ہے کہ وہ افریدون بن اثفیان کے زمانے سے پہلے تھے اور اسی زمانے میں ان کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ ابن جریر کا یہ بیان اس روایت کو مسترد کرتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے اور فرعون کے زمانے ہی میں تھے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بعض لوگوں نے ان کی کنیت ابوالعباس اور اس سے ملتی جلتی کوئی دوسری بتائی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان کا لقب خضر ان سب پر حاوی ہے۔

ان کے نام خضر کی وجہ تسمیہ بخاریؒ نے متعدد حوالوں کے ذریعہ یہ بتائی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ خضر جس سفید چٹائی (فروہ) پر بیٹھتے تھے وہ ان کے عقب میں سبز رنگ کی طرح چمکتی تھی اس لیے خضر کا نام خضر پڑ گیا۔

عبدالرزاق نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فروہ کے معنی سفید خشک چٹائی بتائے ہیں جب کہ خطابی اور ابوعمر نے فروہ کے معنی زمین کا وہ حصہ بتائے ہیں جس پر گھاس نہ ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ ان کے جسم کے بال سبزی مائل تھے جس کی وجہ سے انہیں خضر کہا جانے لگا تھا جب کہ خطابی نے ان کے حسن سبز (ملاحت جو سبزی مائل تھی) اور چہرے کی وجاہت کی وجہ سے ان کا نام خضر پڑ گیا تھا۔ یہ بات اس روایت سے ملتی جلتی ہے جو صحیح بخاری میں پیش کی گئی ہے۔

حدیث نبویؐ کے حوالے سے یہ روایت کہ جس مصلّٰی پر خضر علیہ السلام نماز پڑھتے تھے وہ اگرچہ سفید تھا لیکن ان کی نماز کے دوران میں اس کا رنگ سبز ہو جاتا تھا وہ حدیث غریب بتائی گئی ہے۔

جہاں تک حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض نبوت کا تعلق ہے اس کے ثبوت میں پہلی دلیل قرآن کی آیہ شریفہ:

﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَ عَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾

پیش کی جا سکتی ہے جب کہ دوسری دلیل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ہمسفر ہونے کے دوران میں ان سے جو جو باتیں ظہور میں آئیں اور ان پر ہر بار موسیٰ علیہ السلام کو حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے انہیں ٹوکا لیکن آخر میں انہیں یہ راز بتایا کہ وہ سب باتیں انہوں نے یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے خدا کے حکم کے تحت کی تھی' جو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ دیا تھا (یہ آیت قرآنی کا ترجمہ ہے) تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے کیونکہ وحی کا مستحق نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

اس دلیل سے ان لوگوں کا بیان بھی غلط ثابت ہوتا ہے جو خضر علیہ السلام کو ولی بتاتے ہیں کیونکہ نبوت و ولایت بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں۔ دوسرے ولی معصوم نہیں ہوتے۔ بلکہ ان سے سہواً ہی سہی غلطی کا امکان پایا جاتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ کوئی حکم نہیں دیتا۔

رہیں وہ روایات جن میں سے ایک میں حدیث نبوی کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ بصرے کے بازار میں ایک بھکاری بھیک مانگ رہا تھا تو اس نے خضر علیہ السلام سے بھی کچھ مانگا لیکن اس کے بار بار اصرار اور ان کے یہ کہنے کے باوجود کہ ان کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے وہ ان کے پیچھے لگا رہا تو انہوں نے اسے ایک طرف لے جا کر ایک بڑا پتھر اٹھانے کے لیے کہا۔ جب اس نے وہ پتھر اٹھایا تو اس کے نیچے ایک خزانہ مدفون تھا۔ انہوں نے وہ خزانہ اس بھکاری کو دکھا کر یہ شرط رکھی کہ وہ اس میں سے ہر روز جب تک زندہ رہے حسب ضرورت کام میں لاتا رہے گا۔

اس کے علاوہ ایک دوسری روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ کسی کے جنازے کی نماز پڑھانے والے تھے کہ انہیں دور سے ایک آواز سنائی دی کہ ابھی ٹھہر جایئے۔ چنانچہ جب تک وہ آواز دینے والا اس نماز میں شریک نہ ہوا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رُکے رہے۔ اس کے بعد جب لوگوں نے اس شخص کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ خضر (علیہ السلام) تھے۔

ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی میت پر افسردہ کھڑے تھے تو وہاں ایک شخص کو گریہ کناں دیکھا گیا بعد میں کسی صحابی یا آپ کے نواسے حسین رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ شخص خضر علیہ السلام تھے۔

یہ جملہ روایات مرسل اور ضعیف ٹھہرائی گئی ہیں نیز خضر علیہ السلام کی خوارق العادات کے بارے میں جو روایات اب تک مشہور چلی آتی ہیں ان سب کو بھی غلط بتایا گیا ہے کیونکہ وہ سب کی سب غیر مستند ہیں۔

آخر میں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اگرچہ خضر علیہ السلام جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے موسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر تھے لیکن ان کا زمانہ نبوت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھا کیونکہ ان کے بعد یوشع اور عیسیٰ علیہما السلام کے علاوہ بنی اسرائیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک کوئی نبی نہیں ہوا۔

جہاں تک خضر علیہ السلام کی طویل العمری اور ان کی قیامت تک زندہ رہنے کا سوال ہے تو اس کے بارے میں یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے تمام انبیاء و رسل سے عہد لیا تھا کہ ان کے بعد جو نبی سب سے آخر میں مبعوث ہوگا ان پر اس کی اتباع لازم ہوگی اور یہ بھی یاد رہے کہ جیسا حدیث اسراء میں آیا ہے بیت المقدس میں جملہ انبیاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز ادا کی تھی۔ اس کے علاوہ عہد انبیاء کے تحت خضر علیہ السلام کو ان جملہ غزوات میں جن میں آنحضرتؐ نے شرکت کی خصوصاً غزوۂ بدر میں اگر وہ اس وقت زندہ تھے شرکت کرنا اور آپ کی مدد کرنا چاہیے تھی لیکن کسی حدیث یا روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان غزوات میں آپ کی طرف سے شریک تھے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث نبوی جس پر تمام معتبر و مستند راوی متفق ہیں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپؐ کے زمانے میں روئے زمین پر کسی انسان نے سو سال سے زیادہ عمر نہیں پائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے زمانے تک خضرؑ بقید حیات نہیں تھے۔

قصہ الیاس علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ قصہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد اپنی کتاب عزیز قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اور الیاس پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔ کیا تم بعل[1] کو پکارتے (اور اسے پوجتے ہو) اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو (یعنی) خدا کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا سو وہ (دوزخ میں) حاضر کیے جائیں گے۔ ہاں خدا کے بندگانِ خاص (مبتلائے عذاب) نہیں ہوں گے۔ اور ان کا ذکر (خیر) پچھلوں میں چھوڑ دیا۔ کہ الیاسین پر سلام۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے"۔ (۳۷:۱۲۳-۱۳۲)

علمائے انساب حضرت الیاس علیہ السلام کو الیاس التشبی بتاتے ہیں جب کہ انہیں ابن یٰسین بن فنحاس ابن عیزار بن ہارون اور

---

[1] بعل بیس گز قد اور چار منہ والا ایک بت تھا۔ بحوالہ حاشیہ ص ۱۳۱ ے فتح الحمید ترجمہ قرآن مجید از مولانا فتح محمد خان جالندھری مرحوم۔ (شادانی)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

الیاس بن عازر بن عیزار بن ہارون بن عمران بھی کہا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ان کی بعثت دمشق کے مغربی علاقے کے لوگوں یعنی اہل بعلبک کے لیے ہوئی تھی اور انہوں نے ان کے بت بعل کی پرستش چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی تھی۔

کہتے ہیں کہ بعل نام کی وہاں ایک عورت تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بیس گز قد اور چار منہ والا ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا الخ﴾ لیکن ان لوگوں نے الیاس کو کاذب ٹھہرایا بلکہ انہیں قتل تک کرنے پر تیار ہوگئے۔ لہٰذا وہ وہاں سے کہیں جا کر چھپ گئے۔

ابو یعقوب اذرعی یزید بن عبدالصمد اور ہشام بن عمار کے حوالے سے الیاس کے بارے میں بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے کعب الاحبار کا تذکرہ کرنے والے لوگوں سے بھی سنا کہ الیاس اپنی قوم کے بادشاہ سے چھپ کر جوان کے قتل پر آمادہ تھا ایک پہاڑی غار کی تہ میں چلے گئے تھے اور وہاں دس سال تک چھپے رہے تا آنکہ ان کی قوم کے اس بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے موت سے ہم کنار کر دیا اور اس کا وارث کوئی اور ہوا تو وہ اس غار سے نکل کر اس کے پاس پہنچے اور اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا اور اس کی قوم کے بے شمار لوگ بھی اس کے ساتھ اسلام لے آئے اور باقی لوگ جن کی تعداد دس ہزار تھی ان کے بادشاہ کے حکم سے ایک ایک کر کے قتل کر دیئے گئے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی نہ بچا۔

ابو یعقوب اذرعی کے برعکس ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے ابو محمد القاسم بن ہاشم، عمر بن سعید دمشقی اور سعید بن عبدالعزیز نے دمشق کے کچھ معزز لوگوں کے حوالے سے بیان کیا کہ الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے چھپ کر جس پہاڑی غار میں چلے گئے تھے وہاں انہوں نے بیس راتیں یا بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق زیادہ سے زیادہ چالیس راتیں گزاری تھیں جس کے بعد برزقہ کے مغربی حصے کے لوگ انہیں وہاں سے ڈھونڈ کر واپس لے آئے تھے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی کہتے ہیں کہ انہیں ہشام بن محمد بن سائب کلبی نے اپنے باپ کے حوالے سے بتایا کہ سب سے پہلے نبی ادریسؑ تھے پھر ان کے بعد نوح، پھر ابراہیم، پھر اسماعیل و اسحٰق، پھر یعقوب، پھر یوسف، پھر لوط، پھر ہود، پھر صالح، پھر شعیب پھر عمران کے دو بیٹے موسیٰ و ہارون، پھر الیاس التشبی بن عازر بن ہارون بن عمران بن قاہث بن لیقوب بن اسحٰق ابن ابراہیم علیہم السلام نبی ہوئے۔ واقدی نے ان انبیاء علیہم السلام کی یہی ترتیب بیان کی ہے لیکن درحقیقت یہ ترتیب محلِ نظر ہے۔

مکحول نے کعب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ دو نبی خضر و الیاس علیہما السلام زمین پر اور دو نبی ادریس و عیسیٰ علیہما السلام آسمان پر ابھی تک زندہ ہیں۔

ہم اس سے قبل ایک معتبر حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ الیاس و خضر ایک مدت تک ہر سال رمضان کے مہینے میں بیت المقدس میں اکٹھے ہوئے۔ تمام احکام شریعت بجالائے لیکن روزہ رکھنے وغیرہ اور پھر (شام کو بطور افطار) آب زمزم کا شربت جو وہاں کے عوام میں بہت مقبول تھا پیا کرتے تھے۔ ہم اس سے قبل ایک اور روایت بھی بیان کر چکے ہیں کہ خضر و الیاس علیہما السلام ہر سال مقام عرفات پر جمع ہوتے تھے اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ روایت بعید از قیاس ہے کیونکہ وہ دونوں اس سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔

وہب بن منبہ وغیرہ سے مروی ہے کہ الیاس کو جب ان کی قوم نے کاذب بتایا اور انہیں حد سے زیادہ اذیت دینے کی تو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ انہیں اپنے پاس بلالے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرما کر ان کے پاس ایک آتش رنگ چوپایہ بھیجا اور ان کے چہار جانب ریشے پیدا کر کے اور انہیں لباس نور پہنا کر ان کی لذت اکل وشرب منقطع کردی اور پھر انہیں زمین پر پھرنے والے فرشتوں میں انسان رکھتے ہوئے شامل کر دیا۔ اسی روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ الیاس علیہ السلام نے یسع بن اخطب کو وصیت کی تھی لیکن یہ روایت بظاہر اسرائیلیات کی من گھڑت کہانیوں میں سے ایک بعید از قیاس اور نا قابل اعتبار ہے۔ واللہ اعلم

ایک حدیث نبوی جس کے بارے میں ابوبکر بیہقی کہتے ہیں کہ ان سے ابوعبداللہ الحافظ' ابوالعباس ابن سعید المعدانی' عبداللہ بن محمود' سنان کے دو غلاموں' احمد بن عبداللہ البرقی یزید بن یزید البلوی اور ابواسحٰق الفرازی نے اوزاعی' مکحول اور انس بن مالکؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دفعہ یہ سب لوگ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے تو جب راستے میں ایک جگہ ہمارا پڑاؤ ہوا تو اس وادی میں ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا کہ یا اللہ مجھے امت محمد یہ مرحومہ مغفورہ میں سے بنادے جس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ اور جب مذکورہ بالا اشخاص میں سے آخر الذکر یعنی انس بن مالکؓ وادی میں یہ آواز سن کر اس طرف گئے تو انہوں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کا قد تین سو فٹ سے زیادہ تھا۔ اس نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''میں رسول اللہ (ﷺ) کا خادم انس بن مالکؓ ہوں''۔ اس شخص نے پوچھا: ''وہ اس وقت کہاں ہیں؟'' انہوں نے یعنی انس بن مالکؓ نے جواب دیا: ''وہ یہیں قریب ہیں اور تمہاری دعا سن رہے ہیں''۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر وہ بولا: ''ان سے جا کر کہو کہ آپ کا بھائی الیاس آپ کو سلام کہتا ہے۔ چنانچہ انس بن مالکؓ نے آنحضرت ﷺ سے وہی آ کر عرض کر دیا جو اس شخص نے کہا تھا جسے سن کر آپ اس شخص کے پاس بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر اس شخص نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دے کر اس سے معانقہ فرمایا۔ پھر وہ دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے جن کے دوران میں اس شخص نے آپ سے کہا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) میں سال بھر میں صرف ایک دن کھانا کھاتا ہوں اور چونکہ آج میرے افطار کا دن ہے اس لیے آج ہم دونوں ساتھ کھانا کھائیں گے''۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مزید بتایا کہ:

''پھر اسی وقت ان دونوں کے سامنے آسمان سے اتر کر خود بخود ایک دستر خوان بچھ گیا جس پر خربوزے' مچھلی وغیرہ جیسی چیزیں تھیں' چنانچہ ان دونوں نے اس دستر خوان پر ایک ساتھ بیٹھ کر وہ کھانا کھایا اور اس میں سے ہمیں بھی کھانے کو دیا۔

اس کے بعد ہم نے نماز عصر ادا کی جس کے بعد وہ شخص آسمان کی طرف مائل پرواز ہو کر بادلوں میں غائب ہو گیا''۔

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد بیہقی نے خود ہی اسے جگہ جگہ ضعیف بتایا ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے بیہقی ہی کے حوالے سے اسے اپنی کتاب مستدرک میں شامل کیا ہے بلکہ صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں بھی یہ روایت ابن انس کے حوالے سے انہی کے الفاظ میں اسی طرح منقول ہے۔ حالانکہ یہ حدیث بالاتفاق حدیث موضوع ٹھہرائی گئی ہے کیونکہ یہ حدیث دوسری صحیح احادیث کے مقابلے میں قطعی بے بنیاد ہے۔ اس کی عدم حجت کی ایک وجہ' جیسا کہ ہم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پہلے بیان کر چکے ہیں' یہ بھی ہے کہ آنحضرت کے ارشاد گرامی کے مطابق جنت میں یا آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک کوئی بھی سوفٹ سے زیادہ قد کا نہیں ہوا۔ البتہ زمین پر ابن آدم کے آباد ہونے کے بعد سوفٹ سے گھٹتے گھٹتے آپ کے وقت تک بہت کم رہ گیا تھا جو سب کو معلوم ہے اور اس کا تناسب اب بھی وہی چلا آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ شخص جو درحقیقت الیاس علیہ السلام تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے بلکہ آپؐ خود ان کے پاس گئے جو ظاہر ہے کہ صریحاً بعید از قیاس ہے۔

اس کے علاوہ ابن عساکر نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ الیاس علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ وہ چالیس دن میں صرف ایک دن کھانا کھاتے ہیں اور پھر انہوں نے آپؐ کے ساتھ آسمان سے نازل شدہ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا تھا جس پر ان اشیاء کے علاوہ جو مندرجہ بالا حدیث میں بیان کی گئی ہیں اور بے شمار چیزیں تھیں جو اشیائے متعارضہ میں شامل ہیں اور آخر میں اس حدیث کو خود ہی حدیث ضعیف بھی بتایا ہے۔ اس کے باوجود یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ابن عساکر نے اسے حسین بن عرفہ وغیرہ کے حوالے سے پیش کر کے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس شخص کو جس کا اس روایت میں ذکر ہے بلوایا تھا تو سب نے دیکھا تھا کہ اس شخص کا قد دو یا تین گز تھا۔ اسی روایت میں ابن عساکر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ زمانہ غزوہ تبوک کا تھا جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الیاس علیہ السلام سے خضر علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے آپؐ سے کہا کہ ان کا اور خضر علیہ السلام کا صرف ایک سال ساتھ رہا نیز یہ کہ اگر وہ (خضر علیہ السلام) اس وقت زندہ ہوتے تو وہ (الیاس علیہ السلام) ان کا سلام آپ تک ضرور پہنچاتے۔

اس روایت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ خضرؑ الیاس علیہما السلام سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

بہرکیف واقدی' بیہقی اور ابن عساکر سے مروی مندرجہ بالا حدیث سال دس ہجری سے پہلے کبھی اجتماعی طور پر صحیح تسلیم نہیں کی گئی بلکہ بعد میں بھی اسے ہمیشہ موضوع ہی قرار دیا جاتا رہا۔

مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے اختتام پر ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ﴾ فرمایا ہے وہ درحقیقت ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْیَاسِ﴾ ہے کیونکہ اہل عرب اکثر ناموں کے آخر میں حرف نون کا الحاق کر کے بولتے اور لکھتے ہیں یعنی ان کا حرف آخر گرا کر اس کی جگہ حرف نون استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً اسماعیل کی جگہ اسماعین' اسرائیل کی جگہ اسرائین بولتے اور لکھتے ہیں اور ان میں بھی بلحاظ قواعد زبان الحاق ''نون'' سے قبل حرف ''یا'' کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں جیسے الیاس کی جگہ وہ اکثر الیاسین لکھیں اور بولیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کی اس عادت کا لحاظ فرماتے ہوئے الیاس کی جگہ الیاسین ارشاد فرمایا ہے جب کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے قرآن میں ''الیاسین'' کی قراءت ''ادراسین'' کرتے ہوئے بتایا ہے کہ الیاس اور ادریس دونوں ایک ہی شخص ہیں۔ یہی بات اگرچہ ضحاک بن مزاحم' قتادہ اور محمد بن اسحٰق نے بتائی ہے۔ لیکن بہ اسناد دیگر صحیح بات یہ ہے کہ ادریس و الیاس علیہما السلام دو الگ الگ شخصیتیں تھیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس جلد اوّل کے بعد ان شاء اللہ دوسری جلد میں پہلے موسیٰ علیہ السلام کے بعد دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر ہوگا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ

تاریخ ابن کثیر

شہرۂ آفاق عربی کتاب

اَلْبِدَايَةُ وَالنِّهَايَةُ

کا اردو ترجمہ

جلد دوم

میں تذکرہ انبیائے بنی اسرائیل سے شروع ہو کر سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل نبوت و بعد نبوت کے واقعات بڑی تفصیل سے درج کیے گئے ہیں۔

تصنیف ❁ علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر (۷۰۱ھ-۷۷۴ھ)

ترجمہ ❁ پروفیسر کوکب شادانی فاضل ادب (عربی)

ایم اے (فارسی) ایم اے (انگریزی) ایم اے (اسلامیات) ایم اے (تاریخ اسلام)

سابق پروفیسر ڈیلی کالج (اندور) فرگوسن کالج (پونا) الفنسٹن کالج (بمبئی)

نفیس اکیڈمی

اردو بازار، کراچی

for More Books Click This Link

https://www.facebook.com/MadniLibrary

البِدَایة والنِّهَایة

مصنفہ علامہ حافظ ابو الفدا عماد الدین ابن کثیر کے حصہ سوم چہارم کے اردو ترجمے کے جملہ
حقوق اشاعت وطباعت، تصحیح وترتیب وتبویب قانونی بحق

طارق اقبال گاہندری

مالک نفیس اکیڈمی کراچی محفوظ ہیں

نام کتاب	....	تاریخ ابنِ کثیر (جلد دوم)
مصنف	....	علامہ حافظ ابو الفدا عماد الدین ابن کثیر
ترجمہ	....	پروفیسر کوکب شادانی
ناشر	....	نفیس اکیڈمی ۔ کراچی
طبع اوّل	....	جون ۱۹۸۷ء
ایڈیشن	....	آفسٹ
ضخامت	....	۲۰۰
ٹیلیفون	....	۷۷۲۲۰۸۰۔۰۲۱

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	باب ۱	
1	موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت کا ذکر	۶
2	قصہ حزقیل	۶
3	قصہ یسع علیہ السلام	۱۰
4	قصہ شمویل علیہ السلام (اسی قصے سے قصہ داؤد علیہ السلام کی ابتدا ہوتی ہے)	۱۲
5	قصہ داؤد علیہ السلام' ان کے زمانے کے حالات' ان کے فضائل وشمائل' ان کی نبوت کے دلائل اور ذکر اظہار	۱۹
6	داؤد علیہ السلام کی کمیت حیات وکیفیت وفات	۲۴
7	قصہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام	۲۷
8	سلیمان علیہ السلام کا ذکر وفات اور ان کی مدت	
9	حیات ودور حکومت کا تعین	۳۳
	باب ۲	
10	داؤد و سلیمان علیہما السلام کے بعد اور زکریا و یحییٰ علیہما السلام سے قبل بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے انبیاء کا ذکر جن کے ادوار نبوت نامعلوم ہیں۔	۳۶
11	قصہ ارمیا بن حلقیا علیہ السلام	۳۸
12	بیت المقدس کی تباہی کا ذکر	۳۹
13	ذکر دانیال سے بعض واقعات کا ذکر	۴۲
14	اپنی سرزمین کے تحفظ' قومی سلامتی اور بیت المقدس از سرنو کے لیے وہاں سرداران بنی	
15	اسرائیل کا اجتماع	۴۵
16	قصہ عزیز علیہ السلام	۴۸
17	قصہ زکریا و یحییٰ علیہما السلام	۵۱
18	یحییٰ علیہ السلام کے سبب قتل کا بیان	۵۶
19	قصہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام	۵۹
	باب ۳	
20	اللہ تعالیٰ کے ولدیت سے منزہ ہونے اور ظالموں کی طرف سے اس پر سب سے بڑے اتہام کا بیان	۶۴
21	حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی ولادت' صغرسنی اور لڑکپن میں ان کی تربیت اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف وحی کے آغاز کا ذکر	۶۷
22	چار آسمانی کتابوں کے نزول اور ان کے اوقات نزول کا بیان	۷۱
23	شجر طوبیٰ کی وضاحت	۷۲
24	خبر مائدہ کا ذکر	۷۳
25	عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کا ذکر	۷۵
26	عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف اور شمائل و فضائل کا ذکر	۷۷
27	بیت لحم اور القمامہ کی تعمیر	۷۸
28	ذکر ذی القرنین	۷۹
29	ذی القرنین کی چشمہ آب حیات کی تلاش کا بیان	۸۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

30	یاجوج ماجوج کی قوم کا ذکر	۸۴
31	قصہ اصحاب کہف	۸۶
32	دو مومن و کافر اشخاص کا قصہ	۹۱
33	قصہ اصحاب الجنتہ	۹۳
34	ان اصحاب ایلہ کا قصہ جو اپنا روز ہفتہ منانے	
	میں حد سے تجاوز کر گئے تھے	۹۴
35	قصہ لقمان	۹۵
36	قصہ اصحاب الاخدود	۹۷
	باب ۴	
37	بنی اسرائیل کی خبریں اور ان کی باتیں بیان	
	کرنے کے بارے میں اجازت کا ذکر	۱۰۰
38	بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار بندۂ خدا	
39	جریج کا ذکر	۱۰۲
40	قصہ برصیصا	۱۰۴
41	ان تین آدمیوں کا قصہ جو ایک غار میں پھنس کر	
	رہ گئے تھے	۱۰۵
42	ایک نابینا' ایک مبروص اور ایک گنجے کا قصہ	۱۰۷
43	اہل کتاب کی تحریفات اور اپنے مذہب میں ان	
	کے ردو بدل کا ذکر	۱۰۹
44	ذکر اخبار العرب	۱۱۱
45	قصہ سبا	۱۱۳
46	ربیعہ بن نصر بن ابی حارثہ بن عمرو کا ذکر	۱۱۵
47	یمن کے ملوک تبابعہ میں سب سے نیک خصلت	
	بادشاہ کا اہل مدینہ سے سلوک	۱۱۷
48	یمن پر لخنیعہ ذی شناتر کی حکومت کا ذکر	۱۱۸
49	یمن کے حمیری بادشاہ کا حبشہ کے علاقہ سوڈان	
	کے خلاف خروج	۱۲۰
50	حاکم یمن ارباط پر ابرہہ اشرم کی فوج کشی	۱۲۱
51	ابرہہ کا خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لیے ہاتھی	
	لے کر آنا اور اس کا بحکم الٰہی فوراً مارا جانا جیسا	
	کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں اللہ	
52	تعالیٰ نے فرمایا ہے	۱۲۲
53	یمن پر اہل فارس کے حملے	۱۲۴
54	ملوک الطوائف کا ذکر	۱۲۵
	باب ۵	
55	حجازی عربوں کے بنی اسماعیل کا ذکر جو زمانہ	
	جاہلیت سے قبل بعثت نبوی تک وہاں کے	
	حکمران رہے	۱۲۶
56	خزاعہ' عمرو بن لحی اور دوسرے عربوں میں	
	اصنام پرستی کا ذکر	۱۲۸
	باب ٦	
57	عرب کے ایام جاہلیت	۱۳۰
58	حجازی عربوں کا جد اعلیٰ عدنان جس پر	
	آنحضرت ﷺ کا قدیم سلسلہ نسب ختم ہوتا	
	ہے	۱۳۱
59	حجاز کے عربی قبائل کا عدنان تک اصول انساب	۱۳۳
	قریش کے نسب' ان کی شاخوں اور ان کی ایک	
	شاخ بنونضر بن کنانہ کے فضلاء کا ذکر	۱۳۵
60	قصی بن کلاب کے بیت اللہ کی تولیت قریش کو	
	منتقل کرنے بنی خزاعہ کے اس میں مزاحمت	
	کرنے اور قریش کے حرم میں (جسے اللہ تعالیٰ	
	نے اپنے بندوں کے لیے جائے امن بنایا	
	ہے) اجتماع کا ذکر	۱۳۷
61	زمانہ جاہلیت کے سب سے بڑے سخی حاتم طائی	
	کا ذکر	۱۳۹
62	امرئ القیس بن حجر' معلقات میں سے ایک	

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نمبر	عنوان	صفحہ
	کے مصنف کاذکر	۱۴۱
63	زمانہ جاہلیت کے شاعروں میں زمانہ اسلام پانے والے شاعر ابی صلت ثقفی کا کچھ ذکر	۱۴۴
64	بحیرا راہب کاذکر	۱۴۶
65	قیس بن ساعدہ الایادی کاذکر	۱۴۷
66	زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کاذکر	۱۴۸
67	زمانہ جاہلیت کے کچھ مزید واقعات	۱۴۹
68	کعب بن لوی کاذکر	۱۵۰
69	چاہ زمزم کی کھدائی کی تجدید	۱۵۱
70	جناب عبدالمطلب کا خانہ کعبہ کے قریب بطور نذر اپنے ایک بیٹے کی قربانی کا ارادہ	۱۵۳
71	عبدالمطلب کا اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب الزہریہ کے ساتھ کرنے کاذکر	۱۵۵
	باب ۷	
72	کتاب سیرت رسول ﷺ	۱۵۸
	باب ۸	
73	رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت	۱۶۱
74	آنحضرت ﷺ کی صفت ولادت	۱۶۲
75	آنحضرت کی شب ولادت کے علامتی واقعات	۱۶۶
76	آنحضرت ﷺ کی ولادت پر قیصر وکسریٰ میں ظہور پذیر واقعات	۱۶۹
77	آنحضرت ﷺ کی دایہ اور دودھ شریک کاذکر	۱۷۱
78	آنحضرت ﷺ کاذکر رضاعت	۱۷۲
79	آنحضرت ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب کی وفات اور آپ کا یکے بعد دیگرے اپنے دادا عبدالمطلب اور اپنے چچا ابوطالب کے زیر پرورش وتربیت رہنے کاذکر	۱۷۶
80	قبل بعثت آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ کا ذکر	۱۷۸
81	آنحضرت ﷺ کا مشرکین کے مابین جنگ ملاحظہ فرمانے کاذکر	۱۸۱
82	آنحضرت ﷺ کا حلف الفضول ملاحظہ فرمانے کاذکر	۱۸۲
83	حضرت خدیجہؓ بنت خویلد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی شادی کاذکر	۱۸۴
84	قبل بعثت قریش کے ہاتھوں بیت اللہ کی ازسرنو تعمیر کاذکر	۱۸۶
	باب ۹	
85	کتاب مبعث رسول اللہ ﷺ	۱۸۹
86	آنحضرت ﷺ کی بعثت کی عجیب وغریب نشانیاں	۱۹۲
87	عمرو بن مرہ الجہنی کا قصہ	۱۹۴
88	قصہ سیف بن یزن اوراس کی آنحضرت ﷺ کے بارے میں بشارت کاذکر	۱۹۶
89	ھواتف الجان کا تذکرہ	۱۹۸

☆☆☆☆☆

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب ۱

موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت کا ذکر

موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہم یعنی ہم مورخین عموماً داؤد علیہ السلام کی نبوت کا ذکر کرتے ہیں لیکن بنی اسرائیل میں نبوت کی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے تو ان سے پہلے یوشع علیہ السلام اور کالب آتے ہیں۔ یوشع و کالب دونوں یوفنا کے بیٹے اور موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں شامل تھے۔ ان دونوں میں یوشع' موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی یعنی مریم کے شوہر تھے اور ان دونوں میں کالب اور چند دوسرے لوگوں کے علاوہ وہی واحد شخص تھے جو اللہ تعالیٰ سے خائف رہتے تھے۔

یہی دونوں بھائی تھے جو درحقیقت بنی اسرائیل کے نقیب تھے اور وہ یہی دونوں تھے جنہوں نے بنی اسرائیل میں جہاد کا نعرہ بلند کیا تھا اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ (ان مشرکین) پر دروازے سے داخل ہو (یعنی ان پر چڑھائی کرو) اور خدا پر توکل کرو' اگر تم مومن ہو تو غالب رہو گے)۔

ابن جریر لکھتے ہیں کہ ان دو بھائیوں کے بعد بنی اسرائیل میں مامور من اللہ حزقیل بن بوذی تھے جن کی رب العزت سے دعا کی وجہ سے وہ سب لوگ زندہ ہو گئے تھے جو بنی اسرائیل کے علاقے سے دشمن کے خوف سے نکل کر مر چکے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی تھی۔

قصہ حزقیل

(قرآن شریف میں) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنے شہر سے نکلے تھے' ان کی تعداد ہزاروں تھی (لیکن) وہ موت سے خائف تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ مر جاؤ' پھر انہیں زندہ کر دیا' اللہ تعالیٰ انسانوں پر مہربانی فرمانے والا ہے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لیکن اکثر لوگ (اس کا) شکر ادا نہیں کرتے''۔

محمد بن اسحٰق وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب یوشع علیہ السلام کے بعد کالب بن یوفنا بھی داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تو ان کے بعد بنی اسرائیل میں جو قابل ذکر شخصیت رہ گئی وہ حزقیل کی تھی اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' وہ حزقیل ہی تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی جس کے نتیجے میں جیسا کہ مندرجہ بالا قرآنی آیت کے حوالے سے ابھی بیان کیا گیا کہ وہ ہزاروں آدمی جو موت کے خوف سے اپنے شہر سے نکل بھاگے تھے کیونکہ وہاں وبا پھیل گئی تھی لیکن اس کے باوجود قضائے الٰہی سے مر گئے تھے' زندہ ہو گئے تھے۔

ہوا یہ تھا کہ جب وہ اپنے شہر سے نکل کر صعید پہنچے تھے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب کے سب یک لخت مر گئے تھے اور زمین میں ان کا گوشت ان کی ہڈیوں سے جدا ہو کر خاک میں مل چکا تھا تاہم لوگوں نے اس سے قبل ان سب کو ایک جگہ دفن کر دیا تھا تاکہ درندے ان کا گوشت نہ کھا جائیں اور پھر اس جگہ ایک خطیرہ (مقبرہ) بھی بنا دیا گیا تھا اور اس واقعے کو مدتیں گزر گئی تھیں لیکن جب حزقیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کا اس طرف سے گزر ہوا تو انہیں اس واقعے کا علم ہوا جس پر وہ بہت حیران ہوئے اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ ان مردہ لوگوں کو دوبارہ زندہ دیکھنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان ہزاروں مردہ اشخاص کو زندہ کر کے انہیں دکھا دیا یعنی وہ سب کے سب فی الفور بلند آواز سے تکبیر پڑھتے ہوئے ان کے سامنے زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

اسباط نے بھی السدی' ابی مالک' ابی صالح' ابن عباس' مرہ' ابن مسعودؓ اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے مندرجہ بالا قرآنی آیہ شریفہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اس واقعے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ایک گاؤں جس کا نام داوردان لیا جاتا تھا اور وہ واسط سے قبل آباد تھا میں طاعون پھیل گیا تو بہت سے لوگ وہاں سے بھاگ کر ایک نزدیکی علاقے میں چلے گئے تھے۔ تاہم جو لوگ وہاں سے بھاگنا مناسب نہ سمجھ کر اور مشیت ایزدی کو آمنا وصدقنا کہہ کر وہیں رُک رہے تھے ان میں سے اکثر اس وبا کا شکار ہونے سے بچ گئے تھے اور جب ان بھاگے ہوئے لوگوں میں سے کچھ لوگ جو دوسری جگہ پہنچے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو وہاں اتفاقاً ایک بار پھر طاعون پھیل گیا۔ لیکن اب کے اس گاؤں کے سب لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو قدرت خداوندی نے یہ کرشمہ دکھایا کہ وہ دوسری جگہ منتقل ہونے کے باوصف اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام کے تمام ہلاک ہو گئے۔ اس کرشمہ قدرت سے اللہ تعالیٰ کو یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس کے بندوں میں سے جس کی موت آنا ہوتی ہے ہر جگہ آ جاتی ہے یعنی اس کا آنا ناگزیر ہوتا ہے خواہ اس سے بچنے کے لیے وہ کہیں بھی بھاگ کر چلا جائے۔

اس واقع کا ذکر کرتے ہوئے اسباط بیان کرتے ہیں کہ داوردان کے لوگ دوسری بار جہاں بھاگ کر گئے تھے وہ جگہ قابل کہلاتی تھی اور وہاں پہنچنے والوں کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی کچھ لوگوں نے ان کی تعداد تیس ہزار بتائی ہے۔ قابل ایک وسیع و عریض وادی تھی جس کے نشیبی حصے سے ایک غیبی آواز آئی تھی کہ ''مر جاؤ'' اور وہ سب مر گئے تھے۔ البتہ جب حزقیل علیہ السلام کا مدتوں بعد وہاں سے گزر ہوا تھا اور وہ وہاں کے لوگوں سے جن میں یہ روایت ایک زمانے سے مشہور چلی آ رہی تھی یہ واقعہ سن کر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حیران رہ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان سے دریافت فرمایا تھا کہ آیا وہ اس کرشمہ قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کے اثبات میں جواب اور التجا (دعا) کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کی واحد قبر سے انہیں دوبارہ زندگی عطا فرما کر حزقیلؑ کے سامنے کھڑا کر دیا تھا اور جیسا کہ محمد بن اسحٰق کی بیان کردہ روایت میں پہلے بتایا جا چکا ہے' وہ سب کے سب بیک زبان اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے یک زبان ہو کر سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمدِکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنتَ کہا تھا۔ حالانکہ اس وقت تک ان کا گوشت تو گوشت ان کی ہڈیاں تک سرمہ ہو کر خاک میں مل چکی تھیں لیکن اب وہ زندہ ہو کر اپنی قوم میں چلے گئے تھے' تاہم اب وہ برائے نام کپڑوں میں ملبوس تھے اور ان کے چہروں پر اب تک مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنی اپنی طبعی موت مر گئے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کی تعداد ایک جگہ صرف چار ہزار' دوسری جگہ آٹھ ہزار بتائی لیکن جب ابی صالح نے ان کی تعداد نو ہزار بتائی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسے صحیح تسلیم کیا لیکن انہوں نے آخر میں بتایا کہ ان کی صحیح تعداد چالیس ہزار تھی۔

سعید ابن عبدالعزیز کی روایت کے مطابق وہ لوگ اہل اذرعات میں سے تھے۔ ابن جریج عطاء کے حوالے سے کہتے ہیں کہ موت کا خوف یوں تو (قریباً) ہر فرد بشر کو لاحق ہوتا ہے لیکن یہ واقعہ قدرت خداوندی کی مثالوں میں سے ایک مثال بن گیا ہے جو آج تک جمہور کی قوی ترین روایت بنتا چلا آ رہا ہے۔

امام احمدؒ اور صاحبان صحیح یعنی بخاری و مسلم (رحمہما اللہ) نے زہری کے توسط اور عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب' عبداللہ بن حارث بن نوفل اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) شام کی طرف جاتے ہوئے سرغ میں ٹھہرے تھے تو ان سے ملاقات کے لیے عساکر اسلام کے امیر ابو عبیدہ بن جراح اور ان کے ساتھی دیگر امرائے لشکر آئے تھے اور انہیں بتایا تھا کہ شام میں وبا پھوٹ پڑی ہے یعنی کوئی سخت ترین مرض وبائی شکل اختیار کر گیا ہے جس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمسفر لوگوں سے جن میں مہاجرین و انصار دونوں شامل تھے آگے جانے کے بارے میں مشورہ طلب کرنے کے لیے مجلس مشاورت کا اعلان کیا تھا لیکن اسی دوران میں عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) جو کسی ضروری کام سے پیچھے رہ گئے تھے وہاں آ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ زمین کے جس خطے میں تمہارا قیام ہو اگر وہاں وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے بھاگو مت اور جس جگہ کے بارے میں تمہیں علم ہو جائے کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں جاؤ مت''۔ مذکورہ بالا راویوں کے مطابق عبدالرحمٰن بن عوف کی زبان سے یہ ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر شام جانے کی بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرغ ہی سے مدینے واپس ہو گئے تھے۔

امام (احمدؒ) فرماتے ہیں کہ ان سے حجاج اور یزید المفتی[1] نے ان سے ابن ابی ذوہب کے توسط اور زہری' سالم اور عبداللہ

---

[1] مفتی کا پورا نام یزید بن ابی تھا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ مفتی اہل مصر کا مفتی تھا اور بہت ہی حلیم اور عاقل شخص تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے مصر میں علم پھیلایا اور (پہلی صدی ہجری میں) لوگوں کو حلال و حرام کے مسائل سے آگاہ کیا (محمود الامام) قوسین میں اضافہ از مترجم۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بن عامر بن ربیعہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے راستے میں تھے تو انہیں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی سنائی تھی کہ جب کسی جگہ کسی قوم کو وبا کا سامنا ہوتا ہے تو درحقیقت وہ اس قوم پر عذابِ خداوندی کی ایک شکل ہوتی ہے۔ اگر تم (اتفاقاً کسی ایسی جگہ ہو تو وہاں سے بھاگو مت اور اگر کسی جگہ کے بارے میں تمہیں اس کی اطلاع ملے تو وہاں جاؤ مت) اس روایت کے آخر میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ حدیث سنی تھی تو وہ (شام جانے کی بجائے) راستے ہی سے لوٹ آئے تھے۔ امام احمدؒ نے اس روایت کو زہری کے حوالے سے مالک کی زبانی بھی بیان کیا ہے۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں حزقیل علیہ السلام کے دورِ نبوت کی مدت کے بارے میں انہوں نے کسی سے ذکر نہیں سنا۔ البتہ یہ سنا ہے کہ ان کی وفات کے بعد جب ان کی قوم دوبارہ اصنام پرستی میں مشغول ہوگئی اور ان میں سے ایک بت کا نام ''بعل'' رکھ کر اس کی پرستش کرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی قوم ہی میں سے اس کی اصلاح کے لیے الیاس بن یاسین کو مبعوث فرمایا۔

ہم حضرت الیاس علیہ السلام بن یاسین بن فخاص بن عیزار بن ہارون ابن عمران کا تفصیلی ذکر اس لیے پہلے ہی کر چکے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں ان کا ذکر حضرت خضر علیہ السلام کے تفصیلی ذکر کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ضمن آیا ہے لیکن چونکہ سورۂ صافات میں ان کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد آیا ہے اس لیے ہم نے یہاں ان کے ذکر کا مختصراً اعادہ کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحٰق نے وہب ابن منبہ کے حوالے سے حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ان کے وصی یسع بن اخطوب علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تھی جن کا ذکر آگے آئے گا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قصہ یسع علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں دوسرے انبیاء کے ساتھ یسع علیہ السلام کا نام بھی لیا ہے۔ ارشاد ہوا:

''اور اسماعیل اور یسع اور یونس ولوط (تھے جنہیں) ہم نے تمام عالمین پر فضیلت بخشی''۔

نیز سورۂ ص میں ارشاد ہوا:

''اور اسماعیل و یسع اور ذی کفل کو یاد کیجیے جو سب کے سب اہل خیر میں سے تھے''۔

ابو حذیفہ اسحٰق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں سعید نے قتادہ و حسن کے حوالے سے بتایا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت یسع علیہ السلام نبی ہوئے اور انہوں نے بھی خدا کے فضل و کرم سے نبوت کی ذمہ داری بہ تمام و کمال ادا کی۔ انہوں نے لوگوں کو حضرت الیاس علیہ السلام کے طور طریق اور شریعت کی طرف دعوت دی لیکن ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل پھر نازیبا حرکات اور کفر و ضلالت میں مبتلا ہو گئے۔ انہی میں وہ ظالم و جابر لوگ بھی تھے جنہوں نے جبر اور جور و ظلم کی انتہا کر دی۔ حتیٰ کہ انبیاء کو بھی قتل کر ڈالا۔ بادشاہ عنید طاغ بھی انہی میں سے تھا لیکن کہا جاتا کہ اس نے تائب ہو کر مذہب انبیاء سے رجوع کر لیا تھا اور وہ ان کی کفالت بھی کرتا رہا تھا۔ اسی لیے وہ ذی کفل کہلایا اور جنت کا مستحق ٹھہرا۔

محمد بن اسحٰق نے یسع علیہ السلام کا نام یسع بن اخطوب بتایا ہے جب کہ حافظ ابوالقاسم بن عساکر کہتے ہیں کہ وہ یسع درحقیقت اسباط بن عدی بن شوتلم بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن ابراہیم خلیل علیہ السلام تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے اور بادشاہ بعلبک کے خوف سے انہی کے ساتھ جبل قاسیدن میں جا چھپے تھے اور انہی کے ساتھ وہاں سے لوٹ کر بعلبک آ گئے تھے۔ پھر جب حضرت الیاس علیہ السلام وفات پا گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔

عبدالمنعم بن ادریس نے بھی اپنے والد اور وہب بن منبہ کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے جب کہ ان کے علاوہ کچھ لوگوں نے ان کی اقامت گاہ بانیاس بتائی ہے۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ کچھ قاری یسع کے حرف ''س'' کو مشدد پڑھتے اور کچھ غیر مشدد پڑھتے ہیں۔ جب کہ بعض اسے حرف عطف واؤ کے بعد ''وللیسع'' بھی پڑھتے ہیں۔ بہرکیف انبیاء علیہم السلام میں یہ پہلا اور واحد نام ہے (جو[1] قرآن میں آیا ہے) چونکہ کچھ مؤرخین نے یسع کو ابن ایوب علیہ السلام بھی لکھا ہے اس لیے ہم نے اس سے قبل ذی کفل یعنی یسع کا ذکر ایوب کے بعد کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

---

[1] اضافہ از مترجم (شادانی)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ یسع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی عزت وحشمت پر زوال آ گیا تھا کیونکہ انہوں نے پہلے کی طرح اصنام پرستی شروع کر دی تھی اور انبیاء علیہم السلام تک کو قتل کرنے لگے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر از روئے انصاف ان سے زیادہ جابر وظالم حکمران مسلط کر دیئے جو ان کا خون بہانے لگے۔ ان حکمرانوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان کے دشمن ہو گئے۔ تاہم جب بھی ان دشمنوں میں سے کسی دشمن کو مغلوب کر لیتے تھے تو اس کی لاش کو تابوت میں، جسے وہ تابوت میثاق کہتے تھے، رکھ کر اسے اپنے لیے باعث خیر وبرکت سمجھتے تھے اور اب موسیٰ وہارون علیہما السلام کے بعد بس یہی ایک چیز تفاخر وطمانیت کا سبب رہ گئی تھی۔ پھر جب انہوں نے دشمنوں کے ساتھ لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں غزہ وعسقلان پر قبضہ کر لیا تو اس فتح کے بعد نہ صرف اپنی ہی رعایا پر اپنے ظالم وجابر حکمرانوں سے کہیں زیادہ ظلم وقہر کے پہاڑ ڈھائے بلکہ اپنے اپنے مقبوضات کے سلسلے میں باہم لڑنے جھگڑنے لگے تو بنی اسرائیل ہی کا ایک حکمران ان کے سروں پر سوار ہو کر ان کی گردنیں توڑنے لگا اور جب وہ خود ایک بڑی تکلیف دہ اور اذیت ناک موت مرا تو اس کے بعد بنی اسرائیل بھیڑ بکریوں کا ایک ایسا گلہ ہو کر رہ گئے جس کا کوئی چرواہا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے پھر انہی میں سے ان کی اصلاح کے لیے ایک شمویل نام کا ایک نبی مبعوث فرمایا جس کا قصہ ہم قصص القرآن پر مبنی پہلے قصص الانبیاء کی طرح ان شاء اللہ آگے چل کر بیان کریں گے۔

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں شمویل بن بالی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اس وقت یوشع بن نون علیہ السلام کو وفات پائے چار سو ستر سال گزر چکے تھے۔ ابن جریر نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے لیکن ہم نے اسے بخوف طوالت یہاں بیان کرنا قصداً چھوڑ دیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قصہ شمویل علیہ السلام

(اسی قصے سے داؤد علیہ السلام کی ابتدا ہوتی ہے)

شمویل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن یہو بن تہو بن صوف بن علقمہ ابن ماحث بن عموصا بن عزریا کو اشمویل بھی کہا جاتا ہے۔

مؤرخ مقاتل کہتے ہیں کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کے اخلاف اور ورثا میں سے تھے جب کہ مجاہد نے انہیں اشمویل بن ہلفا تا بیان کیا ہے' تاہم اکثر دوسرے لوگوں میں سے کسی نے ان دو مؤرخین کے بیانات سے آگے اور کوئی بات نہیں کہی ہے۔ واللہ اعلم

السدی ابن عباس' ابن مسعود اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ دوسرے لوگوں کے علاوہ ثعلبی وغیرہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب عمالقہ نے بنی اسرائیل کے مقبوضات غزہ وعسقلان ان سے چھین کر ان کے اکثر لوگوں کو وہاں تہ تیغ کر دیا اور ان کے رہے سہے بیٹوں سے بدسلوکی کے علاوہ انہیں سب وشتم کا ہدف بھی بنانے لگے اور بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت بھی ختم ہو گیا تو اسی زمانے میں اس قوم کی ایک لاولد عورت نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ اسے ایک ایسا بیٹا دے جو خدا کا ذکر کیا کرے۔ چنانچہ اس عورت کی بارگاہ باری تعالیٰ میں اس دعا کی قبولیت کے بعد اس کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام اشمویل رکھا جس کے معنی عبرانی زبان میں اسماعیل ہوتے ہیں یعنی ''اللہ تعالیٰ نے میری دعا سن لی'' پھر جب اس عورت کا وہ بیٹا ذرا بڑا ہوا تو اس نے اس عبادت گاہ میں ایک نیک شخص کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اسے نیکی وعبادت خداوندی کی تعلیم دے وہ لڑکا اس مرد صالح کے پاس رہتے رہتے اور تعلیم حاصل کرتے ہوئے سن بلوغت کو پہنچا تو ایک روز رات کے وقت سوتے میں اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی اسے بلا رہا ہے۔ اس آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تو اس نے اپنے بستر سے اٹھ کر اس مرد صالح سے پوچھا:

''کیا آپ نے مجھے آواز دے کر بلایا ہے؟''۔

مرد صالح: ''نہیں تو''۔

اس پر اس نوجوان نے اپنے اس سرپرست ومعلم کو بتایا کہ اس نے سوتے میں ایسا سنا تھا جیسے کوئی اسے آواز دے کر بلا رہا ہے۔

اس کے بعد شمویل یا اشمویل نے یکے بعد دیگرے کئی راتوں تک وہی آواز سنی اور پھر ایک شب کو اسے معلوم ہوا کہ وہ آواز جبریل علیہ السلام کی تھی کیونکہ اس رات جبریل علیہ السلام نے اس کے سامنے آ کر اسے بتایا کہ اس کے پروردگار نے اسے اس کی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قوم کی اصلاح کے لیے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ قصہ اور شمویل علیہ السلام کے اپنی قوم کے ساتھ باہمی امور کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ یہ ہے:

''بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم راہِ خدا میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے۔ اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے یہ بھی کہا کہ خدا نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیسے ہو سکتا ہے بادشاہت کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ خدا نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لیے) مقرر فرمایا ہے اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور خدا کو (اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ وہ بڑا کشائش والا اور دانا ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہو گی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔ غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پیئے گا (وہ سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر۔ جب وہ نہر پر پہنچے) تو چند اشخاص کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (خدا سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتحیاب کر۔ تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے ان کو ہزیمت دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے اس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور خدا لوگوں کو ایک دوسرے پر چڑھائی کرنے سے ہٹاتا نہ رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا۔ لیکن خدا اہل عالم پر بہت مہربان ہے۔'' (۲۴۶:۲-۲۵۱)

اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ان قصے میں مذکورہ قوم کے جس نبی کا ذکر آیا ہے وہ شمویل تھے۔ تاہم بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یوشع اور شمویل فرد واحد کا نام ہے اور بعض مفسرین نے شمویل کو یوشع بتایا ہے لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے کیونکہ امام ابو جعفر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بن جریر نے اپنی تاریخ میں یوشع علیہ السلام کی وفات اور شمویل علیہ السلام کی بعثت میں چار سو ستر سال کا فصل بتایا ہے۔ پس واللہ اعلم

یہاں بحوالہ قرآن پاک اس قصے کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس قوم کو جب لڑائیوں سے واسطہ پڑا اور اس کے دشمن اس پر ظلم کے پہاڑ ڈھانے لگے تو اس کے لوگوں نے اپنے نبی سے کہا کہ وہ خدا سے دعا کریں کہ وہ ان کے لیے کوئی بادشاہ مقرر فرما دے تاکہ وہ اس کے ساتھ یا اس سے جدا رہ کر جیسا بھی موقع ہو اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ جیسا کہ اس قصے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ اگر تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے تو کیا تم جہاد کرو گے تو وہ بولے کہ ہم خدا کی راہ میں ضرور جہاد کریں گے اور یہ بھی کہا کہ بھلا ہمیں جہاد کرنے سے کون سی چیز مانع ہے کہ جب ہمارے دشمنوں نے ہمیں اور ہمارے بیٹوں کو ہمارے ملک سے نکال دیا ہے لیکن جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے' جب ان سے جہاد کے لیے کہا گیا تو چند لوگوں کے سوا سب نے اس سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ پھر جیسا کہ اس قصے کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے' کہ انہیں نہر کا پانی پینے سے منع کیا گیا تھا لیکن ان میں سے چند کے سوا سب نے نہر سے پانی پیا اور لڑائی سے انکار کر کے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اس قصے میں قرآن شریف کے مطابق ان سے ان کے نبی نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ اس طالوت کا تاریخی دستور کے مطابق پورا نام طالوت بن قیش بن افیل بن صارو بن تحورت بن افیح بن انیس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق ابن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بتایا ہے۔

عکرمہ اور السدی کہتے ہیں کہ طالوت پیشے کے لحاظ سے سقہ تھے جب کہ وہب بن منبہ نے اسے دباغ یعنی کھالوں کو پکا کر صاف کرنے والا بتایا ہے۔ یہی وجہ ہوگی کہ اس کی قوم نے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے یہ کہہ کر کہ بادشاہی کا حق تو اس سے زیادہ انہیں ہے اور یہ کہ وہ ہم سے زیادہ صاحب مال و زر بھی نہیں ہے انکار کر دیا۔

مفسرین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ نبوت لاوی کے اور بادشاہت یہوذا کے خاندان میں تھی لیکن جب وہ بنیامین کے خاندان میں آئی تو ان لوگوں نے ان کی اولاد میں سے کسی کو مذکورہ بالا بہانہ تراش کر بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اس لیے اسے یعنی طالوت ہی کو ان پر بادشاہت کے لیے منتخب فرمایا اور اسے علم جسمانی توانائی کی دولت و نعمت بخشی۔

کہا جاتا ہے کہ شمویل کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مطلع فرمایا تھا کہ طالوت کے سوا اس کے عصا کے برابر اُن کی قوم میں سے کسی کا قد نہ ہوگا اور اس کے عصا کے برابر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شمویل سے ارشاد فرمایا تھا طالوت اور اس کے عصا کے برابر واقعی اس کے تمام دور بادشاہت میں اور کسی کا قد نہ ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بادشاہت کے لیے اس کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ تھی اور کچھ لوگ اس کی وجہ اس کا علم بتاتے ہیں اور کچھ دوسرے اس کی قوم میں صرف اس کا امتیازی قد و قامت لیکن ظاہر ہے کہ ارشاد خداوندی میں یہ دونوں باتیں شامل ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں اس کی بادشاہت کی وجہ فنون حرب میں اس کی انفرادی و امتیازی قابلیت تھی جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا حسن و جمال تھا کیونکہ اس سے پہلے بنی اسرائیل میں اتنا خوبصورت شخص کوئی نہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہوا تھا اور نہ انبیائے بنی اسرائیل کے علاوہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم عطا فرمایا تھا نہ اتنی جسمانی توانائی بخشی تھی۔

اس کے علاوہ بنی اسرائیل میں اس وقت کے نبی شمویل علیہ السلام نے ارشادِ خداوندی کے مطابق ان سے فرمایا تھا کہ ان کے لیے غیب سے ایک تابوت اترے گا جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی چھوڑی ہوئی چیزیں ہوں گی اور یہ کہ وہ تابوت ان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا اس لیے وہ لوگ جنہیں طالوت کو پہلے مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار تھا اب اس تابوت کی وجہ سے خیر و برکت سے کیونکر کنارہ کش ہو سکتے تھے جب کہ انہیں اپنے دشمنوں کا بھی خیال تھا اور وہ جانتے تھے کہ فنون حرب میں طالوت کی قابلیت ہی کی وجہ سے ان پر غلبہ حاصل ہو سکتا تھا اس لیے انہیں طالوت کو بادشاہ تسلیم کرنا ہی پڑا جس کا حکم ان کے نبی نے خدا کے حکم کے مطابق انہیں دیا تھا اس کے بعد جب انہوں نے اپنے دشمنوں سے لڑائیوں کے مواقع پر دیکھا کہ اس کا سفید چہرہ اس وقت سرخ ہو جاتا تھا تو انہیں اس کے زیر کمان رہ کر اپنے دشمنوں پر کامل فتح کا یقین ہو گیا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دور طالوت سے قبل مذکورہ بالا تابوت بنی اسرائیل کے قبضے میں تھا جو اصنام پرست تھے لیکن انہوں نے دیکھا کہ وہ تابوت خود بخود فرش سے اٹھ کر ان کے اس بت بعل کے سر پر پہنچ جاتا ہے جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔ وہ اسے وہاں سے اتار کر فرش پر رکھتے لیکن اگلی صبح وہ پھر وہیں پہنچ جاتا۔ اس لیے انہوں نے تنگ آ کر اسے دو آدمیوں کے ہاتھ بنی اسرائیل میں بھجوا دیا تھا جسے بنی اسرائیل اپنے نبی کے ارشاد کے مطابق اس غیبی امداد کو اپنے لیے وجہ خیر و برکت اور اپنے دشمنوں پر اپنی یقینی فتح کا سبب سمجھنے لگے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ متعدد مفسرین نے بھی بیان کیا ہے کہ شمویل علیہ السلام کے قصے میں جس نہر کا ذکر آیا ہے اور جس کا پانی پینے سے تھوڑی سی مقدار کے علاوہ بنی اسرائیل کو منع کیا گیا تھا اس کا نام کلام الٰہی کے مطابق نہر الاردن تھا اور وہ آج تک اس نام سے یعنی نہر اردن یا دریائے اردن کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

السدی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لشکر کی تعداد اسی ہزار جوانوں اور امرائے لشکر پر مشتمل تھی جن پر چھہتر ہزار نے حکم الٰہی کے خلاف دریائے اردن کا پانی پی لیا تھا اور طالوت کے ہمراہ صرف چار ہزار افراد رہ گئے تھے جب کہ بخاریؒ نے صحیح بخاری میں قصہ بنی اسرائیل کے ضمن میں اور زہیر و ثوری نے ابی اسحٰق' البراء بن عازب کے حوالے سے بتایا ہے کہ طالوت کے ہمراہ اس کے جن فوجیوں نے دریائے اردن کو عبور کیا تھا ان کی تعداد اصحاب بدر یعنی تین سو تیرہ افراد سے زیادہ نہ تھی اور اسی لیے انہوں نے اس سے کہا تھا کہ ان میں ان کے دشمن جالوت کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود جب جالوت سے ان کا مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں جالوت پر فتح حاصل ہوئی تھی جیسا کہ اصحاب بدر کو قریش مکہ یعنی کفار کے مقابلے میں جن کی تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی اور جن کے پاس سینکڑوں گھوڑے تھے انہی کو جن کے پاس غزوۂ بدر میں صرف دو گھوڑے تھے کامل فتح حاصل ہوئی کیونکہ یہ فتح بھی اہل ایمان کو خدا کے حکم سے حاصل ہوئی تھی اور اس کا ارشاد بھی یہی ہے کہ وہ چاہے تو قلیل تعداد کو کثیر تعداد پر فتح دلا سکتا ہے۔

طالوت کے قلیل التعداد لشکریوں نے بھی جو اہل ایمان تھے اصحاب بدر کی طرح اللہ تعالیٰ سے وہی دعا کی تھی کہ (یا اللہ ہم پر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صبر کے دہانے کھول دے، ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار پر فتح کے لیے ہماری امداد فرما) اور چونکہ اس دعا کے وقت ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور وہ خدا کی نصرت پر اعتماد رکھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے حسب مراد ان کے کثیر التعداد دشمن پر انہیں فتح بخشی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ ''انہوں نے دشمن کو خدا کے حکم سے شکست دی'' یہی بات اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدرؓ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہونے والے اہل ایمان سے قرآن میں فرمائی:

''اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم (قلیل تعداد میں) کمزور تھے اس لیے اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم شکر گزار بن سکو''۔

پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے طالوت کے تھوڑے سے ساتھیوں کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے طالوت کو نہ صرف بادشاہت بخشی بلکہ اسے علم و حکمت کی دولت سے بھی مالا مال کر دیا۔

اس قصے میں داؤد علیہ السلام کی شجاعت کا بھی مدلل ثبوت ملتا ہے جنہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا اور چونکہ ان کی حریف فوج کو نہ صرف شکست ہوئی تھی بلکہ دشمنوں کا بادشاہ بھی چونکہ میدان جنگ میں مارا گیا تھا اس لیے سامانِ حرب و ضرب کے علاوہ اس کا دیگر سامان اور زر و جواہر بھی کثیر تعداد میں ان کے ہاتھ آئے تھے۔ اس سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ حق اور حق پرست نصرت الٰہی سے کس طرح باطل اور باطل پرستوں پر غالب آ جاتے ہیں۔

السدی کی روایت میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے والد کے تیرہ بیٹوں میں سب سے چھوٹے تھے اور ان میں سے دو یہ بیان کر چکے تھے کہ انہوں نے سنا ہے کہ طالوت نے اعلان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو شخص جالوت کو لڑائی میں قتل کرے گا وہ اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے علاوہ اسے اپنی سلطنت میں نصف کا شریک بھی کرے گا یعنی اس طرح وہ بنی اسرائیل کی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ داؤد علیہ السلام جو گوپھن سے پتھر پھینکا کرتے تھے غضب کے نشانہ باز تھے اور ان کا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ داؤد علیہ السلام ہی تمام بنی اسرائیل میں وہ واحد شخص تھے جنہیں ان کی قوم کے جانی دشمن جالوت سے لڑائی کے وقت ایک پتھر سے یہ آواز آتی سنائی دی تھی کہ:

''مجھے اٹھا لو اور جالوت پر پھینکو تو مجھی سے تم جالوت کو قتل کر دو گے''۔

کچھ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جالوت سے طالوت کی جنگ کے موقع پر داؤد علیہ السلام کو پتھر سے جو آواز سنائی دی تھی وہ درحقیقت ایک کے بجائے تعداد میں تین تھے اور داؤد علیہ السلام نے انہیں اٹھا کر اپنے گوپھن میں رکھ لیا تھا تو وہ تینوں ایک پتھر بن گئے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ مذکورہ بالا لڑائی میں جب جالوت داؤد علیہ السلام کے سامنے آیا تو انہوں نے اس سے فرمایا کہ ''میرے سامنے سے ہٹ جا' میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا'' داؤد علیہ السلام سے یہ سن کر جالوت بولا: ''لیکن میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں''۔ یہ کہہ کر وہ داؤد علیہ السلام کی طرف بڑھا تو انہوں نے اپنے گوپھن سے وہی پتھر اس کی طرف پھینکا جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور یہ دیکھ کر اس کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئی۔

کہتے ہیں کہ جالوت پر فتح یاب ہونے کے بعد طالوت نے حسب اعلان داؤد علیہ السلام سے اپنی بیٹی بیاہ دی اور انہیں حسب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وعدہ اپنی سلطنت میں بھی نصف کا شریک کر لیا لیکن داؤد علیہ السلام کی اس شجاعت و دلیری کی وجہ سے بنی اسرائیل طالوت سے کہیں زیادہ ان کی عزت کرنے لگے جسے دیکھ کر طالوت رشک وحسد کا شکار ہو گیا اور اس نے داؤد علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا تو بنی اسرائیل کے علماء نے اسے اس سے روکا لیکن طالوت نے ان علماء میں سے اکثر کو قتل کرا دیا' تاہم وہ داؤد علیہ السلام پر قابو پانے اور انہیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

بہرکیف کچھ عرصے کے بعد جب طالوت کا وہ جذبہ رشک وحسد کم ہوا تو وہ اپنے اس خیال باطل پر خود ہی نادم ہوا اور خدا کے سامنے تائب ہوا لیکن اس کی بے چینی میں جب اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو اس نے گریہ وزاری شروع کر دی اور زمین پر سر رگڑ رگڑ کر ایک عرصے تک فریاد کرتا رہا: آخر ایک روز اسے زمین سے ان علماء کی آواز سنائی دی جنہیں اس نے قتل کرایا تھا کہ:

''اے طالوت تو نے ہمیں قتل کرایا تھا اور بظاہر اب ہم مردہ ہیں لیکن در حقیقت ہم زندہ ہیں''۔

زمین سے یہ آواز سن کر طالوت اور زیادہ خوفزدہ ہو گیا اور پہلے سے زیادہ گریہ وزاری کرنے لگا لیکن ایک روز جب اس نے اپنے کسی قریبی ساتھی کو اس حقیقت سے آگاہ کیا تو اس نے پوچھا:

''ان علماء میں سے جنہیں آپ نے قتل کرایا تھا کوئی باقی ہے یا نہیں؟''۔

اس سوال کے جواب میں اس نے بنی اسرائیل کے باقی ماندہ علماء کی تلاش شروع کی تو آخر کار اسے ایسے عالم کا پتہ معلوم ہوا جو اس وقت گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

طالوت نے اسے بلا کر پہلے تو اپنی سابقہ حرکت پر ندامت کا اظہار کیا اور پھر اس سے پوچھا کہ آیا اس کے اس پچھلے گناہ کی توبہ کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

اس عالم نے طالوت پر ترس کھا کر ایک ایسی عبادت گزار ضعیف عورت کی نشاندہی کی جو مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور تھی۔

جب اس عورت کو بلایا گیا تو وہ طالوت کو لے کر یوشع علیہ السلام کی قبر پر گئی اور اللہ تعالیٰ سے انہیں زندہ فرمانے کی دعا کی۔ اس کی دعا واقعی بارگاہ رب العزت میں فوراً درجہ قبولیت کو پہنچی اور یوشع علیہ السلام اپنی قبر سے زندہ ہو کر نکل آئے اور انہوں نے وہاں حاضرین سے پوچھا:

''کیا قیامت برپا ہو گئی ہے؟''۔

یوشع علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں اس عورت نے آگے بڑھ کر کہا:

''نہیں ابھی قیامت نہیں آئی''۔

پھر اس نے ان سے طالوت کا ذکر کر کے جو سامنے ہی ندامت سے سر جھکائے کھڑا تھا عرض کیا:

''یہ اپنے پچھلے گناہوں پر حد درجہ نادم ہے اور چاہتا ہے کہ اسے بارگاہ الٰہی میں اس کی توبہ کی قبولیت کا طریقہ بتا دیا جائے۔ اس لیے میں اسے ساتھ لے کر یہاں حاضر ہوئی ہوں تاکہ آپ جو نبی تھے اسے وہ طریقہ بتا دیں کیونکہ میں ایسا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کوئی طریقہ نہیں جانتی''۔

یوشع علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ طریقہ یہ ہے کہ یہ (طالوت) یہ ملک چھوڑ دے اور خدا کی راہ میں اس وقت تک کافروں سے جہاد کرتا رہے جب تک قتل نہ ہو جائے اور یہ میت کی شکل میں یہاں واپس نہ آئے''۔

یوشع علیہ السلام کی زبان سے یہ سن کر طالوت نے ان کے سامنے سر اطاعت خم کیا اور اپنا ملک چھوڑ کر سلطنت داؤد علیہ السلام کے حوالے کر کے چلا گیا۔ اس کی اولاد میں سے اس وقت صرف تیرہ آدمی تھے جو سب کے سب اس کے ساتھ ہی وہاں سے چلے گئے اور اس وقت تک راہِ خدا میں جہاد کرتے رہے جب تک قتل نہ ہو گئے۔ ان میں خود طالوت بھی شامل تھا۔

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں یہ قصہ السدی کی طرح بہ اسناد روایت کیا ہے لیکن بعض جگہ یہ روایت محل نظر ہے اور قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحق فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے جس نبی نے طالوت کو بارگاہ باری تعالیٰ میں توبہ کی قبولیت اور اس کے سابقہ گناہوں کے سلسلے میں تلافی مافات کا طریقہ بتایا تھا وہ یسع بن اخطوب تھے اور وہی طالوت کو یوشع علیہ السلام کی قبر پر لے گئے تھے ابن جریر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور یہی انسب معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ ثعلبی کا بیان ہے کہ وہ عورت طالوت کو اشمویل کی قبر پر لے گئی تھی اور وہ اس کی دعا سے زندہ ہو کر اپنی قبر سے باہر آ گئے تھے۔

یہ کسی نبی کا معجزہ تو ہونا ممکن ہے لیکن کسی عورت کا نبیہ ہونا بہر حال ناممکن ہے اور اس سے کسی ایسے معجزے کا منسوب کرنا بعید از قیاس ہے۔ واللہ اعلم

اہل توریت کے نزدیک طالوت کے قتل ہونے تک اس کی مدت حکومت چالیس سال رہی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصہ داؤد علیہ السلام ان کے زمانے کے حالات' ان کے فضائل وشمائل' ان کی نبوت کے دلائل اور ذکر اظہار

عربی تواریخ کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام کا پورا نام داؤد بن ایشا بن عوید[1] بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عویناذب بن ارم بن حصرون بن فارص ابن یہوذا ابن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بتایا جاتا ہے جو ارض بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ کے نبی کی حیثیت سے قیام پذیر رہے۔

محمد بن اسحٰق بعض اہل علم اور وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کا قد چھوٹا' ان کی آنکھیں نیلگوں' بال کم لیکن ان کا دل صاف اور طیب وطاہر تھا۔ ان کے ہاتھوں جالوت کے قتل کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے جس کے بارے میں ابن عساکر مزید کہتے ہیں کہ انہوں نے جالوت کو مرج الصفر کے نواح میں قصرام حکیم کے قریب قتل کیا تھا اور اس کے بعد بنی اسرائیل نے انہیں بطور عزت افزائی اپنا بادشاہ بنا لیا اور وہ داؤد علیہ السلام ہی تھے جو بیک وقت بنی اسرائیل کے بادشاہ اور ان کے نبی بھی تھے۔

یہ بادشاہت اور نبوت داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹے (سلیمان علیہ السلام) میں آخر تک قائم رہی یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت دونوں میں اس یکجا عظمت وفضیلت سے سرفراز فرمایا۔

جیسا کہ اس سے قبل جو آیات قرآنی پیش کی گئیں ان میں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کے قتل کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ روئے زمین پر کسی کو سلطانی بخشنے کا مقصد یہ ہے کہ طاقت ور لوگ کمزوروں پر غلبہ حاصل نہ کرنے پائیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو دنیا میں فساد برپا ہو جائے اور طاقت ور لوگ کمزوروں کو ہمیشہ مغلوب رکھیں لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس لیے یہ سلسلہ جاری رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کتابوں میں "السلطان ظل اللہ فی الارض" بھی کہا گیا ہے یعنی بادشاہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ رحمت ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جن باتوں کا ازالہ قرآن کے ذریعہ ممکن نہیں ہوتا اسے اللہ تعالیٰ (اچھے) بادشاہوں کے ذریعہ کرا دیتے ہیں۔

ابن جریر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب طالوت و جالوت کی جنگ ہوئی تو پہلے جالوت نے طالوت کو مقابلے کے لیے للکارا تھا اس لیے وہ اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا تھا اور اپنے حریف جالوت کو قتل کر دیا تھا اور اس کے بعد طالوت اپنے عوام

---

[1] ہمارے پیش نظر نسخے میں یہی لکھا ہے لیکن ابن جریر کے نسخہ تاریخ میں داؤد بن ایشی بن عوید بن باغر بن سلمون بن نحشون ابن عمی ناذب بن رام الخ ہے جب کہ نسخہ عرائس میں ان کا نسب نامہ کچھ اور دیا گیا ہے جس سے رجوع کیجیے (محمود الامام) نسخہ عرائس دستیاب نہ ہو سکا۔ (مترجم)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

میں اتنے ہردلعزیز ہوئے کہ انہوں نے انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس واقعے سے قبل شمویل علیہ السلام بنی اسرائیل کے بادشاہ تھے اور انہی نے طالوت کو اپنا وارث و جانشین بنایا تھا۔ تاہم ابن جریر کے بقول طالوت' جالوت کے قتل کے بعد لوگوں میں پسندیدگی و ہردلعزیزی کی بناء پر بادشاہ ہوا تھا۔ واللہ اعلم

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ طالوت نے قصرام حکیم کے پاس جالوت کو قتل کیا تھا اس کا محل وقوع بقول ابن عساکر وہی دریائے اردن کا کنارہ تھا جس کا قرآن پاک میں ذکر آیا ہے۔

طالوت کے ہاتھوں جالوت کے قتل کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے قصے کے ضمن میں قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس نے داؤد علیہ السلام کو اپنے فضل سے یہ معجزہ عطا فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں آ کر لوہا موم بن جاتا تھا جس سے وہ پہننے کے عام لباس کے علاوہ زرہ بھی بنا لیتے تھے جس سے وہ دشمنوں کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہو جاتے تھے۔ تاہم ان کے (بنی اسرائیل کے) جو اعمال تھے اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف تھے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس نے پہاڑ اور پرندوں کو داؤد علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا اور وہ دیکھتے تھے کہ وہ یعنی پہاڑ اور پرندے اس کے تسبیح خواں ہیں یعنی ہمہ وقت خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے بندوں پر اس فضل و کرم کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرماتے ہیں کہ آیا اس کے اس فضل و کرم کے باوصف وہ اپنے خالق کے شکر گزار ہیں۔

یہ قصہ مجاہد و قتادہ اور حکم و عکرمہ نے بھی قرآن کے حوالے سے بہ تفصیل بیان کیا ہے۔

حسن بصری' قتادہ اور اعمش بتاتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے اس معجزے کی بناء پر جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا انہیں لوہے کو تپانے اور کوٹنے پیٹنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی جیسے دوسروں کو پڑتی تھی اور وہ آسانی سے اس کے تار بنا کر یا اسے کڑیوں میں تبدیل کر کے بالترتیب اس سے لباس یا زرہ بنا لیتے تھے جس سے انہیں چھ ہزار درہم تک آمدنی ہو جاتی تھی۔

داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو خود محنت کر کے حلال کی روزی حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور ان کے علاوہ قتادہ بھی کہتے ہیں کہ علماء و فقہاء اسلام کے ان افکار و اذکار کا ماحصل یہ ہے کہ اسی اکل حلال سے اہل ایمان کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے کہ وہ رات بھر عبادت پروردگار میں مشغول رہ کر نصف النہار تک روزہ سے رہ سکیں۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح پسند کرتا ہوں جیسے اس کی عبادت داؤد علیہ السلام کیا کرتے تھے اور روزہ بھی مجھے داؤد علیہ السلام کے روزہ کی طرح مرغوب ہے''۔

حضرت داؤد علیہ السلام آدھی رات تک سوتے اور پھر اس کے تہائی حصے میں عبادت الٰہی میں گزارنے کے بعد اس کے چھٹے حصے میں آرام کر لیا کرتے تھے۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑ کر پھر روزہ رکھتے تھے۔

کلام الٰہی کے مطابق جب داؤد علیہ السلام صبح و شام عبادت خداوندی میں مشغول ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہاڑ اور چرند و پرند بھی ان کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے اور چرند و پرند ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یا جبال اوبی معه و الطیراً، انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق.

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ایسی بے مثال آواز اور اس میں ایسا لحن عطا فرمایا تھا کہ ان کی قرأت سن کر پرندے ہوا میں اڑتے اڑتے رک جاتے اور پہاڑ اور تمام چرند و پرند ان کے ساتھ ذکر خداوندی میں مشغول ہو جاتے تھے۔

اوزاعیؒ نے عبداللہ بن عامر کے حوالے سے لحن داؤدی کے اس معجزے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کی آواز سن کر وحوش وطیوران کے گرد جمع ہو کر رقص کرنے لگتے اور رقص کرتے کرتے ان میں سے بعض بے ہوش اور بعض مر بھی جاتے تھے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت کرتے تو ان کی بے مثال آواز سن کر نہ صرف جن وانس چلتے چلتے رک جاتے بلکہ وحوش وطیوران کے گرد جمع ہو کر رقص کرتے اور کبھی رقص کرتے کرتے بے ہوش ہو جاتے اور کبھی کبھی مر بھی جاتے تھے۔

ابوعوانہ سے باسناد مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام بربط بجا کر زبور کی تلاوت کیا کرتے تھے لیکن یہ روایت غریب ہے۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی آواز آل داؤد کے مزامیر سے وراثت میں پائی ہے''۔ کیونکہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن پاک میں خوش الحانی بھی کسی معجزے سے کم نہ تھی۔ یہ حدیث نبوی شیخین کے حوالے سے صحیح مسلم میں بھی روایت کی گئی ہے۔

امام احمدؒ نے بھی حماد بن سلمہ کی زبانی محمد بن عمر ابی سلمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مندرجہ بالا حدیث نبوی بیان کی ہے۔

داؤد علیہ السلام کی تلاوت زبور میں جیسا کہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ایک دوسری جگہ عبدالرزاق کی زبانی اور معمر، ہمام اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے ایک تو کلام الٰہی کے اثر دوسرے خود ان کی ساحرانہ آواز کی تاثیر سے جو نتائج پیدا ہوتے تھے وہ بعید از قیاس نہیں ہیں۔

بخاریؒ نے جو حدیث نبوی اس سلسلے میں خصوصیت سے عبداللہ بن محمد اور عبدالرزاق کے حوالے سے پیش کی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا گیا ہے کہ داؤد علیہ السلام پہلے قرآن (اس حدیث میں جیسا کہ ظاہر ہے قرآن سے مراد زبور ہے) کی تلاوت شروع کرتے اور پھر اپنا ساز چھیڑتے تھے۔

اسی حدیث میں بخاریؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے حوالے سے داؤد علیہ السلام کے بدست خود روزی کے حصول اور اکل حلال کا ذکر بھی کیا ہے۔

بخاریؒ کی بیان کردہ اس حدیث نبوی کو موسیٰ ابن عقبہ نے بھی صفوان یعنی ابن سلیم عطاء بن یسار اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے جب کہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں داؤد علیہ السلام کے قصے کے ضمن میں ابراہیم بن طہمان، موسیٰ بن عقبہ ابی عاصم ابی بکر سبری اور صفوان بن سلیم کے حوالے سے داؤد علیہ السلام کا مذکورہ معجزہ یعنی ان کے ہاتھ میں آ کر لوہا موم ہو جاتا تھا اور ان کی بے مثال آواز کا ذکر کرتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث نبوی کا حوالہ بھی دیا ہے۔

قرآن شریف میں داؤد علیہ السلام کے قصے کے ضمن میں کلام الٰہی کے الفاظ ﴿وَ آتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ جن کی تفسیر امام احمدؒ نے کی ہے زبور کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ ماہ رمضان میں ان پر نازل ہوئی تھی اور وہ مواعظ و احکام پر مشتمل تھی لیکن اب وہ فی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

الجملہ محل نظر ہے کیونکہ اس میں متعدد مقامات پر اہل کتاب نے تحریف کر دی ہے۔

جہاں تک قصہ داؤد علیہ السلام کے ضمن میں آیت قرآنی ﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَ آتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ﴾ کا تعلق ہے اس کا بدیہی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ایک عظیم مملکت کی بادشاہت بخشی تھی اور اس میں ان کے احکام نافذ فرما دیئے تھے۔

داؤد علیہ السلام کے احکام کے نفوذ اور ان کے عدل و انصاف کے سلسلے میں ان کے عادلانہ فیصلوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن جریر اور ابن حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ ان کی خدمت میں دو اشخاص حاضر ہوئے جن میں سے ایک گائے کی ملکیت کا مدعی تھا اور ایک کہتا تھا کہ دوسرے نے اس کی گائے پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے جب کہ دوسرا شخص انکار کرتا تھا۔ داؤد علیہ السلام نے اس قضیے کا فیصلہ کرنے کے لیے رات تک انتظار کیا۔ جب رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ انہیں مطلع فرمایا کہ مدعی جھوٹا ہے اس لیے اسے قتل کر دیا جائے۔

اگلی صبح داؤد علیہ السلام نے مدعی کو بلا کر اس سے فرمایا کہ ''شب گزشتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ حکم دیا ہے کہ میں تجھے قتل کر دوں لہٰذا اب میں تجھے قتل کرنے پر مجبور ہوں۔ بتا تو کیا کہتا ہے؟''۔

وہ شخص بولا: ''یا نبی اللہ! مجھے اس شخص کے باپ پر میری گائے غصب کرنے کا علم ہوا تھا لیکن میں نے دعویٰ بیٹے پر کر دیا جس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں''۔

داؤد علیہ السلام نے اس شخص یعنی مدعی کو غلط دعویٰ کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا تو لوگوں کا ان کے فیصلوں میں سختی سے عدل و انصاف پر عمل پیرا ہونے کا اور زیادہ یقین ہو گیا اور اس طرح داؤد علیہ السلام کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ ان کی صدق دل سے فرمانبرداری کرنے لگے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''شَدَدْنَا مُلْكَهُ'' سے اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے اور ''آتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ'' کا مطلب نبوت ہے۔

جہاں تک قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ''وَ فَصْلَ الْخِطَابِ'' کا تعلق ہے اس کے بارے میں شریح و شعبی اور قتادہ و ابو عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب شہود و ایمان ہے جس کی بناء پر داؤد علیہ السلام نے مدعی کو قتل کر دیا اور مدعا علیہ کو چھوڑ دیا تھا۔

مجاہد و السدی کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے اس فیصلے سے ان کی اصابت قضا یعنی فیصلے اور فہم و فراست کا ثبوت ملتا ہے۔ مجاہد یہ بھی کہتے ہیں کہ ''فصل الخطاب'' میں داؤد علیہ السلام کے کلام اور ان کے فیصلے کے مابین فصل کی طرف اشارہ ہے۔ ابن جریر نے مجاہد کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے اور مجاہد کی یہ رائے ابوموسیٰ کے اس قول کے منافی بھی نہیں ہے، جس میں انہوں نے ''امابعد'' کہا ہے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل میں باہمی جھگڑوں اور گواہیوں کی کثرت ہوئی تو داؤد علیہ السلام کو ان کی سماعت اور پھر فیصلہ کرنے میں جو فصل غور کرنے اور کسی حتمی نتیجے تک پہنچنے میں رکھنا پڑتا تھا کلام الٰہی میں ''فصل الخطاب'' سے وہی مراد ہے۔ اس کے علاوہ ان کے اکثر فیصلوں میں ہدایت خداوندی بھی شامل ہوتی تھی اور مقدمات کی سماعت کے لیے ان کے سامنے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پیش ہونے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم موصول ہونے میں جو وقفہ ہوتا تھا اس ارشاد ربانی میں اس کا مفہوم بھی شامل ہے۔
داؤد علیہ السلام کے بارے میں جو قصے بیان کیے گئے ہیں ان میں اسرائیلیات پر مبنی حکایات کثرت سے شامل کی گئی ہیں۔ اس لیے ہم نے ان کے بارے میں صرف اسی قصے پر اکتفا کی ہے جو قرآن شریف میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

کسی شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے داؤد علیہ السلام کا قصہ سنانے کی درخواست کی تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ
''یوں تو ان کے بارے میں بے شمار قصے مشہور ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر اسرائیلی حکایات پر مبنی ہیں لیکن ان کا سچا قصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یہ ہے کہ ''افضل ترین روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور یہ کہ وہ نماز میں زبور کی تلاوت ستر طریقے سے ٹھہر ٹھہر کر اور خوش الحانی سے کیا کرتے تھے جس کے دوران میں ان پر رقت و گریہ طاری رہتا تھا اور اسی طرح وہ قریباً ساری رات عبادت الٰہی میں گزار دیتے تھے''۔ داؤد کے بارے میں اس سے بہتر میں تمہیں کوئی اور بات نہیں بتا سکتا''۔

اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے فرمایا:
''ویسے اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ بتا سکتا ہوں کہ داؤد علیہ السلام کے بیٹے سلیمان علیہ السلام ہر مہینے کے پہلے تین دن' پھر اس کے وسط میں تین دن اور اس کے آخر میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے اور وہ جب کسی شہر کو فتح کرنا چاہتے تھے تو اس وقت ظاہر ہے کہ خواہ مہینے کے پہلے تین دن ہوں' اس کے درمیانی تین دن ہوں یا آخری تین دن وہ ہمیشہ روزہ سے ہوتے تھے۔ میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام دن کے وقت ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے' جو کی روٹی کھاتے تھے اور (بکریوں یا بھیڑوں کے) بالوں سے بنے ہوئے کپڑے پہنا کرتے تھے ان کے کوئی بیٹا نہ تھا جو وفات پاتا اور ان کا کوئی گھر بھی نہ تھا جو اجڑتا اور برباد ہوتا۔ انہوں نے تیر چلا کر کبھی کسی پرند و چرند کا شکار نہیں کیا۔ وہ بنی اسرائیل کی مجلس میں جاتے تو وہاں موجود لوگوں کی ضروریات معلوم کرتے اور انہیں پورا کیا کرتے تھے نیز ساری رات عبادت الٰہی میں گزار دیتے تھے۔ میں تمہیں' اگر چاہو' یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ان کی والدہ ماجدہ مریم بنت عمران ایک دن روزہ رکھتیں اور بیچ میں دو دن کا ناغہ کر کے پھر روزہ رکھا کرتی تھیں''۔

اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے فرمایا:
''اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ رسول عربی الامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے کے تین دن روزہ رکھا کرتے تھے''۔

داؤد علیہ السلام کے روزہ کا ذکر امام احمدؒ نے بھی اس کی شہرت کی بناء پر ابی نصر' فرج بن فضالہ' ابی ہرم' صدقہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

داؤد علیہ السلام کی کمیت حیات و کیفیت وفات

تخلیق آدم علیہ السلام کے بارے میں احادیث نبوی سے حوالے پیش کیے جا چکے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اور حوا کو جنت سے نکال کر زمین پر جانے کا حکم دیا تو اس کے بعد حوا کے بطن سے آدم علیہ السلام کی جو اولاد پیدا ہوئی وہ رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے وفات پاتی چلی گئی جن میں انبیاء علیہم السلام بھی تھے۔ آخر اپنی اولاد میں ایک ممتاز شخصیت کو سامنے دیکھ کر آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا: ''یہ کون ہے؟'' جواب ملا: ''تمہارا بیٹا داؤد علیہ السلام''۔

آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی شان و شوکت' نبوت و بادشاہت کا اعزاز اور بنی اسرائیل میں اس کی عزت و حرمت اور پسندیدگی و ہر دلعزیزی دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''اس کی ساری عمر کتنی ہوگی؟''۔

جواب ملا: ''ساٹھ سال''۔

آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''یا رب! اس کی عمر میں اضافہ فرما دے''۔

جواب ملا: ''اس کی عمر میں اضافے کی واحد صورت یہ ہے کہ تمہاری باقی عمر اسے دے دی جائے''۔

آدم علیہ السلام نے خدا کے سامنے رضامندی کا اظہار کیا تو اس نے آدم علیہ السلام کی عمر سے جو ایک ہزار چالیس سال ہونا تھی چالیس سال نکال کر ان کے اس بیٹے یعنی داؤد علیہ السلام کی عمر میں شامل کر دیئے تو اس کی عمر سو سال ہو گئی لیکن خود آدم علیہ السلام کی عمر جو ایک ہزار چالیس سال ہونا تھی اب صرف ایک ہزار سال رہ گئی جو اس دعا کے وقت ان کی عمر تھی۔ تاہم جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو وہ یہ بات بھول چکے تھے کہ انہوں نے اپنی عمر کے چالیس سال' اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو ہبہ کر دیئے تھے کیونکہ یہ بات آئندہ صدیوں بعد کے واقعات سے متعلق تھی جسے انہوں نے ظاہر ہے کہ عالم تصور میں دیکھا تھا اور اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے بیٹے داؤد علیہ السلام کی مقررہ عمر ساٹھ سال کی بجائے سو سال کر دی گئی تھی۔

یہ روایت امام احمدؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما' ترمذیؒ کی صحیح' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابن خزیمہ اور ابن حبان کے حوالے سے بیان کی ہے۔ حاکم نے اس روایت کو مسلمؒ کی سند کی طرح بیان کیا ہے۔ حاکم کا طرز بیان ہم اس سے قبل قصہ آدم علیہ السلام میں واضح کر چکے ہیں۔

بعض اہل کتاب نے داؤد علیہ السلام کی عمر ستر سال بیان کی ہے اور ان کے دور حکومت کو چالیس سال بتایا ہے جب کہ ان کی عمر کے بارے میں ان کا اوّل الذکر بیان مندرجہ بالا مستند روایات کے پیش نظر قطعاً ناقابل قبول ہے۔ البتہ انہوں نے داؤد علیہ السلام کا دور حکومت چالیس سال پر محیط بتایا ہے جسے قبول کرنے میں بظاہر کوئی امر مانع نہیں ہے۔

جہاں تک داؤد علیہ السلام کی عمر اور ان کی وفات کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں امام احمدؒ اپنی مسند میں قتیبہ' یعقوب بن

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عبدالرحمٰن بن محمد بن عمرو بن ابی عمرو کی زبانی اور مطلب وابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں ارشاد فرمایا کہ داؤد علیہ السلام بہت باغیرت انسان تھے وہ جب کسی مکان سے کبیدہ خاطر ہو کر باہر آ جاتے تو وہاں دوبارہ نہیں جاتے تھے حتیٰ کہ اس میں رہنے والے ان کے اہل خانہ بھی ان سے معافی کے خواستگار نہ ہوں نہ وہ اس مکان میں اپنے کسی عزیز کو اس وقت تک جانے کی اجازت دیتے تھے۔ تاہم جب وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جہاں ان کی بیوی مقیم تھیں اور انہوں نے انہیں معاف کر دیا تھا تو دیکھا کہ اس مکان کے وسط میں ایک اجنبی کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اس کے بارے میں اپنی بیوی سے دریافت کیا تو وہ کچھ جواب نہ دے سکیں کیونکہ انہیں وہ شخص نظر ہی نہ آیا تھا لیکن جب داؤد علیہ السلام نے اس شخص سے براہِ راست پوچھا: ''تو کون ہے؟'' تو وہ بولا: ''میں وہ ہوں جو بادشاہوں کی محلسراؤں بلکہ ان کی خواب گاہوں تک میں بغیر کسی رکاوٹ کے داخل ہو جاتا ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے''۔ اس شخص سے یہ سن کر داؤد علیہ السلام بولے: ''پھر تو تم یقیناً ملک الموت ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری قبض روح کے لیے بھیجا ہے مرحبا!''۔ یہ کہہ کر داؤد علیہ السلام جہاں کھڑے تھے وہیں ٹھہر گئے اور عزرائیل ان کی روح قبض کر کے رخصت ہوئے۔ (حدیث نبوی کا لفظی و مفہومی ترجمہ)

مندرجہ بالا روایت کے مطابق داؤد علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے بعد ان کی میت جہاں رکھی گئی تھی وہاں دھوپ تھی۔ یہ دیکھ کر ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام نے بڑے پرندے کو حکم دیا کہ وہ ان کے باپ کی میت پر اپنے پنکھ پھیلا کر سایہ کر دے۔

امام احمدؒ یہ روایت بیان کرنے کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا منظر بچشم خود دیکھ کر بتایا کہ ایک پرندہ کہیں سے آیا' اپنا صرف ایک پنکھ آپ کے سینہ مبارک پر پھیلایا اور آپ کی روح پاک آسانی سے آناً فاناً قبض کر کے نہ جانے کدھر سے باہر چلا گیا۔

یہ روایت امام احمدؒ کی بیان کردہ اور ان کی اسناد انتہائی قوی ہیں اور ثقہ افراد پر مشتمل ہیں۔

جوہری کی روایت کے مطابق جس پرندے نے داؤد علیہ السلام کی میت پر سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سایہ کیا تھا وہ انتہائی لمبے پنکھوں والا شاہین تھا۔

السدی ابی مالک اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی وفات سنیچر کے روز صبح کے وقت ہوئی تھی اور ان کی میت پر ایک پرندے نے دھوپ کی وجہ سے سایہ کیا تھا جب کہ اسحاق بن بشر سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ و حسن کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ان کی وفات چہارشنبہ یعنی بدھ کے روز صبح کے وقت ہوئی تھی اور اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔

ابوالسکن ہجری بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام' ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب نے صبح کے وقت وفات پائی تھی۔

ابن عساکر اپنی اسناد پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام اپنی سجدہ گاہ سے نکل رہے تھے کہ ملک الموت ان کے سامنے حاضر ہو گیا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ وہ کھڑے رہیں یا بیٹھ جائیں۔ یہ سن کر ملک الموت نے جواب دیا کہ یا نبی اللہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مجھے سنین و شہور اور آثار و اوزان پر مشتمل صدیوں کا حساب دینا ہوتا ہے۔ ملک الموت سے یہ سن کر داؤد علیہ السلام جس چٹائی پر کھڑے تھے اس پر بیٹھ کر سجدے میں چلے گئے اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں وافر بن سلیمان نے ابی سلیمان فلسطینی اور وہب بن منبہ کے حوالے سے بتایا کہ داؤد علیہ السلام کی وفات کے دن ان کے جنازے میں شرکت کرنے والے لوگ جن میں دوسرے لوگوں کے علاوہ صرف راہبوں کی تعداد چالیس ہزار تھی سب کے سب دھوپ میں بیٹھے تھے اور موسم بھی گرمی کا تھا۔ یہ دیکھ کر سلیمان علیہ السلام نے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے یہ اعجاز بخشا تھا کہ پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حاضرین پر اپنے پروں سے سایہ کر دیں لیکن جب بے شمار پرندوں نے چاروں طرف سے آ کر ان کے حکم کی تعمیل کی تو وہاں ہوا کا گزر مشکل ہو گیا جس سے لوگوں کا سانس لینا مشکل ہو گیا اور یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ حبس دم کی وجہ سے موت کا شکار نہ ہو جائیں اس لیے سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے سے کم سے کم اتنی دور رہیں کہ اس جگہ ہوا تھوڑی بہت آتی رہے۔ چنانچہ ان پرندوں نے وہی کیا اور اس کے بعد وہاں موجود لوگوں کی جان میں جان آئی اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے اس اعجاز کے اظہار کا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخشا تھا پہلا موقع تھا۔

حافظ ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ انہیں ہمام الولید بن شجاع اور ولید بن مسلم نے ہیثم بن حمید الوضین بن عطاء نصر بن علقمہ جبیر بن نضیر اور ابی الدرداء کے حوالے سے یہ حدیث نبوی سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل ظہور عیسیٰ علیہ السلام سے قبل سو سال تک فتنہ و فساد سے مبرا رہے ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ وہ داؤد علیہ السلام کی ہدایات پر بہ تمام و کمال عمل کرتے رہے۔

ہمارے نزدیک یہ حدیث غریب اور محل نظر ہے خصوصاً اس لیے کہ الوضین سے بہت سی ضعیف احادیث منسوب کی گئی ہیں اور وہ خود بھی روایت احادیث میں کمزور ثابت ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم (مؤلف)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام

حافظ ابن عساکر کے بقول سلیمان علیہ السلام کا پورا نام سلیمان بن داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن تحشون بن عمینا داب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا ابن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم بن ابی الربیع نبی اللہ بن نبی اللہ علیہ السلام ایک عرصے سے مشہور چلا آتا ہے۔

بعض کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یعنی سلیمان علیہ السلام دمشق گئے تھے۔ ابن ماکولا نے ان کا نسب نامہ جو بتایا ہے وہ وہی ہے جو ابن عساکر نے بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ہم نے سلیمان کو داؤد علیہ السلام کا وارث بنایا'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''اے لوگو! ہم نے اسے (سلیمانؑ کو) پرندوں کی منطق دی اور بہت سی چیزوں پر اسے اختیار دیا۔ اس پر یہ ہمارا ظاہر و باہر فضل تھا''۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پرندوں کی زبان سمجھتے اور دوسروں کو سمجھاتے تھے۔

جہاں تک سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کی وراثت ملنے کا تعلق ہے اس کا مطلب نبوت و بادشاہت ہے نہ کہ مال و زر جیسا کہ حدیث نبوی سے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے جو ان کی اولاد کو نہیں ملتا بلکہ اس کے مستحق وہ محتاج ہوتے ہیں جو ان کے رشتہ دار نہ ہوں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی تبلیغ دین ہوتا ہے اس لیے وہ دنیا کے مال و زر سے بے نیاز ہوتے ہیں نہ اپنی اولاد کے لیے اسے جمع کرتے ہیں نہ ان کے لیے اسے ترکہ میں چھوڑتے ہیں۔

یہ حدیث متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے صحاح (صحیح ستہ) میں درج ہے۔

حافظ ابوبکر بیہقی متعدد حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے ایک دن دمشق کے قریب درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزرتے ہوئے وہاں دو چڑیوں کو دیکھا جو اپنی زبان میں کچھ باتیں کر رہے تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں؟'' اور ان کے انکار کرنے پر انہیں بتایا: ''یہ چڑیاں نر اور مادہ ہیں' نر مادہ سے کہہ رہا کہ ''اگر تو میری زوجیت میں آ جائے تو میں تجھے رہنے کے لیے غرف دمشق میں جو صحرہ میں ہے ایک گھونسلا بنا دوں گا جب کہ صحرہ میں گھونسلے کی کوئی جگہ نہیں ہے اور اکثر مدعی اسی طرح کاذب ہوتے ہیں''۔

بیہقی کچھ دوسری اسناد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ طیور کی بولی سمجھنے کے علاوہ سلیمان علیہ السلام دوسری تمام مخلوقات کی زبان سمجھنے کی خدا کے حکم سے قدرت رکھتے تھے اور انہیں ان پر اختیار حاصل تھا جس کا ثبوت ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ﴾ میں موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جملہ مخلوقات بشمول جنات سب کو حکم دے کر ان سے کام لے سکتے تھے۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی اپنے پروردگار سے اس دعا کا نتیجہ تھا جو انہوں نے ہر فرمان خداوندی کے اتباع کے حوالے سے اس سے کی تھی۔

کلام الٰہی (قرآن) میں اس کا ذکر ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ جن میں جن اور انسان اور سواریاں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سبھی ہوتے تھے تو ان کے حکم سے ان سب کو دھوپ اور گرمی سے بچانے کے لیے پرندے ان پر سایہ کرتے ہوئے چلتے تھے۔

قصہ سلیمان علیہ السلام کے ضمن میں قرآن میں آیا ہے کہ وہ اسی طرح ایک دفعہ سفر کرتے ہوئے وادی نمل کی طرف جا رہے تھے تو نملہ سے اہل نمل کو خبر دار کر دیا تھا کہ ان کی آمد سے قبل سب کے سب اپنے اپنے گھروں میں گھس کر بیٹھ جاؤ تا کہ انہیں تمہارا پتہ نہ چل سکے۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھیوں کو تو ان کا علم نہ ہو سکا اور انہوں نے وادی نمل میں کسی روح کی موجودگی سے ان کے سامنے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ خود اپنی مسند پر بیٹھ کر اپنے جملہ ساتھیوں اور لاؤ لشکر کے ساتھ وہاں جا پہنچے تھے اور اہل نمل کا پتہ لگا لیا تھا۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ایک واقعہ انہیں وادی طائف میں پیش آیا تھا اور وہ اپنی مسند پر سب کو بٹھا کر وہاں جا پہنچے تھے۔

قرآن میں واقعہ نمل کا ذکر موجود ہے لیکن واقعہ طائف اور اس کی جزئیات کا جو راویوں نے بیان کی ہیں کوئی قرآنی یا دوسرا ثبوت نہیں ہے۔ تاہم اس کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنی بساط پر بیٹھ کر جہاں چاہتے پہنچ جاتے اور وہ اتنی وسیع و عریض تھی کہ اس پر ان کا سارا لاؤ لشکر بھی آ جاتا تھا جس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر پیش کریں گے۔

یہاں اس ذکر سے ہمارا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ سلیمان علیہ السلام جہاں جانا چاہتے وہاں کے کوائف معلوم کرنے کے لیے وہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے تھے اور وہی انہیں وحی کے ذریعہ ان کی اطلاع بہم فرماتا تھا جب کہ مشہور روایات کہ چرند و پرند جن کی بولیاں صرف وہی سمجھ سکتے تھے۔ ان کے بارے میں قبل از وقت انہیں بتا دیتے تھے من گھڑت کہانیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کیونکہ ان کے برعکس وہ ہر مہم کے موقع پر آیت قرآنی کے مطابق ہمیشہ "رَبِّ اَوْزِعْنِیْ" (یعنی میرے پروردگار مجھے بتا اور مجھے ہدایت دے) کہا کرتے تھے۔

آیاتِ قرآنی کے مطابق وہ ہمیشہ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کرتے تھے کہ وہ انہیں اپنے صالح بندوں کی سی موت دے اور قیامت میں انہی کے ساتھ اٹھائے ان کی دعا میں جو ان کے والد گرامی داؤد علیہ السلام اور ان کے بزرگوں کا جو حوالہ ہوتا تھا وہ بھی صرف اس لیے کہ وہ سب صالحین اور طیب و طاہرین میں سے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی دعا اسی لیے درجہ قبولیت کو پہنچتی تھی کہ وہ خود بھی انتہائی صالح اور اپنے پروردگار کے انتہائی فرماں بردار بندے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بھی انتہائی عبادت گزار اور نیک خاتون تھیں اور جیسا کہ سیند بن داؤد نے یوسف بن محمد بن منکدرؒ ان کے والد اور جابرؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیمان علیہ السلام کی والدہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے بیٹے سلیمان علیہ السلام کو یہ نصیحت فرمایا کرتی تھیں کہ "رات کو زیادہ سونے والا قیامت کے دن فقیر ہوگا"۔ یعنی اس کا دامن نیک اعمال سے خالی ہوگا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ شب بیداری و عبادت گزاری کی کس منزل پر فائز تھیں۔

جہاں تک سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کے طیور و وحوش اور جنات کے مسخر کرنے کا تعلق ہے اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یمن کے شہر سبا اور وہاں کی ملکہ بلقیس کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں جن میں سے بعض مستند اور بعض ضعیف ہیں۔ ملکہ سبا بلقیس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا باپ تو بنی آدم میں سے تھا لیکن ان کی والدہ قوم جنات سے تھی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ثعلبی کہتے ہیں کہ بلقیس کی حکومت سے قبل ان کی قوم پر جو شخص حکمران تھا وہ شرابی اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا جس کی وجہ سے ساری قوم میں فسادات پھوٹ پڑے تھے اور سارے ملک میں انتشار پھیل گیا تھا۔ یہ دیکھ کر بلقیس نے اسے کچھ لوگوں کی مدد سے تہ تیغ کر کے اس کا سر اس کے قصر کے دروازے پر ٹنگوا دیا تھا اور اس حکمران سے نجات پانے کے بعد بلقیس کی ساری قوم پر اس کا سکہ بیٹھ گیا تھا اور وہ تمام کی تمام اس کے زیر فرمان آ گئی تھی۔ اس طرح بلقیس اپنی قوم کی سیاہ و سفید کی مالک ہو گئی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے شاہی محل میں جو تخت بنوایا تھا وہ زر و جواہر سے مزین ہونے کے علاوہ اپنی چھت کے لحاظ سے بے نظیر تھا کیونکہ اس میں سچ مچ کے ستارے لٹکتے نظر آتے تھے۔

ملکہ سبا یعنی بلقیس کے اس کر و فر کا حال سلیمان علیہ السلام سے جب بیان کیا گیا تو انہوں نے اسے اپنے پاس بلانے کا قصد کیا تو ایک جن نے ان سے عرض کیا کہ اگر ان کی اجازت ہو تو وہ بلقیس کو اس کے تخت سمیت ان کی خدمت میں لا کر حاضر کر دے روایت ہے کہ یہ پیشکش کرنے والے آصف بن برخیا تھے اور قوم جنات کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئی تھی۔

تاہم سلیمان علیہ السلام نے پہلے طاہر ہدہد کو حکم دیا کہ وہ پہلے بلقیس کے پاس ان کا خط لے جائے۔

چنانچہ سلیمان علیہ السلام کا یہ خط ہدہد بلقیس کے پاس اسی طرح لے گیا جیسے پہلے کبوتر پیغامات اور خبریں لے جایا کرتے تھے۔

بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کا وہ خط موصول ہونے کے بعد اپنے درباریوں سے مشورہ کیا اس قوم کی طرح سب کے سب سورج کی پرستش کرتے تھے اور بڑے متکبر و سرکش تھے اس لیے انہوں نے بلقیس کو مشورہ دیا کہ وہ ہرگز سلیمان علیہ السلام کے پاس نہ جائے لیکن ان کے اس مشورے پر جب بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے سے انکار کیا تو انہوں نے جنات کو حکم دیا کہ اسے اس کے تخت سمیت ان کی خدمت میں حاضر کر دیا جائے۔

اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کی یہ طاقت نیز یہ دیکھ کر کہ تمام وحوش و طیور تک ان کے فرماں بردار ہیں ان کی شان و شوکت اور رعب و دبدبے کا اندازہ لگا لیا اور ان کے دست حق پرست پر ایمان لے آئی۔

ثعلبی کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام اسے اپنی زوجیت میں لے آئے تھے اور اسے اس کی مملکت میں واپس کر دیا تھا بلکہ وہیں اس کے لیے تین بڑے شاندار محل عدنان، سالحین اور بیتون بنوا دیے تھے اور جب کبھی دوسرے شہروں سے ہوتے ہوئے یمن جاتے تو تین روز اس کے پاس ٹھہرا کرتے تھے جب کہ ابن اسحٰق بعض اہل علم کے علاوہ وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے شادی نہیں کی تھی بلکہ اس کی شادی ہمدان کے بادشاہ سے کر دی تھی لیکن یمن کی حکمرانی اسی کے لیے برقرار رکھی تھی اور وہیں تینوں مذکورہ بالا محل اس کے لیے جنات سے تعمیر کرائے تھے جن کی تعمیر بنی آدم کے لیے محال تھی اور یمن میں بلقیس کا دارالحکومت انہی محلات کی وجہ سے شہر کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ واللہ اعلم

سورۂ ص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیے۔ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔

جب ان کے سامنے شام کو خاصے کے گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا۔ (بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لے آؤ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور ہم نے سلیمانؑ کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا (اور) دعا کی کہ اے پروردگار مجھے مغفرت کر اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔ بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ پھر ہم نے ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی۔ اور دیوؤں کو بھی (ان کے زیر فرمان کر دیا) وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور اوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو) تو احسان کرو یا (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے۔ اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے''۔ (۳۸:۳۰۔۴۰)

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے داؤد کو سلیمان علیہ السلام جیسا فرزند عطا فرمانے کے علاوہ داؤد علیہ السلام کے ان بیٹے یعنی سلیمان علیہ السلام کی کچھ صفات بھی بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان تھے اور ہر حال میں اس سے رجوع کیا کرتے تھے اور دوسرے یہ کہ وہ جانوروں کے ساتھ کس طرح شفقت سے پیش آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی ٹانگوں اور گردنوں پر جوان کے ہاتھ پھیرنے کا ذکر فرمایا ان کے بارے میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ تلوار سے ان کی ٹانگوں اور گردنوں کے بال کاٹا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ ان دونوں جگہوں سے ان کا پسینہ اپنے ہاتھوں سے صاف کیا کرتے تھے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس شغل میں کبھی ان کی نماز عصر قضا ہو جاتی تھی کیونکہ سورج غروب ہو جاتا تھا۔ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے اور مثال میں غزوۂ خندق کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عصر قضا ہو جانے کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ترک نماز ویسے تو کسی حالت میں جائز نہیں لیکن جنگ کے موقع پر صلاۃ الخوف کا موقع بھی نہ ہو اور اس کا قضا کرنا جائز ہے یا جنگ کے موقع پر گھوڑوں کی تیاری اور ان کا معائنہ کرتے ہوئے وقت عصر گزر جائے تو نماز قضا کر لینا مجبوراً جواز کی حیثیت رکھتا ہے۔

امام شافعیؒ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تائید کی ہے اور مکحولؒ اور اوزاعیؒ نے اس بارے میں شدید جنگ کے مواقع کی شرط پیش کی ہے۔ ہم نے سورۂ نساء کی تفسیر کرتے ہوئے اس مسئلے پر بھی گفتگو کی ہے۔

ابن جریر نے ان آیات میں ارشاد باری تعالیٰ کہ سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے کے بارے میں دو وضاحتی اقوال میں سے کہ سلیمان علیہ السلام ان کی ٹانگوں اور گردنوں سے پسینہ صاف کیا کرتے تھے یا تلوار سے ان کی ٹانگوں کے بال صاف کیا کرتے تھے اور ان کی گردنوں کے بال یا ان کے اجنہ (پر) کاٹا کرتے تھے اوّل الذکر قول کو اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ دوسری وضاحت کے لحاظ سے یہ لازم آتا ہے کہ اس طرح جانوروں کو اذیت دی جائے۔ البتہ وہ بھی کہتے ہیں کہ گھوڑوں کو تلف کرنا یعنی ان کو مار ڈالنا صرف اس صورت میں جائز ہو سکتا ہے کہ جب یہ خوف ہو کہ وہ زندہ رہے تو دشمن کے ہاتھ لگ جائیں گے جیسا کہ اسی اندیشے کی وجہ سے ایک موقع پر جعفر بن ابی طالب نے اپنے گھوڑے کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کی تعداد بعض روایات میں بیس ہزار اور بعض میں دس ہزار بتائی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ان میں سے بیس گھوڑے پر دار تھے۔

ابوداؤدؒ نے اپنی کتاب سنن میں دوسرے متعدد راویوں کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی یہ حدیث بیان کی ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں گرمی کی وجہ سے انہوں نے اپنی سواری کا پردہ ایک طرف سے ذرا سا کھول رکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سواری کے قریب آ کر اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''میں گھوڑے دیکھ رہی تھی''۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیوں؟ کیا آپ نے اس سے قبل کبھی گھوڑے نہیں دیکھے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزاحاً بولیں: ''دیکھے تو ہیں لیکن ایک تو یہ کہ میں نے اتنی بڑی تعداد میں اس سے قبل کبھی گھوڑے نہیں دیکھے تھے' دوسرے یہ کہ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ ان گھوڑوں میں پردار گھوڑے کتنے ہیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان سے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پردار گھوڑے! کیا کہیں گھوڑے بھی پردار ہوتے ہیں؟ آپ کا یہ سوال سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''میں نے سنا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں میں کچھ گھوڑے پردار بھی ہوتے تھے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کا یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے جس سے آپؐ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔

بعض علماء کا بیان ہے کہ جب کچھ لوگ اللہ کے نام پر اپنے چوپائے چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں انہیں کوئی ایسی چیز عطا فرما دیتا ہے جو ان کے لیے ان سے زیادہ بہتر ثابت ہوتی ہے جب کہ وہ چوپائے جو اس کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں وہ آزادی سے کبھی کہیں پھرتے رہتے ہیں تا کہ ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے کہیں کم۔

اس مسئلے پر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ ویسے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے اسماعیل اور سلیمان بن مغیرہ نے حمید بن ہلال' ابی قتادہ اور ابی الدھما کے حوالے سے کہ آخرالذکر دونوں اکثر سفر کیا کرتے تھے بیان کیا کہ ان کے پاس دورانِ سفر میں ایک بدو آیا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اس کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے کر فرمایا کہ جب کوئی شخص کوئی چیز خدا کی راہ میں فدیہ کر دیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں کوئی ایسی چیز عطا فرما دیتا ہے جو اس پہلی چیز سے بہتر ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے بلا ضرورت کوئی چیز مت مانگو کیونکہ وہ اس چیز میں جو اس نے تمہیں پہلے ہی عطا فرما رکھی ہے تمہاری بھلائی سمجھتا ہو۔

ہم نے سلیمان علیہ السلام کے قصے میں آیت قرآنی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے تخت پر ایک بے سر کا دھڑ پڑا پایا تھا یہاں صرف کلام الٰہی سے حوالے کے لیے پیش کی ہے جس کے بارے میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم کے علاوہ متعدد دیگر مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے نیز اس کے متعلق اسرائیلیات میں بھی بہت کچھ کہا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ لغویات و خرافات سے پر ہے اور اسی لیے قابل اعتماد نہیں ہے۔ تاہم ہم نے اس موضوع پر اپنی کتاب تفسیر میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

جہاں تک مؤرخین کے ان بیانات کا تعلق ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنے پایہ تخت سے چالیس روز تک غائب رہے تھے اور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

انہوں نے وہاں واپسی کے بعد بیت المقدس کی بنیاد رکھنے کا حکم دیا تھا اور اس کی عمارت کو نہایت محکم تعمیر کرایا تھا ہم اس کے بارے میں پہلے بتا چکے ہیں کہ انہوں نے بیت المقدس کی تجدید کی تھی اور ہم ابو ذرؓ کے حوالے سے یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ مسجد الحرام کی بنیاد پہلے رکھی گئی تھی یا بیت المقدس کی تو آپؐ نے جواب میں مسجد الحرام فرمایا تھا۔ اس حدیث نبوی کی صحت سے جو امام احمدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہ وغیرہم نے اپنی اپنی اسناد اور عبداللہ بن فیروز دیلمی اور عبداللہ ابن عمرو ابن العاص کے حوالے سے روایت کی ہے دیگر جملہ ثقہ راویوں نے کامل اتفاق کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کے حوالے سے آدم کی اس دعا کا ذکر فرمایا جو انہوں نے عالم رویاء میں اپنی نسل میں داؤد علیہ السلام کی عمر میں چالیس سال اضافہ کر دیا تھا اور وہ بھی اس شرط پر کہ خود آدم علیہ السلام کی عمر اسی نسبت سے کم کر دی جائے گی اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چالیس سال ہونا تھی اور داؤد علیہ السلام کی عمر صرف ساٹھ سال۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کی اس دعا اور اللہ تعالیٰ کی ارشاد فرمودہ شرط کے مطابق آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال اور داؤد علیہ السلام کی عمر سو سال کر دی گئی تھی اور انہوں نے اپنی اسی اضافی عمر کے دوران میں بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی جب کہ مسجد الحرام کی بنیاد ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں کہیں پہلے پڑ چکی تھی۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ سے تین دیواروں کے لیے اجازت طلب کی گئی تھی۔ جب کہ اجازت دو دیواروں کی ملی۔ اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو بیت اللہ کی تین دیواریں یا تین رخ رکھنے کا حکم دیا تھا جو "ہم پر اس کا فضل و کرم ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، طیور و وحوش اور جنات وغیرہ کے علاوہ ہوا کو بھی ان کا مسخر کر دیا تھا۔

متعدد راویوں نے یہ اسناد قوی بیان کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام ہوا کی تسخیر کی بنا پر اپنے تخت رواں پر بیٹھ کر جہاں چاہتے چلے جاتے تھے وہ کبھی دمشق سے اصطخر اور کبھی کابل چلے جاتے تھے اور ان کا تخت رواں کچھ ایسا بنا تھا کہ وہ جہاں سے گزرتے زمینی بستیوں کو بخوبی دیکھتے جاتے تھے اور ان بستیوں کے رہنے والے اگر ان سے کچھ امداد یا کسی معاملے میں تصفیہ چاہتے تو وہ ان میں اتر کر ان کی ضروری امداد اور ان کے باہمی قضیوں کا فیصلہ بھی فرماتے جاتے تھے۔

قدیم راویوں نے دنیا کے مختلف شہروں میں عالی شان عمارات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اصطخر کی انتہائی بلند و بالا اور بے نظیر سنگین عمارات سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے تعمیر کی تھیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ بیت المقدس کے علاوہ جو علاقہ دمشق میں تھا باب جیرون و باب البرید بھی سلیمان علیہ السلام کے حکم سے تعمیر کیے گئے تھے لیکن بعد میں حوادث زمانہ سے منہدم ہو گئے نیز یہ کہ پہلے سلیمان علیہ السلام نے اصطخر ہی کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا لیکن بعد میں اسے چھوڑ دیا تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سلیمان علیہ السلام کا ذکرِ وفات اور ان کی مدت حیات و دورِ حکومت کی تعین

سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

''پھر جب ہم نے ان کے لیے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جوان کے عصا کو کھاتا رہا۔ جب عصا گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔ (اہل) سبا کے لیے ان کے مقام بود و باش میں ایک نشانی تھی (یعنی) دو باغ (ایک) داہنی طرف اور (ایک) بائیں طرف''۔ (۳۴:۱۴)

ابن جریر اور ابن حاتم وغیرہ سے متعدد حوالوں کے ساتھ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے سامنے ایک نیا پودا نمودار ہوا۔ انہوں نے اس سے (نماز ختم کر کے) پوچھا: ''تیرا نام کیا ہے؟ جب اس نے نام بتایا تو انہوں نے پوچھا تیرا کام کیا ہے؟ اگر تو دوا کے لیے ہے تو اُگتا رہ اور اگر صرف اُگنا ہی مقصود ہے تو اتنا ہی رہ۔ پھر ان کے سامنے اسی روز نماز کے دوران میں ایک اور درخت نمودار ہوا تو انہوں نے (نماز سے فراغت کے بعد) اس سے دریافت کیا: ''تیرا کیا نام ہے؟'' اس نے کہا ''خروب'' جب پوچھا تیرا کام کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ اس مکان کی تخریب''۔

اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جنات پر موت طاری فرما دے تاکہ انسان یہ جان سکیں کہ جنات علم غیب سے واقف نہیں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ اپنے عصا پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور انسانوں کے سوا جنات ان کی موت سے واقف نہ ہو سکے اور انسانوں نے سمجھ لیا کہ جنات علم غیب نہیں جانتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ (یعنی جنات) ان کے سامنے خود ذلت کی تکلیف میں مبتلا رہے (یعنی اس وقت تک جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے ان کے عصا کو دیمک کے کیڑے نے نہ کھا لیا اور وہ عصا کے ساتھ خود بھی نہ گر پڑے) اور آخر کار انہیں ان کی وفات کا پتا لگا۔ (حدیث نبوی کا ترجمہ مفہومی)

ابن جریر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب تک سلیمان علیہ السلام اپنے عصا سے ٹیک لگائے کھڑے رہے حالانکہ وہ وفات پا چکے تھے جن انہیں زندہ ہی سمجھتے رہے کیونکہ جس حصہ زمین پر ان کا عصا رکا ہوا تھا اس کے نیچے وہ پانی دیکھ رہے تھے اور یہی بات جنات کو ان کی وفات سے ناواقف رہنے کی وجہ بنی رہی۔

یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں۔ تاہم عطاء خراسانی نے ابن جریر کی اس روایت سے اختلاف کیا ہے۔ البتہ ابن عساکر نے سلمہ ابن کہیل کے ذریعہ اور سعید بن جبیر و ابن عباس کے حوالے سے اسے صحت سے قریب بتایا ہے۔

السدی نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ابی مالک ابی صالح' ابن عباس' مرہ ابن مسعود اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سے بتایا ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل بیت المقدس میں معتکف ہو گئے تھے اور انہوں نے وہیں اپنے مصلیٰ کے سامنے وہ دونوں درخت دیکھے تھے اور پہلے درخت سے اس کا نام دریافت کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ اگر وہ بنی نوع انسان کے مفید مطلب ہے اور دوا کے کام آتا ہے تو سرسبز رہے۔

دوسرے درخت سے جب انہوں نے اس کا نام دریافت کیا تھا تو اس نے خروب بتایا تھا اور اپنے کام کے بارے میں کہا تھا کہ اس کا کام بیت المقدس کے انہدام اور اس کی تباہی سے متعلق ہے۔

السدی مذکورہ بالا حوالوں سے مزید بیان کرتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو یقیناً یہ پسند نہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام اپنی آنکھوں کے سامنے بیت المقدس کی تباہی دیکھیں اس لیے اس نے اس سے قبل ان کی موت کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جب وہ نماز کے لیے محراب میں تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہیں وفات پا گئے لیکن وہ اس وقت نماز سے فارغ ہو کر اپنا عصا لیے غالباً محراب سے باہر آنے کا قصد کر رہے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی۔ تاہم جنات ایک عرصے سے یہ سمجھتے رہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے عصا سے ٹیک لگائے کھڑے ہیں اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یہ ان کی دعا کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے اس وقت تک جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کہ دیمک نے ان کا عصا اندر ہی اندر کھا کھا کر کھوکھلا نہ کر دیا اور ان کا جسد خاکی گر نہ پڑا جنات کو ان کی وفات کا علم نہ ہوا اور وہ حسبِ معمول ان کاموں میں مشغول رہے جس کا حکم انہیں سلیمان علیہ السلام اپنی زندگی میں دے چکے تھے۔ (آیات قرآنی کی توضیح)

بہر کیف سلیمان علیہ السلام کی وفات کے کافی عرصہ بعد جیسا کہ اس روایت میں مزید بیان کیا گیا ہے' جب جنات کو اس کی خبر ہوئی تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر انہیں ان کی وفات کی قبل از وقت اطلاع ہو جاتی تو وہ انہیں بہترین کھانے اور بہتر سے بہتر مشروبات پیش کرتے لیکن مندرجہ بالا آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی وفات کی خبر پانے کے بعد جنات نے آپس میں کہا تھا کہ اگر انہیں ان کی وفات کی خبر پہلے ہو جاتی تو وہ ان کے احکام کی تعمیل کی اذیت سے کافی عرصہ قبل چھوٹ جاتے۔

ابن مسعود متعلقہ آیات قرآنی کی توضیح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات اور لوگوں میں ان کی شہرت کا درمیانی فصل پورے ایک سال پر محیط تھا' جب کہ جنات اس دوران میں انہیں زندہ سمجھتے رہے تھے کیونکہ اس دوران میں جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے' محراب مسجد اور ان کے درمیان آگ کا ایک الاؤ انہیں نظر آتا رہا جس کے خوف سے انہوں نے محراب کے قریب جانے کی جرأت نہیں کی اور انسانوں سے یہی کہتے رہے کہ وہ زندہ ہیں۔

بہر کیف جب لوگوں کو سلیمان علیہ السلام کی وفات کی خبر ہوئی تو انہوں نے جنات کے پہلے بیان کو کذب پر محمول کیا اور بعض نے یہ بھی کہا کہ جنات کو اس کا علم کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ سلیمان علیہ السلام کے عصا کو دیمک کا کیڑا رات دن ایک سال تک برابر کھاتا رہا۔ جس کے اختتام پر ان کا جسد خاکی زمین پر گرا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کی وفات کی خبر مشہور ہونے کے بعد جب بیت المقدس میں داخل ہو کر لوگوں نے ان کا عصا دیکھا تو وہ کھوکھلا ہو کر قریب قریب خاک ہو چکا تھا البتہ اس کے اوپر ایسی مٹی کے کچھ آثار بھی تھے جو جھاڑیوں کی جڑوں میں ہوتی ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ روایت اسرائیلیات سے ماخوذ ہے لیکن اس کی صحت وتکذیب یقینی طور پر بیان نہیں کی جاسکتی۔

ابوداؤد اپنی کتاب القدر میں بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا تھا کہ جب اسے ان کی روح قبض کرنے کا حکم دیا جائے تو وہ انہیں اس کی اطلاع دے دے لیکن ملک الموت نے انہیں جواب دیا تھا کہ ہر نفس کی موت کا وقت تو مقرر ہے لیکن خود اسے اس کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ عین وقت پر اسے مرنے والے کا نام بتا کر اس کی روح قبض کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے۔

اصبغ بن فرج اور عبداللہ بن وہب عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملک الموت سے اپنی موت کا وقت دریافت کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی موت سے خائف تھے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ملک الموت نے ان سے معذرت کرتے ہوئے انہیں اتنا بتا دیا تھا کہ ان کی وفات کی خبر جن وانس میں سے کسی کو ایک عرصے تک نہ ہو سکے گی۔

ایسی ہی ایک روایت جماعتِ سلف وغیرہ نے بھی بیان کی ہے۔ واللہ اعلم

اسحٰق بن بشر نے محمد بن اسحٰق اور زہری کے حوالے سے سلیمان علیہ السلام کی عمر ان کی وفات کے وقت باون سال بتائی ہے اور ان کا دورِ حکومت چالیس سال بیان کیا ہے جب کہ اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے ابوروق نے عکرمہ اور ابوعباس علیہ السلام کے حوالے سے بیان کیا کہ سلیمان علیہ السلام کی عمر ساڑھے پچاس سال ہوگئی اور انہوں نے صرف بیس سال حکومت کی۔ واللہ اعلم

ابن جریر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی حکومت کے چوتھے سال بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے رحبعام نے سترہ سال حکومت کی جس میں بنی اسرائیل نے کوئی رخنہ اندازی کی نہ ان میں باہم کسی قسم کے اختلافات پیدا ہوئے لیکن اس کے بعد ان کی مملکت قائم نہ رہ سکی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ؟

داؤد و سلیمان علیہ السلام کے بعد اور زکریا و یحییٰ علیہ السلام سے قبل بنی اسرائیل کی ایک جماعت انبیاء علیہم السلام کا ذکر جن کے ادوار نبوت نامعلوم ہیں

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ داؤد و سلیمان علیہ السلام کے بعد اور زکریا و یحییٰ علیہ السلام سے قبل بنی اسرائیل کی جماعت انبیاء میں سے پہلے نبی کا نام شعیا بن امصیا تھا اور ان کا شمار بنی اسرائیل کے ان انبیاء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے بعد علی الترتیب عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت دی تھی۔

شعیا بن امصیا کے زمانے میں بنی اسرائیل کا بادشاہ خرقیا تھا جو اپنے زمانے کے نبی شعیا کی مذہبی اوامر و نواہی کے جملہ معاملات میں اطاعت کیا کرتا اور اپنی قوم کو ان کی پابندی کا حکم دیا کرتا تھا اور اسی وجہ سے تمام بنی اسرائیل اسے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور وہ ان میں بہت مقبول تھا۔

کچھ عرصہ بعد خرقیا کے ٹخنے میں قرحہ پیدا ہوا اور وہ شدید مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اسی زمانے میں بابل کے بادشاہ سخاریب نے بیت المقدس پر حملے کا ارادہ کیا اور محمد ابن اسحٰق کے بقول اس نے چھ لاکھ فوجیوں کے ساتھ بنی اسرائیل پر چڑھائی کر دی اور بیت المقدس میں اتنی لوٹ مار کی کہ بنی اسرائیل چیخ پڑے۔

حزقیا نے شعیا بن امصیا علیہ السلام سے اس کے تدارک کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ انہیں اس بارے میں وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف سے کوئی حکم نہیں ملا' اس لیے وہ اس کے بارے میں فی الوقت کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن عین ممکن ہے کہ بعد میں کوئی حکم آ جائے۔ البتہ کچھ ہی دن بعد انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ شعیا سے کہیں کہ اپنے بعد کسی کو حسبِ منشا اپنا جانشین بنا دے۔

جب حزقیا کے خیال میں اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے قبلہ رو ہو کر تسبیح و تہلیل شروع کر دی اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی شعیا کے ذریعہ اسے اطلاع دی کہ اس کی دعا قبول ہوئی اور اسے حکم دیا کہ وہ اپنے ٹخنے پر جس میں قرحہ کی وجہ سے (لاعلاج) زخم ہو گیا ہے انجیر کا عرق لگائے۔

جب اس نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی تو اسے بحکم خداوندی شفائے کامل حاصل ہو گئی اور دوسری طرف سخاریب کی فوج کے سارے سپاہی اس کے اور اس کے پانچ ساتھیوں کے سوا بحکم خداوندی ہلاک ہو گئے۔ سخاریب اور اس کے پانچوں ساتھیوں کو جن میں بخت نصر بھی شامل تھا گرفتار کر کے شہر بہ شہر پابہ زنجیر پھرایا گیا اور خوراک میں انہیں ستر روز تک پی کس روٹی جو دیئے گئے جس کے بعد انہیں قید میں ڈال دیا گیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کے بادشاہ خرقیا کو اللہ تعالیٰ کے نبی شعیا علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ وہ سخاریب اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر کے ان کے ملک بھیج دے تاکہ وہ اپنی قوم کے لیے عبرت کا سبب بنیں چنانچہ خرقیا نے انہیں قید سے رہا کر کے ان کے ملک جانے کی اجازت دے دی۔

سخاریب نے بابل پہنچ کر اپنی قوم کے لوگوں کو جن میں جادوگر اور کاہن بھی شامل تھے جمع کر کے انہیں اپنے مصائب کا حال سنایا تو ان میں جو نجومی تھے وہ بولے کہ انہوں نے اسے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل پر کوئی کتنا ہی شہ زور ہو فتح نہیں پا سکتا کیونکہ انہیں ان کے انبیاء اور ان کے رب کی امداد حاصل ہے جن پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ کاہنوں اور نجومیوں سے یہ سن کر سخاریب خوف سے لرزہ براندام ہو کر رہ گیا اور اس سات سال بعد ہی وہ مر گیا لیکن اس دوران میں خود بنی اسرائیل میں تفرقے پڑ گئے جس کی وجہ سے ان کے دشمن پھر سر اٹھانے لگے جس پر جناب شعیا علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنی قوم کے لوگوں کو جمع اور انہیں وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ لیکن جونہی وہ اپنا خطبہ ختم کر کے منبر سے اترے انہی کی قوم کے لوگ انہیں قتل کرنے کے ارادے سے ان کی طرف دوڑے لیکن وہ ان سے بچ کر ایک طرف بھاگ نکلے اور راستے میں ایک درخت کو حکم دیا کہ وہ اپنے تنے میں شگاف پیدا کر کے ان کی حفاظت کا ذریعہ بن جائے۔ ان کے اس حکم پر وہ درخت تنے کے حصے میں دو برابر ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا اور وہ اس میں سما گئے تو وہ شگاف خود بخود بند ہو گیا لیکن اتفاقاً ان کے پیراہن کے دامن کا ایک ٹکڑا باہر رہ گیا جس سے ان کے تعاقب میں آئے والوں کو ان کی جائے پناہ کا پتا چل گیا۔ تاہم وہ سوچنے لگے کہ انہیں درخت سے باہر کیونکر نکالا جائے۔ ان کی یہ مشکل شیطان مردود نے حل کر دی اور انہیں بتایا کہ اس درخت کے تنے کو درمیان سے چیر دیا جائے۔ شیطان لعین کے اس مشورے پر ان کے دشمنوں نے جب اس درخت کے تنے کو درمیان سے چیرا تو بہ قضائے الٰہی شعیا علیہ السلام بھی دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ○

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قصہ ارمیا بن حلقیا علیہ السلام

ارمیاؑ بن حلقیا بھی بنی اسرائیل کے انہی انبیاء میں شامل ہیں جن کا ذکر زیر نظر باب کی افتتاحی سطور میں کیا گیا ہے۔ وہ لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

کہا گیا ہے کہ خضر علیہ السلام درحقیقت وہی تھے لیکن یہ بڑی عجیب وغریب روایت ہے جو صحیح نہیں ہے۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جب انہیں یحییٰ بن ذکریا کے خلاف فتنہ سازی کی خبر ملی تو وہ بھاگ کر دمشق کی طرف چلے گئے تھے جہاں وہ کچھ دن ٹھہرے اور پھر پانی میں اتر کر غائب ہو گئے۔

ابوبکر بن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے علی بن ابی مریم نے احمد بن حباب اور عبدالرحمٰن کے حوالے سے بیان کیا کہ ارمیاؑ وہی تھے جن کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ:

''اے میرے پروردگار! میں تیرے بندوں کے بارے میں چاہتا ہوں کہ وہ تیرے محبوب بندے بن جائیں' ان میں سے اکثر یہی کہتے ہیں کہ وہ تیرا ذکر کر ذکر خلائق چھوڑ کر اسی طرح کریں جس طرح میں تیرا ذکر کرتا ہوں' یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں موت پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور جو دائمی بقاء کے لیے فنا ہو جانے پر ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ انہیں اگر دنیا کا عیش حاصل ہو تو اس پر قناعت کرتے ہیں اور اگر وہ ان سے چھن جائے تب بھی خوش رہتے ہیں۔ اے میرے رب! ان لوگوں کو میری محبت دے اور انہیں ان کی خواہش سے زیادہ عطا فرما''۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بیت المقدس کی تباہی کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا:

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ بے شک نوح علیہ السلام ہمارے شکر گزار بندے تھے۔ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے پس جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دیئے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے دوسری بار تم کو ان پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔ اگر تم نیکوکاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے کرو گے۔ اور اگر اعمال بد کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری ہی جانوں پر ہوگا۔ پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے) تاکہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں اسے تباہ کر دیں' اُمید ہے تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے۔ اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (پہلا سا سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے''۔ (۱۵:۲-۸)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل میں معاصی کی کثرت ہونے لگی تو انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کو جنہیں ارمیا کے نام سے پکارا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ ظہر اور عصر کے درمیان اپنی قوم کو جمع کر کے ان سے کہیں کہ ان کے دل تو ہیں لیکن وہ احساس سے خالی ہیں' ان کی آنکھیں ہیں لیکن وہ دیکھ نہیں سکتے۔ ان کے دو کان بھی ہیں لیکن وہ سننے سے قاصر ہیں' وہ بھول گئے کہ ہم نے ان کے اسلاف کو عزت بخشی تھی لیکن وہ اب اپنے اسلاف کی روش چھوڑ کر پھر معاصی پر اتر آئے ہیں' ان کے کاہنوں نے انہیں دوبارہ شرک پر مائل کر دیا ہے تو ہم بھی اپنے جلال کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اب ہم ان کی حرکات کے مطابق ان سے سلوک کریں گے' ہم ان کے اوپر ایک جابر حاکم کو مسلط کر دیں گے جو باہر سے آئے گا جس کے ساتھ بادلوں کی طرح فوج اُمڈ کر آئے گی' اس کے گھوڑے اور دوسرے سواری کے جانور موج در موج ہوں گے۔ اس کے سوار پھریرے اڑاتے آئیں گے اور چشم زدن میں تمہاری عمارتوں کو منہدم کر دیں گے' وہ تمہاری بستیوں کو ویرانوں اور خرابوں میں تبدیل کر دیں گے۔ اس کے بعد تمہاری ساری شان و شوکت خاک میں مل جائے گی' تمہاری عورتیں خوشبوؤں کی جگہ اپنے چہروں پر مٹی ملا کریں گی' ہمارے حکم سے آسمان تمہارے لیے لوہے کا بن جائے گا' تمہاری کھیتی باڑی کی زمینیں سنگلاخ بن جائیں گی' تمہارے لیے نہ آسمان سے ایک قطرہ بارش ہوگی نہ تمہاری زراعتی زمینوں سے غلے کا ایک دانہ اُگے گا نہ سبزی اُگے گی۔ البتہ جانوروں کے لیے ہم اپنی رحمت سے زمین کی درازوں میں سے گھاس اُگا دیا کریں گے۔ ہم اس وقت تمہاری طرف سے قطعاً اپنا رُخ پھیر لیں گے اور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تمہاری فریاد پر بالکل توجہ نہیں دیں گے۔

اس روایت کو ابن عساکر نے انہیں الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اسحٰق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں ادریس نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بتایا کہ ارمیاؑ کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل نہ صرف طرح طرح کی بداعمالیوں اور معاصی میں مبتلا ہو گئے تھے بلکہ قتل انبیاء کے بھی مرتکب ہوئے تھے اور یہی ان کے زوال کا باعث ہوا تھا لیکن ارمیاؑ کے ذریعہ انہیں اپنے عذاب و انتقام سے ڈرانے کے باوجود جب بنی اسرائیل اپنی حرکات قبیح سے باز نہ آئے تو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' یہ ان پر عذاب الٰہی کی نشاندہی ہی تھی کہ بخت نصر کو بیت المقدس فتح کرنے کی سوجھی اور اس نے سخاریب کو جو اس وقت بابل کا بادشاہ تھا بنی اسرائیل پر فوج کشی کا مشورہ دیا اور خود بھی اس کے ساتھ بنی اسرائیل پر چڑھ دوڑا اور انہیں طرح طرح سے ذلیل و خوار کیا۔ تاہم جب خرقیا یعنی بنی اسرائیل کے بادشاہ نے ارمیا علیہ السلام سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی دعا و التجا کی وجہ سے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' ان کے شر سے سخاریب و بخت نصر کی بلا ٹال دی تھی لیکن وہ پھر اپنی انہی قبیح حرکات میں پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ارمیاؑ پر وحی بھیج کر آخری بار متنبہ کیا اور اپنی قدرت کاملہ' جلال و جبروت اور قہاری کے حوالے سے انہیں ڈرایا لیکن وہ اتنے ڈھیٹ تھے کہ اپنی ضد پر اڑے رہے اور ارمیاؑ کو کاذب ٹھہرانے لگے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کے عالم' قاری اور واعظ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے حتیٰ کہ انہوں نے ارمیا علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا۔

چنانچہ ان تمام باتوں کے بعد ہی عذاب الٰہی ایک بار پھر بخت نصر کی شکل میں ان پر نازل ہوا اور اس نے اب کے ایک پہلے سے زیادہ لشکر جرار کے ساتھ بیت المقدس پر حملہ کیا اور وہاں قتل و غارت کی انتہا کر دی' سینکڑوں بلکہ ہزاروں لاکھوں کو جن میں جوان اور بوڑھے سبھی شامل تھے تہ تیغ کیا' پانی میں غرق کیا یا اپاہج کر دیا' بنی اسرائیل کی مستورات کو سر بازار پھرا کر ذلیل کیا' ان کی تمام شاندار عمارتیں منہدم کر دیں' بیت المقدس میں گھوڑے باندھے' سور ذبح کیے اور طرح طرح کی دوسری ناگفتہ بہ قبیح حرکات اپنے اور اپنی فوج کے لیے مباح کر لیے' اس نے نہ صرف بنی اسرائیل کے سارے قلعے بلکہ مساجد تک کو مسمار کیے بغیر نہ چھوڑا۔

غرض اب کے بنی اسرائیل پر ایسا عذاب آیا جس کا وہ کبھی تصور بھی نہ کر سکتے تھے بس یوں سمجھیے کہ اس نے بنی اسرائیل کے بچے بچے کو فنا کر کے رکھ دیا' اس نے بنی اسرائیل کے سرداروں اور بادشاہوں کے ستر ہزار جوان لڑکوں کو صرف بیت المقدس میں قتل کیا۔ وہ جب اس قتل و غارت گری سے فارغ ہو کر بابل کو لوٹا تو اس کے ساتھ ان قیدیوں کی تعداد جنہیں اس نے گرفتار کر کے غلام بنا لیا تھا حسب ذیل تھی:

داؤد کے خاندان کے سات ہزار' یوسف بن یعقوب اور ان کے بھائی بنیامین کے خاندان کے گیارہ ہزار' عیشی بن یعقوب کے خاندان کے آٹھ ہزار' حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹوں زبالون اور نفتالی کے خاندان کے چودہ ہزار' دان بن یعقوب کے خاندان کے چودہ ہزار' یستاخرین یعقوب کے خاندان کے آٹھ ہزار' زبالون بن یعقوب کے خاندان کے خصوصی نوجوان دو ہزار' روبیل اور لاوی کے خاندان کے چار ہزار اور ان کے علاوہ بنی اسرائیل کے دوسرے خاندانوں کے بارہ ہزار۔ اس کے علاوہ بخت نصر بیت المقدس سے بنی اسرائیل کا مال وزر اور دوسرا سامان جو مال غنیمت سمجھ کر بابل لے گیا تھا وہ حد و شمار سے باہر تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اسحاق بن بشر وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب بخت نصر بیت المقدس میں وہ سب کچھ کر چکا جو اسے کرنا تھا تو بنی اسرائیل کے کچھ باقی ماندہ لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے مقابل آنے والوں کو توقتل کر چکا ہے یا غرق آب کر چکا ہے لیکن اسے اس شخص کی کچھ خبر نہیں جو بنی اسرائیل کے صاحبان اقتدار کو ان کی بداعمالیوں سے روکا اور خدا کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے تو انہوں نے اسے قید کر دیا تھا اور وہ ابھی تک قید خانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں سے یہ سن کر بخت نصر نے ارمیاؑ کو قید سے رہائی دے کر کہا:

''یہ کیسی بری قوم ہے جس نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور قتل کیا بلکہ خود اس ذات پاک کی بھی تکذیب کی جس نے انہیں ان کی اصلاح کے لیے نبی بنا کر بھیجا تھا''۔

بقول راوی ارمیاؑ نے بخت نصر سے کہا کہ وہ ان سے ڈرے تھے جنہوں نے انہیں قید کیا تھا نہ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ روئے زمین پر خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے بخت نصر کے جانے کے بعد ارمیاؑ حسب سابق ایلیا میں اپنے مکان میں رہنے لگے تھے۔ تاہم یہ روایت غریب ہے اور اس میں صرف مواعظ اور سبق آموزی شامل ہیں۔ (مؤلف)

ہمارے مذکورہ بالا راویوں کے علاوہ اکثر دوسرے مؤرخین نے بھی بخت نصر کے فارسی النسل ہونے' اس زمانے کے شاہ ایران کی طرف سے رومی سرحدوں کے علاقے میں اس کے نائب السلطنت ہونے' فلسطین' شام' مصر' بعض رومی و مغربی علاقوں خصوصاً دمشق پر جہاں بنی اسرائیل دوسرے علاقوں کے علاوہ کثیر تعداد میں اس کی قتل و غارت سے بچ کر روپوش ہو گئے تھے اس کی فوج کشی اور ان تمام مقامات پر اس کی بیت المقدس کی طرح قتل و غارت گری کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ غرض بخت نصر بنی اسرائیل پر جہاں جہاں بھی وہ گئے تھے بلائے ناگہانی بن کر ٹوٹا تھا اور انہیں کہیں چین سے بیٹھنے کی مہلت نہیں دی تھی جس کی وجہ سے وہ ایک عرصے تک جگہ جگہ مارے پھرتے تھے لیکن جہاں جہاں بھی وہ گئے تھے اس قہر الٰہی نے جو بیت المقدس میں ان کی بد اعمالیوں کی بناء پر ان پر عذاب بن کر نازل ہوں مدتوں تک کہیں ان کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

ابن کلبی کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل بیت المقدس سے نکل کر دنیا میں ادھر ادھر پھیلے تو ان کا ایک گروہ حجاز میں مکہ معظمہ' مدینہ منورہ بھی آ گیا تھا اور انہی میں سے کچھ لوگ وادی قریٰ میں بھی آباد ہو گئے تھے لیکن جب اس کی خبر مصر میں بخت نصر کو ہوئی تو اس نے والی حجاز کو لکھا کہ وہ ان شر و فساد کی بنیاد رکھنے والے لوگوں کو گرفتار کر کے مصر بھیج دے تاکہ وہ ان کا بالکل ہی قلع قمع کر دے لیکن جب والی حجاز نے اس سے انکار کیا تو وہ حجاز پر بھی حملہ آور ہوا تھا اور اس کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔

ابن کلبی نے اس روایت کے آخر میں بتایا ہے کہ بخت نصر' مصر' بلادِ مغرب' بیت المقدس اور فلسطین کے دیگر علاقوں اور اردن تک قتل و غارت گری کے بعد دانیال کے سرحدی علاقوں تک جا پہنچا تھا۔

ظاہر ہے کہ اس روایت میں دانیال سے ابن کلبی کی مراد جیسا کہ وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے' دانیال اکبر کی بجائے دانیال اصغر ہے۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ذکر دانیال علیہ السلام سے بعض واقعات کا ذکر

ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے احمد بن عبدالاعلیٰ شیبانی نے بیان کیا اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ اگر وہ مجھ سے یہ بات شعیب بن صفوان براہِ راست بیان نہ کرتے تو یقیناً مجھ سے میرے بعض ساتھی اجلح الکندی اور عبداللہ بن ابی الہذیل کے حوالے سے بیان کرتے کہ بخت نصر نے اپنے مقابلے میں شیر نر کی طرح آنے والے دو انتہائی بہادر آدمیوں کو بمشکل پکڑ کر ایک کنویں میں لٹکا دیا اور اس کے بعد جب اس نے کسی نہ کسی طرح حضرت دانیال علیہ السلام پر بھی قابو پالیا تو ان آدمیوں کے اوپر اس کنویں میں انہیں بھی لٹکا دیا۔

ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کے مطابق حضرت دانیال علیہ السلام کو بھوک پیاس ستانے لگی، لیکن انہوں نے جہاں تک ہوسکا صبر کیا۔ ان کے اس صبر و استقامت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے جناب ارمیا علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کو کھانا پانی پہنچائیں۔ جناب ارمیاؑ نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سن کر اس سے عرض کیا کہ وہ انہیں کھانا پانی کس طرح پہنچا سکتے ہیں جب کہ بخت نصر نے انہیں سرزمین عراق یا بابل کے قریب دمشق میں قید کر رکھا ہے اور وہ (ارمیاؑ) ان سے اتنی دور ارض مقدس میں ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے ارمیاؑ کو حکم دیا کہ وہ جو کھانے پینے کی اشیاء ارمیاؑ کو بھیجا کرے وہ انہیں اپنے طور پر دانیال علیہ السلام کو پہنچا دیا کریں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کے اور ان اشیاء کے حمل ونقل کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔

چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اشیائے خورد و نوش ارمیاؑ کو ملیں اور اللہ تعالیٰ نے ارمیاؑ اور ان اشیاء کو اپنی قدرت سے مذکورہ بالا کنویں تک پہنچا دیا لیکن جب وہ پہلی بار اس کنویں کی من پر پہنچے تو دانیالؑ نے ان کی آہٹ سن کر پوچھا: ”تم کون ہو؟“۔

ارمیاؑ نے جواب دیا: ”میں ارمیا ہوں“۔

دانیال علیہ السلام نے دریافت کیا:

”تم یہاں تک کس طرح پہنچے اور تمہیں کس نے پہنچایا؟“۔

ارمیا علیہ السلام نے جواب دیا:

”مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ تک پہنچایا ہے“۔

دانیال علیہ السلام بولے:

”تو پھر اس نے تم سے میرا ذکر بھی ضرور کیا ہوگا“۔

ارمیا علیہ السلام نے کہا: ”جی ہاں کیا ہے“۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ارمیا علیہ السلام سے یہ سن کر دانیال علیہ السلام بولے:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اپنے ذکر کرنے والوں کو فراموش نہیں فرماتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو اس سے امید کرتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو شخص اس پر توکل کرتا ہے وہ کسی دوسرے پر توکل کرنے کا محتاج نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ احسان کی جزا احسان سے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کو صبر کی جزا میں نجات دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ تکلیف کے بعد راحت پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جب ہم خود اپنے اعمال بد کی وجہ سے بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ ہمیں اس بدگمانی سے دور کر کے یقین کی منزل تک پہنچا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جب ہماری ہر امید منقطع ہو جاتی ہے تو وہ ہمیں از سر نو امید دلاتا ہے"۔

یونس بن بکیر محمد بن اسحٰق اور ابی خلد بن دینار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر دونوں کو ابوالعالیہ نے بتایا کہ جب انہوں نے یعنی اسلامی افواج نے تستر فتح کیا تو ابوالعالیہ کے بقول ہرمزان کے گھر میں انہیں جو سامان ملا اس میں ایک سخت بھی تھا جس پر کسی شخص کی میت رکھی ہوئی تھی اور اس میت کے سرہانے ایک مصحف آسمانی بھی تھا جسے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے کعب (بن احبار) کو بلا کر اس کا عربی رسم الخط میں ترجمہ کرایا۔

اس روایت کے آخر میں ابوالعالیہ سے منقول ہے کہ وہ پہلے شخص تھے جس نے اس مصحف کو اس طرح پڑھا جس طرح قرآن پڑھا جاتا ہے۔ پھر جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اس میت کا کیا ہوا جس کے سرہانے وہ مصحف رکھا ہوا پایا گیا تھا اور اس مصحف میں کیا لکھا تھا؟ تو وہ بولے کہ اس مصحف میں وہ احکام تھے جو اس زمانے کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام پر وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کی امت کی ہدایت کے لیے نازل فرمائے تھے اور وہ میت خود حضرت دانیال علیہ السلام کی تھی۔ اس میت کو دیکھنے کے بعد انہوں نے ہرمزان کے محل کے احاطے میں تیرہ قبریں اور دیکھیں لیکن انہیں کھدواتے رات ہو گئی تاہم اس کے سوا کہ ان قبروں میں سے ان میں مدفون اشخاص کے ناموں کی سنگی لوحیں تو ملیں مگر ان کی نشان دہی کوئی نہ کر سکا البتہ اس میت کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کی تھی۔

جب ان سے دریافت کیا گیا کہ انہوں نے اس میت کو دیکھ کر یہ کیسے اندازہ لگایا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کی تھی جب کہ ان کے زمانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک پورے تین سو سال گزر چکے تھے اور آخر الذکر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک مزید چار سو سال گزر چکے ہیں۔ تو وہ بولے کہ وہ صرف انبیاء علیہم السلام کی میتیں ہوتی ہیں جو صدیاں گزرنے کے باوجود صحیح وسالم رہتی ہیں نہ انہیں مٹی خراب کر سکتی ہے اور نہ ان کا گوشت درندے کھا سکتے ہیں۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ دانیال علیہ السلام کی میت کس حالت میں تھی تو انہوں نے بتایا کہ ان کی سر کی گدی سے کچھ بال ضرور اڑ گئے تھے لیکن ان کے علاوہ نہ صرف گوشت پوست سالم تھا بلکہ اس پر بال بھی پہلے کی طرح موجود تھے بہر کیف ہم نے انہیں دفن کر دیا تھا۔

آخر میں وہ بولے کہ ازمنہ قدیم کے دوسرے انبیاء اور اللہ کے صالح بندوں کا بھی اسی طرح پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابوبکر بن ابی الدنیا اپنی کتاب ''احکام القبور'' میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابوبلال بن حارث بن عبداللہ ابن ابی بردہ بن ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ابومحمد القاسم بن عبداللہ نے ابی اشعث الاحمری کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دانیال علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ انہیں امت محمدیہ کے لوگ دفن کریں۔

جب ابوموسیٰ اشعری نے تستر فتح کیا تو انہیں آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد یاد آیا اور یہ بھی یاد آیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جو شخص دانیال علیہ السلام کی نشان دہی کرے گا وہ جنتی ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے وہاں ان کی میت یا قبر کی تلاش شروع کر دی اور انہیں وہ تابوت مل گیا جس میں ان کی میت رکھی ہوئی تھی جو بالکل صحیح وسالم تھی اور ان کے سرہانے وہ مصحف آسمانی رکھا ہوا تھا جو ان پر نازل ہوا تھا اور وہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے اسے عربی زبان میں منتقل کرا کے پڑھا تھا اور پھر اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجوایا تھا۔ اسی روایت میں یہ بھی درج ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دانیال علیہ السلام کی میت کو شناخت کے لیے تستر کے کچھ بوڑھے لوگوں کو طلب کیا تھا اور انہوں نے انہیں بتایا تھا کہ دانیال علیہ السلام کے زمانے کے بادشاہ نے یوں تو بے شمار لوگوں کو قتل کرایا تھا لیکن دانیال علیہ السلام کو وہ انگوٹھی دیکھ کر چھوڑ دیا تھا جو ان کے ہاتھ میں تھی جس کے نگینے پر ان کی تصویر تھی اور اس کے دونوں طرف دو شیروں کی تصویریں تھیں جو زبانیں باہر نکالے ان کے پاؤں چاٹ رہے تھے۔

جن لوگوں کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دانیال علیہ السلام کی میت کو شناخت کے لیے طلب کیا تھا انہوں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ ان کے بزرگوں سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ ایسی انگوٹھی صرف دانیال علیہ السلام ہی پہنا کرتے تھے اور اس کے نگینے پر جو نقش تھا وہ اس بات کی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کی حفاظت کرتا ہے انہیں شیر تک نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ ان کے پاؤں اپنی زبانوں سے چاٹنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دانیال علیہ السلام کی میت دفنانے سے پہلے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک بہت گہری خندق کھدوائی تھی اور پھر چار چار جنگلی جانور دو مرتبہ مروا کر اس میں اس طرح دفن کیے تھے کہ ان کے مدفن انسانوں کی قبریں معلوم ہوں اور پھر ان قبروں کے درمیان حضرت دانیال علیہ السلام کو دفن کرایا تھا تا کہ ان کی میت کی پھر کبھی بے حرمتی نہ ہو۔

اس روایت کے آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو مال غنیمت تستر میں ملا تھا وہ انہوں نے شریعت کے مطابق خمس نکال کر اپنے فوجیوں میں حصہ رسد تقسیم کر دیا تھا لیکن حضرت دانیال علیہ السلام کی وہ انگوٹھی بطور یادگار خود پہن لی تھی۔ ابوموسیٰ اشعری کی وفات کے بعد جب وہ انگوٹھی ان کی والدہ کو دکھائی گئی تو انہوں نے بتایا کہ ان کے بیٹے اس انگوٹھی کو ہمہ وقت پہنے رہتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ وہ انہیں دانیال علیہ السلام کی میت تلاش کرنے کے بعد ان کی انگلی سے ملی تھی اس لیے وہ اسے ان کی یادگار کے طور پر ہمہ وقت پہنے رہتے ہیں۔

اس روایت کی اسناد ثقہ لوگوں پر مشتمل ہے اور اسے متفقہ طور پر روایت حسن تسلیم کیا گیا ہے۔ (مؤلف)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اپنی سرزمین کے تحفظ‘ قومی سلامتی اور بیت المقدس کی از سر نو تعمیر کے لیے وہاں سرداران بنی اسرائیل کا اجتماع

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اس شخص کو نہیں (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاق سے گزر ہوا۔ تو اس نے کہا کہ خدا اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا۔ تو خدا نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو جلا اٹھایا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ خدا نے فرمایا (نہیں) بلکہ سو برس مرے رہے ہو۔ اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق سڑی بسی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیونکر جوڑ دیتے اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں۔ جب یہ واقعات اس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے“۔ (۲۵۹:۲)

پہلے اس ارشاد باری تعالیٰ پر غور فرمایئے پھر بیت المقدس کی تباہی کے بعد اس کی از سر نو تعمیر کے سلسلے میں ہشام بن کلبی کی بیان کردہ درج ذیل روایت کو بغور ملاحظہ کیجیے وہ بیان کرتے ہیں کہ بیت المقدس کی تباہی اور وہاں بنی اسرائیل کے قتل عام اور لاکھوں افراد کو قیدی بنا کر بابل لیے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کو جنہیں بخت نصر اور بابل کے بادشاہ نے قید سے رہا کر دیا تھا۔ وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کو از سر نو تعمیر کریں تو انہوں نے وہاں پہنچ کر اسے بالکل ایک خرابے کی صورت میں پایا تو وہ سوچنے لگے کہ اس کی پہلی بار تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ تعمیر فرما دیا تھا جس کی خبر اس نے مجھے وحی کے ذریعہ دی ہے لیکن اسی نے اس کی پھر تباہی کے بعد اب مجھے یہاں آ کر اس کے از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے‘ پہلے یہ کب تباہ ہوا ہوگا جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے کتنے عرصے بعد تعمیر فرمایا ہوگا‘ اور اب مجھے اس کی از سر نو تعمیر میں نہ جانے کتنا عرصہ لگ جائے۔ یہ سوچتے سوچتے انہیں نیند آ گئی اور اسی نیند کی حالت میں انہیں ستر سال گزر گئے۔ ارمیا علیہ السلام اپنے ساتھ اپنا گدھا اور کھانا بھی بیت المقدس لے گئے تھے۔

بہرکیف اب بخت نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی کو ایک سو بیس سال سے زیادہ گزر چکے تھے اور اس دوران میں بابل کا وہ پہلا بادشاہ جس کے ساتھ رہ کر بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا مر چکا تھا اور بادشاہت اس کے بیٹے لہراسپ کے حصے میں آئی تھی۔ پھر اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا بشتاسپ بابل کا بادشاہ ہو گیا تھا اور اس نے بابل پر ایک سو بیس سال حکومت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کی تھی جب کہ اس سے قبل لہراسپ کے زمانے میں بخت نصر بھی فوت ہو چکا تھا۔ تاہم بشتاسب نے بابل سے شام جا کر دمشق کی ویرانی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور یہ بھی دیکھا تھا کہ اس کے کھنڈرات میں درندوں نے بسیرا کر لیا ہے بلکہ اس تمام عرصے میں سر زمین فلسطین کی بھی یہی حالت ہو چکی تھی اور وہاں بھی کوئی فرد بشر نظر نہیں آتا تھا۔

یہ دیکھ کر بشتاسب نے بنی اسرائیل کے ان لوگوں کو جنہیں بخت نصر بیت المقدس سے گرفتار کر کے اور غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا آزاد کر کے یہ اجازت دے دی تھی کہ ان میں سے جو چاہے وہاں سے اپنی آبائی سرزمین فلسطین واپس جا سکتا ہے چنانچہ وہ لوگ فلسطین واپس آ گئے تھے اور انہوں نے وہاں جگہ جگہ کئی شہر بھی آباد کر لیے تھے بلکہ جہاں تک ہو سکا تھا بیت المقدس کی بھی از سر نو تعمیر کر لی تھی اور اس دوران میں آل داؤد ہی کا ایک شخص ان کا حکمران رہا تھا۔

جب ارمیا علیہ السلام اپنی ستر سالہ نیند سے بحکم خداوند تعالیٰ بیدار ہوئے تو وہ سب دیکھ کر حیران رہ گئے اور پکار اٹھے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہشام ابن کلبی اپنی اس روایت میں مزید بیان کرتے ہیں کہ بابل سے واپسی کے بعد بنی اسرائیل نے ایک بار پھر بیت المقدس میں قدم جما لیے تھے لیکن جب ان میں پہلے کی طرح پھر طوائف الملوکی پھیلی تو رومیوں نے ان پر حملہ کر کے ایک بار پھر بیت المقدس کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا تھا اور وہاں کے اکثر لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہی تھے قتل کر کے وہاں تباہی مچا دی تھی۔

ہشام ابن کلبی نے اس روایت میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ بابل کا بادشاہ لہراسپ جس نے بنی اسرائیل کو آزاد کر کے بیت المقدس جانے کی اجازت دی تھی بہت دانش مند حکمران تھا اور اس نے بابل میں بہت سے خوب صورت شہر آباد کرنے اور وہاں کثرت سے شان دار عمارات تعمیر کرنے کے علاوہ متعدد قلعے بھی تعمیر کیے تھے نیز یہ کہ اس کے بیٹے بشتاسب کے زمانے میں جب لہراسپ کی مملکت روبہ زوال ہوئی تو رومیوں کو جن میں نصرانیت ظہور پذیر ہو چکی تھی بیت المقدس پر حملہ کرنے اور اسے تباہ کرنے کا قصد کیا تھا۔

ہشام بن کلبی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بشتاسب کے زمانے ہی میں فارس میں ایک شخص زرتشت نامی نے اہل فارس کو مجوسیت کی تلقین کی تھی اور اس کے بہت سے پیروکار آج بھی ہندوستان و ایران میں پائے جاتے ہیں۔ [1]

---

[1] اس روایت کو مزید بڑھا کر بعض راویوں نے اسی زرتشت کو جو بشتاسب کو آذربائیجان میں ملا تھا اور اسے مجوسیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ارمیا علیہ السلام کی بددعا سے وہ مبروص ہو گیا تھا اور اہل فارس نے ہی جن میں خود اس کے بزرگ بھی شامل تھے اسے قتل کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے نبی ابراہیم الزرتشت بتایا ہے جو صریحاً غلط ہے کیونکہ ابراہیم الزرتشت کا شمار بنی اسرائیل کے ان انبیاء میں ہوتا ہے جو داؤد اور سلیمان علیہم السلام اور زکریا و یحییٰ علیہم السلام سے قبل بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے۔ وہ درحقیقت قفقاز کی نہر الرس کی وادی میں پیدا ہوئے تھے۔ جس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے "اصحاب الرس" فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ رس' الرس کا مخفف ہے۔ بہرکیف ابراہیم الزرتشت وادی رس میں پیدا ہوئے اور وہیں مبعوث ہوئے تھے ان کی کتاب قدیم فارسی زبان میں ہے اور پہلی آسمانی کتابوں اور صحائف کی طرح احکام و ہدایات پر مشتمل ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا بھی ذکر اور بشارت ہے لیکن مجوسیوں نے یہ سمجھ کر کہ یا تو وہ کسی پہلے نبی کا ذکر ہے یا خود اس زرتشت کا جس نے ایران میں مجوسیت کی تلقین کی تھی اور اسی التباس کی وجہ سے پارسی قوم اس کاذب نبی کی پیروی کرنے لگے۔ اس بات کو ادیان و مذاہب کے عالم بخوبی سمجھتے ہیں۔ (فرج اللہ زکی الکردی)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بشتاسب کے بعد اس کا بیٹا بہمن بن بشتاسب بادشاہ ہوا تھا لیکن فارس و بابل کے یہ تینوں بادشاہ بخت نصر ہی کے زیر اثر رہے حتیٰ کہ وہ طویل عرصے تک سیاہ و سفید کا مالک رہ کر دنیا سے روسیاہی سمیٹ کر کوچ کر گیا۔

یہاں اس روایت کو پیش کرنے کا اصل مقصد اس گاؤں کا ذکر کرنا تھا جہاں سے ایک شخص نے گزرتے ہوئے اسے مسمار و منہدم دیکھ کر یہ سوچا تھا کہ خدا اس کے باشندوں کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا اور جب وہ وہیں سو سال تک مردہ رہ کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھر زندہ ہو گیا تھا اور اس نے اقرار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی طرح ارمیا علیہ السلام نے بیت المقدس میں ستر سال تک بحالت خواب گزارنے کے بعد بیدار ہو کر جب بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر شدہ دیکھا تھا تو کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔

اس روایت کو اس کے سیاق کے ساتھ ابن جریر نے بھی بیان کیا ہے اور اس میں متعدد مستند حوالے پیش کیے ہیں جن میں عبداللہ بن سلام، ابن عباس، حسن، قتادہ السدی سلیمان اور ابن بریدہ وغیرہم کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور ابراہیم زرتشت کو بنی اسرائیل کے نبی بتایا ہے اور یہی بات بہت سے اسلاف و اخلاف میں مشہور ہے۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قصہ عزیز علیہ السلام

حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے عزیز علیہ السلام کا پورا مشہور تاریخی نام عزیز بن جزوہ بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ انہیں بن سوریق بن عدیا بن ایوب بن درزنا بن عری بن تقی بن اسبوع بن فنحاص بن عازر بن ہارون بن عمران اور عزیز بن سرخا بھی کہا جاتا تھا اور ان کی قبر دمشق میں بتائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ابن عساکر ہی نے ابی القاسم بغوی کی طرح داؤد بن عمرو حبان بن علی محمد بن کریب اور ان کے والد نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کے اس نسبت نامے کی شہرت کے باوصف یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بنی اسرائیل کے نبی تھے یا نہیں یا وہ خود کسی کا اتباع کرتے تھے یا انہیں کسی نے غلام کی حیثیت سے خریدا یا فروخت کیا تھا کیونکہ موئل بن حسن کی بہ اسناد روایت کے مطابق مشہور ہے کہ بخت نصر دوسرے بنی اسرائیل کے لوگوں کے ساتھ انہیں بھی بیت المقدس سے غلام بنا کر بابل لے گیا تھا لیکن پھر انہی کے ساتھ وہ بھی آزاد کر دیئے گئے تھے۔

بہرکیف ابن عساکر کی اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ یعنی عزیز علیہ السلام چالیس سال کی عمر کو پہنچے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت زیادہ حکمت سے نوازا تھا اور یہ بھی مشہور ہے کہ تورات کا حافظ و عالم اس زمانے میں ان سے بڑا کوئی دوسرا نہیں تھا اور اسی وجہ سے ان کا نام بھی ایک نبی کی حیثیت سے بحکم الٰہی اب تک زندہ ہے لیکن یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کے بارے میں ان سے سوال کیا تھا ایک ضعیف روایت ہے اور اسی لیے منقطع و منکر سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

اسحاق بن بشر سعید ابی عروبہ قتادہ حسن اور عبداللہ بن سلام کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ عزیز وہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سو سال تک مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا تھا۔

اسحٰق بن بشر ان حوالوں کے علاوہ مقاتل و جویبر ضحاک عبداللہ بن اسماعیل السدی ان کے والد مجاہد ابن عباسؓ وادریس اور ان کے دادا وہب بن منبہ کے حوالے دے کر بیان کرتے ہیں کہ ان سب نے ان سے فرداً فرداً بیان کیا کہ عزیز ایک مرد صالح اور دانشمند شخص تھے لیکن ایک دن وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر اپنے گھر سے کسی دور کی بستی کی طرف جا رہے تھے جہاں ان کا کسی شخص سے ملنے کا وعدہ تھا تو گرمی کی وجہ سے راستے میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کے لیے ٹھہر گئے اور اپنے گدھے پر سے کھانے اور پینے کا سامان جو کچھ انجیروں انگوروں اور ایک خربوزے پر مشتمل تھا اور ایک تھیلے میں تھا اتار کر گدھے کو بھی درخت کی ایک شاخ سے باندھ دیا۔

ان کے سامنے کسی قدیم بستی کے کھنڈرات تھے جنہیں دیکھ کر وہ سوچنے لگے کہ اس بستی کے باشندے بھی کبھی زندہ ہوں گے لیکن اب نہ جانے کب سے مردوں کی طرح ان کھنڈرات میں دبے پڑے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ تمام مردوں کو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دوبارہ زندہ کرے گا تو بھلا وہ ان مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ وہ ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی روح قبض کر لی گئی اور انہیں سو سال تک اسی حالت میں رکھا گیا۔

سو سال گزرنے کے بعد ایک فرشتے نے خدا کے حکم سے وہاں آ کر انہیں خوابِ مرگ سے جگایا اور پوچھا کہ وہ کب سے وہاں آرام کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ:

''یہی ایک دو گھنٹے ہوئے ہوں گے لیکن مجھے اس درخت کے سائے میں گہری نیند آ گئی تھی۔ اس لیے ممکن ہے کچھ زیادہ دیر ہو گئی ہو''۔

ان سے یہ سن کر فرشتہ بولا:

''آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہاں مردہ بنا کر سو سال تک پڑا رکھا ہے اور اب پھر زندہ کر دیا ہے۔ تاہم آپ کا کھانا ہنوز اسی طرح ترو تازہ رکھا ہے جیسا وہ پہلے روز تھا لیکن آپ کے گدھے کو بھی مرے ہوئے سو سال ہو چکے ہیں''۔

یہ کہہ کر اس فرشتے نے ان کے گدھے کی ہڈیاں جو ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں ایک جگہ جمع کر کے خدا کے حکم سے اس میں روح پھونکی تو وہ زندہ ہو گیا اور کان اوپر اٹھا کر آسمان کی طرف منہ کر کے رینکنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت عزیز علیہ السلام نے اپنی غلط سوچ اور خدا کی قدرت میں جو شک کیا تھا اس سے توبہ کر کے کہا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اس روایت کے آخر میں اسحٰق بن بشر کے بقول آیاتِ قرآنی: ﴿اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا. الخ﴾ میں حضرت عزیز علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

اسحٰق بن بشر نے اس روایت میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ جناب عزیز جب اس جگہ سے واپس اپنے گھر کی طرف چلے تو انہیں کنیسہ حزقیل کے قریب بیس سال کی ایک اندھی لڑکی ملی جو دونوں پاؤں سے بھی معذور تھی اور لڑکھڑا کر چل رہی تھی۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے سڑک پار کرا دی تو اس نے پوچھا:

''آپ کون ہیں؟'' وہ بولے: ''میں عزیز ہوں''۔

یہ سن کر لڑکی بولی: ''کیا آپ اللہ کے نبی عزیز ہیں؟''۔

لڑکی سے یہ سن کر حضرت عزیز علیہ السلام بہت شرمندہ ہوئے لیکن اس لڑکی سے کہا:

''ہاں میں اللہ کا بندہ اور نبی عزیز ہوں''۔

ان سے یہ سن کر لڑکی بولی: ''لیکن میں نے سنا ہے کہ انہیں تو وفات پائے سو سال ہو چکے ہیں''۔

لڑکی سے یہ سن کر حضرت عزیز علیہ السلام نے فرمایا: ''لیکن خدا نے مجھے سو سال کے بعد پھر زندہ کر دیا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اس لڑکی سے یہ کہہ کر حضرت عزیز علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تو اپنی قدرت دکھا کر میرا شک دور فرما دیا ہے اور میں اپنی اس غلط سوچ اور شک پر تجھ سے توبہ کر کے معافی بھی مانگ چکا ہوں لیکن اب تجھ سے میری التجا ہے کہ میرے توسط سے اس لڑکی کی بصارت بحال کر کے اور اس کے ٹخنوں کے زخموں کو ٹھیک کر کے اسے بھی اپنی قدرت دکھا دے''۔

حضرت عزیز علیہ السلام کی اس دعا اور التجا پر انہیں غیب سے آواز سنائی دی کہ ان کی التجا قبول ہوئی تو انہوں نے اس لڑکی کی آنکھوں اور ٹخنوں پر ہاتھ پھیر دیا تو فوراً اس کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی اور اس کے ٹخنوں کے وہ زخم جو بڑھتے بڑھتے ناسور ہو گئے تھے مندمل ہو گئے۔

یہ دیکھ کر وہ لڑکی حیرت سے چیخ پڑی: ''آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے وہی نبی ہیں اور آپ نے بالکل سچ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے''۔

یہ کہہ کر وہ لڑکی آنکھوں میں شکر گزاری کے آنسو لیے حضرت عزیز علیہ السلام کو ساتھ لے کر بنی اسرائیل کی اس مجلس میں پہنچی جہاں اس وقت ان کے شیوخ جمع ہو کر کسی معاملے میں باہم مشورہ کر رہے تھے۔

جب اس لڑکی نے انہیں حضرت عزیز علیہ السلام کے واقعے کے علاوہ ان کے ہاتھوں اپنی بصارت کی بحالی اور اپنے پاؤں کے لاعلاج زخموں کے اندمال کا واقعہ سنایا تو وہ بھی ان کے معجزے اور اللہ تعالیٰ کے اس کرشمہ قدرت پر حیران رہ گئے۔

یاد رہے کہ جب عزیز علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سو سال کے لیے موت کی نیند طاری ہوئی تھی تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور جب وہ سو سال گزرنے کے بعد بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا مجلس میں پہنچے تھے تو خود ان کے بیٹے کی عمر ایک سو بیس سال اور ان کے والد کی عمر ظاہر ہے اس سے بھی کہیں زیادہ ہو چکی تھی لیکن عزیز علیہ السلام کی عمر اب تک وہی چالیس سال تھی۔

ایک مشہور روایت میں بتایا گیا ہے کہ عزیز علیہ السلام کے اس واقعے سے قبل جب بخت نصر نے بیت المقدس کو مسمار کر کے وہاں سے ملا ہوا تورات کا ایک واحد قدیم نسخہ بھی نذر آتش کر دیا تھا تو عزیز علیہ السلام ہی نے جو اس مقدس آسمانی کتاب کے سب سے بڑے حافظ تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے حافظہ بھی بے مثل عطا فرمایا تھا اپنی یادداشت سے اس کا ایک جدید نسخہ تیار کر کے وہاں سے قریب ایک ٹیلے کو گہرا کھدوا کر اسے وہاں گاڑ دیا تھا تا کہ وہ بنی اسرائیل کے دشمنوں کی پہنچ سے دور رہ کر محفوظ رہ سکے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصہ زکریا و یحییٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز قرآن مجید و فرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے:

''کھیعص. (یہ) تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان (ہے جو اس نے) اپنے بندے زکریا پر (کی تھی) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا (اور) کہا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہو گئی ہیں اور سر (ہے کہ) بڑھاپے (کی وجہ سے) مشعلہ مارنے لگا ہے اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔ اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔ جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو اور (اے) میرے پروردگار اس کو خوش اطوار بنائیو۔ اللہ نے فرمایا اے زکریا ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے کہا پروردگار میرے ہاں لڑکا ہو گا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔ حکم ہوا کہ اسی طرح (ہو گا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔ کہا کہ پروردگار میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔ فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم صحیح و سالم ہو کر (بھی) تین (رات دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔ پھر وہ (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان سے اشارے سے کہا کہ صبح و شام (خدا کو) یاد کرتے رہو۔ اے یحییٰ (ہماری) کتاب کو زور سے پکڑے رہو۔ اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں دانائی عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی دی تھی اور وہ پرہیز گار تھے' اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔ اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ان پر سلام اور رحمت (ہے)''۔ (۱۹:۱۔۱۵)

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''اور زکریا کو اس کا متکفل بنایا۔ زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں ان کے پاس جاتے تو ان کے پاس کھانا پاتے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے۔ وہ بولیں کہ خدا کے ہاں سے (آتا ہے) بے شک خدا جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔ اس وقت زکریا (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما تو بے شک دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔ وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی۔ کہ (زکریا) خدا تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو خدا کے فیض (یعنی عیسیٰ کی) تصدیق کریں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے اور (خدا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے پیغمبر یعنی) نیکوکاروں میں ہوں گے۔ زکریا نے کہا اے پروردگار میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا کہ میں تو بڈھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ خدا نے فرمایا اسی طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا نے کہا کہ پروردگار (میرے لیے) کوئی نشانی مقرر فرما۔ خدا نے فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کرسکو گے تو (ان دنوں میں) اپنے پروردگار کی کثرت سے یاد اور صبح و شام اس کی تسبیح کرنا''۔ (۳:۳۸-۴۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا:

''اور زکریا (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو یحییٰ بخشے اور ان کی بیوی کو ان کے (حسن معاشرت کے) قابل بنا دیا۔ یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے''۔ (۲۱:۸۹-۹۰)

حافظ ابو القاسم بن عساکر نے اپنی مشہور کتاب تاریخ ''الحافل'' میں حضرت زکریا علیہ السلام کا پورا نام زکریا بن برخیا لکھتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ انہیں زکریا بن دان اور زکریا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن حشبان بن داؤد بن سلیمان بن داؤد ابو یحییٰ بھی کہا جاتا تھا اور یہ کہ وہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کے نبی کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے اور اسی حیثیت سے مشہور تھے۔ ابن عساکر نے یہ بھی لکھا کہ وہ اپنے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کی تلاش میں دمشق کے علاقے میں گئے تھے جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب ان کے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا گیا وہ اس وقت دمشق میں تھے۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ ان کا نسب نامہ اور کئی طرح بیان کیا گیا ہے نیز یہ کہ ان کا نام الف ممدودہ اور الف مقصورہ دونوں کے ساتھ لیا جاتا تھا اور بعض لوگ انہیں زکری بھی کہتے تھے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یزید ابن ھرون کی زبانی ثابت، ابی رافع اور ابی ہریرہ کے حوالے سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یحییٰ نجار تھے۔

یحییٰ بن سعید انصاری کے حوالے سے جو روایت محمد ابن اسحٰق نے بیان کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ یحییٰ بن زکریا مدلیس میں شمار ہوتے تھے جب کہ ایک حدیث نبوی میں جو ابن عساکر نے دیگر متعدد حوالوں کے علاوہ معاذ کے حوالے سے روایت کی ہے اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) جوانان جنت کے سردار ہوں گے لیکن اس کے بعد آپؐ نے اس میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کر لیا۔

اسرائیل نے ابی حصین اور خیثمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خالہ زاد بھائی تھے نیز یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام صوف کے کپڑے پہنا کرتے تھے جب کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اونٹ اور خرگوش کے بالوں سے بنا ہوا لباس استعمال کرتے تھے۔

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان دونوں کے پاس دینار و درہم یا لونڈی غلام جیسی کوئی چیز نہ تھی بلکہ وہ معمولی ضروریات زندگی سے بھی بے نیاز تھے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وہب ابن منبہ کی اس روایت کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا حضرت یحییٰ علیہ السلام فوت ہوئے تھے یا انہیں قتل کیا گیا تھا۔ تاہم مشہور ترین روایت یہ ہے کہ انہیں قتل کیا گیا تھا۔ اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے بھاگے تھے تو انہوں نے ایک درخت کے تنے میں جو ان کی دعا پر درمیان سے شق ہو گیا تھا پناہ لے لی تھی اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ان کا دامن اتفاق سے اس درخت کے تنے کے دوبارہ برابر ہونے سے قبل باہر رہ گیا تھا جس کی وجہ سے ان کے تعاقب میں آنے والے دشمنوں کو ان کے وہاں چھپنے کا پتہ چل گیا تھا اور انہوں نے اس درخت کو تنے تک آرے کے ذریعہ دو حصوں میں چیر ڈالا تھا۔ اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب آرہ اوپر سے نیچے کی طرف چلتا ہوا ان کے سر کے قریب پہنچا تھا تو ان کے ہونٹوں پر فریاد آتے آتے رہ گئی تھی جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں پیغام پہنچا تھا کہ اگر ان کے لبوں پر فریاد آئی اور انہوں نے صبر کا مظاہرہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے باشندوں سمیت اُلٹ دے گا۔ لہٰذا انہوں نے اہل زمین کو دائمی تباہی سے بچانے کے لیے چیخ اور فریاد تو کیا اپنے لبوں تک آہ تک نہ آنے دی تھی۔

امام احمدؒ سے بہ اسناد مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم دے کر ان سے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ان کی بنی اسرائیل میں تبلیغ کریں۔ پہلی بات یہ تھی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود مانیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں کیونکہ وہی وہ واحد ہستی ہے جو انہیں رزق دیتا اور ان کی جملہ ضروریات پوری کرتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ان کی مثال اس غلام کی سی ہوگی جو ہوتو کسی کا زرخرید غلام اور اسی کا کھاتا پیتا ہو لیکن اطاعت کسی اور شخص کی کرتا ہو۔ دوسری بات نماز ہے جسے پوری توجہ سے ادا کرنا چاہیے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اس کے سامنے نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے لہٰذا بندے کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ بھی اپنے معبود کے سامنے پوری طرح متوجہ رہے۔ تیسری بات روزہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے لباس کو تو مشک سے خوشبو میں بسا لے لیکن اس کے منہ سے مشک کی خوشبو نہ آئے جب کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق روزہ دار کے منہ سے بھی مشک کی خوشبو آئے گی جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوگی۔ چوتھی بات صدقہ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کا کوئی دشمن اسے کسی مضبوط قلعہ میں قید کر دے جہاں سے اس کی رہائی محال ہو اور اس کے علاوہ اس کی گردن بھی مارنا چاہتا ہو لیکن کچھ زر نقد لے کر اسے چھوڑ دے۔ پانچویں بات جس کا خدا نے حکم دیا تھا وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے شیطان اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے پاس پھٹکنے نہ پائے گا۔

یہ فرما کر آپ نے فرمایا کہ جب یحییٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کے ان احکام کا اپنے بھائی عیسیٰ (علیہ السلام) سے ذکر کیا تو انہوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ احکام بنی اسرائیل تک چاہیں تو وہی یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) ہی پہنچائیں لیکن وہ بولے کہ اگر اس سلسلے میں وہ سبقت کریں گے تو ان کی قوم ان کی ایذا رسانی پر مستعد ہو جائے گی۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام ہی نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ان پانچوں احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا اور یکے بعد دیگرے ہر حکم کے ساتھ یہی مثالیں بھی دیں۔ (حدیث نبوی کا مفہومی ترجمہ)

اس حدیث مبارکہ کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''میں بھی تمہیں ان پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے پہلا حکم جماعت ہے' دوسرا حکم حکم کی سماعت ہے' تیسرا حکم اس حکم کی تعمیل' چوتھا حکم ہجرت اور پانچواں حکم جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔

پھر آپ نے فرمایا: جس نے جماعت سے قطع تعلق کیا تو سمجھو کہ اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا الا یہ کہ وہ (توبہ کر کے) رجوع کر لے ورنہ اگر وہ زمانہ جاہلیت کے دعاوی پر قائم رہا تو اس کی سزا جہنم ہوگی۔

راوی کہتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص صرف نماز پڑھ کر اور روزہ رکھ کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیا سمجھا جائے؟

آپؐ نے فرمایا کہ:

''تم بھی اسے مسلمان اور مومن کہو کیونکہ خود اللہ تعالیٰ ایسے سب لوگوں کو اس نام سے یاد فرماتا ہے''۔

اس حدیث نبوی کو ابو یعلیٰ نے ہدبہ بن خالد' ابان بن یزید اور یحییٰ بن ابی کثیر کے حوالے سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسی طرح ترمذی نے ابوداؤد الطیالسی اور موسیٰ بن اسماعیل کے بیان اور ان دونوں نے ابان بن یزید العطار کے حوالے سے اسے پیش کیا ہے نیز ابن ماجہ نے اسے ہشام بن عمار' محمد بن شعیب بن سابور' معاویہ بن سلام اور ان کے بھائی زید بن سلام' ابی سلام اور حارث اشعری کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت حاکم نے مروان بن محمد طاطری کے توسط اور معاویہ بن سلام اور ان کے بھائی کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ اس پر مروان طاطری نے معاویہ بن سلام کے حوالے سے خصوصی روشنی ڈالی ہے لیکن حاکم کا یہ بیان یعنی یہ آخری بیان خلاف واقعہ ہے۔ ویسے اس حدیث کو طبرانی نے بھی محمد بن عبدہ' ابی توبہ الربیع بن یافع' معاویہ بن سلام' ابی سلام اور حارث اشعری کے حوالے سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن عساکر اس حدیث کو عبداللہ بن ابی جعفر الرازی اور ان کے والد اور ربیع بن انس کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ربیع بن انس کے بقول ان سے بعض صحابہ ؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے علمائے بنی اسرائیل سے سنا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرما کر صرف انہی پانچ باتوں کا حکم دیا تھا۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ ان صحابہ کرام ؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ یحییٰ علیہ السلام لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے بچ کر اکثر ویران مقامات پر چلے جاتے اور درختوں کے پتے کھا کر گزارا کر لیتے تھے اور ساتھ ہی کہتے جاتے تھے کہ ''اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے؟''۔

ابن عساکر یہ بھی کہتے ہیں کہ یحییٰ علیہ السلام کے والد زکریا علیہ السلام کبھی کبھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے بحیرہ اردن تک جا پہنچتے اور دونوں مل کر خوف خدا کی وجہ سے رونے لگتے تھے اور وہ دونوں اسے بھی عبادت کا درجہ دیتے تھے۔

ابن وہب مالک' حمید بن قیس اور مجاہد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ علیہ السلام کی خوراک جھاڑیوں کے پتے تھے اور وہ خدا کے خوف سے اتنا روتے تھے کہ روتے روتے ان کی آنکھوں کے گرد گڑھے پڑ گئے تھے۔

محمد بن یحییٰ ذہلی کہتے ہیں کہ ان سے ابوصالح' لیث اور عقیل نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز آخر الذکر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ابی ادریس خولانی کے پاس بیٹھے تھے کہ وہ بولے: ''میں تمہیں ایک بہترین آدمی کا قصہ سناؤں'' ان سے یہ سن کر ان کے پاس بیٹھے ہوئے سب لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے تو وہ بولے: وہ آدمی یحییٰ علیہ السلام تھے جنہیں جنگلی جانوروں کے ساتھ شریک طعام اس سے زیادہ پسند تھا کہ وہ انسانوں کے ساتھ مل کر طرح طرح کے لذیذ کھانے کھائیں کیونکہ انہیں اس سے کراہیت تھی۔

ابن مبارک وہیب بن الورد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز زکریا علیہ السلام اپنے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کو ڈھونڈتے ہوئے ایک ویران قبرستان جا پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک نئی قبر کھود کر اس میں بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر زکریا علیہ السلام ان سے بولے: ''اے میرے بیٹے! میں تمہیں تین دن سے تلاش کرتا پھر رہا ہوں اور تم اس قبر میں بیٹھے رو رہے ہو''۔ اپنے والد سے یہ بات سن کر یحییٰ علیہ السلام بولے: ''والد محترم! دوزخ اور جنت کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ روئے بغیر منقطع نہیں ہو سکتا''۔ زکریا علیہ السلام نے اپنے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کی یہ بات سن کر فرمایا: ''تم نے سچ کہا'' اور پھر دونوں مل کر رونے لگے۔ وہب بن منبہ اور مجاہد ایسی ہی ایک روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا کے خوف سے روتے روتے یحییٰ علیہ السلام کے گالوں میں آنسوؤں کے مسلسل بہنے سے گڑھے پڑ گئے تھے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یحییٰ علیہ السلام کے سببِ قتل کا بیان

جو اسباب قتل یحییٰ علیہ السلام کے بیان کرنے والوں نے بتائے ہیں ان میں ایک خاص سبب جو سب سے زیادہ مشہور ہے یہ بتایا گیا ہے کہ اس زمانے کے بادشاہ کی خواہش یہ تھی کہ یحییٰ علیہ السلام اس کے حرم کی عورتوں میں سے کسی کو پسند کر کے اس سے شادی کر لیں جب کہ انہیں عورتوں سے رغبت نہ تھی اور اسی لیے انہوں نے اس بادشاہ کے یہ بات خود اپنی زبان سے کہنے کے باوجود اس سے انکار کر دیا تھا۔ اس لیے وہ ان کا دشمن ہو گیا تھا اور اس نے حکم دیا تھا کہ انہیں قتل کر کے ان کا سر ان کی لاش سمیت ایک طشت میں اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس کے آدمیوں نے اس کے حکم کی حرف بحرف تعمیل کی تھی لیکن بعض مستند روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ یحییٰ علیہ السلام اپنے زمانے کے' جیسا کہ کلام پاک میں ان کے بارے میں کلمات سیدا وحصوراً سے ثابت ہوتا ہے' انتہائی حسین و جمیل شخص تھے اس لیے اس بادشاہ کی بیوی ان کی طرف مائل ہو گئی تھی اور اس نے انہیں اپنی خلوت میں طلب کیا تھا لیکن ان کے انکار پر اس نے شاہی حکم کی تعمیل سے انکار کا بہانہ بنا کر انہیں اپنے شوہر یعنی اس بادشاہ کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا البتہ ایک دوسری مستند روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ہر سال ایک روز عید منائی جاتی تھی اور اس میں ایک بڑی شاندار دعوت کا اہتمام ہوتا تھا جس میں خود وہ بادشاہ بھی شریک ہوتا تھا لیکن ایک سال یعنی اس کی بیوی کے یحییٰ علیہ السلام کو اپنی خلوت میں طلب کرنے اور ان کے انکار کے بعد جب وہ عید آئی تو اس کی بیوی نے اپنے شوہر کے ساتھ اس میں شرکت سے انکار کر دیا لیکن جب بادشاہ نے اصرار کیا تو اس نے یہ شرط رکھی کہ پہلے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرا کے ان کا سر ان کی لاش سمیت ایک طشت میں اس کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کے شوہر نے اس کی یہ شرط منظور کر لی تھی اور چونکہ وہ اپنے قول و عمل اور وعدے کا بڑا سچا تھا اس لیے اس نے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرا کے ان کا سر ان کی لاش سمیت' جیسا کہ دوسری روایات میں بیان کیا گیا ہے' اپنی بیوی کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ تاہم یہ آخری روایت چونکہ غریب اور موضوع قرار دے دی گئی ہے اس لیے اس کی صحت مشکوک ہے۔ البتہ جس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس بادشاہ نے یحییٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی اس خواہش کے اظہار جو اس روایت میں مذکور ہے اور ان کے انکار کے بعد دشمنی میں آ کر انہیں قتل کرا دیا تھا صحیح ہے اور جیسا کہ اس روایت میں بیان کیا ہے یہ بھی صحیح ہے کہ اس بادشاہ کے حکم پر یحییٰ علیہ السلام کو بیت المقدس کی محراب میں جہاں وہ نماز پڑھ رہے تھے قتل کر کے ان کا سر ان کی لاش سمیت طشت میں رکھ کر اس کے سامنے حسب الحکم پیش کیا گیا تھا۔

حدیث اسراء میں یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بارے جو واقعہ مذکور ہے وہ صرف اتنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج یحییٰ علیہ السلام سے بعد سلام دریافت فرمایا تھا۔ کہ آیا انہیں درخت کے تنے پر آرہ چلا کر قتل کیا گیا تھا؟ اگر یہ صحیح ہے تو ان کا صبر واقعی قابل رشک تھا۔ اس پر یحییٰ علیہ السلام نے آپ کے اس سوال کا یہ جواب دیا تھا کہ وہ واقعہ ان کے والد زکریا علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خود زکریا علیہ السلام نے اس کی تصدیق کی تھی۔

اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ سے اپنے قتل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ انہیں بنی اسرائیل کے بادشاہ وقت کے حکم پر بیت المقدس کی محراب میں نماز پڑھتے ہوئے قتل کیا گیا تھا لیکن اس وقت بھی ان کی پوری توجہ نماز کی طرف رہی تھی اور ان کی طمانیت قلب میں سر مو فرق نہیں آیا تھا۔ اس کے بعد یحییٰ علیہ السلام نے اس بات کی بھی تصدیق کی تھی کہ بعد قتل ان کا سر ان کی لاش سمیت طشت میں رکھ کر اس بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

حدیث اسراء میں آنحضرت ﷺ کے حرف بہ حرف صحیح الفاظ یہ ہیں کہ ''جب میں باہم خالہ زاد بھائیوں یحییٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کے پاس سے گزرا'' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام آپس میں خالہ زاد بھائی تھے اور قول جمہور سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اشیاع بنت عمران مریم بنت عمران کی بہن تھیں لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اشیاع زکریا علیہ السلام کی بیوی اور یحییٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں جو عمران کی بیوی حنہ کی بہن تھیں تو یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام خالہ زاد بھائی کس رشتے سے تھے؟ واللہ اعلم

جہاں تک یحییٰ علیہ السلام کے مقتل کے بارے میں اختلافات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں دو روایات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ یحییٰ علیہ السلام کو صخرۂ بیت المقدس میں وہیں قتل کیا گیا تھا جہاں ستر انبیائے بنی اسرائیل قتل کیے گئے جن میں یحییٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو دمشق میں قتل کیا گیا تھا اور اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس زمانے کے دمشق و اطراف دمشق کے حکمران نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھائی کے بیٹے سے کر دی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے کسی بات پر ناراض ہو کر اسے طلاق دے دی۔ تاہم اس کے بعد اس نے رجوع کرنا چاہا کیونکہ اس کی مطلقہ بیوی دمشق کے جملہ شاہی بازاروں کی تنہا مالکہ تھی لیکن جب اس کے بارے میں یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ لیا گیا تو ان کا فتویٰ یہ تھا کہ اس حکمران کی بیٹی جب تک کسی دوسرے شخص کی منکوحہ نہ بن جائے اور اس دوسرے شخص کا حق زوجیت ادا کرنے کے بعد اس سے طلاق حاصل نہ کرلے دوبارہ اپنے پہلے شوہر کی زوجیت میں نہیں آسکتی۔

یحییٰ علیہ السلام کے اس فتوے کو سننے کے بعد اس لڑکی کی ماں آگ بگولہ ہوگئی اور اس نے اپنے شوہر یعنی اس لڑکی کے باپ سے جو دمشق کا حکمران تھا کہا کہ وہ جب تک یحییٰ علیہ السلام کا سر اپنے سامنے طشت میں رکھا ہوا نہ دیکھ لے گی اسے چین نہ آئے گا لیکن جیسا کہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے پہلے تو ٹالتا رہا تاہم اپنی بیوی کی ضد سے مجبور ہو کر اس نے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرا کے اپنی بیوی کے اصرار کے مطابق ان کا سر طشت میں رکھوا کر اس کے پاس بھیج دیا۔

ان دو روایات میں سے پہلی روایت ثوری کی ہے جس میں انہوں نے اعمش اور شمر بن عطیہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو صخرۂ بیت المقدس میں قتل کیا گیا تھا۔ جب کہ دوسری روایت ابو عبیدہ القاسم بن سلام کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن صالح نے لیث یحییٰ بن سعید اور سعید بن مسیب کے حوالے سے بیان کیا کہ جب بخت نصر یحییٰ علیہ السلام کے تعاقب میں انہیں قتل کرنے کے لیے دمشق پہنچا تو اسے ان کے قتل کی خبر ملی اور اس نے برہم ہو کر وہاں ستر ہزار افراد قتل کر ڈالے جب کہیں جا کر اسے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

چین آیا۔

اس روایت کا استناد سعید بن مسیب سے کہا گیا ہے جو درحقیقت بڑی صحیح سند ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کا مقتل دمشق کو مان لیا جائے۔ اس کے علاوہ بخت نصر کی غارت گری کا دمشق میں واقعہ اور وہاں ستر ہزار افراد کو قتل کرنے کا سانحہ مسیح علیہ السلام کے بعد کا ہے جیسا کہ عطا اور حسن بصری نے بھی بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

ابن عساکر سے بحوالہ ولید ابن مسلم اور زید ابن واقد مروی ہے کہ آخر الذکر نے مسجد دمشق کی بنیاد پڑتے وقت یحییٰ بن زکریا کا سر ایک بنیاد سے برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ واللہ اعلم

حافظ ابن عساکر اپنی کتاب المستقصی فی فضائل الاقصیٰ میں بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو درحقیقت دمشق میں قتل کیا گیا تھا اور اس سلسلے میں وہ حکایت بیان کرتے ہیں جو پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بخت نصر کے سر پر یحییٰ کو قتل کرنے کا جنون سوار تھا لیکن جب اس نے وہاں (دمشق میں) ان کے قتل کی خبر سنی تو وہاں قتل و غارت گری کے بعد بیت المقدس پر چڑھ دوڑا اور یہاں بھی ہزاروں انسان قتل کر ڈالے لیکن ارمیا کی داستان سن کر اس کا غصہ ماند پڑ گیا اور اسے سکون آ گیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

قرآن مجید کی سورۂ آل عمران کے صدر میں ۸۳ اسی آیات ایسی ہیں جو نصاریٰ کے رد میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) خدا کے بیٹے تھے ان کے عقائد یہ تھے کہ کائنات کی بزرگ ترین مقدس ہستیاں تین ہیں جن میں سے ایک خدا ہے اور دوسری دو عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں مریم ہیں حالانکہ یہ عقیدہ عظیم ترین گناہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مذکورہ سورت میں صاف صاف ارشاد فرمایا کہ اس نے مریم بنت عمران کے بطن سے اپنے بندے عیسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح پیدا کیا تھا جیسے وہ اپنی تمام مخلوقات کو پیدا کرتا ہے اور ان سے قبل جیسے وہ آدم علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام کی تو ماں بھی نہیں تھی' بس اس نے فرمایا: ''پیدا ہو جا'' اور وہ پیدا ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کی محترم والدہ ماجدہ کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ عزاسمہٗ نے سورۂ مریمؑ میں ارشاد فرمایا ہے اسے ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر عنقریب تفصیل سے پیش کریں گے۔

سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''خدا نے آدم اور نوح (علیہما السلام) اور خاندان عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں اسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی تو (اسے) میری طرف سے قبول فرما تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا خدا کو خوب معلوم تھا تو وہ کہنے لگیں کہ پروردگار! میرے تو لڑکی ہوئی ہے اور (نذر کے لیے) لڑکا موزوں تھا کہ وہ لڑکی کی طرح (ناتوان) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا اور زکریا کو اس کا متکفل بنایا۔ زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے۔ وہ بولیں خدا کے ہاں سے (آتا ہے) بے شک خدا جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے''۔ (۳:۳۳-۳۷)

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اس اولاد کا ذکر فرمایا ہے جو ان کی شریعت کا اتباع کرتی ہے اور ان کی اطاعت کو اپنے لیے لازم قرار دیتی ہے پھر خداوند تعالیٰ نے اس اولاد آدم میں آل ابراہیم کی تخصیص فرمائی جن میں بنو اسماعیل اور بنو اسحاق دونوں شامل ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے طیب وطاہر ہونے کا ذکر فرماتے ہوئے جن لوگوں کا ذکر فرمایا وہ آل عمران ہیں اور عمران سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کے محترم والد عمران ہیں جن کا نسب نامہ محمد بن اسحٰق نے عمران بن باشم بن امون ابن میشا بن حزقیا بن احدیق بن موثم بن عزازیا بن امصیا بن یاوش بن احریہو بن یازم بن یہفا شاط بن ایشا بن ایان بن رجعام بن سلیمان بن داؤد بتایا ہے۔

ابوالقاسم بن عساکر نے حضرت مریم علیہا السلام کا نسب نامہ حسب ذیل بتایا ہے:

''مریم بنت عمران بن ماثان بن العازر بن الیود بن اختر بن صادوق بن عیازوز بن الیاقیم بن ایبود بن زریابیل بن شالقال بن یوحینا بن برشا بن امون بن میشا بن حزقا بن احاز بن عزریا بن یورام بن یوشافاط ابن ایشا بن ایا بن رجعام ابن سلیمان بن داؤد علیہ السلام''۔

ابن عساکر کے بتائے ہوئے حضرت مریم علیہا السلام کے اس نسب نامے اور ان کے اس نسب نامے میں جوان کا ابن اسحٰق نے بتایا ہے کسی قدر فرق پایا جاتا ہے۔ تاہم دونوں نسب ناموں کے سلسلہ داؤد علیہ السلام سے منسلک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ ایک امر بدیہی ہے حضرت مریم علیہا السلام کے والد عمران تھے جو بڑے پابند نماز تھے اور ان کی والدہ ماجدہ حنہ بنت فاقود بن قبیل بڑی نیک اور عبادت گزار تھیں اور اس زمانے کے نبی زکریا علیہ السلام قول جمہور کے مطابق مریم علیہا السلام کی بہن اشیاع کے شوہر تھے۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ اشیاع کے شوہر تھے۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق وغیرہ بیان کرتے ہیں اور قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیاتِ شریفہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی تو انہوں نے ایک دن خوب صورت پرندے کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھ کر اور اسے نیک فال سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لیے دعا مانگی تھی اور منت مانی تھی کہ ان کے ہاں جو بچہ ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی نذر کر کے بیت المقدس بھیج دیں گی جیسے وہاں کے خدام اپنے بچوں کو اللہ تعالیٰ کی نذر کر کے وہاں چھوڑ دیتے تھے اور ان سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔

پھر جب ان کے ہاں خدا کے فضل وکرم سے لڑکی مریم پیدا ہوئیں تو انہوں نے رنجیدہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ لڑکا ہوتا تو نذر کے لیے موزوں ہوتا کیونکہ لڑکی صنف ضعیف ہونے کی وجہ سے لڑکے کے برابر نہیں ہوتی ہے۔

تاہم حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ انہوں نے اپنی نومولود لڑکی کا نام مریم رکھا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی بچوں کے روز ولادت ہی ان کے نام رکھنے کا رواج تھا۔

اس کے علاوہ صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو وہ اسی روز اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے انہیں مبارک باد دے کر اس نومولود کا نام عبداللہ رکھا تھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نومولود بچوں کے روز ولادت ان کے تسمیہ کی (نام رکھنے کی) رسم اس وقت بھی جاری تھی۔ البتہ ایک حدیث حسن میں جوسمرہ کے حوالے سے مشہور ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ نومولود بچوں کے والدین ان کے تسمیہ مونڈن اور عقیقے کی رسم ساتویں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دن تک ضروری سمجھتے تھے۔ واللہ اعلم

مندرجہ بالا آیات قرآنی میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی نذر کی قبولیت کے بارے میں انہیں مطلع کر دیا تو اس کے بعد حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی بیٹی مریم علیہا السلام کو شیطان سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اس سلسلے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے زہری' ابن مسیب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نومولود کو شیطان ضرور چھوتا ہے جس سے اسے فوراً صرخہ ہو جاتا اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں لیکن حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا (کیونکہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں تھے)

یہی حدیث نبوی امام احمدؒ نے اسماعیل بن عمرو اور ابی ذریب کی زبانی مشعل کے غلام عجلان اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسی طرح روایت کی ہے۔

اکثر مفسرین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ان کی ولادت کے بعد ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام انہیں اپنی قبا کے دامن میں لپیٹ کر بیت المقدس لے گئیں تو پہلے تو لوگ بے باپ کے بچے کی ولادت کا حال سن کر آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے لیکن حضرت مریم علیہا السلام پر لعن طعن اور ان کی پاک دامنی پر چھینٹے اڑانے سے فارغ ہوئے تو اس کے بعد یہ مرحلہ تھا کہ اس بچے کی کفالت کون کرے گا تو یہ طے پایا کہ ان کی شیر خواری کے زمانے تک ان کے خالو جو حضرت مریم علیہا السلام کی بہن کے شوہر اور اس زمانے کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کی کفالت اور دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی جائے پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ ذمہ داری اس شخص کو سونپی جائے جس کا قلم دریا کے بہاؤ کے مخالف سمت میں تیرے اور جب صرف حضرت زکریا علیہ السلام ہی اس آزمائش میں پورے اترے تو یہ ذمہ داری انہی پر ڈالی گئی۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی میں اس آیت سے بھی کہ جب حضرت زکریاؑ مریمؑ کے پاس بیت المقدس میں جاتے تو اس محراب میں جہاں وہ تشریف فرما تھیں کھانا رکھا پاتے اور ان کے اس سوال کے جواب میں کہ یہ کھانا کہاں سے آتا ہے وہ جواب دیتیں کہ خدا کے ہاں سے آتا ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی ذمہ داری حضرت زکریا علیہ السلام ہی نے لے رکھی تھی۔

بعض مفسرین نے مندرجہ بالا آیات قرآنی کی تفسیر پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب حضرت مریم علیہا السلام کے لیے ایک مکان کرائے پر لے لیا تھا جس میں مریمؑ کے علاوہ کوئی اور آ جا نہیں سکتا تھا اور وہ بھی کسی انتہائی ضرورت کی وجہ سے وہاں سے باہر آتی تھیں اور وہیں خدا کی عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس قدرت خداوندی بے موسم کے پھل آتے دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے ایک بیٹے کی اپنے بڑھاپے کے باوجود دعا کی تھی کیونکہ انہیں یقین تھا کہ خدا کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں ہے۔

ان کا قصہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ آیات قرآنی بھی پیش کی جا چکی ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ حضرت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مریم علیہا السلام کے اس اظہار تعجب کے بعد کہ جب کہ انہیں کسی مرد نے چھوا تک نہیں تو ان کے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکدامنی پر انہیں اطمینان دلایا تھا کہ وہ اور ان کا بچہ دونوں دنیا میں خاص مناصب کے حامل ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے مریمؑ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کے ہاں ہونے والا بچہ بڑے ہونے کے علاوہ جھولے میں بھی گفتگو کرے گا اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد جب یہ کرشمہ قدرت ظہور میں آیا تو حضرت مریم علیہا السلام پر انگشت نمائی کرنے والے حیرت زدہ ہو کر خود ہی آئندہ کے لیے خاموش ہو گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام بڑے ہو کر نہ صرف انجیل بلکہ تورات کے احکام و مطالب بنی اسرائیل کو سمجھائیں گے بلکہ انبیاء علیہم السلام میں ایک بہت بلند درجے پر فائز ہوں گے۔

مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ صرف مبروص اور کوڑھیوں کو خدا کے حکم سے آناً فاناً درست کر دیتے تھے بلکہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ تاہم وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسرے انسانوں کی طرح مٹی سے پیدا کیا ہے۔ البتہ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں نہ صرف تمہیں تورات میں نازل شدہ احکام سناؤں بلکہ جو احکام اللہ تعالیٰ مجھے تمہاری ہدایت کے لیے وحی کے ذریعہ دیتا ہے ان پر تمہیں عمل کرنے کی تلقین کروں (یعنی وہ احکام جو انجیل میں وقتاً وقتاً ان پر اترے)

ان کی بنی اسرائیل کو ہدایت تھی کہ وہ صرف خدا کو اپنا واحد معبود مانیں، محرمات سے بچیں اور اپنے پروردگار کی عبادت کیا کریں۔ انہوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے''۔

سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ:

''میں نے تمہیں دنیا کی تمام عورتوں سے افضل بنایا ہے''۔

اس بارے میں مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں یہ ارشاد دنیا کی عام عورتوں کے متعلق ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جن انبیاء کی ماؤں سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا وہ سب اس وجہ سے درجہ نبوت پر فائز نہ تھیں اور ان میں بھی درجات ہیں۔ ان درجات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مریم علیہا السلام سارہؓ اور ام عیسیٰ علیہ السلام سے افضل تھیں بلکہ یہ ارشاد ربانی عمومی ارشادات رب العزت کے تحت آتا ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ میں نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت حاصل ہے نہ یہ کہ ان انبیاء کی امتوں کو امت محمدی پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزمان اور متمم احکام الٰہی ہونے کے باعث تمام دیگر انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اور اسی طرح امت محمدی تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے افضل ہے جسے خیر الامم کہا گیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ''عیسٰی ابن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس سے زیادہ نہیں اور ان سے قبل بھی دنیا میں رسول آ چکے ہیں اور ان کی ماں (یعنی مریم علیہا السلام) صدیقہ ہیں''۔ بہرکیف حضرت مریم علیہا السلام کا مقام بہت اعلیٰ ہے لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ماؤں کی طرح ان میں سے ایک بھی نبی نہیں تھی چونکہ بقول باری تعالیٰ اس نے عورتوں میں سے کسی کو نبی نہیں بنایا تاہم کچھ عورتیں افضل النساء کا اپنے اپنے زمانے میں درجہ رکھتی تھیں جیسے آسیہ بنتِ مزاحم' خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہی درجہ اپنے زمانے کی عورتوں کو حضرت مریم بنت عمران کو حاصل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت مریم بنت عمران اور حضرت خدیجہ بنت خویلد کو خیر النساء کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

امام احمدؒ سے بحوالہ عبدالرزاق وغیرہ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سے عرب میں قریش کی عورتیں سب سے بہتر ہیں جو اپنے کمسن لڑکوں یا اپنے شوہروں کے سوا کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

امام احمدؒ سے بحوالہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ حضرت مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار ارشاد فرمایا کہ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہوں گی الا یہ کہ مریم بنت عمران (علیہا السلام) ان کے ساتھ ہوں گی۔ اسی طرح آپ نے مذکورہ بالا تمام عورتوں کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔

متعدد روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ ازواج مطہرات آپؐ کے ارشادات کے مطابق جنتی ہیں۔

ابن عساکر ابی زرعہ دمشقی کی روایت عبداللہ بن صالح وغیرہ کی زبانی اور معاویہ بن صفوان بن عمرو خالد بن معدان اور کعب الاحبار کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار سے صخرہ کے بارے میں پوچھا تو وہ بولے کہ صخرہ نخلہ پر ہے اور نخلہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر واقع ہے جس کے کنارے مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ایک درخت کے نیچے جنتی عورتوں کی ضروریات کی نگرانی کر رہی ہوں گی جب قیامت آئے گی لیکن یہ روایت موضوع ہے اور خرافات اسرائیلیات پر مبنی ہے اور اس لیے ''منکر'' ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ۳

اللہ تعالیٰ کے ولدیت سے منزہ ہونے اور ظالموں کی طرف سے اس پر اس سب سے بڑے اتہام کا بیان

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''اور کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لائے ہو' قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔ کہ انہوں نے خدا کے لیے بیٹا تجویز کیا۔ اور خدا کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ تمام شخص جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب خدا کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے' اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے''۔ (۱۹:۸۸۔۹۵)

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ اس قول سے کہ تم کسی کو خدا کا بیٹا ٹھہراؤ اور کوئی بری بات نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا کو شایاں نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے' وہ تو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اور تمام مخلوقات اس کی محتاج ہے' اس کے سامنے سب کمترین ہیں زمین و آسمان تمام رہنے والے اس کے ادنیٰ بندے ہیں اور وہ ان کا پروردگار ہے' اس کے علاوہ نہ کوئی ان کا معبود ہے نہ پروردگار ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ انسانوں نے اپنے ذہن سے خدا کے شریک جن تخلیق کر لیے اور ایک اختراع یہ کی کہ اپنے گمان میں بے سوچے سمجھے اس کے بیٹے اور بیٹیاں بنا ڈالیں جب کہ اس کی پاک ذات ان تمام باتوں سے منزہ۔ اس کی صفت ''بدیع السموات والارض'' ہے تو اس کا بھلا کوئی بیٹا یا بیوی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس نے ہر شے پیدا کی ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ خدا ہی تمہارا پروردگار ہے۔ اسی کی عبادت کرو کہ وہ چیز کا ضامن ہے اسے کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی جب کہ وہ سب نگاہوں کو دیکھتا ہے کہ وہ ہر چیز سے واقف' لطیف اور باخبر ہے۔ (متعلقہ آیات قرآنی کی تفسیر)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ (وہ) معبود برحق جو بے نیاز ہے' نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں''۔ (۱۱۲:۱۔۴)

ان آیات کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا اور اپنی ذات پاک کی تعیین کر دی کہ وہ ذات واحد ہے جس کی ذات کی کوئی نظیر ہے نہ صفات کی اور نہ اس کے افعال کی' وہ بے نیاز (صمد) ہے یعنی اپنی ذات وصفات' علم وحکمت اور رحمت میں مکمل ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ان آیات قرآنی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ ''لم یلد'' ہے یعنی اس کے ولد کا کوئی وجود نہیں (ولم یولد) یعنی اس سے قبل کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ پیدا ہوا ہو (ولم یکن له کفواً احد) یعنی اس کا کوئی عدیل و مثیل ہے نہ مساوی۔ اسی ایک دلیل سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے لیے دو اشیاء کا باہم متعادل ومتقارب ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ ان باتوں سے مبرا ومنزہ ہے اور کہیں بلند و برتر۔

ان تمام مدلل ارشادات کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اہل کتاب سے فرمایا:

''اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ) خدا کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور (یہ) نہ کہو (کہ خدا) تین (ہیں۔ اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔ مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص خدا کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو خدا سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہ ان کو ان کا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عنایت کرے گا۔ اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے) عار و انکار اور تکبر کیا ان کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا۔ اور یہ لوگ خدا کے سوا حامی و مددگار نہ پائیں گے''۔ (۴:۱۷۱۔۱۷۳)

ان آیات قرآنی میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا' اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب یعنی نصاریٰ کو متنبہ کیا کہ وہ مسیح کو خدا کا بیٹا نہ سمجھیں کیونکہ ان کا نام عیسیٰ علیہ السلام اس لیے رکھا گیا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا کیے گئے تھے وہ مریمؑ کے لیے اس کی طرف سے کلمہ بشارت اور روح تھے اور یہ کہ سارے انسان خدا کے بندے ہیں اور مسیح بھی خدا کے بندے تھے اور اس کے رسول بھی جنہیں خدا نے اپنے دوسرے بندوں کی ہدایت واصلاح کے لیے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔

ان آیات کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے وعید بھی دے دی کہ جو اس کے خلاف اعتقاد رکھے گا یعنی عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانے گا تو خدا جب قیامت میں اپنے سب بندوں کو اپنے روبرو حاضر کرے گا ایسے لوگوں کو دردناک عذاب دے گا۔

اس کے علاوہ ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے''۔ (۳:۵۹)

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

''اور یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے (نہیں) وہ پاک ہے۔ بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ جب کوئی کام کرنا چاہتا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے''۔(٢:١١٦۔١١٧)

عذیر و مسیحؑ کو بالترتیب یہود و نصاریٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا (نعوذ باللہ من ذالک) بیٹا ماننے کے بارے میں قرآن مجید میں درج ذیل آیت بھی اتری ہے:

''اور یہود کہتے ہیں کہ عذیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے' یہ بھی انہی کی ریس کرنے لگے ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں''۔(٩:٣٠)

اس آیہ کریمہ میں جیسا کہ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ دو ایسے فریق ہیں جو اپنی اپنی جگہ بالترتیب عذیر و مسیحؑ خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور ایک دوسرے کے عقیدے کی تردید کرتے ہیں حالانکہ دونوں گمراہ ہیں۔ یہ بھی ان پہلے کافروں کی راہ پر چل پڑے ہیں جو فرشتوں کو (نعوذ باللہ من ذالک) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس نے جنات میں ایک مذکر و مونث جوڑا پیدا کر کے ان کے باہمی ملاپ سے فرشتے پیدا کیے۔ یہ صریحی گمراہی ہے اور خدا کے حق میں ان کی افترا پردازی ہے کہ یہ اپنے زعم باطل میں خدا کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں جیسے قدیم فلاسفہ خدا کو اپنی عقلی دلیلوں سے عقل اوّل و عقل ثانی وغیرہ میں تقسیم کیا کرتے تھے حالانکہ یہ اپنی جگہ ان کی جہالت کی دلیل تھی۔ اللہ تعالیٰ ایک اور آیت قرآنی میں ان سے فرماتا ہے کہ "فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" یعنی اگر تم سچے ہو تو اپنی اپنی آسمانی کتابوں سے اسے ثابت کرو۔

قرآن کی سورۂ کہف کے اوّل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمد) پر یہ کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی اور پیچیدگی نہ رکھی۔ (بلکہ سیدھی اور سلیس اتاری) تاکہ (لوگوں کو) عذاب سخت سے جو اس کی طرف سے (آنے والا) ہے ڈرائے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ ان کے لیے (ان کاموں کا) نیک بدلا (یعنی بہشت) ہے جس میں وہ ابدالآباد رہیں گے۔ اور ان لوگوں کو بھی ڈراتے جو کہتے ہیں کہ خدا نے (کسی کو) بیٹا بنالیا ہے' ان کو اس بات کا کوئی علم نہیں اور نہ ان کے باپ دادا ہی کو تھا۔ یہ بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے''۔(١٨:١۔٥)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو جو اس گمراہی میں مبتلا رہے تھے ان کے اس بدعقیدہ سے ڈرایا اور قرآن مجید میں کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ اپنی اس بدعقیدگی اور گمراہی سے باز نہ آئے تو انہیں سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ جیسا کہ امام احمدؒ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کی امت میں کا ہر فرد مشرکین کے سوا بخشا جائے گا اور اپنے نیک اعمال کی بنا پر جنت میں جائے گا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی ولادت، صغرسنی اور لڑکپن میں ان کی تربیت اوران پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے آغاز کا ذکر

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی ولادت بیت المقدس کے قریب بیت لحیم میں ہوئی تھی' جس کا ذکر اکثر مستند روایات میں آیا ہے اور حدیث نبوی سے بھی یہی ثابت ہے لیکن وہب بن منبہ کے بقول ان کی ولادت مصر میں ہوئی تھی۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام اس وقت یوسف بن یعقوب نجار کے ساتھ حالت سفر میں تھیں۔ بہر حال چونکہ یہ روایت دیگر مستند روایات کی متضاد اور مذکورہ بالا حدیث نبویؐ سے بھی متعارض ہے اس لیے اسے صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ صرف منکر ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

ویسے وہب بن منبہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت بہت سے ملائکہ حضرت مریم علیہا السلام کے گرد جمع تھے جن کی وجہ سے شیطان کے چیلوں بلکہ خود شیطان کو ان کی ولادت کے فوراً بعد ان کے قریب آنے کی جرأت نہ ہوئی نیز یہ کہ اس وقت آسمان پر خلاف معمول ایک نہایت روشن ستارہ نمودار ہوا لیکن ساتھ ہی مشرق و مغرب دونوں کے افقوں پر کچھ ایسے طوفانی آثار پائے گئے جس سے فارس کا بادشاہ ڈر گیا۔ اس نے اپنے نجومیوں اور کاہنوں سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ بولے کہ ملک شام کی طرف ایک عظیم المرتبت بچہ پیدا ہوا ہے اور اسی کی ولادت کے یہ آثار ہیں۔ ان سے یہ سن کر فارس کے بادشاہ نے بہت سا سونا اور قیمتی تحائف حضرت مریم علیہا السلام کی خدمت میں روانہ کیے لیکن جب اس کا ایلچی دمشق پہنچا تو اسے لوگوں نے بتایا کہ ایسا بچہ بیت المقدس میں پیدا ہوا ہے لیکن انہوں نے ساتھ ہی اس ایلچی سے پہلے بیت المقدس پہنچ کر حضرت مریمؑ کو خبر دی کہ فارس کے بادشاہ کے آدمی ان کے نومولود لڑکے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو اس کے حکم پر قتل کرنے کے لیے پہلے شام آئے تھے اور اب بیت المقدس آنے والے ہیں۔ اس لیے حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر فوری طور پر مصر کی طرف روانہ ہو گئی تھیں اور مصر میں اس وقت تک ٹھہریں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارہ سال کی عمر کو نہ پہنچ گئے۔

اس کے علاوہ وہب بن منبہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لڑکپن ہی میں خرق عادات کرامات اور معجزات کا ظہور ہونے لگا تھا۔ وہ اکثر فقراء و مساکین کے پاس جاتے رہتے تھے اور اکثر ان کی مدد فرماتے رہتے تھے۔ اس ضمن میں ایک غریب دہقان کا قصہ مشہور ہے۔ جس کا کوئی گھر تھا نہ در اور اس کے علاوہ وہ نابینا بھی تھا لیکن اس وقت آپ تشریف فرما تھے زر و مال کا ایک انبار تھا جس کے بارے میں آپؑ نے اس دہقان سے فرمایا کہ دیکھو یہ سارا مال تم لے جاؤ۔ اس پر وہ بولا کہ:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''میری تو آنکھیں ہی نہیں ہیں اس لیے میں اس مال کو دیکھ سکتا ہوں نہ اٹھا کر لے جا سکتا ہوں''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''کیوں نہیں، تم تو میری طرح دیکھ سکتے ہو''۔

اور اسی وقت اس نابینا دہقان کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس زمانے میں ایسی متعدد کرامات کا ظہور ہوا جس سے عام لوگوں میں آپؑ کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور آپؑ ہر دلعزیز ہو گئے حالانکہ وہ اس وقت صغیر سن ہی تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ بالا کرامت کے بعد وہ دہقان اور اس کی اولاد عزت کی زندگی بسر کرنے لگے اور مالدار بھی ہو گئے تو انہوں نے ایک روز لوگوں کی بڑی شاندار دعوت کی اور کھانے کے ساتھ شراب کے کئی مرتبان یا خم بھی رکھے تھے کیونکہ ان دنوں وہاں شراب نوشی کا عام رواج تھا لیکن جب ان مرتبانوں کو یکے بعد دیگرے کھولا گیا تو ان میں سے ایک قطرہ شراب بھی نہ نکلی۔ یہ دیکھ کر اس دہقان اور اس کے بیٹوں کو بہت دکھ ہوا۔ تاہم جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان مرتبانوں کے نزدیک سے گزر کر اس دہقان اور اس کے لڑکوں کو دوبارہ انہیں دیکھنے کا اشارہ کیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان میں سے ہر مرتبان یا خم میں سے ان سڑے ہوئے کھیروں کی سخت بدبو آ رہی تھی جن سے وہ شراب تیار کی گئی تھی۔

اس واقعے کے بعد دونوں ماں بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام مصر سے بیت المقدس واپس آ گئے۔

اسحاق بن بشر سے مروی ہے کہ لڑکپن میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب کبھی سورج، چاند یا کسی بہتے ہوئے دریا یا بلند پہاڑ کو دیکھتے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی شان میں کلمات تمجید ان کی زبان مبارک پر آ جاتے تھے۔

اسحاق بن بشر، مقاتل، ضحاک اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سات سال کی عمر میں پڑھنے کے لیے مکتب میں بٹھایا گیا تو وہ بڑی سے بڑی علمی کتاب پر ایک نظر ڈال کر اسے ایک طرف رکھ دیتے تھے۔

بار بار یہ دیکھ کر ایک روز ان کے معلم نے ان سے کہا:

''تم ان کتابوں کو اس طرح ایک نظر دیکھ کر رکھ دیتے ہو جیسے یہ سب کتابیں تمہیں ازبر ہیں حالانکہ ابھی تو تمہیں ابجد کے معنی بھی معلوم نہیں''۔

معلم کی یہ بات سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولے:

''وہ تو آپ کو معلوم نہیں''۔

ان کی یہ بات عجیب بات سن کر معلم نے طنزاً کہا:

''تو آپ ان کے معانی بتا دیجیے''۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معلم سے فرمایا:

''پھر آپ اپنی مسند پر مجھے بیٹھنے دیجیے اور خود میری طرح میرے سامنے بیٹھئے تو میں ان کے معانی آپ کو بتاؤں گا''۔

جب معلم نے ان کی اس بات کو مضحکہ خیز سمجھ کر اپنی مسند ان کے لیے خالی کر دی اور ان کے سامنے شاگردوں کی طرح زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھ گیا اور بولا:

''اب فرمایئے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''الف کے معنی ہیں الا اللہ (یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) ''ب'' سے مراد ہے بہا اللہ (یعنی اللہ کی شان) اور ''ج'' کا مطلب ہے بہجتہ اللہ اور اس کا جمال''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اس صغرسنی میں ابجد کے یہ معانی سن کر ان کا معلم انگشت بدنداں رہ گیا کیونکہ اس نے ابجد کے یہ معانی اپنی زندگی میں صرف انہی کی زبان سے سنے تھے۔

اسحاق بن بشر اس روایت کے آخر میں کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے اس موضوع پر کافی طویل گفتگو فرمائی تھی۔ تاہم یہ حدیث متنازعہ ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لڑکپن میں اپنے ہم سبق لڑکوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے ان سے الگ الگ کہتے کہ:

''جاؤ آج تمہاری ماں نے تمہارے کھانے کے لیے فلاں چیز پکائی ہے''۔

اور جب وہ لڑکے اپنے اپنے گھروں میں جا کر اپنی اپنی ماؤں سے کھانے کے لیے وہی چیز مانگتے تو وہ ان سے پوچھتیں:

''یہ بات تمہیں کس نے بتائی ہے؟''۔

جب وہ ان سے کہتے:

''عیسیٰ نے''۔

تو وہ حیران رہ جاتیں کیونکہ ان کے گھروں میں الگ الگ وہی چیزیں پکی ہوتی تھیں۔

پھر وہ عورتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتیں تو وہ وہاں سے غائب تھے یہ دیکھ کر وہ اپنے اپنے لڑکوں سے کہتیں:

''تم اس لڑکے کے ساتھ نہ کھیلا کرو۔ نہ جانے وہ تمہیں اور کیا الا بلا سکھا دے گا''۔

اسحٰق بن بشر بیان کرتے ہیں کہ ان سے ادریس نے اپنے دادا وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اس وقت کی قیام گاہ سے بیت ایلیا جانے کا حکم دیا جس میں یقیناً حکمت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یہ تھی کہ وہاں ان پر بہت سے عجائبات الہاناً ظاہر ہونے لگے تھے جن میں مستقبل بینی بھی شامل تھی اور اسی وجہ سے بنی اسرائیل انہیں حیرت سے دیکھنے لگے تھے اوران کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو یہ خوف ہوا تھا کہ کہیں ان کی قوم ان کے بیٹے کی ان عجیب و غریب باتوں کو سن کر اس کی دشمن نہ بن جائے۔ چنانچہ وہ اپنے ماموں کے بیٹے یوسف بن یعقوب نجار کے پاس پہنچیں اوران سے وہ سب باتیں بیان کیں تو وہ ان دونوں ماں بیٹوں کو گدھے پر بٹھا کر ایلیا کی طرف روانہ ہوگئے۔ جہاں ان پر انجیل نازل ہوئی اور وہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے توریت کا علم ہوا۔

اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایلیا ہی میں انہیں مردوں کو زندہ کرنے اور لاعلاج مریضوں کو صحت بخشنے کے معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے۔ اوراسی زمانے سے انہوں نے اپنی قوم کو دعوتِ حق دینی شروع کی اورلوگ ان کے پاس جوق درجوق آنے لگے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

چار آسمانی کتابوں کے نزول اور ان کے اوقاتِ نزول کا بیان

ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن صالح اور معاویہ بن صالح نے جیسا کہ بیان کیا اس کے مطابق توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ماہِ رمضان المبارک کی چھ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر ماہ رمضان المبارک کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی' انجیل حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر ماہِ رمضان المبارک کی اٹھارہ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی اور قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ماہ رمضان المبارک کی چوبیس راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوا اور ان چاروں آسمانی کتابوں کے نزول کے درمیانی فصل کی ترتیب یہ ہے کہ زبور تورات کے چار سو چوراسی سال بعد نازل ہوئی۔ انجیل زبور کے ایک ہزار پچاس سال بعد نازل ہوئی اور قرآن مجید انجیل مقدس کے بعد ماہ رمضان المبارک کی مذکورہ بالا تاریخ کو نازل ہوا۔

ہم نے قرآن مجید کے نزول کی تاریخ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے وضاحت کی ہے جب کہ نزول انجیل کی مذکورہ بالا تاریخ متعدد احادیث واردہ سے ثابت ہے۔

ابن جریر اپنی کتاب تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نزول انجیل کا آغاز رمضان المبارک کی مذکورہ بالا تاریخ کو ہوا جب ان کی عمر تیس سال تھی اور اس کا نزول ان پر اس وقت ختم ہو گیا جب ان کے دشمنوں نے اپنے نزدیک انہیں صلیب پر لٹکایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں (زندہ) آسمان پر اٹھا لیا۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تینتیس سال تھی۔

اس موضوع پر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیلی گفتگو کریں گے۔

اسحٰق بن بشر بیان کرتے ہیں کہ انہیں سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ مقاتل' عبدالرحمٰن بن آدم اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے' جیسا کہ انجیل میں مذکور ہے' وحی کے ذریعہ فرمایا تھا کہ اس نے انہیں ایک پاک باکرہ (کنواری) کے بطن سے بے باپ کے پیدا کیا ہے اور اس سے قبل کبھی ایسا نہیں کیا تھا اور انہیں تمام بشری مخلوق میں سے نزول انجیل کے لیے بطور خاص منتخب فرمایا ہے لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ انجیل میں نازل شدہ اس کے تمام ہدایات و احکام کی سریانیہ کے جملہ علاقوں میں تبلیغ کریں۔

اسحٰق بن بشر کی اسی روایت میں مذکورہ بالا حوالوں سے مزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتہائی خوش قامت اور حسین و جمیل شخص تھے' ان کا چہرہ ہمہ وقت چاند کی طرح روشن رہتا تھا اور ان کے بالوں بلکہ تمام جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی وہ جس طرف سے گزرتے اس راستے میں دور دور تک مشک کی خوشبو پھیل جاتی تھی۔ ان کے جسم پر سینے کے مٹھی بھر بالوں کے سوا کسی اور جگہ بال نہیں تھے۔ ان کی گردن سے قدموں تک سیال چاندی کی طرح ایک رو بہتی نظر آتی تھی۔

اسحٰق بن بشر انجیل مقدس کے حوالے سے مزید بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں ان پر ایمان لانے والوں کے لیے طوبیٰ کا سلام ہوں اور ان کا نکاح آسمان پر ہوگا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

شجر طوبیٰ کی وضاحت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے (آسمان پر) عرض کیا:

''یارب طوبیٰ کیا ہے؟''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''یہ ایک درخت کا پودا ہے جسے خود میں نے لگایا ہے اس کی جڑ جنت میں ہے' اس کی سیرابی جنت کی نہر تسنیم سے ہوتی ہے۔ اس کی خنکی کافور کی خنکی ہے' اس کی خوراک زنجبیل (ادرک) ہے' اس کی خوشبو مشک کی خوشبو ہے' جو اس کا مشروب پی لے اسے پھر بہتر سے بہتر مشروب کی تمنا نہ ہوگی''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

''یارب مجھے اس کا مشروب پلا''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اس کا مشروب انبیاء پر حرام ہے جب تک وہ نبی (یعنی نبی آخر الزماں وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی امت اس مشروب کو نہ پی لے''۔

اس سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ان کے نزدیک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں زمین سے آسمان پر اٹھا کر اپنی قربت سے سرفراز کروں گا' پھر تمہیں آخری زمانے میں زمین پر بھیجوں گا تا کہ تم زمین پر فتنہ دجال سے اس نبی کی امت کی حفاظت کرو' تمہیں (صبح کی) نماز کے وقت زمین پر بھیجا جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ

''مجھے اس نبی کی امت کا ایک فرد بنا کر زمین پر بھیج دینا''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ امت مرحومہ ہے اور اس کا نبی آخری نبی ہوگا۔ اس لیے کہ تم نبی کی حیثیت سے دوبارہ زمین پر نہ جا سکو گے۔

ایسی متعدد روایات کتب تواریخ میں بکھری پڑی ہیں جنہیں ہم نے یہاں بخوف طوالت پیش نہیں کیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خبر مائدہ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

''(وہ قصہ بھی یاد کرو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمہارا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟ انہوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو خدا سے ڈرو۔ وہ بولے کہ ہماری خواہش ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل تسلی پائیں۔ اور ہم جان لیں کہ تم نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس (خوان کے نزول) پر گواہ رہیں (تب) عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لیے (وہ دن) عید قرار پائے یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں (سب) کے لیے۔ اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے تو بہتر رزق دینے والا ہے خدا نے فرمایا میں تم پر ضرور خوان نازل فرماؤں گا لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا تو اسے ایسا عذاب دوں گا کہ اہل عالم میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ دوں گا''۔ (۵:۱۲-۱۵)

ہم نے سورۂ مائدہ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں ابن عباس' سلمان فارسی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم وغیرہ کے حوالے سے قرآن مجید کی اس سورۂ مبارکہ کی تشریح و وضاحت کے سلسلے میں جتنی متعلقہ روایات مل سکتی تھیں سب جمع کر دی ہیں جن سب کا مضمون یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تیس روزے رکھنے کا حکم دیا تھا تو انہوں نے وہ روزے رکھنے سے قبل ان سے عرض کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ان کے لیے آسمان سے کھانے کا خوان اتارے تا کہ ان کے قلب مطمئن ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے روزے قبول فرما لیے ہیں اور وہ اسی خوان سے روزے افطار کیا کریں اور آخر میں اس کی خوشی منائیں اور اس روز عید منا کر اس دن کو اپنے لیے عید کا دن مقرر کر لیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ روزے پورے نہ کر سکے تو نہ اللہ تعالیٰ کا صرف شکر ہی ادا نہ کر سکیں گے بلکہ ان شرائط کو بھی پورا نہ کر سکیں گے جو اس خوان کے آسمان سے نزول کی شرط تھی یعنی اگر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق بڑے سخت عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔ تاہم جب تمام حواریوں نے اپنے عہد کے پورے کرنے کا عیسیٰ علیہ السلام کو یقین دلایا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور آسمان سے ہر روز لذیذ کھانوں اور فواکہات کے خوان اترنے شروع ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس خوان کرم میں سب کو شرکت کی دعوت دے دی۔ وہ بولے کہ پہلے آپ کھائیے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس کی خواہش کی تھی تو پہلے انہی کو کھانا چاہیے لیکن پھر ان کے اصرار پر انہوں نے اس میں سے پہلے کچھ کھالیا۔

پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر روز سات ہزار آدمی اس کھانے میں شریک ہونے لگے۔ کیونکہ وہ لوگ بھی ان میں مل گئے جو آسمان سے اس خوان کے اترنے کو صرف ایک مذاق سمجھتے تھے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی طرف سے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس خوان نعمت میں صرف فقراء و مساکین کو شریک کیا کریں۔ اس حکم کی تعمیل پر لوگ عیسیٰ علیہ السلام سے ناخوش ہو کر انہیں برا بھلا کہنے پر اتر آئے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔

اس سے قبل وہب بن منبہ کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ان جھگڑالو نام نہاد عالموں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

''اے علمائے سو! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم تو جنت کے لذائذ سے متمتع ہوتے رہو لیکن فقراء و مساکین کو اس میں گھسنے تک نہ دو''۔

اس قبیل کی روایات بے شمار ہیں جن میں سے ابن عساکر نے کچھ ثقہ روایات انتخاب کر کے پیش کی ہیں اور ہم نے بھی انہیں بطور اختیار یہاں پیش کر دیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کا ذکر

یہود یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے مکروفریب سے عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کر دیا اور عیسائی بھی یہی سمجھتے ہیں کہ انہیں مصلوب کیا گیا تھا لیکن اس کی حقیقت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمائی۔ اس کا ارشاد ہے:

''اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور خدا بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) چال چلا اور خدا خوب چال چلنے والا ہے۔ اس وقت خدا نے فرمایا کہ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کر دوں گا اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے ان کو کافروں پر قیامت تک فائق (غالب) رکھوں گا۔ پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آؤ گے تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں ان کا فیصلہ کر دوں گا''۔ (۳:۵۴۔۵۵)

قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

''(لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا) تو ان کے عہد کو توڑ دینے اور خدا کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (خدا نے ان کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے نہیں ہیں بلکہ ان کے کفر کے سبب خدا نے ان پر مہر کر دی ہے تو یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔ اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو خدا کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے (خدا نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی۔ اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا''۔ (۴:۱۵۵۔۱۵۹)

قرآن مجید کی ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس نے انہیں اس حالت میں اپنی طرف اٹھایا کہ وہ سو رہے تھے یعنی نیند کی حالت میں زمین پر ان کی زندگی کے دن پورے کر کے زندہ ہی اپنی طرف اٹھایا تا کہ وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں اذیت سے بچ جائیں اور فی الوقت ان کا رشتہ ان دنیا والوں سے منقطع ہو جائے جو اس زمانے کے بعض بادشاہوں کے اشارے پر ان کے قتل کے درپے تھے۔

حسن بصری اور محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل یا انہیں سولی دینے کا حکم دیا تھا اور انہیں بیت المقدس کے قریب ایک گھر میں محصور کروایا تھا اس کا نام داؤد بن نور تھا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جب اس داؤد بن نور کے حکم پر عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کے لیے اس گھر سے باہر نکال کر لے جایا جانے لگا اس وقت جمعہ کا دن گزر کر ہفتے (سنیچر) کی رات شروع ہو چکی تھی۔

بہر کیف جیسی کہ خدا کی مرضی تھی عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے جو وہاں حاضر تھے ایک شخص کی صورت ان کے مشابہ کر دی گئی اور جو سپاہی انہیں مصلوب کرنے کے لیے صلیب تک لے جانے کے لیے آئے تھے وہ اس شخص کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر اپنے ساتھ لے گئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گھر کے ایک روشندان سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھا لیا اور انہیں اس طرح باہر جاتے اس گھر کے لوگوں نے دیکھا مگر ان کے اور دوسرے یہودیوں کے علاوہ بہت سے نصرانیوں نے بھی مذکورہ بالا حاکم کے خوف سے اس بات کی گواہی دی کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ (خدانخواستہ) لوگوں کو اپنی باتوں سے گمراہ کر رہے تھے (نعوذ باللہ من ذالک) جب کہ یہ بات خود اپنی جگہ انتہائی گمراہ کن تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات میں ارشاد فرمایا کہ:

''اہل کتاب (یہ گمراہی چھوڑ کر) ان (عیسیٰ علیہ السلام) کی موت سے قبل ان پر ایمان لے آئیں گے یعنی جب انہیں اللہ تعالیٰ دوبارہ زمین پر اس لیے اتارے گا کہ وہ اہل ایمان کو دجال مردود کی' جو مسیح ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے گا' گمراہ کن باتوں سے بچانے کے لیے اس کے خلاف جہاد کریں۔ (یہ وضاحت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے ذکر کے ساتھ مختلف کتابوں میں پائی جاتی ہے) اس کے علاوہ ان کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو وہ دجال کے خلاف جہاد کرتے ہوئے خنزیروں کو ہلاک کرنے کا حکم دیں گے اور اس زمانے کے عام لوگوں کو دین اسلام کی پیروی کا حکم دیں گے اور خود بھی ان کا مذہب وہی ہوگا جس کی تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے بعد اپنے آخری نبی یعنی رسول عربی محمد ﷺ کو مبعوث فرمائے گا۔ تاہم آپؐ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی یہود و نصاریٰ اب تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ آج تک بہت سے دوسرے غلط اور گمراہ کن عقائد رکھتے اور ان کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں''۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف اور شمائل وفضائل کا ذکر

اس سے قبل وہ قرآنی آیات پیش کی جا چکی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے واقعی اپنے زمانے میں مسیحائی فرمائی ہے' انہوں نے نہ صرف معذور لوگوں کو صحت بخشی بلکہ مردے تک زندہ کر دیے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے دورِ نبوت میں گمراہ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی اور جو لوگ ان کی ہدایات پر عمل کرنے لگے وہ ان لوگوں کے لیے درحقیقت مسیحا ثابت ہوئے۔

ایسی متعدد احادیث ہیں جن میں عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ شیطان ہر نومولود کو اکثر چھوتا ہے لیکن اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے قریب آنے کی جرأت نہیں کی اور صرف درپردہ یہ کہتا رہا کہ وہ بے باپ کے بیٹے ہیں' یہ گویا انہیں اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کا طعنہ تھا۔

اس کے علاوہ عمیر بن ہانی سے بہ اسناد مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانا اور اس کی گواہی دی کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' دوزخ و جنت اور حشر و نشر کو تسلیم کیا نیز اس نے یہ بھی گواہی دی کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے نبی تھے' اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا کرنے کے لیے اپنے کلمے اور روح کو سبب ٹھہرایا تھا تو ایسا شخص جنت کا مستحق ہے اور اپنے اعمال صالح کی بنیاد پر ضرور جنت میں جائے گا۔

اس حدیث نبوی کو بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے اور یہ الفاظ بخاری و مسلم دونوں کے ہیں۔

حدیث اسریٰ میں جن جن انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت ﷺ کے ملنے اور ان کے شمائل بیان فرمانے کا ذکر ہے وہیں یہ بھی ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو آپ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ابھی غسل کر کے آئے ہوں کیونکہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اور ان کا جسم اطلس کی طرح چمک رہا تھا۔ حسن وغیرہ سے بحوالہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو حدیث مروی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''ایک شخص نے چوری کی لیکن جب اس سے عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ''کیا تو نے چوری کی؟''۔

تو وہ بولا: ''خدا کی قسم میں نے چوری نہیں کی''۔

اس سے یہ سن کر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے بھی میری آنکھوں کو جھٹلا رہا ہے''۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔

ایسی متعدد احادیث سے عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف اور شمائل وفضائل پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بیت لحم اور القمامہ کی تعمیر

بادشاہ قسطنطین نے مولد مسیح علیہ السلام پر بیت لحم اور اس کی ماں ہیلانہ نے وہیں القمامہ کی تعمیرات کی تھیں جب کہ قسطنطین یہودیوں کے سامنے اپنے آپ کو بطور مسیح پیش کرتا تھا یعنی انہیں بتاتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جنہیں سولی دی گئی تھی اس کی شکل میں دوبارہ جنم لیا ہے۔ اس طرح اس نے ارتکاب کفر کے علاوہ اس کے احکام وقوانین بھی وضع کیے تھے جن میں کتاب عتیق یعنی توریت سے انکار بھی شامل تھا۔ اس نے بہت سی حرام چیزوں کو حلال کر دیا تھا جیسے سور کا گوشت۔

وہ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تھا اور اس نے دوسروں کو بھی یہی حکم دے رکھا تھا۔ جب کہ اس سے قبل بنی اسرائیل کے جملہ انبیاء صخرۂ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تھے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت کے بعد مدینے میں سولہ یا سترہ مہینوں تک مسجد اقصیٰ ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی جس کے بعد بحکم خدا انہوں نے نماز میں ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ کی طرف رخ کیا تھا۔

قسطنطین ہی نے کنیساؤں یعنی عبادت گاہوں کو مصور کرنا شروع کیا تھا اور یہ عقیدہ ایجاد کیا تھا اور لوگوں کو بتایا تھا کہ وہ تصاویر ان کے بچوں اور عورتوں کی محافظ ہیں۔

اسی نے عیسائیوں میں یہ عقیدہ عام کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے اور اس کے جوہر نور میں شریک ہیں۔ خدا کی روح نے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن میں بحیثیت روح القدس حلول کر کے جسد خاکی اختیار کیا تھا۔ لہٰذا (نعوذ باللہ) یہ تینوں یعنی خدا' خدا کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس تینوں واجب التعظیم اور معبود و مسجود ہیں۔ حالانکہ یہ کفر بدترین کفر ہے۔

نعوذ باللہ من ذالک۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ذکر ذی القرنین

ذی القرنین کے بارے میں قرآن مجید میں یوں ذکر فرمایا ہے:

"اور تم سے ذی القرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں ان کا کسی قدر حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں' ہم نے اس کو زمین میں بڑی دسترس دی تھی اور ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا' تو اس نے (سفر کا) ایک سامان کیا یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی' ہم نے کہا ذوالقرنین! تم ان کو خواہ تکلیف دو خواہ (ان کے بارے میں) بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تم کو قدرت ہے' ذوالقرنین نے کہا کہ جو (ظلم و بدکرداری سے) ظلم کرے گا اسے ہم عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے برا عذاب دے گا۔ اور جو ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے' اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی قسم کی سختی نہیں کریں گے بلکہ) اس سے نرم بات کہیں گے' پھر اس نے ایک اور سامان (سفر کا) کیا یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع کرتا ہے جن کے لیے ہم نے سورج کے اس طرف کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی حقیقت حال (یوں تھی اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم کو سب کی خبر تھی' پھر اس نے ایک اور سامان کیا یہاں تک کہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا' تو دیکھا کہ ان کے اس طرف بھی کچھ لوگ ہیں کہ بات کو سمجھ نہیں سکتے' ان لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں۔ بھلا ہم آپ کے لیے خرچ (کا انتظام) کر دیں کہ آپ ہمارے درمیان دیوار کھینچ دیں' ذوالقرنین نے کہا کہ خرچ کا جو مقدور خدا نے مجھے بخشا ہے وہ بہت اچھا ہے۔ تم مجھے قوت بازو سے مدد دو۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط اوٹ بنا دوں گا۔ تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ چنانچہ کام جاری کر دیا گیا) یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان (کا حصہ) برابر کر دیا اور کہا کہ (اب اسے) دھونکو۔ یہاں تک کہ جب اس کو (دھونک دھونک کر) آگ کر دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس تانبا لاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں' پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔ بولا کہ یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے' جب میرے پروردگار کا وعدہ آ پہنچے گا تو اس کو (ڈھا کر) ہموار کر دے گا۔ اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے"۔ (۱۸:۸۳۔۹۸)

اللہ تعالیٰ نے جن ذوالقرنین کا ذکر فرمایا ہے وہ یہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانے میں عدل و انصاف کے لیے مخصوص فرمایا تھا' انہوں نے مشرق سے مغرب تک کا سفر کیا اور جہاں بھی گئے وہاں صاحب حاجت لوگوں کی مدد کی اور ہر جگہ کامیاب رہے۔

دوسرے جہاں جہاں ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے یعنی جن کتابوں میں ان کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں ان میں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بتایا گیا ہے کہ وہ ایک عادل اور ہمدرد خلائق بادشاہ تھے انہوں نے مشرق سے مغرب تک سفر کر کے جگہ جگہ مظلوموں کا ساتھ دیا اور ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دی۔

کہا گیا ہے کہ وہ نبی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ رسول تھے لیکن جس روایت میں انہیں فرشتہ بتایا گیا ہے وہ بڑی عجیب و غریب روایت ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ ان سے ایک شخص آ کر ملا جو انہیں ذوالقرنین کہہ کر خطاب کر رہا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ تم عجیب لوگ ہو کہ جس شخص کو چاہتے ہو نبی بنا دیتے ہو تم کسی کو نبی کسی کو رسول اور کسی کو فرشتہ بتانے لگتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو بڑی سنجیدہ تھی جس سے ظاہر ہوا کہ وہ ذوالقرنین کو نبی کی حیثیت سے جانتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد منسوب ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں لیکن یہ روایت موضوع اور ناقابل یقین اور ناقابل اعتبار ہے۔

اس بارے میں مؤرخین میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان کی وجہ تسمیہ کیا تھی۔ کسی نے بتایا ہے کہ ان کے سر کے دو حصے الگ الگ نظر آتے تھے اس لیے ان کا یہ نام پڑا۔ کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے مشرق و مغرب کی جائے اقتران دیکھی تھی اس لیے وہ اس نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے درمیانی علاقوں کے بادشاہ تھے اس لیے وہ اس نام سے مشہور ہوئے۔ یہ آخری قول زہری کا ہے۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ان کے دونوں ابروؤں کا دو خمار گیسو احاطہ کیے ہوئے تھے اس لیے انہیں ذوالقرنین کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔

عبداللہ بن بشر کا اس بارے میں قول یہ ہے کہ انہوں نے ایک جابر بادشاہ کو بد دعا دی تھی جس نے ان کا ایک ابرو کسے سے یا کسی اور طرح پھاڑ ڈالا تھا اور جب انہوں نے دوبارہ اسے بد دعا دی تو اس نے ان کے دوسرے ابرو کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جس کی وجہ سے ان کے دونوں ابرو بیچ سے دو حصوں میں بٹ کر الگ الگ نظر آنے لگے تھے اس لیے انہیں ذوالقرنین کہا جانے لگا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشہور ہے کہ ذوالقرنین ایک نبی تھے جو اپنی قوم کو ہدایات دیا کرتے تھے لیکن ان کے کچھ مخالفین اور دشمنوں نے ان کی کنپٹی پر ضرب لگائی تھی جس سے وہ وفات پا گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت سے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ تاہم ان کے انہی دشمنوں نے ان پر حملہ کر کے ان کی دوسری کنپٹی بھی پھاڑ دی جس سے وہ پھر وفات پا گئے۔ اس لیے انہیں ذوالقرنین یعنی دو زمانوں والا یا دو زندگیوں والا آدمی کہا جاتا ہے۔

یہی روایت شعبہ القاسم بن ابی بزہ نے ابی طفیل کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

بہر کیف ان کے نام ذوالقرنین کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ زبیر بن بکار ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان کا نام عبداللہ بن ضحاک بن معد تھا لیکن بعض روایات میں ان کا اصل نام مصعب بن عبداللہ بن قنان بن منصور بن عبداللہ بن آذر بن عون بن بنتہ مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن قحطان بتایا گیا ہے۔

ایک حدیث میں انہیں حمیری قبیلے سے بتایا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین ایک دانش مند اور فیلسوف تھے اس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لیے انہیں ان کی غیر معمولی ذہانت وذکاوت کی وجہ سے ذی القرنین کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

حمیری قبیلے کے ایک شخص نے اپنے ایک شعر میں اپنا جد امجد بتایا ہے اور اس بات پر فخر کیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

قد كان ذالقرنين جدي مسلما ملكا تدين له ملوك و تحشد.

سہیلی بیان کرتے ہیں اور ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام مرزبان بن مرزبہ تھا' اور ابن ہشام بھی یہی کہتے ہیں لیکن بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کا نام صعب بن ذی مرائد تھا جب کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا نام افریدون تھا جس نے ضحاک کو قتل کیا تھا اور ایک جگہ اسے (قیاساً) ایاد بن مصعب ذوالقرنین ملک الخافقین اذن الثقلین بھی کہا گیا ہے۔ اور اس کی عمر ایک ہزار سال بتائی گئی ہے۔

دار قطنی اور ابن ماکولا نے اس کا نام ہرس بتاتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ اسے ہرویس بن قیطون بن رومی بن لنطی ابن کشلوخین بن یونان بن یافث بن نوح بھی کہا جاتا تھا۔ واللہ اعلم

اسحٰق بن بشر نے سعید بن بشیر اور قتادہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ درحقیقت ذوالقرنین سکندر رومی تھا جس کا باپ روم کا پہلا قیصر (بادشاہ) تھا اور وہ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا جب کہ ذوالقرنین ثانی سکندر بن فیلقوس بن مدیم بن ہرس بن میطون بن رومی بن لنطی بن یونان بن یافث ابن یونہ بن شرخون بن رومہ بن شرفط بن توفیل بن رومی بن الاصفر بن یقز بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل تھا۔

سکندر بن فیلقوس[1] کا یہ نسب نامہ حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دوسرا اسکندر مقدونی یونانی مصری شہر اسکندریہ کا بانی تھا' اسی کے زمانے میں روم کی تاریخ مرتب کی گئی۔ یہ سکندر جسے بعض لوگ ذوالقرنین بھی کہتے ہیں ذوالقرنین اوّل سے دو ہزار سال بعد ہوا' اسی نے فارس فتح کر کے وہاں کے بادشاہ دارا کو قتل کیا تھا اور وہاں کے دوسرے معزز لوگوں کو ذلیل وخوار کیا تھا' ارسطو اسی سکندر کا وزیر تھا۔

ابن عساکر مزید لکھتے ہیں کہ بعض لوگ ذوالقرنین اوّل اور ذوالقرنین ثانی کو ایک ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ذوالقرنین اوّل تو اس نام نہاد ذوالقرنین سے دو ہزار سال قبل گزر چکے تھے ذوالقرنین اوّل بڑے نیک' پاک باز اور بڑی عظیم شخصیت کے مالک تھے اور اپنے زمانے کے نبی تھے' قرآن مجید میں انہی ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے جب کہ ذوالقرنین ثانی کافر تھا اور اس کے زمانے میں اصنام پرستی ہوتی تھی' جب کہ ذوالقرنین اوّل کا دنیا کی مشرقی ومغربی سرحدوں تک سفر' سد سکندری کی جو اسی نام سے مشہور ہے ان کے ہاتھوں تیاری وغیرہ بعید از قیاس باتیں نہیں ہیں۔ سورج کے مقامات طلوع وغروب دیکھنا ویسے بعید از قیاس ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ انہوں نے دنیا کے سفر میں آفتاب کے طلوع وغروب کے مناظر بحراوقیانوس کے افق یا قطب شمالی یا جنوبی میں کہیں دیکھے ہوں۔ بہرکیف ان دونوں ذوالقرنین کے درمیان طویل فصل اور دوسری بدیہی باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دونوں شخصیتیں الگ الگ تھیں۔

[1] عربی میں فیلبس کہا اور پڑھا جاتا ہے۔ (شاذانی)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ذی القرنین کی چشمہ آبِ حیات کی تلاش کا بیان

ابن عساکر سے بحوالہ وکیع اوران کے والد معتمر بن سلیمان امام ابوجعفر باقر اوران کے والد گرامی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی طویل روایت مروی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ذی القرنین کے ساتھ رفاتیل نام کا ایک فرشتہ رہا کرتا تھا۔ ایک روز انہوں نے اس فرشتے سے دریافت کیا کہ آیا اسے معلوم ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسا چشمہ جسے آب حیات کہا جاتا ہے؟ تو اس فرشتے سے اس چشمے کی نشاندہی کے بعد ذی القرنین اس چشمے کی تلاش میں روانہ ہوئے اور خضر علیہ السلام کو رہنمائی کے لیے آگے آگے رکھا لیکن جب وہ سرزمین ظلمات کی وادی میں پہنچے تو خضر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر اس چشمے کا پانی پی لیا لیکن ذی القرنین کو اس جگہ کا پتہ نہیں بتایا۔ البتہ جب ذی القرنین اپنے لشکر میں لوٹ کر گئے تو مذکورہ بالا فرشتے نے ان سے کہا کہ خضر علیہ السلام ایک پتھر دے گئے ہیں۔ ذی القرنین نے وہ پتھر اس زمانے کے علماء کو دکھایا تو انہوں نے اسے بڑا وزنی محسوس کرتے ہوئے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا اور دوسرے پلڑے میں بہت سے پتھر رکھے لیکن پہلا پلڑا پھر بھی نیچا رہا' انہوں نے اور بڑے بڑے پتھر اس دوسرے پلڑے میں رکھے لیکن وہ بھی اس پہلے پلڑے کے برابر نہ آ سکے جس میں وہ پتھر رکھا تھا۔ اس وقت خضر علیہ السلام وہاں آ گئے اور انہوں نے دوسرے پلڑے سے سارے پتھر نکال کر اس کی جگہ ایک مٹھی بھر مٹی رکھ دی تو وہ پہلا پلڑا جس میں وہ سب سے زیادہ وزنی پتھر رکھا تھا فوراً نیچے جھک کر اس دوسرے پلڑے کے برابر آ گیا جس میں سے پتھر نکال کر مٹھی بھر مٹی رکھی گئی تھی۔ یہ دیکھ کر وہاں موجود سب لوگ بشمول علماء حیران رہ گئے۔ خضر علیہ السلام نے ذی القرنین کو بتایا کہ ہر انسان درحقیقت ایک مشت خاک ہے اور آخرکار اسے ایک دن حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مرکر خاک ہو جانا ہے' یہ مشیت باری تعالیٰ ہے لہٰذا کسی انسان کو دنیا میں حیات ابدی کی تمنا نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی یہ گفتگو سن کر وہ سارے علماء جو اس وقت وہاں موجود تھے تعظیماً حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ واللہ اعلم

اس روایت میں ان آیاتِ قرآنی کا حوالہ دیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے ذی القرنین کا ذکر فرمایا ہے اور ان آیات کی تفسیر میں ذی القرنین کے ساری دنیا کے سفر کے دوران میں لوگوں سے ان کی ہمدردی اور ظالموں سے ان کے سلوک کے علاوہ اس دیوار کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو ان آیات قرآنی میں مذکور ہے نیز جس طرح ذوالقرنین نے وہاں کے لوگوں کی مدد سے اس کی تیاری کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس دیوار کے اِدھر اُدھر دو قدیم قبیلے آباد تھے جن میں سے ایک قبیلہ اکثر اس دیوار کی تیاری سے قبل دو پہاڑوں کے درمیانی حصے کو عبور کر کے دوسرے قبیلے پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اس لیے ذوالقرنین نے اس مظلوم قبیلے کی حفاظت کے لیے وہ دیوار اسی طرح تعمیر کر دی تھی جس طرح اس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور ہم اس کی وضاحت

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پہلے کر چکے ہیں۔ ذوالقرنین کے طلوع وغروب آفتاب کے مقامات دیکھنے کا جو ذکر قرآن مجید میں ہے اس کی وضاحت بھی ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ابوداؤد طیالسی ثوری کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جن ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ ذوالقرنین اوّل ہی تھے جن کی صفات قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں اور وہ ان کی ان صفات کا ذکر اپنے اسلاف سے وضاحت کے ساتھ سن چکے ہیں۔

کعب الاحبار کے بارے میں روایت ہے کہ ان سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذوالقرنین کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی بتایا کہ وہ ذوالقرنین اوّل تھے اور ان کے دنیا کے سیر وسفر کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ انہوں نے اپنی والدہ کو وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کے بعد وہ ایک دعوت کریں اور اس میں صرف عورتوں کو بلائیں لیکن ان سے کہہ دیں کہ جس عورت کا کوئی بچہ اس کے سامنے نہ مرا ہو وہ اس کھانے کے کسی برتن میں ہاتھ نہ ڈالے چنانچہ ان کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے کی وصیت پر عمل کیا لیکن ذوالقرنین کی والدہ کے وصیت کی دوسری بات کہنے پر اس دعوت میں موجود ہر عورت نے کھانا کھانے سے معذرت کر لی تو ذوالقرنین کی والدہ نے ان عورتوں سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں جس کا ایک بیٹا بھی اس کے سامنے نہ مرا ہو اور ان کے انکار کے بعد وہ اپنے بیٹے ذوالقرنین کی وصیت کا مطلب سمجھ گئیں اور انہی نے سب سے پہلے کھانا کھانا شروع کیا اور دوسری عورتوں کو بھی وہ کھانا کھانے کی اجازت دے دی۔

اس روایت میں ہر عورت کے لیے ایک سبق ہے جسے کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے اس روایت میں ذوالقرنین اوّل کی دوسری حکمت آمیز باتوں کے ذکر کے بعد یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کی وفات کے وقت ان کی عمر تین ہزار سال تھی جو بڑی عجیب بات ہے۔

ابن عساکر نے ذوالقرنین کا اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہوئے ان کی وفات کے وقت ان کی عمر چھتیس سال بتائی ہے اور کچھ دوسری روایات میں بھی ان کی عمر وفات کے وقت صرف چونتیس سال بتائی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض راویوں نے ذوالقرنین اوّل اور ذوالقرنین ثانی یعنی سکندر بن فیلقوس کو ایک ہی سمجھا ہے اور اسی لیے بعد کے اکثر راوی اور مورخین بھی اس غلط فہمی سے نہ بچ سکے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یاجوج ماجوج کی قوم کا ذکر

ذوالقرنین کے ذکر کے ضمن میں قرآن مجید میں یاجوج ماجوج کا جو ذکر آیا ہے اس پر مفسرین کے علاوہ دوسرے راویوں اور مؤرخین نے بھی کافی گفتگو کی ہے۔ ان کے نبی آدم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے جس کا ثبوت صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) کی روایات سے ملتا ہے جو درحقیقت اس سلسلے میں حرف آخر ہیں۔

صحیحین میں اس سلسلے کی حدیث نبوی اعمش کی روایت پر مبنی ہے جس میں ابی صالح اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ روز قیامت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا: "آدم! اٹھو اور اپنی ذریت (اولاد) کو سب سے بری آگ میں بھیجو!" آدم علیہ السلام عرض کریں گے: "اے پروردگار سب سے بری آگ میں بھیجی جانے والی قوم کون سی ہے؟" اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: "ان تمام بے شمار لوگوں میں سے ہزاروں ہزار نو سو ننانوے افراد کی آگ میں بھیجو اور صرف ایک قوم کو جنت میں بھیجو کیونکہ دوسری سب قومیں نشہ باز لوگوں کی قومیں ہیں جو بچوں کو ضائع کرتے اور نشہ کرتے تھے اور نشہ باز سخت عذاب کے مستحق ہیں"۔

لوگوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! وہ ایک قوم کون سی ہے؟" آپؐ نے فرمایا "وہ ایک قوم تم ہو باقی سب لوگ یاجوج ماجوج ہیں"۔

راوی نے اس حدیث نبوی کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ یاجوج ماجوج سے مراد کسی قوم کے افراد کی اکثریت ہے جو دوسری قوموں پر اپنی کثرت کی وجہ سے غلبہ پا کر ان کے ہاں قتل و غارت گری کا ہنگامہ کرتی رہی ہیں۔ (ترجمہ مفہومی)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ دو قوموں کو جنت میں بھیجنے کا حکم دے گا"۔ لوگوں نے پوچھا: "یارسول اللہ (ﷺ) وہ دو قومیں کون سی ہیں؟"۔ آپؐ نے فرمایا: "ایک قوم تم ہو اور دوسری وہ مظلوم قوم ہے جس پر کوئی دوسری قوم اپنی طاقت اور کثرت افواج کی بناء پر غلبہ حاصل کر کے اسے قتل و غارت کرے گی"۔ (ترجمہ مفہومی)

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ "ان ظالم قوموں میں نوح علیہ السلام کی قوم بھی شامل ہوگی جس کے بارے میں انہوں نے دعا فرمائی تھی کہ "اے اللہ! یہ روئے زمین پر جہاں ہو اسے غارت کر دے اور صرف کشتی والوں کو چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ (طوفان) کے بعد) وہ اہل کشتی بچ گئے تھے۔ (ترجمہ مفہومی)

ایک اور حدیث میں جو مسند امام احمدؒ اور سنن ابوداؤد میں روایت کی گئی ہے بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"نوح کے تین بیٹے تھے سام حام اور یافث۔ سام کی اولاد میں اہل عرب ہیں حام کی اولاد میں اہل افریقہ ہیں اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یافث کی اولاد میں ترک (یعنی مغل) اور دوسری قومیں ہیں''۔

ایک دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ جب اُدھر کے لوگوں کے لیے ذوالقرنین نے دیوار بنا دی تھی تو دوسری طرف کے لوگ جنہیں ان کی کثرت افراد اور کثرت یلغار کی وجہ سے یاجوج ماجوج کہا جاتا تھا اس دیوار کے دوسری طرف کا حصہ ترک کر کے کہیں اور چلے گئے تھے اس لیے وہ ترک کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اس کے علاوہ یاجوج ماجوج کی وجہ تسمیہ اور بھی بتائی گئی ہے' اور انہیں عربی' افریقی ترکی سب قوموں سے الگ بتایا گیا ہے کیونکہ وہ نسلاً الگ تھے۔ لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ساری دنیا کے انسان حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد در اولاد ہیں۔ بعض مورخین نے یاجوج و ماجوج سے مراد تاتار سے لی ہے جنہوں نے دوسرے ملکوں کے علاوہ عباسیوں کی حکومت اور بغداد کو تاخت و تاراج کیا تھا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قصہ اصحابِ کہف

اصحابِ کہف کا قصہ مشہور ترین قصوں میں سے ایک قصہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ مکے کے مشرک از منہ قدیم کی بہت سی باتیں یہود کے عالموں سے دریافت کیا کرتے تھے اور وہ ان مشرکین کو وہ باتیں بتا کر انہیں اکسایا کرتے تھے کہ وہ وہی باتیں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کریں کیونکہ اگر وہ سچے نبی ہیں تو ان کا صحیح صحیح جواب دیں گے ورنہ وہ انہیں نبی نہ مانیں۔ یہی بات یہود کے عالموں نے ذوالقرنین کے بارے میں کہی تھی اور ان کے بارے میں مشرکین مکہ نے آپؐ پر سوالات کی بوچھار کر دی تھی جس کے بعد قرآن مجید کی وہ آیات آپ پر نازل ہوئی تھیں جنہیں گذشتہ اوراق میں پیش کر کے ہم ان کی وضاحت کے ساتھ اس موضوع پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔

اصحابِ کہف کے بارے میں بھی ظاہر ہے آپ سے بار بار دریافت کیا گیا ہوگا' جس کے بعد قرآن مجید کی وہ آیات آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کا مفصل قصہ آپ کو سنایا اور اس قصے کی وجہ سے ہی قرآن مجید کے ایک پوری سورت کا نام ہی سورۂ کہف ہے۔ سورۂ کہف کی وہ آیات یہ ہیں:

''کیا تم خیال کرتے ہو کہ غار اور لوح والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے' جس وہ جوان غار میں جا رہے تھے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما۔ اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔ تو ہم نے غار میں کئی سال تک ان کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈالے (یعنی ان کو سلائے) رکھا۔ پھر ان کو جگا اٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ جتنی مدت وہ (غار میں) رہے دونوں جماعتوں میں سے اس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے۔ ہم ان کے حالات تم سے صحیح صحیح بیان کرتے ہیں۔ وہ کئی جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی تھی' اور ان کے دلوں کو مربوط (یعنی مضبوط) کر دیا۔ جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہم اس کے سوا کسی کو (معبود سمجھ کر) نہ پکاریں گے (اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی۔ ان ہماری قوم کے لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ بھلا یہ ان (کے خدا ہونے) پر کوئی دلیل کیوں نہیں لاتے۔ تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ افترا کرے۔ اور جب تم نے ان (مشرکوں) سے اور جن کی یہ خدا کے سوا عبادت کرتے ہیں ان سے کنارہ کر لیا ہے تو غار میں چل رہو تمہارا پروردگار تمہارے لیے اپنی رحمت وسیع کر دے گا اور تمہارے کاموں میں آسانی (کے سامان) مہیا کرے گا۔ اور جب سورج نکلے تو تم دیکھو کہ (دھوپ) ان کے غار سے داہنی طرف سمٹ جائے اور جب غروب ہو تو ان سے بائیں طرف کترا جائے اور وہ اس کے میدان میں تھے۔ یہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جس کو خدا ہدایت دے وہ ہدایت یاب ہے اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جس کو گمراہ کرے تو تم اس کے لیے کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے' اور تم ان کو خیال کرو کہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوتے ہیں۔ اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ بدلاتے تھے اور ان کا کتا چوکھٹ پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔ اگر تم ان کو جھانک کر دیکھتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور ان سے دہشت میں آ جاتے' اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کریں۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ تم (یہاں) کتنی مدت رہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ انہوں نے کہا کہ جتنی مدت تم رہے ہو تمہارا پروردگار ہی اس کو خوب جانتا ہے۔ تو اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کو بھیجو وہ دیکھے کہ نفیس کھانا کون سا ہے تو اس میں سے کھانا لے آئے اور آہستہ آئے جائے اور تمہارا حال کسی کو نہ بتائے' اگر وہ تم پر دسترس پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا پھر اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے اور اس وقت تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے' اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حال سے) خبردار کر دیا تاکہ وہ جانیں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (جس کا وعدہ کیا جاتا ہے) اس میں کچھ بھی شک نہیں۔ اس وقت لوگ ان کے بارے میں جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان (کے غار) پر عمارت بنا دو۔ ان کا پروردگار ان (کے حال) سے خوب واقف ہے۔ جو لوگ ان کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ان (کے غار) پر مسجد بنائیں گے (بعض لوگ) اٹکل پچو کہیں گے کہ وہ تین تھے (اور) چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ اور (بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ میرا پروردگار ہی ان کے شمار سے خوب واقف ہے ان کو جانتے بھی ہیں تو تھوڑے ہی لوگ (جانتے ہیں) تو تم ان (کے معاملے میں) گفتگو نہ کرنا مگر سرسری سی گفتگو۔ اور نہ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ دریافت ہی کرنا''۔ (۱۸:۹۔۲۲)

ان آیاتِ قرآنی میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اصحاب کہف کا از اوّل تا آخر ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اصحاب کہف اپنے زمانے کے بادشاہ اور اپنے ملک کے دوسرے لوگوں کے برعکس جو اصنام پرست تھے خدا اور اس کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ اصنام پرستوں سے دامن بچا کر کسی پہاڑ کے غار میں چلے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے قریہ کے قریب ایک غار میں چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی بستی کے اصنام پرستوں کے ظلم سے بچانے کے لیے ان پر نیند طاری فرما دی اور اپنے فضل و کرم سے موسم گرما کو دھوپ سے بچانے کے لیے یہ انتظام فرمایا کہ سورج طلوع ہونے کے بعد اس غار کے دہانے سے بچ کر دوپہر سے شام تک آسمان پر اپنا مقررہ سفر طے کرے اور وقت غروب بھی ایسا ہی کرے تاکہ شام کی دھوپ بھی اس غار کے اندر نہ جانے پائے۔

ان آیاتِ قرآنی میں اصحاب کہف کو اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف والرقیم فرمایا ہے۔ مفسرین نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کہف کے ساتھ جس کے معنی عربی میں غار ہیں رقیم کے بارے میں بیان کیا ہے کہ رقیم اس بستی کا نام تھا جس سے ان خدا پرستوں کا تعلق تھا۔ بعض مفسرین نے رقیم اس وادی کا نام بتایا ہے جس کے پہاڑ کی غار میں وہ لوگ اپنے دشمنوں سے پناہ لینے کے لیے جا چھپے تھے لیکن بحالت خواب بھی بحکم الٰہی کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اصحابِ کہف یعنی ان غار میں پناہ لینے والوں کے ساتھ جیسا کہ ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے ان کا کتا بھی تھا جو اس غار کے منہ پر اپنے اگلے پاؤں پھیلائے بیٹھا رہتا تھا شعیب جلبائی نے اس کتے کا نام حمران اور کچھ دوسرے راویوں نے وصید بتایا ہے۔

اگر چہ شرعاً بتایا گیا ہے کہ جس گھر میں کوئی کتا ہوگا تو اس کے نجس ہونے کی وجہ سے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے لیکن اصحاب کہف کے کتے کی وفاداری کے پیش نظر اور کسی کار خیر یعنی اپنی اور اپنی املاک کی حفاظت کے لیے کتا پالنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ دوسرے اس جانور کی فطری وفاداری کے پیش نظر یہ تاکید بھی کی گئی ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک اور اس کی بطریق احسن دیکھ بھال اور پرورش کی جائے لیکن اس کے ساتھ یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ اس کی جسمانی نجاست کی وجہ سے دوسری اقوام خصوصاً عیسائیوں کی طرح انہیں اپنے برتنوں میں کھانا کھلانے اور اپنے ساتھ بٹھانے سے اجتناب کیا جائے۔ اس کے برخلاف جو کچھ بعض روایات میں کتوں کے نام اور رنگ وغیرہ کے بارے میں بتایا وہ صرف اسرائیلات پر مبنی ہے اور اس کا ظاہر اسلامی شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

مذکورہ بالا غار کے محل وقوع کے بارے میں علماء میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر نے اس کا محل وقوع ایلہ کی سرزمین بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کی نیند کی مدت تین سو نو سال بتائی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب وہ اس نیند سے بیدار ہوئے تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہوں گے تو ہر ایک نے یہی کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ پھر انہی میں سے کوئی بولا کہ ہم میں سے کسی کو ایک روپیہ لے کر بازار بھیجنا چاہیے جو لوگوں کی نگاہوں سے بچتا بچاتا وہاں سے اچھا سا کھانا لے آئے تاکہ سب مل کر کھا سکیں۔

بعض راوی بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے جو شخص بازار جانے کے لیے تیار ہوا اس کا نام دقسوس تھا۔ اس وقت تک ان کے غار میں نہ ان کا کتا داخل ہوا تھا نہ فرشتوں کو خدا کا حکم تھا کہ اس کے اندر داخل ہوں۔ البتہ خود اللہ تعالیٰ نے انہیں اس وقت تک اپنی قدرت سے بے کھائے پیے زندہ رکھا تھا جب کہ انہیں خود علم نہ تھا کہ انہیں اس نیند کی حالت میں تین سو سال سے زیادہ مدت گزر چکی ہے۔

بہر کیف ان میں سے وہ شخص جس کا نام دقسوس بتایا گیا ہے اور بعض راوی اس کا نام دقیانوس بتاتے ہیں جب غار سے نکل کر پہاڑ سے نیچے اترا اور اس بستی کے بازار کی طرف گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس پوری بستی کا حلیہ ہی بدلا ہوا ہے' وہاں کے مکانات اور بازار تو ایک طرف اس کے باشندے بھی صورتوں کے لحاظ سے قطعی طور پر بدل چکے تھے۔ وہ حیرت زدہ اس بستی میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا اور لوگ اس کا حلیہ دیکھ کر یہاں وہاں خوف سے چھپتے پھر رہے تھے۔

یہ حال دیکھ کر ان اصحاب کہف یا غار والوں کا وہ آدمی واپس آیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو بستی کا حال سنایا تو ان میں سے ایک دوسرا شخص جس کا نام تیذ رسیس[1] بتایا جاتا ہے غار سے نکل کر بستی کی طرف گیا تو لوگ ان دونوں کو دیکھنے کے بعد اس

---

[1] یہ نام کتاب ''اصول'' میں لکھا ہے لیکن ابن جریر نے اس کا نام اپنی تاریخ میں یملیخا لکھا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ تیذ رسیس اس جگہ کے بادشاہ کا نام تھا۔ (محمود الامام)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دوسرے شخص کے پیچھے لگے ہوئے اس غار کے دہانے تک جا پہنچے وہ انہیں کسی دشمن ملک کا جاسوس سمجھتے تھے اور اس کی تحقیق کے لیے وہاں تک آئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے اندر جھانک کر دیکھا تو انہیں وہاں اس شکل وصورت کے کئی آدمی نظر آئے اور وہ انہیں کوئی غیر انسانی مخلوق سمجھ کر ڈر کے مارے وہاں سے واپس بھاگ آئے۔

جب اس بستی والوں کو حقیقت حال معلوم ہوئی اور انہوں نے وہ تین سو سال قبل کا سکہ دیکھا تو انہوں نے اس واقعے کو خدا کی قدرت پر محمول کیا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا کیونکہ اس وقت تک اصحاب کہف مر چکے تھے۔

اس کے بعد بھی اس بستی کے لوگوں نے اس غار میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کی ظاہر ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت سے اس فعل سے باز رکھا تھا یا وہ خود ان کی ہیبت سے اس غار میں داخل نہیں ہوئے اور ان غار میں تین سو سال تک اللہ تعالیٰ کے حکم سے بحالتِ خواب رہنے والوں کے حالات وکوائف پر ہمیشہ کے لیے پردہ پڑ گیا۔

اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات قرآنی میں ارشاد فرمایا ہے' لوگوں میں باہم اختلاف ہے' کوئی ان کی تعداد تین بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ چوتھا ان کا کتا تھا' کوئی کہتا ہے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا اور بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا لیکن ان آیات کے آخر میں خود اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے توسط سے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایسی متنازعہ فیہ باتوں کے کھوج میں نہ رہا کریں کیونکہ ایسی سب باتیں ان کے پروردگار کی نشانیاں ہیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ان کی حقیقت اس بستی کے لوگوں پر جب منکشف ہوئی تو اس وقت وہ یعنی اصحاب کہف وفات پا چکے تھے جب کہ اس سے قبل کچھ لوگ کہتے تھے کہ ان کے غار کا دہانہ پتھر کی کسی بڑی سل سے بند کر کے انہیں وہاں ہمیشہ کے لیے زندہ دفن کر دیا جائے اور اس غار کے اوپر کوئی عمارت تعمیر کر دی جائے لیکن پھر وہی لوگ کہنے لگے کہ اس غار پر کوئی عبادت گاہ ان نیک بندوں کی یادگار کے طور پر تعمیر کر دی جائے جو کام ان کے بزرگوں اور خود ان کے مذہب میں جائز اور رائج تھا۔

اسی وجہ سے صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں یہ حدیث نبوی درج کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہود ونصاریٰ پر لعنت ہو کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مزاروں پر عبادت خانے تعمیر کر رکھے ہیں جب کہ تمہیں یعنی ان کے جیسے اعمال سے اجتناب کرنا چاہیے کہ قیامت برحق ہے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا (یعنی سزا ملے گی) اور انہیں سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (حدیث نبوی کا توضیحی ترجمہ)

حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو اصحاب کہف کے بارے میں بحث کرنے اور ان کی تعداد میں اختلاف آراء کا اظہار کرنے سے ممانعت فرمائی اس کی بدیہی وجہ یہ تھی کہ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ انہیں تین سو سال تک سلائے رکھتا کیونکہ وہ تو جس چیز کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے آپ کو اصحاب کہف کا احترام بھی ملحوظ تھا جو حق پرست تھے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اس وقت ایمان لائے تھے جب ان کی ساری قوم بت پرست یا نجوم پرست تھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس کے علاوہ ان آیات میں اور ان کے علاوہ جہاں جہاں بھی قرآن مجید میں واللہ اعلم اور ان شاء اللہ آیا ہے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ متعدد مستند روایات سے ظاہر ہوتا ہے' فرمایا کہ جب کسی کام کا ارادہ کوئی انسان کرے تو اسے ہمیشہ ان شاء اللہ کہنا چاہیے یہ نہیں کہ وہ کہے کہ میں فلاں کام کل کروں گا کیونکہ اس کام کا پورا ہونا یا نہ ہونا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے جس کے ہونے یا نہ ہونے کی مصلحت وحکمت بھی خود وہی جانتا ہے۔ دوسرے اہل ایمان کے لیے ہر کام کا ارادہ کرنے سے قبل ان شاء اللہ کہنا ان کے ایمان کی پختگی کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ (اگر اس کی مصلحت کے خلاف نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ اس کے ارادے کو ان شاء اللہ کہنے سے پورا کر دیتا ہے اور اس میں یعنی یہ کہنے سے اس میں برکت بھی عطا فرماتا ہے۔

جہاں تک واللہ اعلم کہنے کا تعلق ہے اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بات کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جب کہ اس کے بندے اس کے بارے میں کچھ جانتے بھی ہوں تو وہ بہت کم جانتے ہیں اس لیے ان باتوں کے بارے میں جن میں اختلاف رائے ہو' واللہ اعلم کہنا ضروری قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اصحاب کہف کتنی مدت اس غار میں رہے آیا تین سو سال یا اس سے کتنا کم وبیش اسے خدا ہی خوب جانتا ہے کیونکہ اس کی قدرت اور اس کی اس صفت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

جہاں تک ان آیات میں تین سو سال کے علاوہ نو سال کے اضافے کا تعلق ہے اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ شمسی حساب ؒ سے مہینوں کے دن زیادہ ہوتے ہیں۔ جب کہ قمری حساب سے کم ہوتے ہیں لہٰذا اس نو سال کے اضافے سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا (یعنی قمری حساب سے تین سو سال میں جو کمی رہ جاتی ہے وہ اس طرح پوری ہو جاتی ہے۔ (حدیث نبوی کا مفہومی وتوضیحی ترجمہ)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دومومن وکافر اشخاص کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اصحاب کہف کے قصے کے بعد ارشاد فرمایا:

''اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ (عنایت) کیے تھے اور ان کے گرداگرد کھجوروں کے درخت لگا دیئے تھے اور ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی۔ دونوں باغ (کثرت سے) پھل لاتے اور اس (کی پیداوار) میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی اور (اس طرح) اس (شخص) کو (ان کی) پیداوار (ملتی رہتی) تھی تو (ایک دن) جب کہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں تم سے مال و دولت میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے دار جماعت کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت والا ہوں اور (ایسی شیخیوں سے) اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو۔ اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا' تو اس کا دوست کہنے لگا کہ کیا تم اس (خدا) سے کفر کرتے ہو جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پورا مرد بنایا مگر' میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا ہی میرا پرودگار ہے (اور میں) اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا' اور بھلا جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کیوں نہ کہا؟''۔

اس کے بعد جیسا کہ اگلی آیات میں مذکور ہے وہی شخص اپنے اس باغ والے دوست سے بولا: (ترجمہ آیات قرآنی)

''اگر تم مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کمتر سمجھتے ہو تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور اس (تمہارے باغ) پر آسمان سے آفت بھیج دے تو وہ صاف میدان ہو جائے۔ یا اس (کی نہر) کا پانی گہرا ہو جائے تو پھر تم اسے نہ لا سکو''۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں تک ذکر فرما کر آگے ارشاد فرمایا:

''اور اس کے میوؤں کو عذاب نے آ گھیرا اور وہ اپنی چھتریوں پر گر کر رہ گیا تو جو مال اس نے اس پر خرچ کیا تھا اس پر (حسرت سے) ہاتھ مل کر کہنے لگا کہ کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا (اس وقت) خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوئی اور نہ وہ بدلا لے سکا''۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس سلسلے کی آیات کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

''یہاں (سے ثابت ہوا کہ حکومت سب خدائے برحق ہی کی ہے اس کا صلہ بہتر اور (اسی کا) بدلہ اچھا ہے''۔

(۱۸:۳۲۔۴۴)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ ایسا کوئی واقعہ گزرا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ مثال دیتے ہوئے فرمایا ہو کہ گویا اگر ایسا ہو تو پروردگار عالم ایسے لوگوں کو ان کے تکبر کی سزا ضرور دیتا ہے۔ جب کہ جمہور کے خیال میں یہ واقعہ ضرور پیش آیا ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے واقعات مثلاً کفار قریش وغیرہم کے واقعات قرآن مجید میں اسی طرح یعنی "واضرب لهم مثلاً" فرما کر بیان فرمائے ہیں اور ان کے آخر میں ہر جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ مجرموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی ہی سزا دی جاتی ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصہ اصحاب الجنتہ

صاحبانِ جنت یعنی باغ والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کا میوہ توڑ لیں گے۔ اور ان شاء اللہ نہ کہا' سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) اس پر ایک آفت پھر گئی' تو وہ ایسا ہو گیا۔ جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔ جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔ کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر صبح ہی جا پہنچو' تو وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے۔ کہ آج یہاں تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے' اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے (گویا کھیتی پر قادر (ہیں) جب باغ کو دیکھا تو (ویران) کہنے لگے کہ ہم رستہ بھول گئے ہیں۔ نہیں بلکہ ہم (برگشتہ نصیب) بے نصیب ہیں۔ ایک جوان میں فرزانہ تھا بولا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ (تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ہی قصوروار تھے' پھر لگے ایک دوسرے کو روبرو ملامت کرنے۔ کہنے لگے ہائے شامت ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔ امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت کرے ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع لاتے ہیں' دیکھو عذاب یوں ہوتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہے کاش یہ لوگ جانتے ہوتے''۔ (۶۸: ۱۷۔ ۳۳)

یہ مثال ایسی ہی ہے جیسی اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کے بارے میں قرآن مجید میں دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کی اصلاح کے لیے ایک عظیم و کریم نبی ﷺ بھیجا لیکن انہوں نے اس کی تکذیب اور مخالفت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ ان قریش نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر نہ کی اور کفر پر اڑے رہے اور اپنی قوم کو بھی دوزخیوں کے گھر کی طرف جو بہت برا گھر ہے دھکیلتے رہے اور وہ بہت بری جائے قرار ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ ایسے لوگوں کو دنیا ہی میں عذاب دینے اور ان کے لیے آخرت میں اس سے زیادہ دینے کا ذکر فرمایا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ان ایلہ والوں کا قصہ جو اپنا روز ہفتہ منانے میں حد سے تجاوز کر گئے تھے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ اعراف میں ایلہ کے رہنے والوں کا قصہ بیان فرمایا' جنھوں نے اپنی مرضی سے ہفتہ کا دن چھٹی کے لیے مقرر کیا تھا لیکن پھر اس میں اپنے پروردگار کی مرضی کے برعکس اس میں حد سے تجاوز کر گئے تھے یعنی اس کے خلاف عمل کرنے لگے تھے۔

یہ قصہ بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور ان سے اس گاؤں کا حال تو پوچھو جو لب دریا واقع تھا۔ جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن کے مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آئیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالنے لگے' اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو خدا ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب میں ڈالنے والا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کے لیے کہ تمہارے پروردگار کے سامنے معذرت کر سکیں اور عجب نہیں کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔ جب ان لوگوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا جن کی انہیں نصیحت کی جاتی تھی تو جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی اور جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو برے عذاب میں پکڑ لیا کہ نافرمانی کیے جاتے تھے' غرض جن اعمال بد سے ان کو منع کیا گیا تھا جب وہ ان (پر اصرار اور ہمارے حکم) سے گردن کشی کرنے لگے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ''۔ (۷:۱۶۳۔۱۶۶)

اور انہی نافرمانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں یہ ارشاد فرمایا:

''اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی) کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ' اور اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لیے عبرت اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بنا دیا''۔ (۲:۶۴۔۶۶)

قرآن میں اس قصے کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ظالم ہلاک کر دیے گئے تھے اور مومنوں کو معاف کر دیا گیا تھا اور غیر جانب داروں سے بھی درگزر کیا گیا تھا جن لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان سے درگزر کیا گیا تھا ان کے متعلق بعض علماء کہتے ہیں کہ انہیں بھی ہلاک کر دیا گیا تھا لیکن محققین کے مطابق صحیح پہلا ہی قول ہے یعنی یہ کہ ان سے درگزر کیا گیا تھا۔ امام المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اسی تحقیق کے حق میں ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصہ لقمان

لقمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''اور ہم نے لقمان کو حکمت بخشی کہ خدا کا شکر کرو۔ اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو خدا بھی بے پروا اور لائق حمد و (ثنا) ہے۔ اور (اس وقت کو یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخرکار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (اپنے نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کا شرک کرے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع لائے اس کے رستے پر چلنا۔ پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو میں سب سے تم کو آگاہ کردوں گا (لقمان نے یہ بھی کہا کہ) بیٹا اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر۔ یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں۔ خدا اس کو قیامت کے دن لاموجود کرے گا۔ کچھ شک نہیں کہ خدا باریک بین (اور) خبردار ہے بیٹا نماز کی پابندی رکھنا اور (لوگوں کو) اچھے کاموں کے کرنے کا امر اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ اور (از راہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ خدا کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں اعتدال کیے رہنا اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب سے بری آواز گدھوں کی ہے''۔ (۳۱:۱۲-۱۹)

لقمان کو عموماً لقمان بن عنقاء بن سدون بتایا جاتا ہے لیکن سہیلی نے ان کا نام ابن جریر اور قتیبی کے حوالے سے لقمان بن ثاران بتایا ہے اور کہا ہے کہ انہیں اس نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔

سہیلی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ لقمان اہل ایلہ کے باہمی امور اور ان کے متنازعہ مسائل کے فیصلے کیا کرتے تھے اور نوبہ کے رہنے والے تھے۔

بہرکیف ہماری تحقیق کے مطابق اور جیسا کہ قرآن مجید میں ان کے ذکر سے ثابت ہے وہ ایک مرد صالح' عبادت گزار اور حکمت عظیمہ کے مالک تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں قاضی تھے۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سفیان ثوری نے اشعث' عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لقمان کو حبشی اور نجار (بڑھئی) بتایا ہے۔

قتادہ' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ انہیں لقمان کے بارے میں جو جو باتیں معلوم ہوئی ہوں وہ انہیں بتائیں تو وہ (جابر بن عبداللہ) بولے کہ وہ چھوٹے قد کے چپٹی ناک والے شخص تھے۔

یحیٰی بن سعید انصاری سعید بن مسیب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ لقمان مصری علاقے سوڈان کے رہنے والے تھے اور تنگ دست ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف انتہا درجے کی حکمت سے نوازے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز نہیں فرمایا تھا۔

اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن بن حرملہ نے بیان کیا کہ سعید بن مسیب کے پاس ایک سیاہ فام شخص کوئی سوال پوچھنے آیا تو وہ بولے کہ بتاؤ آپ کو مجھ سے کیا پوچھنا ہے اور آپ کو اپنی سیاہ فامی کی وجہ سے شرمندہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپ تین سوڈانیوں حضرت بلال' حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھی مہجع اور بہت زیادہ حکمت کے مالک لیکن انتہائی سیاہ فام اور چپٹی ناک والے حضرت لقمان کے بعد چوتھے ذی مرتبت سوڈانی ہیں۔

امام اعمشؒ' مجاہدؒ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ لقمان ایک حبشی غلام' بہت زیادہ پھیلے ہوئے نتھنوں اور پھیلی ہوئی ٹانگوں والے شخص تھے۔

عمر بن قیس کہتے ہیں کہ لقمان ایک حبشی غلام تھے' ایک دن ان کے پاس ایک شخص اس وقت آیا جب وہ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے۔ اس شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ وہی شخص نہیں ہیں جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا: ''جی ہاں میں وہی شخص ہوں''۔ یہ سن کر اس شخص نے ان سے پوچھا: ''پھر آپ اس رتبے تک کیسے پہنچ گئے؟'' لقمان نے جواب دیا:

''سچی بات کہنے اور جب تک کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اس کے بارے میں خاموش رہنے کی وجہ سے''۔

حکیم لقمانؒ کے بارے میں ایسی ایسی عجیب وغریب باتیں مشہور ہو گئی ہیں جن پر اعتبار کرنا مشکل ہے۔ تاہم ان کے اکثر اقوال اقوال زریں کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصہ اصحاب الاخدود

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

''آسمان کی قسم جس میں برج ہیں۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی' کہ خندقوں (کے کھودنے) والے ہلاک کر دیئے گئے' یعنی آگ (کی خندقیں) جس میں ایندھن (جھونک رکھا) تھا۔ جب کہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے' اور جو (سختیاں) اہل ایمان پر کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے' ان کو مومنوں کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب (اور) قابل ستائش ہے' وہی جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا (اور) عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا عذاب بھی ہوگا''۔ (۸۵:۱۔۱۰)

ہم نے یہ قصہ بحمد اللہ اپنی کتاب تفسیر میں قرآن مجید کے سورہ البروج کی تفسیر پیش کرتے ہوئے تفصیلاً تحریر کیا ہے۔

ابن اسحاق کے خیال میں اصحاب الاخدود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور نبوت کے بعد کے لوگ تھے جب کہ کچھ دوسرے لوگوں نے ان کے اس خیال سے اختلاف کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ ان کے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے قبل تھے اور کافر تھے۔ تاہم بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ ایسے لوگ جو کافر ہونے کے علاوہ تھے اور عیسیٰ علیہ السلام سے قبل اور ان کے بعد دونوں زمانوں میں تھے وہ اہل ایمان کو اسی قبیل کی تکالیف اکثر دیا کرتے تھے لیکن جن لوگوں کا قصہ ہم یہاں پیش کر رہے ہیں اسے ہماری طرح قرآن مجید اور ایک مشہور حدیث نبوی کے حوالے سے اسی انداز میں ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے اور وہ پہلے کفار کے ظلم و جبر کے واقعات سے بالکل الگ ہے۔

وہ قصہ جسے امام احمدؒ نے بھی حماد بن سلمہ کی زبانی اور ثابت' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور صہیب کے حوالے سے ابن اسحٰق کی طرح مذکورہ بالا مشہور حدیث نبوی کے مطابق بیان کیا ہے یہ ہے کہ زمانہ اسلام سے بہت پہلے ایک بڑا ہی ظالم و جابر بادشاہ گزرا ہے۔

اس بادشاہ کے زمانے میں جو سب سے بڑا جادوگر تھا اس نے ایک دن بادشاہ سے کہا کہ وہ اب بہت بوڑھا ہو گیا ہے اور مرنے سے پہلے چاہتا ہے کہ ساحری کے تمام رموز اس شخص کو سکھا دے جسے بادشاہ منتخب کرے۔

بادشاہ نے اپنے غلاموں میں سے اپنے خاص خادم کو منتخب کر کے اس جادوگر سے کہا کہ اسے جتنا جادو آتا ہے وہ اس غلام کو سکھا دے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جب وہ غلام اس جادوگر سے جادو سیکھنے جاتا تھا تو راستے میں اس کی ملاقات اکثر ایک راہب سے بھی ہو جاتی تھی جو اس غلام کو بتایا کرتا تھا کہ جادو سیکھنا اور اسے کام میں لانا مذہباً حرام ہے۔ اس کے علاوہ وہ راہب اس غلام کو خدا کے بارے میں اور مذہب کی بہت سی اچھی باتیں بھی بتایا کرتا تھا جو رفتہ رفتہ اس غلام کے دل نشین ہوتی چلی گئیں جس کے بعد اس نے نہ صرف جادو سیکھنا چھوڑ دیا بلکہ توحید خداوندی کا قائل ہو کر پکا مذہبی بن گیا اور راہب کی طرح شب و روز کے اکثر اوقات میں جس طرح اس راہب نے بتایا تھا خدا کی عبادت کرنے لگا بلکہ خلوص عبادت میں خود اس راہب سے بھی بڑھ گیا جسے دعویٰ تھا کہ خدا کی عبادت و ریاضت میں اس کا کوئی مقابل نہیں ہے۔

اس دوران میں اس راہب اور جادوگر دونوں کو حکم خداوندی کے تحت موت سے ہمکنار ہونا پڑا۔

جب اس بادشاہ کو جو کافر تھا اور ظلم و جبر میں حد سے بڑھا ہوا تھا اور جس نے اپنے علاوہ اپنی ساری قوم کو اصنام پرستی پر لگا رکھا تھا جب اپنے اس غلام کی تبدیلی مذہب کی خبر ہوئی تو اس نے اُسے بلا کر اپنے نئے مذہب کو ترک کرنے کا سختی سے حکم دیا لیکن اس نے انکار کر دیا تو اس نے اسے طرح طرح کی ایذا رسانی کا اپنے لوگوں کو حکم دیا' پھر اسے سمندر میں ڈبونے کا حکم دیا لیکن وہ غلام خدا کے فضل و کرم سے اس سے بھی بچ نکلا۔

یہ دیکھ کر بادشاہ نے ایک اندھے اور ایک مبروص شخص کو جس کے منہ اور بدن کے کئی دوسرے حصوں میں سفید داغ تھے طلب کر کے اپنے اس غلام سے کہا کہ اگر تیرا مذہب سچا ہے تو اس اندھے کو بصارت اور اس مبروص کو شفا بخش دے۔

اس غلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اسی کا نام لے کر دونوں کو پہلے کی طرح ٹھیک کر دیا۔ اس کے علاوہ جب وہ غلام اسی طرح خدا کے حکم سے متعدد اندھوں کو بصیرت اور برص کے مریضوں کو شفا بخشتا رہا تو بہت سے لوگ اس کے معتقد ہو گئے اور اسی کے دین پر چلنے لگے۔

یہ دیکھ کر بادشاہ بہت برہم ہوا اور گھبرایا بھی۔ اس لیے اس نے اپنے اس غلام کو بلا کر اسے حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کو بتائے کہ اس نے جن نابیناؤں کو بصیرت بخشی ہے اور جن برص کے مریضوں کو شفا دی ہے وہ اپنے جادو کے زور پر دی ہے لیکن اس نے اس سے انکار کرتے ہوئے بادشاہ کو صاف جواب دیا کہ وہ سب کچھ خدا کے حکم سے ہوا ہے کیونکہ وہ اپنی طرف سے کسی نابینا کو بینائی بخش سکتا ہے نہ کسی برص کے مریض کو شفا دے سکتا ہے۔

بادشاہ نے اپنے اس غلام کے اپنے بار بار حکم کی تعمیل سے انکار اور اس کے اپنے عقیدے پر جسے وہ سچا دین کہتا تھا جمے رہنے کی وجہ سے آخر کار حکم دیا کہ اسے تیر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

چنانچہ اس غلام کو ایک جگہ کسی ستون سے باندھ کر اس پر بادشاہ کے حکم کے مطابق تیروں کی بوچھار کی گئی جن میں سے کئی تیر اس نے اپنی ایک ہتھیلی پر روکے لیکن دوسرے بے شمار تیروں نے اس کا جسم چھلنی کر دیا جس سے وہ غلام بقضائے الٰہی فوت ہو گیا۔

چونکہ اس حق پرست غلام کو عام لوگوں کے سامنے تیروں سے ہلاک کیا گیا تھا اس لیے بادشاہ کو یقین تھا کہ اب اس کے ہم عقیدہ لوگ اس کی پیروی سے باز آ جائیں گے لیکن اس کے برعکس وہ سب کے سب اور مشتعل ہو گئے اور بادشاہ کے اس حد سے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بڑھتے ہوئے ظلم وستم کے خلاف احتجاج کرنے لگے تو اس نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ایک لمبی خندق کھودیں اور اس میں لکڑیاں بھر کر انہیں جلائیں اور جب وہ لکڑیاں جل کر انگاروں کی طرح دہکنے لگیں تو ان سرکش لوگوں کو جو اپنے پرانے دین سے پھر گئے ہیں اس خندق میں جھونک دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ کے اس حکم کی تعمیل میں ایسے تمام لوگوں کو اس آتشیں خندق میں جھونک دیا گیا جب کہ دوسرے لوگ اس خندق کے کنارے بیٹھے ان حق پرستوں کے نذر آتش ہونے کا تماشہ دیکھتے رہے حالانکہ بادشاہ کے حکم سے ان نذر آتش ہونے والوں میں ایک عورت اور اس کا شیر خوار بچہ بھی تھا لیکن اپنے دوسرے ساتھیوں اور اپنے اس معصوم بچے کے ساتھ انہی کی طرح اس نے بھی خدا کے نام پر ہنستے ہوئے اپنی جان اسی جان آفریں کے سپرد کر دی۔

خدا کے نام پر ان اصحاب الاخدود یعنی خندق میں جل کر جان دینے والوں کا یہ قصہ جو کافروں کے لیے عبرت اور اہل ایمان کے لیے نصیحت ہے اب تک مشہور چلا آرہا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ٤

بنی اسرائیل کی خبریں اوران کی باتیں بیان کرنے کے بارے میں اجازت کا ذکر

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل ہیں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار اہل کتاب کی روایات پر گفتگو فرمائی بلکہ قریباً سوراتیں ایسی بھی گزریں کہ آپ نے رات سے صبح ہونے تک ان کی روایات پر طویل گفتگو فرمائی لیکن ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے ان روایات پر گفتگو کے دوران میں نماز کی عظمت کے علاوہ کسی اور بات کا ذکر فرمایا ہو۔

انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمایا کہ اہل کتاب کی روایات کا ذکر کرنے میں کوئی ہرج نہیں لیکن اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان روایات کی تکذیب یا تصدیق نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ ایک روایت کے مطابق آپ نے ایک بار یہ بھی فرمایا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ ید بیضا کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ اس کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔ تاہم آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام آپ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ کی اتباع کرتے۔ اس کے ساتھ آپ نے متعدد ثقہ راویوں کے مطابق یہ بھی فرمایا کہ آپ سے کوئی ایسی حدیث منسوب نہ کی جائے کہ قرآن کے عین مطابق نہ ہو نہ اس سے متعارض ہو۔

یہ حدیث نبوی بھی متعدد ثقہ راویوں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آپ کا کوئی ارشاد خواہ وہ صرف ایک حرف یا ایک آیت کے برابر الفاظ پر مشتمل ہو دوسروں تک ضرور پہنچایا جائے (بلغ منی و لو کان حرفاً او آیۃ) لیکن متعدد صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص آپ سے کوئی موضوع یعنی من گھڑت بات (یا عمل) منسوب کرے گا تو قیامت میں اس کی مقعد کی طرف سے آگ بھری جائے گی۔

ان جملہ احادیث نبوی کے راوی فرداً فرداً یہی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودات مبارکہ کا واحد مقصد یہ تھا کہ جس طرح اہل کتاب یعنی بنی اسرائیل کی روایات اکثر من گھڑت باتوں پر مشتمل ہیں اس طرح کہیں آپ کی احادیث شریفہ میں بھی خدانخواستہ من گھڑت روایات شامل نہ ہو جائیں جب کہ یہ بات آپ کے علم میں تھی کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے انبیاء کے بارے میں جو عجیب و غریب روایات پیش کی ہیں وہ تو ایک طرف رہیں انہوں نے توریت وانجیل میں بھی تحریفات کرنے یا ان میں اپنے مفید مطلب باتوں کا اضافہ کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی اور یہ بات اب تحقق ہو چکی ہے جس کی توریت وانجیل کا کوئی بڑے سے بڑا عالم تردید نہیں کر سکتا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اہل کتاب کی روایات پر مشتمل کوئی کتاب لائے تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم ان روایات کو کلی طور پر درست سمجھ کر ان کی تصدیق کر سکتے ہو؟ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب واضح ہے۔

کعب الاحبار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہو چکے تھے انہیں اسرائیلات کی بہت سی روایات سنایا کرتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی دل شکنی نہ کرنے یا ان کے پاس خاطر سے انہیں سن کر ان کی تکذیب تو نہیں کرتے تھے لیکن انہوں نے ان میں سے جیسا کہ مختلف مستند روایات سے ثابت ہے، کسی ایک کی بھی تصدیق نہیں کرتے تھے اور ان کا یہ رویہ آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے عین مطابق تھا جس کا ذکر سطور بالا میں آ چکا ہے۔

خود کعب الاحبار کے بارے میں یہ دلچسپ روایت مشہور ہے کہ جس زمانے میں معاویہ مکے سے ہجرت کرنے کے بعد وہاں کے واقعات اہل مدینہ کو سنایا کرتے تھے تو انہیں سن کر وہ یعنی کعب الاحبار دوسروں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لیے بغیر کہا کرتے تھے، کہ بنی اسرائیل کا کوئی راوی اگر ایسی باتیں بنی اسرائیل کو سناتا تو وہ ان کی تصدیق کیے بغیر انہیں قابل اعتبار نہ سمجھتے جب کہ خود اسرائیلیات میں ایسی باتیں کثرت سے شامل ہیں جن کی قیمت اس روشنائی کے برابر بھی نہیں ہے جن سے وہ لکھی گئی ہیں تو ہم ان میں سے کسی ایک کی تصدیق بھی کیسے کر سکتے ہیں جب تک اس کے سچ ہونے کی تحقیقی شہادت ہمارے سامنے نہ ہو۔

امام بخاریؒ زہری کی زبانی عبیداللہ بن عبداللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے کہا کہ اہل کتاب قرآن مجید کے بارے میں جو ہمارے نبی رسول عربی ﷺ پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی کوئی سوال کرنے کا کیا حق رکھتے ہیں جب کہ انہوں نے خود انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ کتابوں میں بے انتہا تحریفات کر لی ہیں یا اپنی طرف سے بعض کتابیں لکھ کر انہیں آسمانی کتابیں کہنے لگے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا کہ اہل کتاب قرآن مجید اگر پڑھتے بھی ہیں تو صرف پڑھنے کی حد تک اور وہ اسے سمجھتے بالکل نہیں۔ لہٰذا وہ ہم سے اس کے بارے میں کوئی سوال کس طرح کر سکتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آخر میں لوگوں سے یہ بھی کہا کہ اگر انہیں بنی اسرائیل کے زمانے کی کوئی بات معلوم کرنا ہو تو ان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب کم سے کم قیمت میں خریدنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ممکن ہے اس سے انہیں وہ بات معلوم ہو جائے لیکن بہر حال اس کی تصدیق ان کے لیے قریباً ناممکن ہوگی۔

ابن جریر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھا کرو کیونکہ وہ یا تو اس کے بارے میں تمہیں صحیح بات بتائیں گے ہی نہیں یعنی اگر وہ بات جو اس چیز کے بارے میں مشہور ہے صحیح بھی ہے تو وہ اسے غلط بتائیں گے اور اگر غلط ہے تو اس کے صحیح ہونے کی تصدیق کر دیں گے۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار بندہ خدا جریج کا قصہ

امام احمدؒ بیان فرماتے ہیں کہ انہیں وہب بن جریر نے بتایا کہ انہیں یعنی وہب بن جریر کو ان کے والد نے محمد بن سیرین سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے سن کر سنایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین (نومولود) بچوں کے سوا دنیا میں کسی (نومولود) نے گہوارے میں گفتگو نہیں کی۔ ان میں سے ایک عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تھے۔ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بقول آنحضرت ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک عبادت گزار شخص جریج کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے اور انتہائی عبادت گزار شخص تھے انہوں نے ایک صومعہ (عبادت خانہ) بنایا تھا اور اسی میں شب و روز خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک فطرتاً حاسد شخص ان سے جلنے لگا اور اس نے بنی اسرائیل کے دوسرے لوگوں سے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو وہ جریج کو فریب کار و گنہگار ثابت کر سکتا ہے۔ وہ لوگ بولے کہ ہاں ہم یہی چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص نے اس کی یہ ترکیب نکالی کہ ایک چرواہی کو جو دن بھر اپنی بکریاں جنگل میں چرا کر شام کو انہیں لے کر جریج کی عبادت گاہ کی دیوار کے پاس آ جاتی اور رات کو وہیں سوتی بھی تھی بہکایا۔ وہ چرواہی حمل سے تھی اور اس کے بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ جب اس چرواہی کے بچہ پیدا ہوا تو اس حاسد اور فتنہ پرداز شخص نے بنی اسرائیل کے لوگوں سے جا کر کہا کہ چلو چل کر جریج کے کرتوت دیکھ لو چنانچہ وہ لوگ جمع ہو کر جریج کے صومعہ کی دیوار کے نیچے پہنچے اور اس چرواہی سے جس کا کوئی شوہر نہیں تھا پوچھا کہ بتا یہ بچہ کس کا ہے۔ چرواہی نے جسے اس شخص نے بہکایا اور سکھایا پڑھایا تھا کہا کہ یہ بچہ جریج کا ہے۔

اس عورت کی زبان سے یہ سن کر ان لوگوں نے جریج کو نہ صرف برا بھلا کہا بلکہ گالیاں تک دیں اور ان کا صومعہ بھی منہدم کر دیا۔

ادھر جریج کا عبادت میں یہ حال تھا کہ ان کی ماں کئی بار ان سے گفتگو کرنے صومعہ میں آ چکی تھی اور بار بار انہیں پکار کر کہتی تھی کہ جریج میری طرف دیکھو میں تمہاری ماں ہوں لیکن وہ سوچتے کہ ماں اور عبادت دونوں میں سے کس کا انتخاب کریں اور آخر کار عبادت کو ترجیح دے کر اسی میں مشغول رہتے اور ماں کو کوئی جواب نہ دیتے لیکن جب ان پر زنا کاری کا الزام لگایا گیا اور یہ افترا پردازی کی گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو اپنی قدرت سے میرے دامن سے لوگوں کے لگائے ہوئے اس غلط الزام کے داغ کو دھو دے اور جب انہیں کشف کے ذریعہ معلوم ہوا کہ رب العزت نے ان کی دعا قبول فرمائی ہے تو انہوں نے انہی لوگوں سے کہا کہ وہ اس بچے ہی سے کیوں نہ پوچھ لیں کہ اس کا باپ کون ہے۔

جریج سے یہ سن کر پہلے تو وہ لوگ ہنسنے اور ان کا مضحکہ اڑانے لگے لیکن ان کے اصرار پر انہوں نے اس نومولود بچے سے کہا کہ وہ بتائے کہ اس کا اصلی باپ کون ہے تو اس بچے نے بحکم خداوند تعالیٰ فوراً جواب دیا کہ فلاں چرواہا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس نومولود بچے کو گہوارے میں بولتے دیکھ کر وہ لوگ حیران رہ گئے اور جریج سے معافی مانگ کر کہنے لگے کہ وہ ان کا صومعہ سونے کی اینٹوں سے بنوادیں گے اور بہت ساز رو مال بھی دیں گے۔

ان لوگوں سے یہ سن کر جریج بولے کہ ان کا مٹی سے بنایا ہوا کچا صومعہ ہی ان کے لیے کافی تھا۔ اس کے علاوہ وہ کسی دوسری چیز کے پہلے خواہش مند تھے اور نہ اب ہیں۔ (حدیث نبوی کا مفہومی و توضیحی ترجمہ)

اس حدیث مبارکہ کو مختلف ثقہ راویوں نے جن میں کئی محدثین بھی شامل ہیں یہ اسناد روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جن تین نومولود بچوں کی گہوارے میں گفتگو کرنے کا ذکر فرمایا ان میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے اس جریج نامی شخص کی حمایت میں اس چرواہی کے نومولود بچے کی گفتگو کے علاوہ اس نومولود بچے کا بھی ذکر فرمایا تھا جس نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام پر لگائے ہوئے غلط الزام کی گہوارے میں گفتگو کرتے ہوئے مدلل تردید کی تھی اور انہیں پاک دامن ثابت کیا تھا۔

اکثر مستند راویوں نے اس آخر الذکر بچے کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ آل فرعون کے ایک شخص کا بچہ تھا جو بعد میں ابن ماشطہ کے نام سے مشہور ہوا۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قصہ برصیصا

یہ قصہ راہب جریج کے قصے کے بالکل برعکس ہے کیونکہ راہب جریج کا جو قصہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس میں جریج بے گناہ ثابت ہوئے لیکن اس قصے میں جس راہب کا ذکر ہے وہ درحقیقت مجرم تھا۔

اس قصے کو ابن جریر نے یحییٰ بن ابراہیم المسعودی وغیرہ کی زبانی اور اعمش' عمارہ' عبدالرحمٰن بن یزید اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مذکورہ بالا حضرات نے یہ قصہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا جنہوں نے قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر کے ضمن میں یہ قصہ بیان کیا۔ وہ آیت قرآنی درج ذیل ہے:

''منافقوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں مجھ کو تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں (داخل ہوئے) ہمیشہ اس میں رہیں گے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے''۔ (۵۹:۱۶۔۱۷)

ابن مسعود جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا' اس آیہ شریفہ کی جو ان آیات قرآنی کی پہلی آیت ہے تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک عورت جو بکریاں چرایا کرتی تھی اس کی چار بہنیں تھیں لیکن وہ نہ جانے کیوں شام کو اپنی بکریاں لے کر ایک صومعہ (عبادت خانہ) کے زیر دیوار آ جاتی اور وہیں تنہا سو رہتی تھی۔

پھر ایک رات کو ایسا ہوا کہ اس صومعہ کے راہب کو شیطان مردود نے بہکایا اور گناہ کی ترغیب دی تو اس نے اس چرواہی کو تنہا سوتا پا کر اس کے ساتھ زنا کیا لیکن جب وہ حاملہ ہو گئی تو اس نے بدنامی کے خوف سے اس چرواہی کو قتل کر دیا۔

چونکہ اس بستی کے لوگوں کو ان جرائم کا شبہ زیادہ تر اس راہب ہی پر ہوا اس لیے انہوں نے اسے پکڑ کر حاکم وقت کے سامنے پیش کر دیا۔ تاہم اس حاکم نے اس راہب کو شک کا فائدہ دیتے ہوئے بری کر دیا لیکن اس دوران میں اس چرواہی کی چاروں بہنوں کے علاوہ اس بستی کے ایک اور شخص نے بھی راہب کو خواب میں اس چرواہی کے ساتھ زنا کرتے اور اسے قتل کرتے دیکھا تو انہوں نے اپنے اپنے اس خواب کو سچا جان کر حاکم کے پاس جا کر اس کے خلاف گواہی دے دی۔

بہرحال چونکہ خواب تو خواب ہی تھا اس لیے حاکم پہلے تو تذبذب میں رہا لیکن جب راہب پر زور ڈالا گیا بلکہ تشدد بھی کیا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا تو اسے حاکم کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی میں منافقین اور شیطان لعین کے کرتوتوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے انجام سے دوسرے بندگان خدا کو آگاہ فرمایا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی تفسیر کرتے ہوئے بطور مثال ایک راہب کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ دونوں درحقیقت مجرمین کے لیے عبرت اور مومنین کے لیے نصیحت ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ان تین آدمیوں کا قصہ جو ایک غار میں پھنس کر رہ گئے تھے

اس قصے کو بخاریؒ کے علاوہ متعدد دوسرے راویوں نے بہ اسناد آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ تین شخص اپنی بستی سے نکل کر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں پہاڑی علاقے میں طوفانی بارش سے دو چار ہونا پڑا جس سے بچنے کے لیے وہ قریب کے ایک پہاڑی غار کے سامنے پہنچے تاکہ اس میں بیٹھ کر بارش رکنے کا انتظار کر لیں لیکن اس غار کا دہانہ بہت تنگ تھا۔ بہرحال انہوں نے اس کے اندر جانے کی کوشش کی اور پنجوں کے بل چل کر کسی طرح نہ کسی طرح اس کے اندر جا پہنچے مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ تیز بارش کی وجہ سے اس غار کے اوپر سے ایک بھاری سل پھسل کر اس کے منہ پر آ گئی جس سے وہ چھوٹا سا دہانہ بھی بند ہو گیا۔

یہ دیکھ کر وہ بہت گھبرائے لیکن ان تینوں کے مل کر زور لگانے سے بھی وہ بھاری سل ذرا سی بھی اِدھر اُدھر نہ کھسک سکی۔

آخر تنگ آ کر وہ آپس میں کہنے لگے کہ ان میں سے جس نے کسی گناہ کے ارتکاب سے صرف خدا کے خوف کی وجہ سے گریز کیا ہو تو وہ اس کا سچ سچ قصہ بیان کرے تاکہ خدا اپنی رحمت سے انہیں اس مصیبت سے نجات دے دے۔

چنانچہ وہ تینوں اپنا اپنا ایک ایک قصہ سنانے پر آمادہ ہو گئے اور پہلے شخص نے وہ قصہ یوں سنایا کہ اس کا بوڑھا باپ بہت کمزور تھا جسے دودھ کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے موقع پا کر ایک گائے پکڑی اور اسے اپنے گھر لا کر باندھ لیا تاکہ وہ اس کا دودھ روزانہ اپنے باپ کو پلایا کرے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ یہ تو بہت بڑا گناہ ہو گا اور اس نے خدا کے خوف سے وہ گائے چھوڑ دی اور دل میں سوچا کہ اس کا بوڑھا کمزور باپ جیے یا مرے لیکن وہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

اس پہلے شخص نے ابھی اپنا یہ قصہ ختم ہی کیا تھا کہ خدا کی قدرت سے وہ سل اس غار کے منہ سے تھوڑی سی کھسک گئی۔

یاد رہے کہ ان تینوں شخصوں نے الگ الگ خدا سے فریاد کی تھی اور یہ دعا کی تھی کہ اگر اس نے اس کے خوف سے کسی گناہ سے پرہیز کیا ہو تو وہ اس کا سچا قصہ بیان کرے گا اور اگر اس کا وہ قصہ سچا ہو تو وہ اس بلا کو اس کے سر سے ٹال دے اور جب وہ سل غار کے منہ سے کچھ سرکی تو اس نے خوش ہو کر خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ساتھیوں سے بولا کہ اب وہ باری باری سے اپنا کوئی ایسا ہی سچا قصہ بیان کریں۔

دوسرے شخص نے کہا کہ وہ ایک زمانے میں اتنا تنگدست تھا کہ اسے اہل وعیال کے لیے غلے کا ایک دانہ بھی کہیں سے نہیں ملا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ اپنے پڑوس کی کھیتی پر کیوں نہ قبضہ کر لے اور وہ ایسا کر سکتا تھا کیونکہ اس کا جواز اس کی مجبوری تھی لیکن اس نے اسے گناہ سمجھ کر صرف خدا کے خوف سے اس گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس دوسرے شخص نے جب اپنا یہ قصہ ختم کیا تو وہ پہاڑی سل اس غار کے دہانے سے تھوڑی اور سرک گئی۔

اس کے بعد تیسرا شخص اپنا قصہ شروع کرتے ہوئے بولا کہ وہ بھی کسی زمانے میں اتنا غریب تھا کہ اسے اور اس کے بیوی بچوں کو دو وقت کا معمولی سا کھانا بھی میسر نہ تھا۔ ایک دن اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ دوسروں کے گھروں میں چوریاں کر کے اپنے بال بچوں کی روزی کا ٹھکانہ کرے اور اسی نیت سے وہ ایک رات کو ایک شخص کے گھر میں گھسا جہاں اسے ایک جگہ سو دینار رکھے ہوئے مل گئے۔

لیکن خدا کے خوف نے اسے اس گناہ کے ارتکاب سے باز رکھا اور وہ وہاں سے خالی ہاتھ واپس آ گیا اور اس نے اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو خدا کے حوالے کر دیا کہ وہ انہیں روزی دے یا نہ دے اسے اختیار ہے۔

اس تیسرے آدمی نے جب اپنا قصہ ختم کیا تو وہ پہاڑی سل اس غار کے منہ سے بالکل ہٹ گئی اور تینوں پہلے کی طرح رینگتے ہوئے اس غار سے جو ان کے خیال میں زندگی ہی میں ان تینوں کی قبر بن چکا تھا خوش خوش باہر نکل آئے اور اس کا شکر ادا کرنے لگے۔

حدیث نبوی میں وارد اس روایت کو امام احمدؒ، نعمان بن بشیر، ابی اسحٰق نے بھی کہیں مختصر کر کے بیان کیا ہے جب کہ بزار نے اسے اپنی مسند میں ابی حنش کی زبانی اور علی ابن ابی طالب کے حوالے سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ایک نابینا ایک مبروص اور ایک گنجے کا قصہ

روایت ہے کہ کسی جگہ ایک نابینا' ایک مبروص یعنی جسم پر سفید داغوں کے مرض میں مبتلا اور ایک گنجا رہتے تھے۔

ان تینوں کی آزمائش کے لیے اللہ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا تا کہ وہ ان سے ان کی خواہش معلوم کرے۔

وہ فرشتہ پہلے اس نابینا کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ نابینا نے اپنی بصارت کے علاوہ زر و مال کی خواہش ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس بکریوں کے ریوڑ ہوں تو؟ اس فرشتے نے اس کی دونوں خواہشیں پوری کر دیں۔

پھر وہ فرشتہ اس مبروص کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ مبروص بولا کہ اس کی خواہش ہے کہ اس کا وہ مرض دور ہونے کے علاوہ اسے چمکتا دمکتا رنگ اور خوب صورتی اور ایک اونٹ مل جائے تا کہ وہ اس پر سواری کر سکے۔ چنانچہ اس فرشتے نے خدا کے حکم سے اس مبروص کی خواہش بھی پوری کر دی۔

آخر میں وہ فرشتہ اس گنجے کے پاس گیا اور اس سے اس کی خواہش پوچھی تو وہ بولا کہ وہ چاہتا ہے کہ اسے گنجے پن سے نجات حاصل ہونے کے علاوہ اسے شعر گوئی میں مہارت حاصل ہو جائے تا کہ وہ اپنی حسب منشا خوب صورت شعر کہہ سکے اس فرشتے نے خدا کے حکم سے اس گنجے کی دونوں خواہشیں پوری کر دیں۔

اس کے بعد اس فرشتے کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ وہ ان تینوں کے پاس دوسری شکل میں جائے اور یکے بعد دیگرے ان سے پہلے کی طرح ان کی خواہشات دریافت کرے۔

چنانچہ وہ فرشتہ خدا کے حکم کے مطابق دوسری شکل میں باری باری سے ان کے پاس گیا اور ان سے ان کی خواہشات پوچھیں۔

پہلے وہ اس نابینا کے پاس گیا اور اس سے اس کی خواہش دریافت کی تو وہ بولا کہ مجھے میری بصارت تو ایک دوسرے شخص نے لوٹا دی ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے کیونکہ میرے پاس اتنا زر و مال ہے اور نہ بکریوں کے اتنے ریوڑ جتنے میں چاہتا ہوں کیونکہ دوسروں کے پاس مجھ سے کہیں زیادہ دولت ہے اور ان کے پاس بکریوں کے ریوڑ بھی مجھ سے بہت زیادہ ہیں' میں چاہتا ہوں کہ مجھے دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ یہ چیزیں مل جائیں۔

جب وہ اس مبروص کے پاس پہنچا تو وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا اور اس کی سنہری رنگت کے علاوہ اس کا خوب صورت چہرہ دمک رہا تھا۔ فرشتے نے ان اس سے اس کی خواہش پوچھی تو وہ بولا کہ آپ سے پہلے میرے پاس ایک شخص آیا تھا اور اس نے مجھ سے میری خواہش پوچھی تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ میری خواہش ہے کہ میرا برص کا مرض دور ہو جائے' میری رنگت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بدل کر سنہری ہو جائے اور میرا چہرہ خوبصورت ہو جائے۔ اس شخص نے میری پہلی دو خواہشیں تو پوری کر دیں لیکن مجھے میرا مانگا ہوا صرف ایک اونٹ دیا جس پر میں اس وقت سوار ہوں لیکن آپ ہی سوچیے کہ اس ایک اونٹ سے بھلا کیا ہوتا ہے جب کہ دوسروں کے پاس اونٹوں کے ریوڑ کے ریوڑ ہیں' میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس ان سے کہیں زیادہ اونٹ ہو جائیں۔

آخر میں وہ فرشتہ جیسا کہ اسے خدا کی طرف سے حکم ملا تھا' اس گنجے کی طرف گیا اور اس سے اس کا حال پوچھ کر اس کی خواہش پوچھی تو وہ گنجا جس کے سر پر خوب صورت بال اگ آئے تھے اور وہ اپنی دھن میں اپنے شعر بڑی سریلی آواز میں جھوم جھوم کر گا رہا تھا بولا کہ بھئی مجھے اور کیا چاہیے جب کہ خدا نے میری خواہش کے مطابق تمہارے ہی جیسے ایک بھلے شخص کے ذریعہ جو انسان کی شکل میں شاید کوئی فرشتہ تھا میرا گنجاپن دور کر کے مجھے اپنے فضل و کرم سے یہ خوب صورت بال عطا فرمائے اور اس کے علاوہ میری حسبِ خواہش شاعری میں مہارت اور یہ خوش گلوئی بخشی' اس کی ان بخششوں پر میں اس کا جس قدر شکر ادا کروں تھوڑا ہے۔

اس کے بعد وہ گنجا بولا کہ آپ کی طرف سے پرسش حال اور میری خواہش پوچھنے کا شکریہ۔ جائیے مجھے اس سے زیادہ اب کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

اس روایت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ ان پہلے دو اشخاص یعنی اس نابینا اور اس مبروص کو خدا نے ان کی ناشکر گزاری اور حد سے زیادہ حرص و ہوس کی وجہ سے سزا کے طور پر ان کی پہلی حالت پر لوٹا دیا جب کہ اس گنجے کی شکر گزاری اور قناعت پسندی کی بنا پر اسے پہلے سے زیادہ دولت و ثروت اور عزت سے نواز دیا اور پہلے سے کہیں زیادہ سرفرازی کے قابل بنا دیا نیز اس فرشتے کے ذریعہ اس سے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی ان صفات پر جن کی اس نے آزمائش کی تھی اس سے خوش ہو گیا ہے۔

امام بخاریؒ نے یہ روایت بھی بنی اسرائیل کے متعدد دوسرے قصوں کے ساتھ بیان کی ہے۔ بنی اسرائیل کے بہت سے دوسرے قصے کتابوں میں لکھے گئے ہیں لیکن ہم نے بخوف طوالت یہاں انہیں بیان کرتے ہوئے دانستہ گریز کیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اہل کتاب کی تحریفات اور اپنے مذہب میں ان کے ردوبدل کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے توسط سے یہودیوں پر توریت نازل کی اور جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے وہ ان کے بعد بھی کچھ عرصے تک ان کے (یہودیوں کے) پاس اپنی اصلی حالت میں رہی بھی' اور وہ اسی کے مطابق کچھ دنوں اس کے احکام پر نہ صرف دوسرے سے عمل کرواتے رہے بلکہ خود بھی ان احکام پر عمل کرتے رہے لیکن پھر انہوں نے اس میں تحریفات اور تبدیلیاں شروع کر دیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا' وہ اس کے الفاظ کو اپنی طرف سے اور اپنے حسبِ منشا کچھ سے کچھ معنی پہنانے یا ان میں تاویلیں کرنے لگے مثلاً انہوں نے لفظ ''رجم'' کو ''جلد'' اور تحمیم سے بدل دیا یا لفظ ''رجم'' تو رہنے دیا لیکن اس کا مطلب اپنے حسب منشا بنا لیا یعنی اگر کوئی شریف اور معزز شخص زنا یا ایسے ہی کسی دوسرے عمل قبیح کا مرتکب ہو تو اس پر شرعی حد جاری کرنے کے بجائے جس کا حکم توریت میں تھا اس میں ردوبدل کر کے یہ کر لیا کہ اسے سزا نہ دی جائے لیکن اگر کوئی غریب اس کا مرتکب ہو تو اسے حکم توریت کے مطابق سزا دی جائے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی طرف سے یہ بھی کر لیا کہ اگر کوئی غریب آدمی چوری کا مرتکب ہو تو اسے شرعی سزا دی جائے لیکن اگر کوئی دولت مند اور شریف شخص اس جرم کا مرتکب ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ اگر یہودی اپنی من گھڑت باتوں کے بارے میں یہ اصرار کریں کہ یہ احکام توریت میں ہیں تو ان سے توریت لانے کو کہا جائے اور انہیں حکم دیا جائے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اسے توریت سے ثابت کریں۔

''جہاں تک توریت میں زنا کی سزا ''رجم'' (سنگساری) کا تعلق ہے اس کے بارے میں ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما اور صحیح مسلم میں البراء بن عازب اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے اور سنن ابوداؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے درج ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کے بارے میں ارتکاب زنا کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ان دونوں کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا اور جب ان دونوں کو آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ توریت میں اس جرم کی کیا سزا ہے اور اس کے ساتھ ہی توریت لانے کا بھی حکم دیا تو انہوں نے اس جرم کے بارے میں توریت کی متعلقہ آیت تو پڑھی لیکن اس جرم کی سزا ''رجم'' کو نہ پڑھا تو آپؐ نے عبداللہ بن صور کو توریت دے کر فرمایا کہ وہ اس آیت کو ان مجرموں کے سامنے زور سے پڑھیں انہوں نے جب توریت کی اس آیت کو بلند آواز سے پڑھا تو اس میں اس جرم کی سزا ''رجم'' ہی نکلی جو ان دونوں مجرموں میں سے مرد نے دانستہ پڑھنے سے چھوڑ دی تھی۔ اس پر آپؐ اس سے فرمایا کہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''اے یک چشم تو نے دیکھا کہ توریت میں اس جرم کی سزا لکھی ہے اب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا''۔ اس کے بعد آپ نے ان دونوں کو ''رجم'' یعنی سنگساری کی سزا کا حکم دیا اور فرمایا ''یا اللہ تیرے جس حکم کو انہوں نے مردہ کر رکھا تھا میں نے اسے از سر نو زندہ کر دیا ہے''۔

تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ توریت کو بخت نے تلف کر دیا تھا یعنی اس کے سارے نسخے جلوا دیئے تھے لیکن وہ اس کے بعد بھی انبیائے معصومین میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام اسی کے مطابق عمل کرتے رہے اور اسی احکام پر چلنے کی لوگوں کو ہدایت کرتے رہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک اس میں بے شمار تحریفات ہو چکی تھیں اور جب یہودیوں سے ان احکام پر عمل کرنے کو کہا جاتا تھا تو وہ تحریف شدہ توریت پر عمل کرنے پر اصرار کرتے تھے جس میں ردوبدل کے بعد یہ درج کر دیا گیا تھا کہ سزائیں صرف غریبوں کو دی جائیں اور معزز و مال دار لوگوں کو چھوڑ دیا جائے۔

تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے اور یہی اکثر مستند روایات میں پایا جاتا ہے کہ وہی سلوک نصاریٰ نے بھی انجیل مقدس کے ساتھ کیا جو اس سے قبل یہودی توریت کے ساتھ کر چکے تھے۔

حنفی علماء توریت یا انجیل کو بے طہارت چھونے کو ممنوع قرار دیتے ہیں لیکن دوسرے مسالک کے علماء کہتے ہیں کہ چونکہ ان دونوں آسمانی کتابوں کے متون اب قریباً سب کے سب تحریف شدہ ہیں اور ان میں اس قدر ردوبدل کیا گیا ہے کہ اب اصل و نقل میں فرق کرنا ناممکن ہے اس لیے اب انہیں بے طہارت بھی چھونے میں کوئی حرج نہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ذکراخبار العرب

کہا جاتا ہے کہ تمام اہل عرب حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں لیکن جیسا کہ مشہور ہے اور ہم بھی پہلے بتا چکے ہیں کہ عربی الاصل قوموں میں عاد وثمود' طسم وعمیم' جدیس وجرھم اور عمالیق سب کے سب عربی الاصل یا عرب العاربہ تھے۔ اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام سے قبل اور ان کے زمانے میں کتنی قومیں عربی الاصل تھیں ان کی تعداد کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ البتہ عرب المستعاربہ یعنی جو قومیں کہیں اور سے آ کر حجاز میں آباد ہوئیں وہ یقیناً تمام کی تمام اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہیں۔

اس کے علاوہ یمنی عرب جو حمیری کہلاتے ہیں اور انہیں قحطانی بھی کہا جاتا ہے جب کہ قحطان کا نام ابن ماکولا نے فہرم بتایا ہے اور کئی دوسروں کے علاوہ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ چار بھائی تھے جو قحطان وقاط اور مقط وفالغ کے نام سے مشہور تھے جب کہ قحطان کو قحطان بن ہود بھی کہا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے قحطان ہی ہود تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ہود کا بھائی تھا اور کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ہود کی اولاد میں سے تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قحطان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھا اور ابن اسحٰق وغیرہ نے اس کا نام قحطان بن تیمن بن قیذر بن اسماعیل بتایا ہے جب کہ کچھ اور لوگ قحطان کا سلسلہ نسب اسماعیل علیہ السلام تک دوسرے ناموں سے پہنچاتے ہیں۔ واللہ اعلم

امام بخاریؒ نے بھی یہی بتایا ہے۔ وہ صحیح بخاری میں عنوان ''نسبۃ الیمن الی اسمٰعیل علیہ السلام'' کے تحت فرماتے ہیں کہ ان سے مسدد اور یحییٰ نے یزید بن عبید کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ ایک ایسی قوم کی طرف تشریف لے گئے جو مسلمان تو ہو چکی تھی لیکن اس کے مختلف لوگوں میں کسی بات پر تلواریں نکل آئی تھیں۔ وہاں پہنچ کر آپ نے حکم دیا کہ بنی اسماعیل پر تیر چلاؤ اور میں فلاں گروہ کے ساتھ ہوں جو فریقین میں سے ایک ہے۔ آپ کے اس حکم کے باوجود کچھ لوگوں کو آل اسماعیل پر تیراندازی کرنے میں تامل ہوا تو آپ نے اس کا سبب پوچھا وہ لوگ بولے کہ جب آپ انہی کے ساتھ ہیں تو ہم ان پر تیراندازی کیسے کر سکتے؟ آپ نے فرمایا کہ میں (تو) تم سب کے ساتھ ہوں۔

بخاریؒ کہتے ہیں کہ اسلم بن افصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر قوم خزاعہ میں سے تھے اور خزاعہ وہ فرقہ تھا جس میں تمرق بھی شامل تھا جو اس وقت قبائل سبا میں تھا جب قوم ارم پر سیلاب کا عذاب نازل ہوا تھا جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے لیکن یہاں یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ قبائل اوس وخزرج بھی یمنی عرب تھے جن کا سلسلہ نسب اسماعیل علیہ السلام سے جوڑنا بظاہر بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا بنی اسماعیل پر یا بنی اسماعیل کو یمن کے کسی گروہ پر تیراندازی کا حکم دینے کے بعد یہ فرمانا کہ میں تم سب کے ساتھ ہوں یا تم سب میں سے ہوں یہ ثابت کرتا ہے کہ یمن کے عربوں کا سلسلہ نسب اسماعیل علیہ السلام سے ملانا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

درحقیقت بعید از قیاس نہیں ہے۔

جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ قحطانی عرب ہی درحقیقت یمنی عرب ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے عربوں کا سلسلۂ نسب اسماعیل علیہ السلام سے جوڑنا صحیح نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سارے عرب دو قبیلوں یعنی قحطانی و عدنانی قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور باقی سارے قبائل انہی کی شاخیں ہیں۔

محمد بن سلام بصری کہتے ہیں کہ نسب کے لحاظ سے اہل عرب کی تین قسمیں قحطانی' عدنانی اور قضاعی ہیں۔

روایت ہے کہ کسی شخص نے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہم بنی معد میں سے ہیں تو آپؐ نے فرمایا نہیں تم بنی قضاعہ میں سے ہو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل عرب ہمیشہ اپنے نسب کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے تمہیں (یعنی بنی آدم کو) مذکر و مؤنث پیدا کیا ہے اور تمہیں سعوب قبائل میں تمہاری پہچان کے لیے تقسیم کر دیا ہے لیکن اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

علمائے انساب کہتے ہیں کہ شعوب وقبائل کی تقسیم یہ ہے کہ پہلے شعوب ہیں' پھر قبائل' پھر عمائر' پھر بطون' پھر افخاذ' پھر فصائل اور آخر میں عشائر آتے ہیں یعنی عشیرہ کی ہر شخص سے قریبی نسبت ہوتی ہے اور اس سے زیادہ قریبی رشتہ کوئی نہیں ہوتا۔

ہم ان شاء اللہ پہلے قحطانی عربوں کا ذکر کریں گے اور پھر عدنانیوں کا جو حجاز سے تعلق رکھتے ہیں اور زمانہ جاہلیت میں بھی وہ لوگ تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا قریب سے مطالعہ کیا تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصہ سبا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سبا کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''(اہل) سبا کے لیے ان کے مقام بود و باش میں ایک نشانی تھی (یعنی) دو باغ (ایک) داہنی طرف اور (ایک) بائیں طرف۔ اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) خدائے غفار، تو انہوں نے (شکرگزاری سے) منہ پھیر لیا پس ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں ان کے باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیئے جن کے میوے بدمزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی۔ اور ہم سزا ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں' اور ہم نے ان کے اور (شام کی) ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی (ایک دوسرے کے متصل) دیہات بنا دیئے تھے جو سامنے نظر آتے تھے۔ اور ان میں آمد و رفت کا اندازہ مقرر کر دیا تھا کہ رات دن بے خوف و خطر چلتے رہو تو انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار ہماری مسافتوں میں بعد (اور طول پیدا) کر دے اور (اس نے) انہوں نے اپنے حق میں ظلم کیا تو ہم نے (انہیں نابود کر کے) ان کے افسانے بنا دیئے اور انہیں بالکل منتشر کر دیا۔ اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں''۔ (۳۴: ۱۵۔۱۹)

علمائے انساب جن میں ابن اسحٰق شامل ہیں کہتے ہیں کہ وہ سرزمین عرب کا پہلا علاقہ تھا جو اس سے علیحدہ ہو گیا تھا اور اسی لیے اس کا نام سبا پڑا تھا یعنی دور جانے والا۔

جس شخص نے سب سے پہلے عرب سے علیحدگی اختیار کی تھی اسے بھی لوگ سبا کے نام سے پکارنے لگے تھے۔ ویسے اس کا نام عبد شمس بن یشجب بن قحطان تھا۔

اسے الرائش بھی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ اپنے ذاتی مال و متاع میں سے لوگوں کو بہت کچھ دیا کرتا تھا۔

سہیلی کہتے ہیں کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے تاج پہنا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں کچھ نعتیہ اشعار بھی کہے تھے۔ اس کا ذکر ابن دحیہ نے اپنی کتاب ''التنویر فی مولد البشیر النذیر'' میں کیا ہے۔

امام احمدؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ سبا کسی مرد کا نام تھا یا کسی عورت کا یا کسی خطہ ارضی کو سبا کہا جاتا تھا تو اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ سبا یمن میں ایک شخص تھا جس کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے چھ تو یمن میں مقیم رہے جن کے نام مذحج' کندہ' ازد' اشعری' انمار اور حمیر تھے اور ان دس میں سے باقی چار شام چلے گئے وہ لخم' جذام' عاملہ اور غسان کے ناموں سے مشہور تھے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہم اپنی کتاب تفسیر میں بتا چکے ہیں کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کیا تھا اس کا نام فروہ بن مسیک غطیفی تھا اور اس حدیث کی روایت اسی سے منسوب ہے اور ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں وہی الفاظ لکھے ہیں جو اس حدیث نبوی کی روایت میں اس نے بیان کیے ہیں۔

محمد بن اسحٰق وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل سبا کی اصلاح وہدایت کے لیے یمن میں تیرہ نبی بھیجے لیکن السدی نے ان کی تعداد بارہ بتائی ہے۔

انہی روایات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب اہل سبا نے ان احکام اور ہدایات سے روگردانی کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کے ذریعے انہیں بھیجے تھے سورج کی پرستش شروع کردی اور انہوں نے اس شرک کا ارتکاب ملکہ سبا بلقیس سے قبل اور اس کے بعد بھی جاری رکھا تو اللہ جل شانہٗ نے ان پر وہ عذاب نازل فرمایا جو سیل ارم کے نام سے مشہور ہے اور جس کا ذکر قرآنِ مجید میں آیا ہے جسے ہم سطور بالا میں پیش کر چکے ہیں۔

سیل ارم کے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد بھی جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے اکثر اہل سبا وہیں رہ گئے تھے اور ان میں سے کچھ لوگ جن کے نام ہم مندرجہ بالا حدیث نبوی کے حوالے سے پہلے بتا چکے ہیں شام چلے گئے تھے اور کچھ دوسرے اِدھر اُدھر کے اور علاقوں میں منتشر ہو گئے تھے۔

سبا کے چھ بیٹے جن کے نام مندرجہ بالا حدیث نبوی کے حوالے سے پہلے بتائے جا چکے ہیں اور ان کے علاوہ یمن کے دوسرے قبائل ایک مدت تک وہاں رہے لیکن پھر حبشہ کے بادشاہ کے یمن پر قبضہ کے بعد وہ بھی جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا وہاں سے نکل کر عرب کے دوسرے علاقوں میں جا بسے۔

ان اِدھر اُدھر کے علاقوں میں بسنے والے قبائل میں سے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے دو قبیلے اوس وخزرج مدینے میں آ کر بس گئے تھے جسے ہجرت سے قبل یثرب کے نام سے پکارا جاتا تھا اور یہ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے بہت پہلے کا قصہ ہے۔

زمانہ اسلام میں جب یمن اہل اسلام کے زیر تسلط آیا اور وہاں کے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے وہاں سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کو اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو بھیجا تھا تاکہ وہاں اسلام کی مزید لوگوں کو دعوت دیں لیکن پھر اسود عنسی نے یمن پر قبضہ کر کے وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے ان نائبین کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاہم اسود عنسی کے قتل کے بعد یمن اور اس کا علاقہ سبا وغیرہ سب کے سب اہل اسلام کے زیر تسلط آ گئے تھے اور وہاں مکمل طور پر اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی اور یہ حکومت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قائم ہوئی تھی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ربیعہ بن نصر بن ابی حارثہ بن عمرو بن عامر کا قصہ

ابن اسحٰق نے یمنی قبائل میں سب سے پہلے لخمی قبیلے کا ذکر کیا ہے اور اس کا نسب نامہ ربیعہ بن نصر بن ابی حارثہ بن عمرو بن عامر بن لخم لکھا ہے جب کہ سہیلی نے اسے نصر بن ربیعہ ابن نصر بن حارث بن نمارہ بن لخم لکھا ہے۔ البتہ زبیر بن بکار نے اسے ربیعہ بن نصر بن مالک بن شعوذ بن مالک بن عجم بن عمرو بن نمارہ بن لخم لکھ کر یہ بھی بیان کیا ہے کہ لخم درحقیقت جذام کا بھائی تھا لیکن چونکہ جذام نے اسے پالا تھا اور اپنے پاس رکھ کر اس کی نگرانی اور پرورش کی تھی اس لیے وہ لخم اور جذام دونوں ناموں سے مشہور ہو گیا تھا۔

زبیر بن بکار یمنی قبائل کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ حمیر التبابعہ کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جسے اس کے کاہنوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے معجزات شق القمر اور سورج کے مغرب میں غروب ہوتے ہوتے دوبارہ اُبھر آنے کے واقعات سنا کر یہ بھی بتایا تھا کہ وہ عرب کے ایک شخص کے کرشمے ہیں۔ اس لیے اس نے اپنا نام شق اور اپنے بیٹے کا نام سطیح رکھ لیا تھا جو آپ ؐ کے ان دونوں معجزات کے ہم معنی ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شق اور سطیح دونوں اس کے بیٹے ربیع بن ربیعہ کے نام سے اس لیے چسپاں ہو گئے تھے کہ اس کا جسم ہاتھوں اور ٹانگوں کے بغیر تھا اور وہ بھی مسطح نہیں تھا بلکہ دو ٹکڑوں میں الگ الگ نظر آتا تھا جن میں سے صرف چہرے کی طرف کا حصہ انسانی تھا اور اس کا چہرہ غصے کی حالت میں پھول کر شق ہو جاتا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سطیح ایک اور شخص تھا جس کا اصل نام ربیع بن ربیعہ بن مازن بن ذئب بن عدی بن مازن غسان تھا اور شق اسی خاندان کا ایک دوسرا شخص تھا جس کا اصل نام ہی شق ابن صعب بن یشکر بن رھم بن افرک بن قیس بن عبقر بن انمار بن نزار تھا لیکن بعض لوگ انمار کو انمار بن اراش بن لحیان بن عمرو بن غوث بن نابت بن مالک بن زید بن سبا بتاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ خالد بن عبداللہ القسری اسی کی نسل سے تھے۔

سہیلی کہتے ہیں کہ شق اور سطیح دونوں اس دن پیدا ہوئے تھے جس دن مشہور کاہنہ طریفہ بنت الخیر الحمیریہ مری تھی لیکن اس نے مرتے مرتے ان دونوں بچوں کے منہ میں پھونک ماری تھی اور ان دونوں نے کہانت طریفہ ہی سے وراثت میں پائی تھی اور یہ کہ طریفہ عمرو بن عامر کی بیٹی تھی جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ربیعہ بن نصر یمن کے ملوک تبابعہ میں کمزور ترین بادشاہ گزرا ہے۔ ایک دن خواب میں اس نے اپنے گرد ہالے کی شکل کا ایک حلقہ کھنچا ہوا دیکھا جسے دیکھ کر وہ سخت پریشان ہو گیا لیکن اس کا قاعدہ تھا کہ جمعہ کے علاوہ وہ کسی اور دن اپنے کاہنوں نجومیوں یا مستقبل بینوں کو نہیں بلایا کرتا تھا لیکن اس روز صبح ہوتے ہی اس نے انہیں بلا بھیجا اور ان سے اپنے اس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خواب کا ذکر کر کے تعبیر پوچھی اور اپنی ذات پر اس کے اثرات کے بارے میں بھی دریافت کیا۔

ان سب ساحروں' نجومیوں' کاہنوں اور پیشینگوئیاں کرنے والوں نے اسے کسی بڑی آفت کے آنے کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد اس نے شق اور سطیح سے اپنے اس خواب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یکے بعد دیگرے ایک ہی جواب دیا اور وہ یہ تھا کہ کچھ عرصے میں ان کے ملک پر حبشہ کا بادشاہ حملہ کرے گا اور یمن پر قبضہ کر لے گا اور جس عرصہ تک وہ یہاں قابض رہے گا اسی کے دوران عدن یا ارم کے کسی علاقے سے کوئی دوسرا شخص شاہِ حبشہ کو یمن سے بھگا دے گا لیکن وہ بھی یہاں کم و بیش ستر سال تک ہی حکومت کرے گا جس کے بعد بنی غالب یہاں آ جائیں گے اور ان کا زمانہ یمن کے لیے بڑی آسودگی کا زمانہ ہوگا کیونکہ ان میں اس وقت جو نبی ہوگا وہ سب نبیوں سے زیادہ رحمدل ہوگا اور وہی خدا کا آخری نبی ہوگا جس کے زمانے میں قریب قریب ساری دنیا اطمینان کا سانس لے گی' ان کی بتائی ہوئی ایک ایک بات سچ نکلی۔

یمن کے ملوک تبابعہ میں سب سے نیک خصلت بادشاہ کا اہل مدینہ سے سلوک

مؤرخین اور دوسرے تمام ثقہ راویوں نے اس بادشاہ کا نام ابی کرب بتایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ابرہہ کے بعد اس نے بھی خانہ کعبہ پر تسلط کا ارادہ کیا لیکن پھر اس کی عظمت وحرمت کا قائل ہو کر اس کا احترام کرنے لگا تھا یہاں تک کہ جب اس نے مکے سے مدینے کا رخ کیا تھا تو وہاں سے عمرہ ادا کر کے گیا تھا اور اس نے عرب کے جملہ قبائل کو حج کے لیے وہاں آنے کو عام اجازت دے دی تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اس نے مدینے پر قبضہ کیا تھا تو وہاں کے کسی شخص کو قتل کیا تھا نہ کسی عمارت کو نقصان پہنچایا تھا بلکہ اس کے بیٹے کی اہل مدینہ نے جب اس سے شکایت کی تھی کہ اس نے وہاں کے بے شمار درخت کٹوا دیئے ہیں اور بہت سی پرانی عمارتیں منہدم کرادی ہیں تو اس نے اسے قتل کر دیا تھا۔

ابی کرب ہی یمن کا وہ بادشاہ تھا جو مدینے کے حبرانی یہودیوں کو جو مدینے میں فساد کی جڑ تھے گرفتار کر کے یمن لے گیا تھا اور اس نے اس کے بعد نہ کبھی مدینے پر خود حملہ کیا تھا نہ مشرقی علاقے کے کسی حکمران کو اپنی طرف سے اس کے لیے راستہ دیا تھا۔

ابن اسحٰق نے ابی کرب کو یمن کے ملوک تبابعہ میں سب سے زیادہ نیک خصلت بتاتے ہوئے اس کے انہی واقعات اور اہل مدینہ کے ساتھ اس کے اچھے سلوک کا ذکر کیا ہے۔

ابن ہشام نے عمرو بن طلحہ یعنی عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عامر بن مالک بن نجار اور اس کی ماں طلہ خزرجیہ کو جو عامر بن زریق کی بیٹی تھی ابی کرب کی نسل سے بتایا ہے۔

بہرکیف ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ جب ابی کرب نے خانہ کعبہ کی عزت و بحالی بحال کرنے کے بعد مدینے کا رخ کیا تھا اور وہاں کے لوگوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا تو احبار یہود کے دو بڑے عالموں نے جن کا تعلق بنی قریظہ سے تھا اسے ان کے قتل سے روکا تھا اور یہ کہا تھا کہ یہاں بیت الحرام سے ہجرت کر کے ایک زمانے میں جو لوگ آئیں گے اہل مدینہ ان کی بڑی مدد کریں گے کیونکہ ان میں وہ خدا کا آخری نبی بھی ہو گا جس پر یہ لوگ ایمان لا کر روئے زمین کی اکثر قوموں کی ہدایت و اصلاح کا سبب بنیں گے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یمن پر لخنیعہ ذی شناتر کی حکومت کا ذکر

جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے یمن پر لخنیعہ ذی شناتر نامی ایک شخص نے سترہ سال حکومت کی تھی لیکن قوم لوط کے لوگوں کی طرح لواطت کے فعل شنیع وقبیح کی عادت میں مبتلا تھا۔

وہ اپنے سے پہلے بادشاہوں کی اولاد میں سے حسین وجمیل لڑکوں کو طلب کر کے اس خلاف فطرت فعل کا مرتکب ہوتا تھا۔ آخر کار لوگوں نے اس سے تنگ آ کر ذی نواس اور قبیلہ حمیر کے کچھ لوگوں سے کہا کہ وہ انہیں ایسے لعنت کے قابل حکمران سے کسی طرح نجات دلائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک بہت ہی حسین وجمیل لڑکی کو اس بات کے لیے تیار کیا کہ وہ اس سے مل کر پہلے اپنی خدمات اسے پیش کرے اور اس کے انکار پر ایسی آواز نکالے کہ پس پردہ چھپے ہوئے لوگ سامنے آ کر اسے قتل کر دیں۔

جب اسے قتل کیا گیا تو اس کا سر کاٹنے کے بعد جو مسواک اس کے منہ میں تھی اسے اس کے منہ ہی میں رہنے دیا گیا اور اس کا سر شہر کے ایک چوراہے پر لٹکا دیا گیا جو ایک مدت تک لوگوں کے لیے باعث عبرت بنا رہا۔

اس کے قتل کے بعد قبیلہ حمیر کے اکثر لوگ جن میں یمن کے لوگ بھی شامل تھے ذی نواس کی تلاش میں نکلے اور اسے تلاش کر کے اس سے کہا کہ آپ ہی نے درحقیقت اس خبیث حکمران سے ہمیں نجات دلائی ہے اور ویسے بھی اپنے بزرگوں کی طرح یمن پر قبیلہ حمیر ہی کو حکومت کا حق ہے اور آخر کار ان سب نے مل کر اسے یمن کی حکومت سنبھالنے پر مجبور کر دیا۔

اس ذی نواس نے جس کا اصلی نام یوسف تھا کچھ عرصے یمن اور نجران کے علاقے پر حکومت کی۔ اس زمانے میں اہل نجران دین عیسوی پر چلتے اور اصل انجیل کے احکام پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ ان نجرانیوں کا سربراہ عبداللہ بن ثامر نامی ایک شخص تھا۔

ابن اسحٰق نجرانیوں کے کے دین مسیحی قبول کرنے کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نصرانیت قبول کرنے سے قبل اہل نجران ایک درخت کو یہ سمجھ کر پوجا کرتے تھے کہ اس میں ان کے بزرگوں کی پاک روح حلول کر گئی ہے جو خصوصا ان کے حلقہ خواتین میں بہت مقبول ہے اور ان کے ساتھ ان کے مرد بھی اس کی پوجا پر مجبور ہیں۔ لیکن عیسائی مذہب کے ان بزرگوں نے جو اصل انجیل مقدس کے احکام پر عمل پیرا تھے اور نجرانی عوام میں بھی بہت مقبول تھے انہیں بتایا کہ وہ اس طرح شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرکین نجران کی ایک عبادت گاہ میں اس درخت کی پرستش کے دوران میں کچھ ایسے عجیب واقعات پیش آئے کہ وہ اس درخت کی پرستش سے ڈرنے لگے اور رفتہ رفتہ قریبا سب کے سب نے دین مسیحی اختیار کر لیا۔

آخر کار اہل نجران کے کچھ دانشوروں نے جن میں نجران کے عربی علاقے کے کچھ بزرگ بھی شامل تھے نجران پر رومیوں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اور حبشہ کے نصرانیوں کے روز افزوں اثرات کے پیش نظر ایک بار پھر ذونواس سے جو اس وقت یمن و نجران کے بعض علاقوں کا وہ آخری بادشاہ تھا جس کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا رجوع کیا اور اس سے کہا کہ اگر رومی و حبشہ کے نصرانیوں کے نجران و یمن پر اسی طرح اثرات بڑھتے رہے تو یمن کے ساتھ سارا نجران بھی ہمیشہ کے لیے ان کے زیر انتداب بلکہ قبضے میں آ جائے گا۔

ابونواس اور اس کے مشیران مملکت نے اس پر غور کرنے کے بعد یہ کہا کہ نجرانی عیسائیوں کے مذکورہ بالا سربراہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو بنی اسرائیل نے اصحاب الاخدود کے ساتھ کیا تھا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے یعنی ایک لمبی خندق کھدوائی اور اس میں آگ بھروا کر اس میں ان تمام نصرانیوں کو جھونک دیا جن کی مجموعی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یمن کے حمیری بادشاہ کا حبشہ کے علاقہ سوڈان کے خلاف خروج

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' شق و سطیح یمن کے کاہنوں نے ربیعہ بن نصر کو بتایا تھا اور اس کی پیشینگوئی کی تھی کہ یمن کا ایک شخص کسی دن گھوڑے پر سوار ہو گا اور حبشہ کے نجرانی علاقے کے نصرانیوں سے اہل یمن کو نجات دلا دے گا۔

چنانچہ ذونواس حمیری نے جب وہ یمن پر حکومت کر رہا تھا تو یمن کے ان کاہنوں کی اس پیشگوئی کے بارے میں سوچ کر حبشہ کے نجرانی علاقے سوڈان پر فوج کشی کا ارادہ کیا لیکن اس سے قبل اس نے رمالوں سے رمل کے دانے پھنکوائے لیکن ان سے موافق و مخالف کوئی جواب حاصل نہ ہو سکا۔

اس کے باوجود ذونواس نے سوڈان پر فوج کشی کا مصمم ارادہ کر لیا اور اسے پورا کرنے کے لیے اپنی فوج کے ساتھ سوڈان کی طرف روانہ ہو گیا لیکن جب اس کی خبر قیصر روم اور حبشہ کے نجرانی بادشاہ کو ہوئی تو ان دونوں نے اپنے دینی بھائیوں یعنی نصرانیوں کی امداد کے لیے اپنی اپنی فوجیں روانہ کر دیں جس کی خبر ذونواس کو اس وقت ہوئی جب حاکم سوڈان اور اس کی فوجوں کا مقابلہ ہوا۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا تین نصرانی اتحادیوں کے مقابلے میں ذونواس کو شکست ہوئی تو اپنی جان بچانے کے لیے اس نے اپنا گھوڑا ساحل سمندر کی طرف سرپٹ ڈال دیا اور اس کے بعد دشمن کی طرف سے تعاقب کے خیال سے گھوڑے سمیت سمندر میں اتر گیا اور دور تک' جیسا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے' سمندر کے اندر ہی اندر چلا گیا لیکن پھر اس کا کوئی پتہ نہ چلا اور اغلب یہ ہے کہ وہ سمندر کی طوفانی لہروں سے لڑتا ہوا ہلاک ہو گیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حاکم یمن ارباط پر ابرہہ اشرم کی فوج کشی

ابن اسحق سے مروی ہے کہ ذونواس کی گمشدگی یا سمندر میں غرقابی کے بعد حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے سوڈان کا گورنر ابرہہ کو اور یمن کا گورنر ارباط کو بنایا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد دونوں میں کسی بات پر سخت اختلاف ہوا جس کے نتیجے میں ابرہہ یمن پر اپنی فوج لے کر چڑھ آیا۔

سوڈان اور یمن کے درمیانی علاقے میں پہنچ کر ابرہہ نے جو ایک کوتاہ قامت اور کریہہ المنظر شخص تھا ارباط جو انتہائی قد آور اور خوب صورت شخص تھا کو مقابلے کی دعوت دی لیکن جب دونوں ایک دوسرے کے مقابل آئے تو پہلے ابرہہ پر ارباط نے انتہائی قوت سے تلوار ماری لیکن وہ اپنے محافظ کے پیچھے ہو گیا اور ارباط کی تلوار سے ابرہہ کے حاجب کے سر اور اس کی ناک سمیت اس کے چہرے کے ٹکڑے اڑ گئے۔

ابھی ارباط سنبھل کر ابرہہ پر دوسرا حملہ کرنا چاہتا تھا کہ ابرہہ کے دوسرے محافظ نے جو اس کے پیچھے تھا اچانک ارباط پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اسی روز سے ابرہہ کو ابرہہ اشرم یعنی بے شرم کہا جانے لگا۔

یمن پر ابرہہ کے حملے اور ارباط کے قتل کی خبر جب حبشہ کے بادشاہ کو ملی تو وہ برہم ہوا اور اس نے ابرہہ سے اس کی جواب طلبی کی۔

حبشہ کے بادشاہ کا خط اس کا پیغام رساں ابرہہ کے پاس لایا تھا۔ ابرہہ نے اس خوف سے کہ حبشہ کا بادشاہ کہیں اسے سوڈان کی گورنری سے معزول نہ کر دے یا کہیں قتل ہی نہ کرا دے اس خط کے جواب میں حبشہ کے بادشاہ کو لکھا کہ ارباط اور میں دونوں آپ کے فرمان بردار خادم تھے لیکن ارباط نے خواہ مخواہ مجھ سے جھگڑا مول لیا' بلکہ جیسا کہ مجھے خبر ملی تھی' وہ سوڈان پر فوج کشی کا ارادہ کر رہا تھا۔ لہٰذا میں اس کی پیش قدمی روکنے کے لیے یمن کی طرف بڑھ رہا تھا کہ وہ راستے ہی میں مجھ پر حملہ آور ہو گیا اور میرے ہاتھوں مارا گیا۔

اس کے بعد ابرہہ نے لکھا: ''میں ابھی تک آپ کا فرمانبردار خادم ہوں'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک جراب میں یمن کی مٹی بھر کر حبشہ کے بادشاہ کی خدمت میں بھیجی اور لکھا: ''یمن اور سوڈان دونوں کو مٹی آپ کی اب تک خاک پا ہے اور میں آپ کا قدیم خادم'' حبشہ کے بادشاہ نے ابرہہ کے اس جواب سے خوش ہو کر اسے معاف کر دیا اور اسے حکم دیا کہ دوسرا حکم ملنے تک تم یمن میں ٹھہرو۔ چنانچہ ابرہہ کچھ دن تک وہیں مقیم رہا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابرہہ کا خانہ کعبہ کو مسمار کرنے ہاتھی لے کر مکے آنا اور اس کا بحکم الٰہی فوراً بے موت مارا جانا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں فرمایا ہے

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کا داؤ غلط نہیں گیا؟ اور ان پر جھلڑ کے جھلڑ جانور بھیجے' جو ان پر کھنگر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔ تو ان کو ایسا کر دیا جیسا کھایا ہوا بھس''۔ (۱۰۵:۱۔۵)

کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے دنیا میں سب سے پہلے ہاتھی کو قابو کیا اور سدھا کر فرمانبردار بنایا وہ فریدوں بن اثفیان تھا اور اسی نے ضحاک کو قتل کیا تھا۔

یہ روایت طبری کی ہے اور اسی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ شخص جس نے گھوڑے پر پہلی بار زین کسوائی وہ بھی فریدون بن اثفیان ہی تھا لیکن جس شخص نے گھوڑوں کو سواری کے لیے مطیع بنایا اور ان پر سوار ہوا وہ دنیا کا تیسرا بادشاہ طہمورث تھا لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عرب میں جس شخص نے پہلی بار گھوڑے کی سواری کی وہ اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام تھے اور انہی نے دنیا میں پہلی بار گھوڑے کو سواری کے لیے مطیع بنایا۔ واللہ اعلم

کہا جاتا ہے کہ ہاتھی جسمانی طور پر عظیم الجثہ ہونے کی وجہ سے سواری کے اونٹ سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اسے ہندوستان میں لڑائیوں کے موقع پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی لیے دوسرے ملکوں میں بھی اسے شکار کے علاوہ اسی مصرف میں لایا جانے لگا۔

پھر ابرہہ نے القلیس کے نام سے صنعاء میں ایک کنیسہ (گرجا) بنوایا جس کی اس زمانے میں دنیا کے حصے میں کوئی مثال نہیں تھی۔

وہ کنیسہ تعمیر کرانے کے بعد اس نے شاہ حبشہ نجاشی کو لکھا کہ میں نے آپ کے لیے یہاں (یعنی یمن میں) ایک ایسا کنیسہ تعمیر کرایا ہے جس کی روئے زمین پر کوئی مثال نہیں مل سکتی کیونکہ اس سے قبل کسی بادشاہ نے بھی ایسا کنیسہ اپنے ملک میں تعمیر نہ کرایا ہوگا اور یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ سارے اہل عرب مکے میں خانہ کعبہ کی بجائے حج کے لیے یہاں آنے لگیں۔

سہیلی کہتے ہیں کہ ابرہہ نے اہل یمن کو ذلیل کرنے کے لیے اس پلید کنیسہ کی تعمیر کے لیے بیگار پر لگا دیا اور یہ بھی حکم جاری کر دیا کہ اگر کوئی شخص طلوع آفتاب سے قبل وہاں عبادت کے لیے نہ آیا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔

اس نے قصر بلقیس سے نہ صرف سنگ رخام اور دوسرے پتھر بلکہ تمام دوسری قیمتی اشیاء اور سونا چاندی لا کر اس کنیسہ کے تہ خانوں میں بھروا دیئے۔ اس نے اس کنیسہ میں ہاتھی دانت کے انتہائی بلند منبر بھی بنوائے لیکن اس کی ہلاکت کے بعد وہ کنیسہ ایسا ویران ہوا کہ یمن تو کیا حبشہ کے کسی شخص نے بھی وہاں آ کر قدم نہیں رکھا۔ کیونکہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ اس میں جنات رہنے لگے ہیں۔

عباسی خلیفہ سفاح نے اس کنیسہ کو منہدم کرا دیا تھا لیکن اس کے آثار کھنڈرات کی شکل میں اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

جب شاہ حبشہ نجاشی کے نام ابرہہ کے اس خط کی خبر عربوں خصوصاً کنانہ کے قرب و جوار کے لوگوں کو ہوئی تو وہاں کا ایک

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

شخص جیسا کہ قرآن مجید میں ان کی سخت بت پرستی کا ذکر آیا ہے سخت برہم ہوا کیونکہ حج کے زمانے میں اہل عرب خصوصاً وہاں کے لوگ کثرت سے حج وزیارت کعبہ کے لیے مکے میں جمع ہو جاتے تھے جہاں کعبہ میں ہر قبیلے کی پوجا کے لیے الگ الگ بت رکھے گئے تھے۔

بہر کیف جب ابرہہ انہدام کعبہ کے قصد سے یمن سے مکے کی طرف روانہ ہوا تو غمس وطائف تک ذونفر ورغال کے سوا اسے عرب کے کسی قبیلے نے نہیں روکا کیونکہ انہوں نے کعبہ کی طرح کے اپنے اپنے بت خانے تعمیر کر کے ان میں پوجا کے لیے اپنے پسندیدہ بت رکھ لیے تھے۔

ذونفر ورغال کو قتل کرنے کا ابرہہ نے جب حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں قتل نہ کرایئے کیونکہ ہمارے آپ کے ساتھ چلنے سے عرب کے دوسرے لوگوں پر آپ کا رعب پڑے گا اور وہ مزاحمت سے باز رہیں گے۔ چنانچہ ابرہہ نے ان دونوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے لیا۔

جب ابرہہ مکے پہنچا تو وہاں حج کعبہ کے لیے عربی قبائل کے لوگ کثرت سے آئے ہوئے تھے اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست کعبہ کے متولی جناب عبدالمطلب نے حسب سابق کر رکھا تھا۔ ان لوگوں نے جناب عبدالمطلب سے عرض کیا کہ وہ اجازت دیں تو وہ ابرہہ سے جنگ کے لیے تیار ہیں لیکن انہوں نے کہا کہ کعبہ جس کا گھر ہے وہی اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ کہا جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے خانہ کعبہ کی ایک دیوار سے لپٹ کر اور رو رو کر اس کی حفاظت کے لیے خدا سے دعا کی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب خدا کے حکم سے ابرہہ کی ہلاکت کے بعد وہ بلا ٹل گئی تو انہوں نے اسی طرح کعبے کی دیوار سے لپٹ کر اور خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب ابرہہ مکے پہنچا تو اس نے وہاں کے لوگوں سے قریش کے قبیلے اور بنی ہاشم کے اس سردار کا نام پوچھا جو وہاں حج کے لیے جمع ہونے والے عربوں کی میزبانی کے فرائض ادا کیا کرتا تھا تو سب نے یک زبان ہو کر جناب عبدالمطلب کا نام لیا جو پہلے ہی اس شرط پر کہ وہ کعبے کو مسمار کرنے سے باز آ جائے اپنے پاس سے اور کچھ دوسرے عربی قبائل کے لوگوں سے جمع کر کے دو سو اونٹ اسے پیش کر چکے تھے۔

بہر حال ابرہہ نے جناب عبدالمطلب کی بڑی تعظیم وتکریم کی بلکہ انہیں بلا کر اس طرح جیسے شاہ حبشہ اپنے پادریوں کو اپنی مسند پر بٹھایا کرتا تھا اپنے برابر بٹھایا' لیکن انہوں نے جب خانہ کعبہ کے انہدام کی اجازت دینے سے انکار کیا تو اس نے ان کے پیش کردہ دو سو اونٹ واپس کر دیئے اور بیت اللہ کو مسمار کرنے پر تل گیا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور اپنی قدرت سے ابرہہ اور اس کی فوج کثیر اور اس کے دل کے دل ہاتھیوں کو ہلاک کر کے نہ صرف اپنے گھر موسومہ بیت اللہ کو انہدام سے بچا لیا بلکہ عربوں پر یہ انتہائی احسان بھی کیا کہ انہیں میں سے ان کی ہدایت کے لیے اپنا آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا جس نے روم وحبشہ والوں کے دین باطل نصرانیت کے فخر وافتخار کو عرب میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا کیونکہ وہ شرک وباطل پرستی میں کفار قریش سے بھی کہیں زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔

ابرہہ کی ہلاکت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بیت اللہ کی حفاظت کے بارے میں عرب شعراء نے کثرت سے بڑے فصیح وبلیغ اشعار کہے ہیں جنہیں ابن جریر اور دوسرے متعدد عرب مورخین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے یقیناً لائق مطالعہ ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یمن پر اہل فارس کے حملے

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یمن پر ابرہہ کے تسلط سے قبل جیسا کہ ربیعہ بن نصر کے کاہنوں نے پیشگوئی کی تھی حبشہ کی طرف سے اس پر کئی بار حملے ہو چکے تھے لیکن ابرہہ کی مکے میں ہلاکت کے بعد یمن پر پہلے فارس کے کئی بادشاہوں نے فوج کشی کی۔ پھر کسریٰ نوشیرواں کے حکم سے اس پر اس کے بیٹے مرزبان نے حملہ کیا اور مرزبان کے فوت ہونے کے بعد کسریٰ نے اپنے دوسرے بیٹے تینجان کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا اور اس نے یمن کی قلیل فوج کو شکست دے کر اس پر قبضہ کر لیا اور کچھ عرصے نوشیرواں کی طرف سے وہاں کا حاکم بھی رہا۔ لیکن نوشیرواں نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ باذان کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور اسی کے زمانے میں عرب میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

ابن اسحٰق ہی سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسریٰ کو جو خط بھیجا تھا اس میں باذان کے ذریعہ یہ پیغام بھی بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کسریٰ نوشیرواں فلاں دن فلاں جگہ قتل کر دیا جائے گا اور وہ خط پڑھ کر نوشیرواں نے کہا تھا کہ:

”اگر وہ (یعنی آنحضرت ﷺ) نبی ہیں تو میں جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے یقیناً اسی دن اور اسی جگہ قتل کر دیا جاؤں گا“۔

ابن ہشام کے بقول نوشیرواں کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کیا تھا لیکن بعض دوسرے راویوں کے خیال میں اس کے سارے بیٹے اس کے قتل پر مائل تھے اور انہوں نے باہم مل کر اسے قتل کیا تھا۔

فارس کے جس بادشاہ کو قتل کیا گیا اس کسریٰ کا نام پرویز بن ہرمز بن انوشروان تھا جسے نوشیرواں بھی کہا جاتا تھا اور جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہے (الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ) اس نے روم کے کچھ علاقوں پر غلبہ حاصل کیا تھا لیکن اپنے انتہائی عدل وانصاف کے بعد وہ ظلم وستم پر اتر آیا تھا اور اس لیے اپنے ہی بیٹوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع تفصیل سے کریں گے۔

سہیلی کہتے ہیں کہ نوشیرواں کو ہجرت کے نویں سال ماہ جمادی الاوّل کے پہلے عشرے کی چوتھی شب کو قتل کیا گیا تھا اور یہ واقعہ اس کے بعد پیش آیا تھا جب اس نے رسول اللہ ﷺ کا وہ نامہ مبارک جس میں آپؐ نے اسے قبول اسلام کی دعوت دی تھی پڑھ کر پھاڑ دیا تھا۔ واللہ اعلم

کہا جاتا ہے کہ نوشیرواں کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ بھی کم وبیش چھ مہینے ہی حکومت کر سکا۔ البتہ یمن کے حاکم باذان نے نوشیرواں کے قتل کی خبر سنتے ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور اس نے بہت سے گھوڑوں کے علاوہ اپنے سفیر کے ہاتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ بہت سا زر نقد بھی بھیجا تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ملوک الطوائف کا ذکر

ملوک الطوائف میں جس شخص کا نام سب سے پہلے لیا جاتا ہے وہ حضر کا حاکم ساطرون تھا اور سکندر مقدونی کے ہاتھوں ایران کے دارا کے قتل کے بعد جب ایران میں انتشار سے فائدہ اٹھا کر ساطرون ہی ایران کے سیاہ وسفید کا مالک بن بیٹھا تھا اور اس نے سارے ملک کو برباد کر کے وہاں کے خزانوں پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا جس کے بعد ایران کی گھوڑ سوار فوج بھی تتر بتر ہو گئی تھی۔

یہ دیکھ کر اطراف کے تمام حکمرانوں نے اپنی اپنی حفاظت کے لیے خصوصی انتظامات کر لیے تھے۔

بہر حال اس کے فوت ہونے کے بعد ایران کی اقتصادی حالت کسی قدر اس وقت سنبھلی جب ایران میں اردشیر کی حکومت قائم ہوئی لیکن اس سے قبل ساطرون کی اولاد نے قریباً پانچ سو سال تک ایران کو خوب لوٹا کھسوٹا اور وہاں کے عوام کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

اردشیر ساسانی تھا اور اس کو اردشیر بن بابک بن بہمن بن اسفندیار بن یشتاسب بن لہراسپ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

اردشیر بن بابک ساسانی نے اپنے ملک کی حالت حسب سابق کرنے اور گھوڑ سوار فوج از سر نو مرتب کرنے کے بعد طائف الملوکی کا بالکل خاتمہ کر کے اطراف کے ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات از سر نو بحال کیے۔

اردشیر کی موت کے بعد جیسا کہ اکثر بیان کیا جاتا ہے' اس کے بیٹے سابور نے ان ملوک الطوائف کے آخری مستحکم قلعے کا جو حضر میں تھا محاصرہ کیا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ۵

حجازی عربوں کے بنی اسماعیل کا ذکر جو زمانہ جاہلیت سے قبل زمانہ بعثتِ نبوی ﷺ تک وہاں کے حکمران رہے

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس سے قبل دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے ساتھ کیا جا چکا ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ جب ان کے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں جو اس وقت شیر خوار تھے اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو خدا کے حکم کے مطابق فاران کے ویران پہاڑوں کے درمیان تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے نیز یہ کہ اس وقت ان کی والدہ کے پاس کھانے کے لیے ایک جراب میں تھوڑی سی املی اور ایک چھوٹی سی کپی میں تھوڑا سا پانی تھا اور اس کے علاوہ وہاں دور دور تک انہیں کوئی اپنا ہمدرد و غم خوار نظر نہ آتا تھا لیکن ان کے پروردگار نے اپنی رحمت سے ان کے لیے وہیں ایک چشمہ زمزم جاری کر دیا جس میں کھانے اور پانی دونوں کی ماہیتیں موجود ہیں اور اس کے پانی سے مریض بھی شفا پاتے ہیں۔

یہ واقعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تفصیلی روایت میں ہے جسے بخاریؒ نے بھی بیان کیا ہے اور ان دونوں کے حوالے سے پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے کچھ دن قیام کے بعد وہاں قدیم ترین عربی قبیلے جرہم کی ایک جماعت پانی کی تلاش میں آئی جسے حضرت ہاجرہ نے اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت سے انہیں عطا فرمودہ اس کنوئیں کا پتہ بتایا جس کے بعد وہ لوگ بھی ہمیشہ کے لیے وہیں آباد ہو گئے۔

روایت ہے کہ اس زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المقدس سے آتے یا وہاں جاتے ہوئے دو مرتبہ ادھر سے گزرے لیکن ان کا گھوڑا برق رفتاری اور چمک دمک میں بالکل براق معلوم ہوتا تھا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں تشریف لائے تو ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو چکے تھے اور اسی زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں بحکم خداوندی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ پیش آیا اور حقیقت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہ فرزند ہیں جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے نام پر قربان کیا تھا اور انہی کا ذکر قرآن مجید میں ''ذبح عظیم'' کے نام سے آیا ہے۔

اس مشہور و معروف واقعے کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کر لی تھی لیکن اسے طلاق دے کر پھر اسی قبیلے کی جس دوسری لڑکی سے انہوں نے شادی کی اس کا نام سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی تھا۔

سیدہ بنت مضاض سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کے نام نابت

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قیذر' منشا' سمع' ودما' اذر' یطور' نیشی' وطیما اور قیذ ما تھے۔

یہ نام محمد ابن اسحاق نے اہل کتاب کی روایات کے حوالے سے بتائے ہیں جن میں ابن جریر اور طبری نے کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ بہر حال یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیٹی صرف ایک تھی جس کا نام نسمہ تھا اور انہوں نے اس کی شادی اپنے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے عیصو سے کی تھی اور اسی کے بطن سے روم اور فارس پیدا ہوئے تھے جب کہ دو روایتوں میں سے ایک روایت کے مطابق اشبان بھی نسمہ ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

بہر کیف بنی جرہم ہی مکے میں کثرت سے آباد ہوتے چلے گئے اور ان کا حکمران کہیے یا بیت اللہ کا متولی کہیے اسی قبیلے کی دو لڑکیوں میں سے ایک کے بطن سے پیدا ہونے والے نابت بن اسماعیل کو تسلیم کیا گیا تھا اور انہی کو زمزم کا نگران بھی بنایا گیا تھا۔

اس کے بعد بنی جرہم کی مکے میں اتنی کثرت ہوئی کہ ان میں باہم جھگڑے ہونے لگے اور پہلے اسی قبیلے نے بیت اللہ میں پرستش کے لیے دو بت اساف و نائلہ رکھے تھے اور اسی قبیلے کی ایک عورت کو بدکاری کے جرم میں دوسروں کی عبرت کے لیے سنگسار کیا گیا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس عورت کا تعلق عمرو بن عامر کے خاندان سے تھا جو یمن سے مکے میں آ کر آباد ہو گیا تھا اور اس کا تعلق بنی خزاعہ کے قبیلے سے تھا۔ تاہم یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنی خزاعہ کا تعلق بھی قبائل بنی اسماعیل ہی سے تھا۔

بہر حال بنی خزاعہ ہی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے دو اشخاص عمرو اور حارث نے بنی جرہم کو سرداری سے معطل کر کے بیت اللہ کی تولیت اور زمزم کی نگرانی اپنے تصرف میں کر لی۔ اور حجر اسود کے علاوہ جو پہلے ہی سے بیت اللہ میں موجود تھا دوسرے لاتعداد پتھر وہاں لا کر جمع کر دیے جس کے بعد وہ یمن کے گئے اور وہاں سے بہت سا سونا لا کر چاہ زمزم کی تہ میں دفن کر دیا۔

اس کے بارے میں عمرو بن حارث نے بہت سے فخریہ اشعار بھی کہے ہیں جنہیں اکثر مورخین نے اپنی کتابوں میں پیش کیا ہے۔ ابن اسحٰق نے عمرو بن حارث بن مضاض کے ساتھ بنی بکر اور غیشان کا بھی ذکر کیا ہے جو اس کے بعد مکے آ کر آباد ہوئے تھے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ بنی بکر اور غیشان نے مکے آ کر جو اشعار کہے تھے اور متعدد عربی ادب کے مجموعہ ہائے کلام میں ملتے ہیں انہیں عربی شاعری کی ابتدا کہا جاتا ہے۔

سہیلی کہتے ہیں کہ فضائل مکہ میں جو اشعار ابو ولید ازرقی نے اپنی اسی نام کی کتاب میں درج کیے ہیں انہیں عمرو بن حارث بن مضاض کے اشعار بتایا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خزاعہ' عمرو بن لحی اور دوسرے عربوں میں اصنام پرستی کا ذکر

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ عمرو بن حارث کے بعد خزاعہ ہی کے قبیلے سے ایک شخص کو جس کا نام غبشان یا غیشان تھا۔ بیت اللہ کی تولیت سپرد کی گئی جن میں عمرو بن حارث' قریش اور بنی کنانہ کے وہ لوگ بھی شامل ہو گئے جو ان قوموں میں شامل ہو گئے تھے۔

خانہ کعبہ کی تولیت یکے بعد دیگرے بنی خزاعہ ہی میں منتقل ہوتی رہی حتیٰ کہ وہ ان کے آخری شخص حلیل بن حبشیہ بن سلول ابن کعب بن عمرو بن ربیعہ خزاعی تک پہنچی جس نے قصی بن کلاب کی بیٹی حبی سے شادی کی اور اس کے بطن سے اس کے چار بیٹے عبدالدار' عبد مناف' عبدالعزیٰ اور عبدا پیدا ہوئے اور پھر بیت اللہ کی تولیت بھی یکے بعد دیگرے انہی میں منتقل ہوتی رہی جس کا تفصیلی ذکر ہم حسب محل ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے جو صحیح روایات پر مبنی ہوگا۔ بہر کیف کعبے کی تولیت بنی خزاعہ میں قریباً تین سو سال اور بعض روایات کے مطابق پانچ سو سال تک چلی۔ واللہ اعلم

بعض مستند روایات کے مطابق انہی بنی خزاعہ کا ایک شخص سوس [1] تھا جس نے اپنی تولیت کے زمانے میں بیت اللہ میں اصنام پرستی کی بناء ڈالی تھی۔

بنی خزاعہ میں جس شخص کا نام سوس تھا اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ خانہ کعبہ کی تولیت کے زمانے میں اس کے پاس بیس ہزار اونٹ تھے جو اس تعداد میں مکے کے کسی اور تنہا شخص کے پاس نہیں تھے اور اسی لیے مکہ پر اس کی سرداری مسلم تھی۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ان اونٹوں میں سے ہر سال کعبہ کی زیارت اور حج کے لیے آنے والے عربی قبائل کی ضیافت کے لیے کثیر تعداد میں اونٹ ذبح کرایا کرتا تھا اور مکے آنے والوں کو زر نقد بھی دیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اس نے بیت اللہ میں بت رکھ کر بت پرستی کا آغاز کیا اور دوسرے اہل عرب کو بھی اس کی دعوت دی تو وہ انکار نہ کر سکے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ مکے کا ایک شخص عمرو بن لحی اپنے کسی کام سے شام گیا تو راستے میں بلقاء میں ایک آدھ روز کے لیے ٹھہرا جہاں عمالیق یعنی قبیلہ عمالیق کے لوگ رہتے تھے۔ عمرو بن لحی نے دیکھا کہ وہ لوگ بت پرست ہیں اور خاص بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور انہوں نے ان بتوں کے الگ الگ نام بھی رکھ چھوڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس

---

[1] اصل نسخے میں یہی نام لکھا ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ بنی خزاعہ کا کوئی اور برا شخص ہو جس نے اپنی تولیت کے زمانے میں بیت اللہ میں بت پرستی کی رسم شروع کی ہو اور اس کو اسی وجہ سے لوگ "برا" شخص کہنے لگے ہوں جو بگڑ کر سوس بن گیا' جس کے بجائے اس کا کوئی اور نام رہا ہو۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی عبادت ہے جو وہ کرتے ہیں اور وہ ان پتھروں کے بتوں کو کیوں پوجتے ہیں؟ آخر کار اس سے انہیں کیا فائدہ ہے؟

عمرو بن لحی کے اس سوال کے جواب میں وہ لوگ بولے کہ وہ ان بتوں سے خشک سالی کے زمانے میں بارش کے لیے مدد مانگتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جب بھی انہیں کوئی مشکل پیش آتی ہے اس وقت بھی وہ انہی بتوں سے امداد طلب کرتے ہیں اور وہی بت ان کے حسب خواہش ان کی مدد کرتے ہیں۔

ان عمالیق نے عمرو بن لحی کو اپنے ان بتوں میں سے جن کی وہ پوجا کرتے تھے ایک بت اس کی درخواست پر اسے دے دیا جسے لے کر وہ مکے آیا اور ان عمالیق کے عقائد اہل مکہ سے کچھ انداز میں بیان کیے اور ان بتوں کی کرشمہ سازی کا بھی ذکر کیا تو انہوں نے اسے اس بت کو بیت اللہ میں رکھنے کی اجازت دے دی بلکہ خود بھی اس کی دیکھا دیکھی اس کی پرستش کرنے لگے۔ بعض روایات میں اس پہلے بت کا نام جو بیت اللہ میں رکھا گیا ہبل بتایا گیا ہے اور بعض میں لات یا عزیٰ بتایا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب تک بنی اسماعیل مکے تک محدود رہے ان میں بت پرستی کا نام و نشان تک نہ تھا لیکن جوں جوں وہ عرب کے دوسرے علاقوں میں آباد ہوتے گئے اور وہ جب بھی کسی جگہ سے مکے آتے یا کوئی اور شخص ان کے ساتھ آتا تو وہ اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی بت ضرور لاتا اور پھر اسے بیت اللہ میں سجا دیا جاتا جہاں لوگ اس کی پرستش کرنے لگتے۔

پھر انہی بتوں کی تعداد جیسا کہ مشہور ہے تین سو ساٹھ تک جا پہنچی اور اس طرح نہ صرف مکے میں بلکہ سرزمین عرب میں جگہ جگہ بت پرستی کا چلن شروع ہو گیا لیکن اس کا مرکز بعثت نبوی ﷺ تک مکہ ہی رہا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ۶

عرب کے ایام جاہلیت

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابی عوانہ نے ابی بشر' سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جسے ایام جاہلیت میں اہل عرب کی بداعمالی اور جہالت کا پتہ لگانا ہو تو وہ قرآن مجید میں سورۂ انعام کی صرف وہ آیت پڑھ لے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کا بالاختصار مگر صاف صاف ذکر فرمایا ہے۔

وہ آیت یہ ہے:

''جن لوگوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بے سمجھی سے قتل کیا اور خدا پر افترا کر کے اس کی عطا فرمائی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا وہ گھاٹے میں پڑ گئے۔ وہ بے شبہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں''۔ (۱۴۰:۶)

ہم نے اس آیت کی تفسیر اپنی کتاب میں کرتے ہوئے ایام جاہلیت کے عربوں کے باطل عقائد اور ان کی بداعمالیوں پر تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ ان باطل پرستوں کا سرغنہ عمرو بن لحی تھا نیز پچھلے باب میں یہ بھی ذکر کر چکے ہیں کہ بلقاء سے اس نے پہلی بار ایک بت لا کر خانہ کعبہ میں نصب کرایا تھا اور پھر بڑھتے بڑھتے ان کی تعداد تین سو ساٹھ ہو گئی تھی۔

ابن اسحٰق وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب مکے کے لوگوں نے دین اسماعیل سے منحرف ہو کر بت پرستی شروع کی تو ان کی دیکھا دیکھی عرب کے دوسرے مقامات پر بھی بت پرستی پھیلتی چلی گئی اور اس کی انتہا یہ ہوئی کہ ان دوسرے مقامات پر لوگوں نے اپنے الگ بت بنا کر ان کی پرستش کے لیے نئے بت خانے تعمیر کر لیے۔

ابن ہشام نے ان بتوں کے نام جو خانہ کعبہ میں رکھے گئے تھے لکھنے کے علاوہ ان بتوں کے نام اور شکلیں بھی بتائی ہیں جو عرب کے دوسرے مقامات پر پوجے جاتے تھے اور جہاں جہاں ان کی پرستش کی خاطر بت خانے تعمیر کیے گئے تھے ان مقامات کے نام کے ساتھ ان بت خانوں کے نام بھی لکھے ہیں۔

سہیلی کہتے ہیں کہ زمانہ اسلام میں فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نہ صرف خانہ کعبہ میں نصب کردہ تمام بت توڑ دیئے گئے تھے بلکہ آپؐ نے عرب کے ان دوسرے مقامات پر بھی چھوٹے چھوٹے لشکر بھیج کر اپنی وفات سے قبل ہی وہاں تعمیر شدہ بت خانے سب کے سب منہدم کرا دیئے تھے اور ان میں نصب شدہ بت بھی ایک ایک کر کے تڑوا ڈالے تھے۔

ہم ان بت خانوں کے انہدام کی تفصیلات حسب محل ان شاء اللہ آگے چل کر پیش کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حجازی عربوں کے جداعلیٰ عدنان کا ذکر جس پر آنحضرت ﷺ کا قدیم سلسلہ نسب ختم ہوتا ہے

اس سلسلے میں کہ نبی کریم ﷺ کا سلسلہ نسب حجازی عربوں کے جداعلیٰ عدنان پر ختم ہوتا ہے۔ کوئی اختلافی روایت نہیں ہے۔ البتہ عدنان اور اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کے درمیانی آبا کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔

ایک روایت میں جو اہل کتاب کی روایات سے ماخوذ ہے ان کی تعداد چالیس بتائی گئی ہے اور وہ ان کے پاس اب تک موجود ہے۔ انہوں نے یہ تعداد ارمیا بن حلقیا کے کاتب رحبا کی کتاب سے لی ہے اور اس کی سند میں بہت سی روایات ان کے ہاں پائی جاتی ہیں جو اس سے قبل اور بعد کے زمانے کی ہیں یعنی ارمیا سے قبل اور بعد کے زمانے کی لیکن کچھ دوسری روایات میں ان کی تعداد کہیں تیس بتائی گئی ہے' کہیں بیس' کہیں پندرہ' کہیں دس' کہیں نو اور کہیں سات بتائی گئی ہے حتیٰ کہ موسیٰ بن یعقوب نے عبداللہ بن وہب بن زمعہ زمعی' اور ان کی چچی کے علاوہ ام سلمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آخر الذکر نے خود رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ معد بن عدنان سے (اوپر کی طرف) آپ کا سلسلہ نسب معد بن عدنان بن اود بن زند بن الیریٰ بن اعراق الثریٰ ہے۔ ام سلمہ نے یہ بھی بتایا کہ زند سے مراد الہمسیع' الیریٰ سے مراد نابت اور اعراق الثریٰ سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام کو الثریٰ اس لیے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے جن پر آگ نے اثر نہیں کیا تھا نیز یہ کہ ثریٰ (نمناک مٹی) پر بھی آگ اثر نہیں کرتی۔

دارقطنی کہتے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے علاوہ انہوں نے زند نام حضورؐ کے سلسلہ نسب میں اور کسی روایت میں نہیں دیکھا۔ البتہ زند بن الجون نام کا جسے ابودلامہ کہا جاتا تھا' ایک شاعر ضرور گزرا ہے۔

منجملہ ائمہ سے حافظ ابوالقاسم سہیلی وغیرہ کا بیان یہ ہے کہ عدنان سے لے کر اسماعیل تک اوپر کی طرف اس کے آباء میں اکثریت چار سے لے کر زیادہ سے زیادہ دس یا بیس ہو سکتی ہے کیونکہ بخت نصر کے زمانے میں معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی۔

ابوجعفر طبری بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارمیا کو جو اس زمانے میں بنی اسرائیل کے نبی تھے وحی کے ذریعہ حکم دیا تھا کہ وہ بخت نصر کے ساتھ بابل چلے جائیں اور معد بن عدنان کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ایسا ہی کیا تھا۔ پھر جب وہ شام گئے اس وقت بھی معد بن عدنان ان کے ساتھ تھے اور جب وہ شام سے بخت نصر کے تیار کردہ بیت المقدس کی از سر نو تعمیر کے لیے بحکم خداوندی وہاں واپس آئے تو وہاں سے معد بن عدنان کو بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس کے بعد جب بنی جرہم عرب کے دوسرے علاقوں سے کثیر تعداد میں آ کر حجاز خصوصاً مکے میں آباد ہوئے تو اس وقت بھی معد بن عدنان ان

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

میں شامل تھے اور انہیں اپنے والد عدنان سے پہلے کا اپنا سلسلہ نسب جو انہوں نے ارمیا کے مذکورہ بالا کاتب رخیا کے پاس ایک کتاب میں دیکھا تھا بفضل خدا اچھی طرح یاد تھا کیونکہ اس کے بعد معد بن عدنان ہی کی نسل میں خدا کے آخری نبی رسول عربی نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت بحکم خداوندی ہونا تھی۔

اللہ تعالیٰ مالکؒ کو بھی اجر عظیم سے نوازے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس نسب نامے کی تحقیق میں یقیناً کافی دقت اٹھائی ہوگی۔

ابن ہشام نے عدنان سے لے کر آدم علیہ السلام تک آنحضرت ﷺ کا نسب نامہ پیش کیا ہے اور اس کے علاوہ آپ کا جو نسب نامہ جو سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے وہ ایک مشہور حدیث نبوی کے حوالے سے پیش کیا جو تمام راویوں کے نزدیک حرف بحرف درست ہے جس میں اس کے اظہر من الشمس ہونے کی وجہ سے نہ کسی اختلاف کی گنجائش ہے نہ کسی ایک نام میں ردوبدل کی۔

بہرکیف ہم آنحضرت ﷺ کے اس نسب نامے پر حسب توفیق دوسرے اہل عرب کے نسب ناموں کے ساتھ آگے چل کر ان شاء اللہ اور زیادہ تفصیلی گفتگو کریں گے۔ **وما توفیقنا الا باللہ**۔

ویسے آنحضرت ﷺ کے اس نسب نامے کو امام ابوالعباس عبداللہ بن محمد ناشی نے عربی میں انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ نظم کیا ہے جس کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے شیخ ابوعمر بن عبدالبرؒ حافظ ابوالحجاج المزی اور متعدد دوسرے عربی ادب کے ناقدین نے ان کے علم و فضل اور وسعت مطالعہ و تحقیق کی حد درجہ داد دی ہے۔

ابوالعباس عبداللہ بن محمد ناشی اصلاً انبار کے رہنے والے تھے جہاں سے وہ پہلے بغداد گئے اور وہاں سے مصر چلے گئے تھے۔

خطیب بغدادی نے عبداللہ بن محمد ناشی کے اس منظوم نسب نامے اور اسی میں شامل حضور نبی کریم ﷺ کی مدح میں قصیدے کے اشعار کی تعداد چار ہزار بتائی ہے اور اسے انتہائی لائق تحسین و تمجید بتایا ہے۔

خطیب بغدادی ہی نے عبداللہ بن محمد ناشی کا سال وفات دو سو ترانوے ہجری بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ عرب کے اس عظیم شاعر اور حضور نبی کریم ﷺ کے اس گراں قدر مداح کو اپنی بے پایاں رحمت سے نوازے۔ آمین!

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حجاز کے عربی قبائل کا عدنان تک اصولِ انساب

حجازی علمائے انساب نے عدنان کا نسب نامہ بتاتے ہوئے بتایا ہے کہ ان کے دو بیٹے معد اور عک تھے۔

سہیلی نے عدنان کے نسب نامے میں ان کے ایک بیٹے کا نام حارث بھی بتایا ہے جسے المذہب بھی کہا جاتا تھا۔

سہیلی کہتے ہیں کہ عدنان کی اولاد میں ان کے ایک بیٹے کا نام ضحاک بھی بتایا گیا ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ضحاک عدنان کا نہیں بلکہ معاد کا بیٹا تھا۔

سہیلی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عدنان کا ایک بیٹا عدن بھی جس کے نام پر شہر عدن آباد ہوا لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عدن نام کے دو شخص ہوئے ہیں جن میں سے ایک عدنان کا بیٹا تھا۔ یہ روایت طبری کی ہے جو یہ بھی کہتے ہیں کہ عدنان کے بیٹے عک نے اشعریوں میں شادی کی تھی اور یمن میں انہی کے شہر میں رہ پڑا تھا نیز ان کی زبان کی لغات پر بھی اسے عبور حاصل تھا اور وہ یمن کے اہل زبان کی طرح اس زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ اس لیے یمن کے لوگ اسے یمن ہی کا باشندہ جانتے تھے اور وہ اس کا سلسلہ نسب عک بن عدنان بن عبداللہ بن ازد بن یغوث بیان کرتے ہیں جب کہ کچھ دوسرے لوگ عک بن عدنان بن ذیب بن عبداللہ بن اسد بتاتے ہیں لیکن بعض لوگ اس دوسرے سلسلہ نسب میں ذیب کی جگہ ریث بتاتے ہیں۔

بہرحال عدنان کے دو بیٹے اور ان کا نسب نامہ وہی صحیح ہے اور متفق علیہ ہے جسے ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں۔ تاہم معد کے ہاں چار بیٹے ہوئے اور ان بیٹوں کے صحیح نام یہ ہیں: نزار' قضاعہ' قنص اور ایاد۔

قضاعہ کے بارے میں ہم نے پہلے جو کچھ بیان کیا ہے یعنی اس کی نسل کے بارے میں وہ ابن اسحٰق کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ قضاعہ مجرد اور غیر شادی شدہ تھا یا اس کی اولاد کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

جہاں تک قنص کا تعلق ہے اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اسے یمن ہی میں لوگوں نے ہلاک کر دیا تھا اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی جس کی وجہ سے اس کی نسل ہی کا خاتمہ ہو گیا۔ البتہ نعمان بن منذر حیرہ میں کسریٰ کا نائب السلطنت تھا اور وہی اپنے اسلاف کے ایک گروہ کا فرد واحد باقی رہ گیا تھا۔

نزار کے تین بیٹے ربیعہ' مضر اور انمار ہوئے۔ لیکن ابن ہشام کہتے ہیں کہ ایاد بن نزار کا بیٹا تھا۔

ابن ہشام کے بقول ایاد و مضر سگے بھائی تھے اور ان کی ماں کا نام سودہ بنت عک بن عدنان تھا جب کہ ربیعہ اور انمار کی ماں کا نام سقیفہ بنت عک بن عدنان تھا۔ شقیفہ کا نام جمعہ بنت عک بن عدنان بھی بتایا گیا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انمار قبیلہ جریر ابن عبداللہ بن البجلی کے دو مشہور جوانوں خثعم اور بجیلہ کا باپ تھا' اس نے اسی قبیلے میں شادی کی تھی اور یمن ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن انمار کو انمار بن اراش ابن لحیان بن عمرو الغوث بن بنت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بتاتے ہیں اور یہی درست بھی ہے کیونکہ سبا کے بارے میں ایک حدیث نبوی سے جسے ہم پہلے پیش کر چکے ہیں اسی کا ثبوت ملتا ہے۔

کہتے ہیں کہ مضر عرب کا پہلا حدی خواں تھا اور بڑا خوش گلو تھا لیکن ایک روز وہ اونٹ سے گرا تو اس کا ایک ہاتھ ٹوٹ گیا' اور وہ ہائے میرا ہاتھ' ہائے میرا ہاتھ کرتا رہ گیا۔ تاہم اس کی وجہ اس کا اونٹ کو تیز بھگا نا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مضر بن نزار کے دو بیٹے تھے جن کے نام الیاس اور عیلان تھے اور الیاس کے بیٹوں کے نام مدرکہ' طانجہ اور قمعہ بتائے جاتے ہیں اور ان کی ماں کا نام خندف بنت عمران بن الحان بن قضاعہ بتایا جاتا ہے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ مدرکہ کا اصل نام عامر اور طانجہ کا اصل نام عمرو تھا' لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ وہ دونوں شکار کو گئے اور جو کچھ شکار کیا تھا اسے وہیں پکانے بیٹھ گئے لیکن اس دوران میں ان کا اونٹ بھاگ نکلا تو عامر اس کی تلاش میں گیا اور اسے پکڑ کر واپس لایا جب کہ عمرو وہیں بیٹھا کھانا پکاتا رہا۔

جب وہ دونوں بھائی شکار سے واپس لوٹے اور اپنے باپ الیاس سے وہ واقعہ بیان کیا تو اس نے مزاجاً عامر کا نام جو اونٹ کو تلاش کر کے لایا تھا مدرکہ اور عمرو کا نام جو کھانا پکاتا رہ گیا تھا طانجہ رکھ دیا اور پھر وہ دونوں بھائی انہی ناموں سے مشہور ہو گئے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مدرکہ کے ہاں خزیمہ اور ہذیل پیدا ہوئے تھے جن کی ماں بنی قضاعہ کی ایک عورت تھی اور خزیمہ کے ہاں کنانہ' اسد' اسدہ' ہون اور کنانہ کے ہاں ابو جعفر طبری پیدا ہوئے۔ تاہم ابو جعفر طبری کے کنانہ کا بیٹا ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ویسے کنانہ کے بیٹے عامر' حارث' نضیر' غنما' سعد' عوف' جرولا' حدال اور غزوان بتائے جاتے ہیں۔

بعض لوگ نضر' مالکا' عبد منات اور ملکان کو بھی کنانہ ہی کے بیٹے بتاتے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قریش کے نسب' ان کی شاخوں اور ان کی ایک شاخ بنونضر بن کنانہ کے فضلاء کا ذکر

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ برہ بنت مرہ بن اد بن طانجہ صرف نضر کی ماں تھیں جب کہ ان کے شوہر کے دوسرے سب بیٹے ان کی دوسری بیوی سے تھے لیکن ابن ہشام ابن اسحاق کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ برہ نضر' مالک اور ملکان تینوں کی ماں تھیں۔

ابن ہشام یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عبد منات کی والدہ ہالہ بنت سوید بن عظر یف جن کا تعلق قبیلہ ازشنوہ سے تھا۔

اب ہشام کے مطابق صرف نضر کی نسل کے لوگ قریش ہیں اور وہی قرشی کہلانے کے مستحق ہیں اور جو لوگ ان کی نسل سے نہیں ہیں وہ قریش ہیں اور نہ قرشی کہلائے جاسکتے ہیں۔

ابن ہشام نے فہر بن مالک کو قریش اور ان کی اولاد کو بھی قرشی بتاتے ہوئے ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو مجملہ قریش یا قرشی کہلانے کا مستحق نہیں سمجھا۔

یہی دونوں قول متعدد ائمہ علم الانساب نے بھی جن میں شیخ ابن عمر بن عبدالبر' زبیر بن بکار اور مصعب وغیرہ شامل ہیں پیش کیے ہیں یعنی یہی بیانات ان کے بھی ہیں۔

ابوعبید اور ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے نضر کو کنانہ کا بیٹا بتایا ہے' یہی بیان اسعد بن قیس کا ہے جو اس سلسلے میں ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابوعبیدہ معمر بن مثنی شافعی کا ماخذ ہے۔

ابوعمر نے خصوصیت کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ فہر بن مالک کی نسل میں سے کسی نے قریش سے اپنے نسبی تعلق کا اظہار نہیں کیا بلکہ خود اپنے آپ کو فہر بن مالک کی نسل سے بتاتے ہوئے اس کے ثبوت میں زبیر' مصعب زبیری اور علی بن کیسان کے بیانات پیش کیے ہیں۔

زبیر بن بکار جنہوں نے قریش کے نسب ناموں کی تحقیق میں بڑی جدوجہد کی ہے وہ بھی فہر بن مالک اور نضر بن کنانہ کو نسبی طور پر الگ الگ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے کیونکہ فہر بن مالک کا نسل قریش سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اپنے اس بیان کی تائید میں علم الانساب کے بڑے بڑے جید علماء اور حفاظ انساب کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ کلیب بن وائل کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آغوش میں تربیت یافتہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آپ کی بیٹی زینب سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اگر اپنے نسب کے بارے میں کبھی ان سے کچھ فرمایا تو وہ انہیں بتائیں تو وہ بولیں کہ ''وہ اس کے سوا اور کیا فرما سکتے تھے کہ وہ مضر یعنی مضر ابن کنانہ کی نسل سے ہیں؟''۔

طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے ابراہیم بن نائلہ اصفہانی نے اسماعیل بن عمرو بجلی حسن بن صالح اور ان کے والد اور جشیش الکندی کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز قبیلہ کندہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ سے کہا کہ ''آپ ہم میں سے ہے''۔ اور پھر آپ کو اپنے قبیلے میں تشریف لے جانے کی دعوت دی تو آپؑ نے فرمایا: ''نہیں، ہم بنی نضر بن کنانہ ہیں اگر کوئی اس سے اتفاق کرتا ہے تو فبہا اور کوئی انکار کرے تو کیا کرے''۔ (حدیث نبوی کا مفہومی ترجمہ)

امام ابوعثمان سعید بن یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد اور کلبی سے ابی صالح اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے سنا کہ ایک دن بنی کندہ کا کوئی شخص جسے جشیش کہا جاتا تھا ایک روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپؑ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) ہمارا خیال ہے کہ عبد مناف ہم میں سے ہیں''۔

اس شخص کے اس سوال کا آنحضرت ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے دوبارہ وہی سوال کیا تب بھی آپؑ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن جب تیسری بار اس نے وہی سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ ہم کوئی مانے نہ مانے 'نضر بن کنانہ کی نسل سے ہیں۔ (حدیث نبوی کا توضیحی ترجمہ)

ابن ہشام نضر بن کنانہ کی والدہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ برہ بنت مر یعنی تمیم بن مر کی بہن تھیں۔

قریش کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قریش لفظ تقرش سے مشتق ہے جس کے معنی اکتساب اور تجارت کے ہیں۔ چونکہ قبیلہ قریش اکتساب رزق تجارت کے ذریعہ کرتا تھا اور اس کی تجارت شام کے علاوہ اور ملکوں تک پھیلی ہوئی تھی اس لیے وہ قریش کہلایا جانے لگا اور اس قبیلے کے افراد قرشی کے نام سے مشہور ہوئے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے یہ پورا قبیلہ نضر بن کنانہ کی نسل سے تھا اس لیے اس میں کسی اور قبیلے کے لوگوں کو شامل نہیں کیا جا سکتا نہ کوئی اور لوگ قریش یا قرشی کہلائے یا کہے جا سکتے ہیں۔ اس کا مکمل ثبوت دو مندرجہ بالا احادیث نبوی سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔

بہر کیف زبیر بن بکار قریش کو قرش کی تصغیر بتا کر کہتے ہیں جو سمندر کی تیز رو لہر یا کسی سمندری جانور کے نام سے ماخوذ ہے اور بعض شعرائے عرب نے بھی یہی کہا ہے مثلاً:

و قریش ھی التی تسکن البحر ، وبھا سُمِّیَت قریش قریشا

یہ شعر جمحی کا ہے جس نے اس قافیے میں قریش کی شان میں کئی دوسرے اشعار بھی کہے ہیں۔

مسلم ''صحیح مسلم'' میں ابی عمرو اوزاعی کی زبانی شداد ابوعمار اور واثلہ ابن اسقع کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں کنانہ کو منتخب فرمایا اور کنانہ میں قریش کو' قریش میں بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں مجھے منتخب فرمایا''۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قصی بن کلاب کے بیت اللہ کی تولیت قریش کو منتقل کرنے، بنی خزاعہ کے اس میں مزاحمت کرنے اور قریش کے حرم میں (جسے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر منتشر اپنے بندوں کے لیے جائے امن بنایا ہے) اجتماع کا ذکر

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب قصی کے باپ کلاب کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی ماں نے عذرہ کے ربیعہ بن حرام سے نکاح کر لیا تھا اور ربیعہ اس کی ماں اور اسے ساتھ لے کر اپنے شہر چلا گیا تھا اور پھر قصی جوان ہو کر مکے لوٹا تھا اور وہاں آ کر خزاعہ کے رئیس حلیل بن حبشیہ کی بیٹی حبی سے شادی کر لی تھی۔

اسی زمانے میں بنی خزاعہ کے خزانہ نامی ایک شخص نے یہ سمجھ کر کہ اگر حلیل کی بیٹی حبی کے بطن سے قصی کے کئی بچے پیدا ہو گئے تو یقیناً حلیل خانہ کعبہ کی تولیت قصی یعنی اپنے داماد کے نام منتقل کر دے گا اور پھر اس سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ بھی قصی کے قبضے میں آ جائے گی حلیل کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ خانہ کعبہ کی تولیت پر قصی کے مقابلے میں اس کا حق زیادہ ہے کیونکہ اس کا تعلق بنی خزاعہ سے ہے جب کہ قصی بنی کنانہ کی نسل سے ہے۔

خزاعہ سے یہ سن کر حلیل نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ابھی مرا نہیں جا رہا ہے اس لیے یہ قضیہ آئندہ طے کر لیا جائے گا لیکن خزاعہ نے جب بہت زیادہ اصرار کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ وہ یہ کام اپنی زندگی ہی میں کر دے۔

خزاعہ کی اس بے جا ضد پر حلیل کو غصہ آ گیا اور اس نے خانہ کعبہ کی تولیت اس کے نام منتقل کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

حلیل کے انکار سے خزاعہ کا یہ خیال یقین میں بدل گیا کہ حلیل بیت اللہ کی تولیت اور اس کا سارا زر و مال قصی ہی کو دے گا اور اس نے حلیل سے لڑائی کی ٹھان لی۔

یہ دیکھ کر حلیل نے مکے میں موجود بنی کنانہ کو جمع کیا اور انہیں یہ قصہ سنایا تو وہ بھی خزاعہ کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے۔

اس کے بعد بنی خزاعہ اور بنی کنانہ جہاں جہاں بھی تھے سب آ کر مکے میں جمع ہو گئے اور ان میں باہم سخت جنگ چھڑ گئی اور کئی سال تک جاری رہی۔

آخر کار اس جنگ میں بنی کنانہ کو فتح حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں بیت اللہ کی تولیت قصی کے نام ہو گئی۔

اس کے بعد خانہ کعبہ کی تولیت کبھی بنی خزاعہ اور کبھی بنی کنانہ میں منتقل ہوتی رہی حتی کہ مجاہدین اسلام نے اپنی عدل پسندی اور سچے مذہبی رجحانات کی وجہ سے غلبہ حاصل کر لیا اس وقت خانہ کعبہ کی تولیت بنی ہاشم کے پاس تھی جس کے بعد اسلام عرب میں ہر جگہ پھیلتا چلا گیا اور جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں خانہ کعبہ کو بتوں سے خالی کر کے ایک بار پھر دین ابراہیمی یعنی اسلام کی تولیت قائم کر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے بیت اللہ کی عزت و حرمت ہمیشہ کے لیے بحال کر دی گئی۔

بہرکیف یاد رہے کہ قصی نے کبرسنی میں خانہ کعبہ کی تولیت اور اس سے منسلک زیادہ تر اختیارات اپنے سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دے دیئے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ اختیارات اپنے بھائیوں عبد مناف وغیرہ کو بھی دیئے تھے اور آخر میں جملہ اختیارات عبدمناف کی اولاد بنی ہاشم کے پاس آ گئے تھے جن کے ایک بزرگ جناب عبدالمطلب سے مشرکین قریش اس لیے برسر پیکار ہو گئے تھے کہ ان کے پوتے حضرت محمد ﷺ نے جو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے انہیں کفر سے کنارہ کشی کر کے اسلام کی دعوت دی تھی۔ تاہم اپنے سامنے آنے والی جملہ مشکلات برداشت کرنے کے بعد جب آپ نے مکہ فتح کیا تو اہل مکہ کے ساتھ جو نرمی برتی گئی بلکہ اس حسن سلوک کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ہے اور اسے تاریخ عالم میں آج تک نقش دوام حاصل ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

زمانہ جاہلیت کے سب سے بڑے سخی حاتم طائی کا ذکر

حاتم طائی کا پورا نام حاتم بن عبداللہ بن سعد بن حشرج بن امری القیس بن حازم بن ابی حازم تھا جب کہ ابی حازم کو ہرد مہ بن ربیعہ بن جرول بن ثعل بن عمر بن الغوث بن طئی کہا جاتا تھا۔

حاتم طائی زمانہ جاہلیت میں سب سے بڑا فراخ دل' کشادہ دست اور سخی مانا جاتا تھا اور اس کی سخاوت کے ہر طرف چرچے تھے اور لوگ ہر وقت اس کی مدح میں رطب اللسان رہتے تھے۔ حاتم کے بیٹے عدیؓ نے زمانہ اسلام میں سخاوت میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔

حاتم طائی کی سخاوت اور دریا دلی کے سینکڑوں طویل اور عجیب و غریب قصے مشہور ہیں تاہم ان میں سے ثقہ راویوں کے حوالے سے جو قصے کتب تواریخ میں درج کیے گئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں کہ اس نے کبھی کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا' ایک بار مہمانوں کے لیے اپنی سواری کا واحد گھوڑا ذبح کر دیا' ایک یتیم لڑکے کو اپنی سو بکریوں کا ریوڑ پورا کا پورا دے دیا' خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلایا پلایا۔

حاتم کی بیوی کا بیان ہے کہ ایک بار خود اس کے ننھے ننھے بچے بھوک سے بلبلاتے رہے لیکن اس نے پڑوسی کے دوسرے غریب بچوں کو اس کے پاس اس روز کھانے کو جو کچھ تھا کھلا دیا۔ اور یہ دیکھ کر سب پڑوسی کہنے لگے کہ اس سے بڑا سخی ان کی نظر سے کبھی نہیں گزرا تھا۔

حاتم کی بیوی ہی سے یہ حکایت منسوب ہے کہ اس کی اس درجہ سخاوت اور اپنی اور اپنے بچوں کی خستہ حالی سے تنگ آ کر اس نے اپنا خیمہ اس کے خیمے سے بہت دور لگا لیا جو اس زمانے میں شوہر سے علیحدگی کا نشان سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کے قبیلے والوں کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اس کا اور اپنے بچوں کا خیال رکھنے لگے گا لیکن اس سے بھی اس کی دریا دلی اور سخاوت میں فرق نہیں آیا۔ البتہ جیسا کہ اس کی بیوی کا بیان ہے اس کے باوجود اس نے اپنی بیوی بچوں کی کفالت میں حتی الامکان کبھی کمی نہیں آنے دی بلکہ وہ جب کبھی سفر سے لوٹتا تو ان کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ لاتا اور اسے بھیج دیتا تھا۔

حاتم طائی کی سخاوت کے قصے عربی میں کثرت سے نظم کیے گئے ہیں جن میں سے کچھ ابھی تک زبان زد خاص و عام چلے آتے ہیں۔ البتہ اس کی سخاوت کی بناء پر اس کے ناجی ہونے کے بارے میں اہل اسلام کو ابھی تک کلام رہا ہے اور اس کے ثبوت میں علی الترتیب حافظ ابوبکر البزار اور امام احمدؒ سے مروی دو احادیث نبوی پیش کی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

حافظ ابوبکر البزار اپنی مسند میں محمد بن معمر' عبیداللہ بن واقد القیسی اور ابونصر الناجی کی زبانی اور عبداللہ بن دینار اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاتم طائی کا ذکر آیا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تو آپ نے فرمایا کہ "جو کچھ اس کا مقصد تھا اس نے (دنیا ہی میں) پالیا"۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یزید بن اسماعیل اور سفیان نے سماک بن حرب مری بن قطری اور عدی بن حاتم کے حوالے سے بیان کیا کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے (جو مسلمان ہو گئے تھے) ایک روز آنحضرت ﷺ سے اپنے باپ حاتم طائی کے ناجی ہونے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے باپ نے جو چاہا (دنیا ہی میں) پالیا (یعنی آخرت میں اس کے اجر کی امید نہ رکھی جائے)

یہی سوال آنحضرت ﷺ سے عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کے بارے میں کیا گیا تھا جو مہمان داری اور داد و دہش میں بہت مشہور تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ "اس نے ان تمام دنیاوی خوبیوں کے باوجود زندگی میں کبھی خدا سے اپنے گناہوں کی توبہ اور آخرت میں اپنی نجات کے لیے توبہ نہیں کی تھی"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص اپنی تمام تر سخاوت اور دنیوی خوبیوں کے باوصف خدا پر ایمان بغیر اس کی مغفرت کا حق دار نہیں ہو سکتا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امرئ القیس بن حجر، معلقات میں سے ایک کے مصنف کا ذکر

امرئ القیس بن حجر عرب کے زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر کو اس زمانے کا عظیم ترین شاعر گردانا گیا ہے اور عربی شاعری میں اس کے مجموعہ کلام (معلقہ) کو سات معلقات میں سرفہرست رکھا گیا ہے۔

اس کی تعلیوں یعنی فخریہ اشعار میں اس کا درج ذیل مصرعہ سب سے زیادہ مشہور ہے:

قفا نبک من ذکری حبیب و منزل۔

"میرے بعد میرا ذکر محبت اور عزت سے کیا جائے گا"۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ہشام اور ابوالجہم نے زہری، ابی سلمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "امرؤالقیس (روز قیامت) جہنم کی طرف لیے جانے والے شاعروں کا علمبردار ہوگا"۔

یہی حدیث نبوی ہشام وغیرہ کے علاوہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اکثر دوسرے راویوں نے روایت کی ہے لیکن صرف اس وجہ سے کہ اس کا استخراج ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے اس حدیث کی صحت یقینی نہیں ہو سکتی۔

حافظ ابن عساکر نے امرؤالقیس کا پورا نام امرؤالقیس بن حجر بن حارث بن عمرو بن حجر آکل المرار بن عمرو بن معاویہ بن حارث بن یعرب بن ثور بن مرتع بن کندہ بتایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسے ابویزید اور ابووہب بھی کہا جاتا تھا نیز بیان کیا ہے کہ وہ زیادہ تر ابوالحارث الکندی کے نام سے مشہور تھا۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ امرؤالقیس کا تعلق دمشق کے ایک علاقے سے تھا جس کا ذکر اس نے اپنے اشعار میں بڑے خوبصورت انداز سے کیا ہے۔

ابن عساکر ہی ہشام بن محمد بن سائب کلبی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس سے اس کے بقول فروہ بن سعید بن عفیف بن معدی کرب نے اپنے والد اور دادا کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دن وہ دونوں باپ بیٹے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ امرؤالقیس کا ذکر چھڑ گیا تو ان دونوں نے آپؐ سے عرض کیا امرؤالقیس کے دو شعروں نے ایک دن ان کی جان بچالی تھی پھر اس کا قصہ عرض کیا کہ ایک سفر کے دوران میں جب وہ چند اور لوگوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے تو انہیں کافی دیر کہیں دور دور تک پانی نہ ملا اور وہ سب کے سب راستے میں ایک درخت کے نیچے جا پڑے اور وہاں ان کی یہ حالت تھی کہ اب دم نکلا اب دم نکلا کہ اچانک ان کے سامنے سے اونٹ پر سوار ایک مسافر گزرا تو انہیں دیکھ کر وہ ان کے قریب آ گیا اور ان سے پوچھا کہ ان کا یہ حال کیوں ہے۔ اس کے اس سوال کے جواب میں ان دونوں میں سے ایک نے بڑی مشکل سے ہمت کر کے دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''پانی اتنا قریب ہوتے ہوئے ہم مرے جا رہے ہیں''۔

اس سے یہ سن کر وہ اونٹ سوار بولا:

''یہ شعر کس کے ہیں؟''۔

اس نے یہ مشکل جواب دیا:

''امروَالقیس کے جس پر سبزہ سایہ کیے رہتا ہے''۔

یہ سن کر وہ بولا:

''پھر بھی تم پیاس سے مر رہے ہو''۔

اور پھر ہمیں اونٹ پر لاد کر ایک طرف لے گیا جس کا فاصلہ اس درخت سے دس گز بھی نہ ہوگا۔ اور ہم نے دیکھا کہ وہاں پانی موجود ہے۔

فروہ بن سعید بن عفیف بن معدی کرب کا بیان ہے کہ اس کے باپ اور دادا سے یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ ایسا شخص ہے کہ اس کا ذکر دنیا میں تو لوگ کرتے ہیں لیکن آخرت میں اسے بھول جائیں گے (یعنی وہاں اس کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا) دنیا میں شریف (مگر) آخرت میں خامل (گمنام اور بے قدر)

کہتے ہیں کہ عربی کے سات مشہور معلقات (سبعہ معلقات) میں سے جو قصائد پر مشتمل ہیں جب کوئی قصیدہ مکمل ہو جاتا تھا تو شاعر اسے قریش کے پاس لے جاتا تھا اور پھر ان کی اجازت سے خانہ کعبہ کی زینت کے لیے اسے وہاں لٹکا دیتا تھا۔ ان معلقات یا قصائد میں امروَالقیس کے قصیدے کو اوّلیت حاصل تھی۔

ان سات معلقات کے شاعروں کے جو نام ترتیب وار بتائے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

پہلا معلقہ: امروَالقیس

دوسرا معلقہ: نابغۃ الزبیانی

تیسرا معلقہ: زہیر بن ابی سلمی

چوتھا معلقہ: طرفہ بن العبد

پانچواں معلقہ: عنترہ بن شداد

چھٹا معلقہ: علقمہ بن عبدہ

ساتواں معلقہ: نامعلوم

اس ساتویں معلقہ کے بارے میں اصمعی کہتے ہیں کہ اس کے شاعر کے نام کا ثبوت نہیں مل سکا حالانکہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ معلقہ لبید بن ربیعہ نے لکھا تھا۔

کلبی بیان کرتے ہیں کہ امروَالقیس بنی اسد کی جنگ میں شرکت کی غرض سے گیا تھا جس میں اس کا باپ قتل ہو گیا تھا اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وہاں سے وہ تبالہ چلا گیا تھا جہاں ایک بت خانے میں ذوالخلصہ نام کا بت رکھا گیا تھا اور اس کے پجاری وہاں تبرکاً زائرین کو شراب پیش کیا کرتے تھے۔ امرؤالقیس کو شراب کے چار پیالے پیش کیے گئے لیکن اس نے وہ سب کے سب یکے بعد دیگرے اس بت کے منہ پر مار مار کے توڑ ڈالے' پھر بولا:

''تو کیسا ذوالخلصہ ہے جو میرے باپ کو موت سے خلاصی نہ دے سکا۔ اگر تیرا باپ قتل کیا جاتا تو کیا پھر بھی تو خاموش رہتا؟''۔

تبالہ سے وہ بنی اسد کی طرف گیا اور وہاں جنگ میں بہت سے لوگ قتل کر دیے۔

کلبی کہتے ہیں کہ اس کے بعد زمانہ اسلام کے آغاز تک ذوالخلصہ کے بت خانے میں کوئی تبرک تقسیم نہیں کیا گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امرؤالقیس نے قیصر روم کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا لیکن جب اس کی حسب امید پذیرائی نہ ہوئی تو اس نے قیصر روم کی ہجو کہہ ڈالی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا اور اس کی موت ایک عورت کی قبر کے پاس ہوئی جو کوہ عسیب کے قریب واقع تھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

زمانہ جاہلیت کے شاعروں میں زمانہ اسلام پانے والے شاعر ابی صلت ثقفی کا کچھ ذکر

حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ابی صلت ثقفی کا خاندانی نام امیہ بن ابی صلت عبداللہ بن ابی ربیعہ بن عوف بن عقدہ بن عزہ ابن عوف بن ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن ابوعثمان تھا' اسے ابوالحکم ثقفی بھی کہا جاتا تھا' وہ زمانہ جاہلیت کا شاعر تھا اور آغاز اسلام سے قبل دمشق میں مستقل جابسا تھا[1] اس نے اسلام قبول کرلیا تھا لیکن بعد میں مرتد ہوگیا تھا' وہ ابی صلت ہی تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

''اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں (اور ہفت پارچہ علم شرائع سے مزین کیا) تو اس نے ان کو اتار دیا پھر شیطان نے بہکایا تو وہ گمراہوں میں ہوگیا''۔ (۱۷۵:۷)

زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کا شاعر امیہ بن ابی صلت رقیہ بنت عبد شمس بن عبد مناف کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اس کے باپ ابی صلت کا خاندانی نام ربیعہ بن وہب بن علاج بن ابی سلمہ بن ثقیف تھا لیکن کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے' اس کے باپ کا شمار طائف کے مشہور شاعروں میں ہوتا تھا لیکن خود اُمیہ ابن ابی صلت اپنے زمانے میں سب سے زیادہ شہرت رکھتا تھا۔

عبدالرزاق ثوری کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آخرالذکر سے حبیب بن ابی ثابت نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ قرآنی آیہ شریفہ: ''وَاتْلُ عَلَیْھِمْ'' الخ میں جس شخص کا ذکر آیا ہے وہ امیہ بن ابی صلت ہی تھا۔

ابوبکر بن مردویہ نے ابی بکر شافعی' معاذ بن مثنی' مسدد' ابی عوانہ' عبدالملک بن عمیر اور نافع بن عاصم بن مسعود کے حوالے سے بتایا کہ آخرالذکر خود اس کے بقول اس حلقے میں شامل تھا جہاں قرآنی آیت: ''وَاتْلُ عَلَیْھِمْ'' الخ کے بارے میں حاضرین نے بالاتفاق بیان کیا کہ یہ آیت امیہ بن ابی صلت کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ تاہم بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآنی آیت میں صیفی بن راہب کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ کچھ اور لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے ایک شخص بلعم کے بارے میں اُتری تھی۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر میں ''قدم دمشق قبل الاسلام و قیل انه کان مستقیما'' (آغاز اسلام سے قبل دمشق میں مستقل جابسا تھا) ہی لکھا ہے لیکن بعض کتابوں میں ''مستقیما'' کی جگہ ''نبیا'' لکھا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بہر حال اس روایت کے آخر میں ابو بکر بن مردویہ کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے یہی بیان کیا ہے کہ اس آیت قرآنی میں امیہ بن ابی صلت ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہی بات ابو صالح اور کلبی نے قتادہ کے حوالے سے کہی ہے۔

طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن عبد العزیز، عبد اللہ بن شبیب الربعی، محمد بن مسلمہ بن ہشام مخزومی، اسماعیل ابن طریح بن اسماعیل ابن طریح بن اسماعیل ثقفی نے بیان کیا کہ آخر الذکر کے بقول اس کے باپ اور دادا نے اس سے بیان کیا کہ ان دونوں کو مروان بن حکم نے معاویہ بن ابی سفیان اور ان کے والد کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر کے بقول وہ اور امیہ بن ابی صلت ایک دفعہ چند اور لوگوں کے ساتھ تجارتی سلسلے میں شام کی طرف جا رہے تھے تو ابی صلت منزل بہ منزل ٹھہر کر اپنے سامانِ سفر میں سے ایک کتاب نکالتا اور ہم لوگوں کو پڑھ کر سناتا جاتا تھا۔ اسی طرح ہم ایک گاؤں میں پہنچے جہاں عیسائی رہتے تھے تو وہاں کے باشندوں نے آگے آکر ہمارا استقبال کیا اور سب سے زیادہ تعظیم و تکریم ابی صلت کی کی اور اسے دوسرے تحائف کے علاوہ کچھ زر نقد بھی پیش کیا اور اسے اپنے ساتھ اپنے گھروں تک لے گئے۔

وہ جب واپس آیا تو اس کے پیچھے پیچھے ان نصرانیوں کا ایک شیخ (پادری) بھی آیا جہاں واپس آکر ابی صلت نے اپنے کپڑے اتار کر وہ سیاہ لباس پہن لیا جو وہ ان عیسائیوں کے گاؤں سے اپنے ساتھ لایا تھا۔

اس کے بعد جیسا کہ ابی سفیان نے بتایا' ابی صلت رات بھر ٹہلتا رہا اور ایک گھڑی کے لیے بھی نہیں سویا۔ پھر جب ہم سو کر اٹھے تو اس نے مجھ سے کہا: "تم نے ان نصرانیوں کے حیرت ناک کارنامے دیکھے؟ میں نے کہا: "کون سے کارنامے؟" وہ بولا: "اگر تم دیکھتے تو تم بھی حیران رہ جاتے"۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا: "ابی سفیان! تم ثقفی ہونا؟" میں نے کہا: "نہیں میں تو قریشی ہوں"۔ یہ سن کر وہ بولا: "خیر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اہل نصاریٰ اور اہل اسلام میں سے کون ناجی ہیں اور جنت میں جاتے ہیں اور کون جہنم میں"۔

ابو سفیان کے مطابق اس زمانے میں ابی صلت بظاہر مسلمان ہو چکا تھا لیکن یقیناً وہ منافق تھا اور اس کے بعد کھلم کھلا مرتد ہو گیا اور قرآنی آیت: "وَاتْلُ عَلَيْهِمْ" الخ ابی سفیان کے نزدیک بھی یقیناً اس کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

اس روایت کے آخر میں طبرانی نے مندرجہ بالا حوالوں کے علاوہ ابو سفیان کے حوالے سے بتایا ہے کہ جب وہ لوگ شام سے کے واپس ہوئے تو ابی صلت دعویٰ کرنے لگا تھا کہ اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ بنی ثقیف کے علاوہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد کسی دوسرے قبیلے میں نبی کا آنا ناممکن تھا۔

ابو سفیان کے بقول ابی صلت کے قبیلے والوں نے اس کے ان ہذیانات پر اسے بہت برا بھلا کہا بلکہ زد و کوب تک کیا لیکن وہ مرتے مرتے اپنی اسی ضد پر قائم رہا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بحیرہ راہب کا ذکر

ویسے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے رسول اللہ ﷺ کو سرزمین عرب میں نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرمالیا تھا لیکن آپ کی بعثت مبارکہ وشریفہ سے قبل بھی آپ کی زندگی میں جب آپ کمسن ہی تھے آپؐ سے متعلق ایسے واقعات ظہور پذیر ہونے لگے تھے کہ انہوں نے دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیا تھا مثلاً جب آپ کی عمر شریف صرف بارہ سال تھی اور آپ اپنے چچا جناب ابوطالب کے ہمراہ تجارتی سلسلے میں مکے سے شام تشریف لے جارہے تھے تو بحیرا راہب نے یہ دیکھ کر کہ آپؐ کے ہمراہیوں میں سے صرف آپؐ پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کیے ہوئے آپؐ کے ساتھ ساتھ فضا میں چل رہا ہے اپنے گرجا سے آگے آ کر بڑی تعظیم وتکریم سے آپ کا اور آپؐ کے ہمراہیوں کا استقبال کیا اور آپ کی وجہ سے آپؐ کے جملہ ہمراہیوں کو گرجا کے اندر لے گیا اور آپؐ سے وہاں قیام کی درخواست کر کے آپ کی ضیافت و مہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جس کا ذکر ہم آپ کی سیرت کے ساتھ ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع تفصیل سے کریں گے جسے ترمذیؒ نے آپ کی سیرت مبارکہ کے سلسلے میں بیان کیا ہے اور ابن عساکر نے بھی اسے بہ اسناد و شواہد اپنی تاریخ میں پیش کیا ہے۔

ابن عساکر لکھتے ہیں کہ بحیرا راہب نواحی شام کے ایک گاؤں السکفر❶ کے گرجا میں رہتا تھا' جسے ''دیر بحیرا'' کہا جاتا تھا اور اس گاؤں اور بصرے کی درمیانی مسافت چھ میل تھی۔

ابن عساکر یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس گاؤں کو بعض لوگ بلقاء کے علاقے کا گاؤں بتاتے ہیں جو مذکورہ بالا گاؤں سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔ واللہ اعلم

---

❶ صحیح ترمذی اور تاریخ ابن عساکر میں اس گاؤں کا یہی نام لکھا ہے جب کہ اسے معجم البلدان میں اسے شامی علاقے کا ایک گاؤں کفر یہ بتایا گیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قس بن ساعدہ الایادی کا ذکر

حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن سہل الخرائطی نے اپنی کتاب "هواتف الجان" میں متعدد مستند حوالوں کے ساتھ لکھا ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ ایاد کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس کے افراد سے دریافت فرمایا کہ قس کا کیا ہوا تو وہ بولے کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ تو ہلاک ہو گیا۔

اس کے بعد حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا ان میں سے کسی کو یاد ہے کہ اس نے ایک روز مکے کے بازار عکاظ میں سرخ اونٹ پر بیٹھ کر لوگوں سے کیا کہا تھا؟ اور کیسی عجیب وغریب حیرت انگیز اور عبرت آمیز باتیں کی تھیں؟

آپؐ کے اس سوال کے جواب میں ایک اعرابی نے اٹھ کر عرض کیا: "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے یاد ہے"۔ اس اعرابی سے یہ سن کر آپؐ نے مسرت کا اظہار فرمایا کہ "اس نے وہاں لوگوں سے کہا تھا کہ لوگو! میرے پاس جمع ہو جاؤ اور میری باتیں کان لگا کر سنو"۔ پھر اس نے لوگوں کو کائنات واشیائے کائنات کی باتیں بتا کر کہا تھا کہ "آج پہاڑ سر بلند کیے کھڑے ہیں' دریا بہہ رہے ہیں' ستارے گردش کر رہے ہیں سمندروں میں کوئی تغیر نہیں' راتیں اور دن آ جا رہے ہیں لیکن ایک دن جو آیا ہے اسے جانا ہے' یہ بات اٹل ہے' اگر تم کھڑے رہنا چاہو تو کھڑے رہو اور سونا چاہو تو سو جاؤ' لیکن موت بہر حال سب کا مقدر ہے۔ اور سب کو ایک دن خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے میں دیکھتا ہوں کہ جو جاتے ہیں پھر لوٹ کر نہیں آتے' آسمانوں میں خیر ہے اور زمین جائے عبرت ہے"۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ کا جو دین ہے وہی قس نے اختیار کیا اور اللہ اس سے راضی ہو گیا تھا۔ الحمد للہ کہ تم بھی اس دین پر چل رہے ہو جو قس بن ساعدہ ایادی کا دین تھا"۔ (حدیث نبوی کا مفہومی وتوضیحی ترجمہ)

آخر میں آپؐ نے حاضرین سے فرمایا تھا کہ اگر کسی کو قس کے کچھ شعر یاد ہوں تو سنائے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے اس کے چیدہ چیدہ اشعار آپ کو سنائے تھے۔

یہ حدیث نبوی جو اپنی جگہ غریب ہے حافظ ابوبکر کے علاوہ متعدد دوسرے ثقہ راویوں نے اپنے اپنے انداز میں کہیں لفظی' کہیں مفہومی اور کہیں توضیحی طور پر روایت کی ہے ان میں طبرانی جس نے اپنی کتاب "المعجم الکبیر" میں اور حافظ بیہقی جس نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں یہ حدیث بہ اسناد پیش کی ہے نمایاں ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کا ذکر

زید کا پورا خاندانی نام زید بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی تھا۔

زید کا یہ نسب نامہ زبیر بن بکار اور ابن اسحٰق کا بیان کردہ ہے۔

زید بن عمرو نے اصنام پرستی چھوڑ کر اپنے آبائی مذہب سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کے علاوہ کسی اور جانور کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔

یونس بن بکیر محمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد اور اسماء بنت ابوبکر کے حوالے سے بیان کیا کہ انہیں بتایا کہ انہوں نے زید بن عمرو کو خانہ کعبہ کی طرف پشت کیے ہوئے بیٹھے اور قریش سے یوں خطاب کرتے ہوئے دیکھا اور سنا کہ ''اے قریش کے لوگو! تم سے میرے سوا کوئی اب تک دین ابراہیم پر چلنے والا پیدا نہیں ہوا''۔ پھر کبھی اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے کہتے ''یا اللہ کاش میں جانتا کہ مجھے تیری ہی عبادت کیوں عزیز ہے اور اگر اس وقت کسی سواری پر بیٹھے ہوتے تو اسی پر بیٹھے بیٹھے خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔

یہی روایت ابواسامہ نے ہشام کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے مزید بتایا ہے کہ زید بن عمرو خانہ کعبہ میں عبادت کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ''ابراہیم کا معبود ہی میرا معبود اور انہی کا دین میرا دین ہے''۔

اسی روایت میں مزید بیان کیا گیا ہے کہ زید بن عمرو زندگی کو خدا کی نعمت سمجھ کر اسے انتہائی عزیز رکھتے تھے اور اگر کوئی شخص زمانہ جاہلیت میں اپنی کسی نومولود بیٹی کو قتل کرنے لگتا تو اس سے کہتے کہ ''اسے قتل کرنے کے بجائے مجھے دے دو' میں اسے پالوں گا' پھر تم اگر چاہو تو اسے مجھ سے واپس لے لینا ورنہ میں ہی اس کی پرورش کرتا رہوں گا''۔

اس روایت کا استخراج نسائی نے ابواسامہ ہی کی روایت سے کیا ہے اور بخاریؒ نے بھی اسے اسی سے لیا ہے۔

بخاریؒ یہ بھی بتاتے ہیں کہ لیث نے ہشام بن عروہ کو اپنے والد کے حوالے سے لکھا اور یونس ابن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے زید بن عمرو اور ان کے علاوہ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ' عثمان بن حویرث بن اسد بن عبدالعزیٰ' عبداللہ بن جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن برہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسعد بن اسد بن خزیمہ اور آخر الذکر کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب اور خزیمہ کی بہن زینب بنت جحش ہی جن سے ان کے شوہر اور رسول اللہ ﷺ کے غلام زید بن حارثہ کے بعد خود حضور نبی کریم ﷺ نے نکاح کیا تھا اسلام کی طرف مائل تھے ان کا الگ الگ تفصیلی ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع ومحل عنقریب کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

زمانہ جاہلیت کے کچھ مزید واقعات

کہا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی اوّلین تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی اور اس سلسلے میں ایک حدیث مرفوع عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے جس کی سند میں ابن لہیعہ کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن اسے بالاتفاق ضعیف قرار دیا جا چکا ہے۔

اس سلسلے میں جو قوی ترین اور مستند اقوال ہیں وہ یہ ہیں کہ بیت اللہ کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی اور اسے پہلی بار تعمیر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے کیا تھا جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور سماک بن حرب نے خالدہ بن عرعرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس سلسلے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعمیر کردہ بیت اللہ کی عمارت جب مرورِ ایام سے منہدم ہوگئی تو اس کے بعد اسے پہلے عمالقہ نے' پھر جرہم نے اور آخر میں قریش نے تعمیر کیا۔

قریش کی تعمیر کردہ بیت اللہ کی عمارت کا تفصیلی ذکر ہم ان شاء اللہ حسب موقع و محل عنقریب کریں گے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پانچ سال میں مکمل ہوئی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی تکمیل قریش نے پندرہ سال میں کی تھی۔

زہری کہتے ہیں کہ اس کی از سرِ نو تعمیر و تکمیل اور تہذیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے آپؐ کے دورِ نبوت میں ہوئی۔

بہرکیف ان تمام واقعات پر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ مفصل گفتگو کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کعب بن لوی کا ذکر

ابونعیم سے بتوسط محمد بن حسن بن زبالہ اور بحوالہ محمد بن طلحہ تیمی' محمد بن ابراہیم بن الحارث اور ابی سلمہ مروی ہے کہ ایک دفعہ جمعہ کے دن جسے قریش عروبہ یا یوم العروبہ کہتے تھے کعب نے اپنی قوم قریش کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''سنو! جانو اور سمجھو کہ راتیں گزرتی جا رہی ہیں' دن ویران تک ہوتے جا رہے ہیں' پست زمین ایک نہ ایک دن سب کا بچھونا ہوگی' آسمان بکھر جائیں گے' پہاڑ جو آج آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' اوّل و آخر سب برابر ہو جائیں گے' اپنے نام و نسب کی باتیں کرنا چھوڑو' اپنے مستقبل کی فکر کرو' اپنے مال و متاع سے پھل پانے کی کوشش کرو' کیا تم سمجھتے ہو کہ جو چلا گیا پھر لوٹ کر آ جائے گا؟ یا جو مر گیا سو مر گیا؟ نہیں ایک اور جگہ آئندہ تمہارا گھر ہونے والی ہے' تمہارے گمان غلط ہیں' صحیح باتوں کا خیال کرو کہ انہی کی عزت و حرمت تم پر لازم ہیں' میں تمہیں جلد ہی ایک خوشخبری سناؤں گا جو ایک نبی کریم کے بارے میں ہوگی''۔

اس کے بعد کعب بن لوی نے حاضرین کو پند و موعظت اور عبرت پر مبنی کچھ اشعار بھی سنائے جو مختلف کتابوں میں آج تک محفوظ ہیں۔

آخر میں کعب بن لوی نے اسی قبیل کی کچھ اور باتیں قریش کے سامنے کر کے اور انہیں نیک کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے بچنے کی نصیحت کر کے انہیں سیدھی راہ پر چلنے کا مشورہ دیا۔

ابونعیم کہتے ہیں کہ کعب بن لوی کی وفات اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت میں پانچ سو ساٹھ سال کا فصل ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

چاہِ زمزم کی کھدائی کی تجدید

چاہ زمزم کی کھدائی از سرِ نو اس وقت ہوئی جب خانہ کعبہ کی تولیت اور اس کی نگرانی جرہم سے جس نے اسے پاٹ دیا تھا ایک مدت مدید اور عرصہ بعید کے بعد جناب عبدالمطلب کے سپرد ہوئی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جیسا ان سے یزید بن حبیب مصری نے مرثد بن عبداللہ مزنی اور عبداللہ بن زرین الغافقی کے حوالے سے جنہوں نے زمزم کی از سرِ نو کھدائی کا ذکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سن کر بیان کیا اس کی کھدائی جناب عبدالمطلب کے حکم سے ہوئی تھی۔

اس سلسلے میں جو واقعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے والد ابی طالب بن عبدالمطلب سے سن کر بیان فرمایا یہ ہے کہ ایک روز جناب عبدالمطلب اپنے حجرے میں سونے والے تھے کہ انہیں غیب سے ایک آواز آئی: ''اپنی پاک چیز کو کھودو'' یہ آواز انہیں دوسرے دن پھر آئی تو انہوں نے غیب سے آواز دینے والے سے پوچھا: ''کون سی پاک چیز؟'' تو انہیں آواز آئی ''سوکھی پاک چیز'' جب انہوں نے تیسرے دن وہی آواز سنی اور اس ''سوکھی پاک چیز'' کی وضاحت چاہی تو انہیں جواب ملا کہ ''اپنے سوکھے کنویں کو نہر میں بدل دو'' اور پھر صاف آواز آئی: ''زمزم کو''۔

اس تیسرے روز جناب عبدالمطلب بخوبی سمجھ گئے کہ ان سے چاہ زمزم کی دوبارہ کھدائی کے بارے میں کہا جا رہا ہے جسے جرہم نے پٹوا دیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے اس کی از سرِ نو کھدائی کا حکم دے دیا۔

جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جس روز ان کے دادا جناب عبدالمطلب نے زمزم کی دوبارہ کھدائی کا حکم دیا تو ان سے قریش نے تعاون نہیں کیا اور اس روز چونکہ ان کے ساتھ ان کے بیٹے حارث کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا اور وہ خود بھی کبر سنی کو پہنچ گئے تھے اس لیے ان دونوں باپ بیٹوں سے مل کر بھی اس جگہ کھدائی کرنا ناممکن تھا جس کی جناب عبدالمطلب کو نشان دہی کی گئی تھی۔

بہرکیف انہوں نے قریش کے لوگوں کو برضا و رغبت اس کی کھدائی پر یہ کہہ کر آمادہ کرنا چاہا کہ اس سے سارے قریش کے علاوہ ان تمام اہل عرب کو بھی فائدہ پہنچے گا جو خانہ کعبہ کی زیارت اور حج کے لیے مکے آتے ہیں تو انہوں نے یہ شگوفہ چھوڑا کہ جب بنو جرہم میں زمزم کے بارے میں باہم تنازعہ ہوا تھا اور اس وقت خانہ کعبہ کی تولیت کے علاوہ زمزم کی نگرانی بھی ان کے سپرد تھی تو ان میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ زمزم کو ہمیشہ کے لیے پاٹ دیا جائے اور اس بات کو ایک زمانہ ہو گیا ہے لہٰذا اب صرف عبدالمطلب کی نشاندہی پر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے زمزم کی نشاندہی ٹھیک کی ہے۔

آخر کار یہ طے پایا کہ اس جگہ کی نشاندہی کے لیے بنی سعید بن ہزیم کی اس کاہنہ کے پاس چلا جائے جو نواحی شام کے کسی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

گاؤں میں رہتی تھی اور اس زمانے میں بہت مشہور تھی۔

جناب عبدالمطلب یہ دیکھ کر کہ قریش کو زمزم کی دوبارہ کھدائی پر آمادہ کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ان کی بات مان لی جائے قریش کے لوگوں کے ساتھ جن میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کے علاوہ قریش کے دوسرے قبائل کے کچھ لوگ بھی شامل تھے۔ شام کے اس گاؤں کی طرف چل دیئے۔ لیکن راستے میں خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ابھی انہوں نے مکے سے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ عبدالمطلب کے سوا سب کے پاس پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو وہ پھر پیاس سے تڑپنے لگے اور یہ دیکھ کر کہ وہ سب کے سب کہیں پیاسے نہ مر جائیں کسی نہ کسی طرح مکے کی طرف واپسی کا ارادہ کیا تو پہلے عبدالمطلب ہی اپنی سواری کے قریب پہنچے اور ان کے علاوہ دوسرے سب لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں زمین سے پانی ابل رہا ہے۔

یہ کرشمہ قدرت دیکھ کر انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ ضرور کوئی غیبی طاقت جناب عبدالمطلب کے ساتھ ہے اور وہ ان کے ساتھ مکے واپس آ کر ان کی بتائی ہوئی جگہ پر کھدائی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ اس کے بعد یہ قدرتی چشمہ فیض پھر جاری ہو گیا اور زمزم کی نگرانی؛ اس سے حجاج کعبہ کو پانی پلانے اور ان کی مہمان داری کی ذمہ داری بلکہ خانہ کعبہ کی تولیت بھی انہی کے سپرد کر دی گئی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جناب عبدالمطلب کا خانہ کعبہ کے قریب بطور نذر اپنے ایک بیٹے کی قربانی کا ارادہ

ابن اسحاق سے بحوالہ متعدد ثقہ و مستند روایات مروی ہے کہ جناب عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ چاہ زمزم کو از سر نو کھدوانے میں کامیاب ہو گئے تو وہ خانہ کعبہ کے سامنے بطور نذر کعبہ اپنے ایک بیٹے کی قربانی دیں گے۔

چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے دس کے دس بیٹوں حارث' زبیر' حجل' ضرار' المقوم' ابولہب' عباس' حمزہ' ابوطالب اور عبداللہ کو خانہ کعبہ کے قریب جہاں چاہ زمزم سے دوبارہ کھدائی کے بعد پانی نکلا تھا جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ آیا وہ اپنے باپ کی منت پورا کرنے کے لیے آمادہ ہیں تو ان میں سے ہر ایک نے اس پر بخوشی آمادگی ظاہر کی لیکن قریش کے لوگ اس میں مزاحم ہوئے کہ وہ اوّل تو کعبہ کے قریب انہیں یہ قربانی نہیں کرنے دیں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ بطور نذر کس بیٹے کو ذبح کریں اس کا فیصلہ کون کرے گا؟

کسی ایسے متنازعہ معاملے میں قریش کا دستور یہ تھا کہ وہ اس معاملے میں اوامر و نواہی کے فیصلے کے لیے کعبے میں جاتے اور اپنے مشہور بت ہبل کے سامنے جس کے قریب سات پیالے رکھے رہتے تھے اس طرح قرعہ اندازی کرتے کہ ان پیالوں میں یکے بعد دیگرے پرچیاں ڈالتے اگر ان سب پیالوں میں سے ایک ہی حکم نکلتا یا ممانعت نکلتی تو وہ اس کے مطابق تو عمل کرتے تھے۔

مذکورہ معاملے میں انہوں نے یہ کیا کہ کعبے میں ہبل کے سامنے عبدالمطلب کو لے گئے اور ان پیالوں میں یکے بعد دیگرے ان کے دسوں بیٹوں کے نام کی پرچیاں ڈلوا دیں لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان ساتوں پیالوں میں سے قربانی کی پرچی کے ساتھ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ ہی کے نام کی پرچی نکلی جو عبدالمطلب کو اپنے سب بیٹوں میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔

یہ دیکھ کر انہوں نے عبدالمطلب سے کہا کہ وہ عبداللہ کی جگہ کوئی دیت دیں لیکن اب یہ فیصلہ کون کرے کہ وہ دیت کیا ہو۔ اس کا فیصلہ یہ ہوا کہ عبدالمطلب کے ساتھ قریش کے ہر قبیلے کا ایک ایک شخص ایک اور کاہنہ کے پاس جو خیبر کے کسی گاؤں میں رہتی تھی جائیں اور جو دیت وہ کاہنہ بتائے وہی دیت عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کی جگہ دے دیں لیکن انہوں نے شرط یہ رکھی کہ اس دیت کے ساتھ بھی عبداللہ کا نام بھی ان ساتوں پیالوں میں ڈالا جائے گا۔ اگر پھر بھی دیت کی جگہ عبداللہ کا نام ہی نکلا تو وہ عبدالمطلب کو اس دیت کی جگہ قربان کرنے کی اجازت دے دیں گے۔

چنانچہ وہ سب مل کر اس کاہنہ کے پاس پہنچے تو اس نے پہلی بار دس اونٹوں کی دیت دینے کی ہدایت کی اور یہ بھی کہا کہ ان

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سات پیالوں میں سے قرعہ اندازی کے بعد اگر عبداللہ ہی کا نام نکلتا جائے تو وہ ہر بار دس اونٹ بڑھاتے جائیں اور سات پیالوں کے بعد بھی قرعہ اندازی جاری رکھیں اور ہر بار دس اونٹ بڑھاتے جائیں یہاں تک کہ ان کی تعداد سو تک پہنچ جائے۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح اونٹوں کی تعداد سو ہوگئی تو عبداللہ کی جگہ اونٹوں کا ہی نام نکل آیا اور یہ دیت عبدالمطلب نے ان سو اونٹوں کو ذبح کر کے اور ان کا گوشت خیرات کر کے ادا کر دی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کاہنہ کے کہنے کے مطابق ان اونٹوں کی تعداد جو عبداللہ کی جگہ جناب عبدالمطلب کو قربان کرنے تھے تین سو تھی اور انہوں نے وہ تین سو اونٹ اپنے عزیز ترین بیٹے عبداللہ کے خون کی دیت کے طور پر بخوشی ذبح کر کے قربان کر دیئے تھے۔ واللہ اعلم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عبدالمطلب کا اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب الزہریہ کے ساتھ کرنے کا ذکر

ابن اسحق بیان کرتے ہیں کہ رسم نذر کی ادائیگی کے بعد جناب عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل دیے۔ راستے میں خانہ کعبہ کے قریب انہیں ایک عورت ملی جس کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بنی اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی میں کی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کی بہن ام قتال تھی۔

اس عورت نے ان دونوں باپ بیٹوں یعنی عبدالمطلب اور عبداللہ کو ساتھ ساتھ وہاں سے گزرتے دیکھا تو عبداللہ سے پوچھا: ''عبداللہ تم کہاں جا رہے ہو؟'' وہ بولے: ''مجھے میرے والد اپنے ساتھ لیے جا رہے ہیں' جہاں بھی یہ لے جائیں گے وہیں چلا جاؤں گا''۔

وہ عورت یعنی ام قتال نے عبداللہ سے کہا: ''کیا تم کوئی قربانی کے اونٹ ہو کہ تمہیں نکیل پکڑ کے جہاں کوئی چاہے لے جائے؟''۔

عبداللہ نے جواب دیا: ''یہ میرے والد ہیں' نہ میں ان کی حکم عدولی کر سکتا ہوں نہ ان سے جدائی برداشت کر سکتا ہوں''۔

بہرکیف یہ کہ عبداللہ اپنے والد عبدالمطلب کے ساتھ آگے بڑھ گئے جو انہیں لے کر وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر کے پاس گئے جو ان دنوں اپنے قبیلے بنی زہرہ کے سردار تھے اور ان سے درخواست کی کہ وہ عبداللہ کو اپنی فرزندی میں لے لیں یعنی اپنی بیٹی آمنہ سے ان کی شادی کر دیں۔

چونکہ دونوں خاندانوں کا تعلق آخر میں بنی اسماعیل ہی تک جاتا تھا اس لیے وہب بن عبد مناف نے اپنی بیٹی آمنہ کی شادی جو اپنے قبیلے میں ''سیرت النساء'' کہلاتی تھیں عبدالمطلب کے بیٹے سے بخوشی وخوشدلی کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن عبدالمطلب حضرت آمنہ بنت وہب کو رخصت کرا کے اس مکان میں لائے جو انہوں نے ان کے لیے لیا تھا اور وہیں حضرت آمنہ کی شکم مبارک میں وہ حمل قرار پایا جو حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت پر منتج ہوا۔

اس استقرار حمل کی اطلاع پا کر ایک عورت اس مکان میں آئی تو اس وقت عبداللہ وہاں موجود نہ تھے۔ مالک مکان نے اس عورت سے پوچھا: ''کچھ یاد ہے کہ تم نے عبداللہ سے کیا تمنا کی تھی؟''۔

عورت نے پوچھا: ''کون سی تمنا؟''۔

مالک بولا: ''وہی تمنا! ارے تم کل کی بات آج بھول گئیں''۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عورت بولی: ''کل کی بات آج کیسے یاد رکھ سکتی ہوں جب کہ عبداللہ کے پاس کل والی چیز ہی نہیں ہے۔ تو آج مجھے اس سے کیا مطلب؟''۔

کہتے ہیں کہ شادی کے بعد' عبداللہ کی پیشانی جس نور سے شادی سے قبل چاند کی طرح چمکتی تھی وہ ان کی پیشانی سے حضرت آمنہ کے شکم مبارک میں منتقل ہو گیا تھا اور اس عورت کی مراد عبداللہ کی پیشانی کے اسی نور سے تھی۔

جب ام قتال کے بھائی ورقہ بن نوفل کو حضرت آمنہ کے شکم مبارک میں عبداللہ سے استقرار حمل کی اطلاع ملی تو وہ بہت خوش ہوا کیونکہ اس سے قبل جو کتابیں وہ پڑھا کرتا تھا ان میں لکھا تھا کہ اس کی قوم میں ایک عظیم المرتبت نبی پیدا ہوگا۔ اس نبی کی رسالت کی عظمت کا ذکر قرآن مجید میں بھی ان الفاظ میں آیا ہے کہ ﴿ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ﴾ یعنی (اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کی رسالت کا محل کون سا ہے اور وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔ (۱۲۴:۶)

وہ عورت جس نے عبداللہ سے پوچھا تھا کہ عبداللہ تم کہاں جا رہے ہو اور وہ عورت بھی مالک ہے جس کی گفتگو کا ذکر سطور بالا میں آیا ہے ام قتال ہی تھی اور وہی حضرت عبداللہ سے سب عورتوں سے زیادہ شادی کی مشتاق تھی۔

ام قتال ہی تھی جسے عبداللہ کی آمنہ بنت وہب زہریہ سے شادی کا سب عورتوں سے زیادہ ملال ہوا تھا۔

بیہقی یونس بن بکیر کے توسط اور ابن اسحٰق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ام قتال نے عبداللہ کی آمنہ بنت وہب کے ساتھ شادی اور آمنہ کے شکم مبارک میں اس سے استقرار حمل کی خبر سن کر نہایت حسرت آمیز اشعار کہے تھے۔

ابوبکر محمد بن جعفر بن سہل الخرائطی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن حرب' محمد بن عمارہ القرشی' مسلم بن خالد الزنجی اور ابن جریج نے عطاء بن ابی رباح اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب عبداللہ اپنے والد عبدالمطلب کے ساتھ قبیلہ زہریہ کی طرف جا رہے تھے تو انہیں راستے میں ایک کاہنہ فاطمہ بنت مر الخثعمیہ ملی اور اس نے ان کے چہرے پر نور نبوت دیکھ کر ان کے ساتھ شادی کی خواہش کا اظہار کیا اور اس کے لیے انہیں سو اونٹوں کی پیشکش بھی کی لیکن وہ اس کے جواب میں دو شعر اسے سنا کر اپنے والد کے ساتھ آگے بڑھ گئے اور ان کے ساتھ قبیلہ زہریہ میں وہب بن عبد مناف کے پاس چلے گئے جہاں ان کے والد نے وہب بن عبد مناف کی بیٹی آمنہ سے ان کی شادی کا پیغام دیا جو قبول کر لیا گیا اور آمنہ بنت وہب سے عبداللہ کی شادی ہو گئی۔

اس روایت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اس کاہنہ فاطمہ بنت مر کو عبداللہ سے آمنہ کی شادی اور آمنہ کے شکم مبارک میں اس شادی کے نتیجے میں استقرار حمل کی خبر ہوئی تو وہ رو پڑی اور اپنی ناکامی پر ام قتال کی طرح بہت سے حسرت آمیز اشعار کہے جو کتب تواریخ میں اب تک محفوظ ہیں۔

امام ابونعیم الحافظ اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں یعقوب بن محمد زہری کے توسط اور عبدالعزیز بن عمران' عبداللہ بن جعفر' ابن عون' مسعود بن مخرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب ایک دفعہ گرمی کے موسم میں کے سے یمن کا سفر کر رہے تھے تو راستے میں حمیر کے پاس جس کا تعلق قوم یہود سے تھا کچھ دیر کے لیے ٹھہر گئے اور وہیں اہل کتاب میں سے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ایک شخص نے ان سے کہا: ''عبدالمطلب! کیا آپ مجھے اپنے بدن کے کچھ حصے دیکھنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟''۔

ان کے جواب میں عبدالمطلب بولے: ''ضرور بشرطیکہ وہ ستر عورت میں سے نہ ہوں''۔

وہ شخص بولا: ''آپ میرے سامنے اپنے ایک ہاتھ کی ہتھیلی کھولیں''۔

عبدالمطلب نے اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی اس کے سامنے کر دی جسے وہ کچھ دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ان کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کھلوائی اور اسے بھی خاصی دیر تک دیکھنے کے بعد بولا:

''آپ کے ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں حکومت کے آثار پائے جاتے ہیں''۔

اس کے بعد اس شخص نے عبدالمطلب سے کہا کہ ''نبوت کے آثار جہاں تک میں نے دیکھا ہے آپ سے بنی زہرہ کی طرف منتقل ہوتے نظر آتے ہیں''۔

عبدالمطلب نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''۔

اس نے کہا: ''یہ تو مجھے معلوم نہیں''۔

پھر عبدالمطلب نے پوچھا: ''کیا آپ کی شاغہ ہے؟''۔

عبدالمطلب نے پوچھا: ''شاغہ کیا ہے؟''۔

وہ بولا: ''زوجہ''۔

عبدالمطلب نے کہا: ''آج کل تو کوئی نہیں ہے''۔

یہ سن کر وہ شخص بولا:

''تو پھر تم جب اس سفر سے واپس مکے جاؤ تو وہاں بنی زہرہ میں شادی کر لینا''۔

چنانچہ جب عبدالمطلب یمن سے مکے واپس آئے تو انہوں نے ہالہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہری سے شادی کر لی جن کے بطن سے حمزہ اور صفیہ پیدا ہوئے۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کی آمنہ بنت وہب سے شادی کی جن کے بطن سے رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

جب عبداللہ کی آمنہ بنت وہب سے شادی کی خبر قریش کو ہوئی تو وہ یک زبان ہو کر بولے:

''لو بھی عبداللہ تو اپنے باپ عبدالمطلب سے بھی بازی لے گیا''۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

باب ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب سیرت رسول اللہ ﷺ

اس باب اور اس سے اگلے باب میں ہم رسول اللہ ﷺ کی ولادت' آپ کی حیات طیبہ' آپ کے غزوات اور سرایا (یعنی مشرکین کے مقابلے کے لیے کئی جگہ چھوٹے چھوٹے اسلامی لشکر ارسال فرمانا) آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود آپ کے شمائل وفضائل اور آپ کی نبوت کے سلسلے میں دلائل کا ذکر کریں گے۔ تاہم ضروری ہے کہ اس سے قبل آپؐ کے نسب شریف و طیب اور اس کی اصل منیف کا ذکر کیا جائے جو حسب ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا کون سا محل ہے اور) وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے''۔ (۶:۱۲۴)

قرآن مجید کی یہ آیہ شریفہ حضور نبی کریم ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ بنت وہب کے ساتھ شادی کے ضمن میں بطور حوالہ پیش کیے جانے کے بعد (ملاحظہ ہو صفحات سابقہ) یہاں دوبارہ اس لیے پیش کی گئی کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے ابوسفیان سے آپؐ کے دیگر اوصاف کے بارے میں سوال کے ساتھ ان سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ آپ کے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین نسباً کیا رشتہ ہے تو ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ وہ (ﷺ) ہمارے ہم نسب ہیں اور ہم قوم بھی اور ہم دونوں کے آباؤ اجداد میں نبوت و رسالت کا سلسلہ اب تک جاری چلا آیا ہے۔ (صلوات اللہ علیہم اجمعین)

ابوسفیان نے ہرقل سے یہ بھی کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ بنی آدم کے سردار آدم علیہ السلام کے لیے دنیا و آخرت دونوں جگہ باعث فخر و مباہات ہیں' آپ کی کنیت ابوالقاسمؐ اور ابوابراہیمؐ اور آپ کا نام نامی واسم گرامی محمدؐ اور احمدؐ ہے' آپ کی ذات والا صفات وہ ہے جس سے کفر مٹ کر رہ گیا۔ آپؐ خاتم النبیین ہیں' آپؐ کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہوا۔ روز قیامت ساری اولاد آدم آپؐ ہی کے مبارک قدموں میں آ کر ٹھہرے گی' آپؐ نبی رحمت ہیں' آپؐ نبی توبہ ہیں' آپ فاتح ہیں' آپؐ طٰہٰ و یٰسین ہیں اور ان جملہ صفات عالیہ کے ساتھ ساتھ عبداللہ یعنی خدا کے بندے بھی ہیں۔

بیہقی اور ان کے علاوہ بعض دوسرے علماء بھی یہ بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان نے ہرقل کے مندرجہ بالا سوال کے جواب میں آخر میں کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں رسول' نبی' امین' شاہد' مبشر' نذیر' داعی الی اللہ (یعنی ان کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا) سراج منیر (روشن چراغ) رؤف و رحیم' مذکر (خدا کی کتاب پڑھ کر سنانے والا) فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا نے انہیں (ﷺ) دنیا میں (اپنے بندوں کے لیے) رحمت و نعمت بنا کر بھیجا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی کا تذکرہ ہم ان شاء اللہ آپ کی سیرت طیبہ کے بارے میں مختلف روایات پیش کرنے کے بعد حسب موقع تفصیل سے کریں گے۔

ویسے آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی اکثر بڑے بڑے علماء و حفاظ نے ایک ہزار تک بتائے ہیں لیکن فقیہ کبیر ابوبکر ابن العربی مالکی نے جنہوں نے ترمذی کی شرح لکھی ہے آپؐ کے اسمائے گرامی چونسٹھ بتائے ہیں۔ واللہ اعلم

حضور نبی کریم ﷺ عبداللہ بن عبدالمطلب کے فرزند تھے جو اپنے والد عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے جنہیں ذبیح ثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے ان کی قربانی دینی چاہی تھی لیکن پھر بطور فدیہ سو اونٹ قربان کر دیئے تھے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے حضورؐ کو قریش کا حسین ترین آدمی کہا گیا ہے۔

زہری لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ بھی اپنے بھائیوں حارث' زبیر' حمزہ' ضرار اور ابی طالب وغیرہ میں سب سے زیادہ خوب صورت تھے اور سخاوت میں بھی بہت مشہور تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی پھوپھیوں اروی' برہ اور عیمہ وغیرہا کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر نام بنام حسب موقع تفصیل سے کریں گے۔

آنحضرت ﷺ کے دادا کے والد ہاشم ایک دفعہ بغرض تجارت مکے سے شام گئے تھے تو راستے میں مدینے سے گزرتے ہوئے عمرو بن زید بن لبید بن حرام بن خداش بن خندف بن عدی بن نجار الخزرجی النجاری کے ہاں جو اپنی قوم کے سردار تھے ٹھہرے تھے اور عمرو بن زید کی بیٹی سلمٰی ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن اس کے باپ نے اس کی شادی کی شرط یہ رکھی تھی کہ وہ (ہاشم) سلمٰی سے شادی کے بعد مدینے میں مستقل سکونت رکھیں گے۔

ہاشم نے عمرو بن زید کی یہ شرط منظور کر لی لیکن اس کے بعد اپنی طرف سے یہ شرط پیش کی کہ وہ اپنی بیوی سلمٰی کو مکے لے جاتے رہیں گے جسے سلمٰی کے باپ نے منظور کر لیا لیکن اس پابندی کے ساتھ کہ سلمٰی اگر حاملہ ہوئی تو اس کے بچے کی ولادت مدینے ہی میں ہوگی۔

اس فیصلے کے بعد ہاشم مکے سے جو تجارتی سامان لائے تھے اسے لے کر شام چلے گئے اور وہاں سے واپسی پر مدینے آ کر سلمٰی سے شادی کر لی اور اسے لے کر مکے آ گئے۔

اس کے بعد جب وہ دوبارہ مکے سے بغرض تجارت شام جانے لگے تو اس وقت سلمٰی حاملہ تھی۔ اس لیے ہاشم شرط کے مطابق انہیں مدینے میں چھوڑ کر شام چلے گئے۔

جب ہاشم سلمٰی کو مدینے میں چھوڑ کر شام گئے ہوئے تھے تو ان کے پیچھے سلمٰی کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام اس کے ننھیال والوں نے شیبہ رکھا۔ ادھر ہاشم قضائے الٰہی سے شام سے واپس آتے ہوئے غزہ میں انتقال کر گئے اور ان کے بیٹے شیبہ اپنے ماموؤں کے پاس سات سال تک مدینے میں پرورش پاتے رہے لیکن ایک سال ایسا ہوا کہ جب شیبہ کے چچا مطلب بن عبد مناف شام سے مکے واپس آتے ہوئے مدینے سے گزرے تو اپنے بھائی ہاشم کے لڑکے شیبہ کو چپ چپاتے اپنے ساتھ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مکے لے آئے۔

جب مکے میں داخلے کے وقت قریش نے مطلب کے ساتھ سواری پر شیبہ کو بیٹھے دیکھا تو پوچھا: ''یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟'' مطلب بولے: ''غلام'' اور بس اسی روز سے لوگ شیبہ کو عبدالمطلب کہنے لگے اور وہ ہمیشہ اسی نام سے مشہور رہے۔

ایک دوسری مشہور روایت یہ ہے کہ عبدالمطلب کو قریش ان کے سر کی امتیازی حیثیت اور ان کی بزرگانہ شکل کی وجہ سے لڑکپن ہی میں شیبہ کہنے لگے تھے۔ تاہم وہ عبدالمطلب ہی کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے اور جب' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے عبدالمطلب کی نشاندہی کے بعد زمزم کی دوبارہ کھدائی کی گئی اور ان کی نشاندہی درست ثابت ہوئی تو ان کی عزت و توقیر قریش میں اس درجہ بڑھی کہ نہ صرف زمزم سے خانہ کعبہ کے زائرین کو ہر سال پانی پلانے اور ان کی مہمان داری کی ذمہ داری انہی کے سپرد کی گئی بلکہ بیت اللہ کی تولیت بھی مستقل طور پر انہی کو سونپ دی گئی جو ہاشم سے پہلے ان کے والد عبد مناف کے پاس تھی اور عبد مناف کے مرنے کے بعد ہاشم کے حصے میں آئی تھی جو رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت بھی انہی کے پاس تھی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باب ۸

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت' جیسا کہ اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے دوشنبہ کے دن ہوئی تھی۔

صحیح مسلم میں غیلان بن جریر بن عبداللہ بن معبد الزمانی کی روایت ابی قتادہ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ دو اعرابیوں نے کسی روز آنحضرت ﷺ سے روز دوشنبہ کے اور دنوں کے مقابلے میں درجے کے بارے میں دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ: ''یہ وہ دن ہے جب میری ولادت اور جس روز مجھ پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی تھی''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے موسیٰ بن داؤد اور ابن لہیعہ نے خالد بن ابی عمران' حنش الصنعانی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت دوشنبہ کے شروع وقت میں ہوئی تھی آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر دوشنبہ کے روز بیت اللہ کے قریب رکھا تھا' آپؐ نے مکے سے ہجرت بھی دوشنبہ کے دن فرمائی' آپ مدینے میں دوشنبہ ہی کے روز داخل ہوئے اور آپ کی وفات بھی دوشنبہ ہی کے دن ہوئی۔

اس روایت کو انہی حوالوں سے عمرو بن بکیر نے بیان کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیۂ شریفہ و مبارکہ:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾

یعنی ''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا''۔ (۵:۳)

بھی دوشنبہ ہی کے روز نازل ہوئی تھی۔

کچھ راویوں نے اس روایت کو جس میں قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کا نزول بھی دوشنبہ کے روز بتایا ہے بیان کر کے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ غزوہ بدر بھی روز دوشنبہ ہی کو وقوع پذیر ہوا تھا اور کچھ دوسرے راویوں نے بھی موسیٰ بن داؤد کے حوالے سے انہی دونوں روایات کو پیش کیا ہے لیکن اس سلسلے کی یہ دونوں روایات قطعی ''منکر'' (خلاف واقعہ) ہیں کیونکہ جیسا کہ ابن عسا کر نے بیان کیا اور اس کی تصدیق بھی کی مندرجہ بالا قرآنی آیت کا نزول اور غزوۂ بدر دونوں روز جمعہ کے واقعات ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت اور وفات دونوں دوشنبہ (پیر) کے روز ہوئیں۔

بہر کیف اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت دوشنبہ کے دن ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ بعض راویوں کا یہ بیان بھی بعید از قیاس بلکہ غلط ہے کہ آپ کی ولادت ماہ رمضان میں بروز جمعہ ہوئی تھی جب کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ ماہ ربیع الاوّل میں پیدا ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ بعض راوی آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف رکھتے ہیں اور بعض اس ماہ ربیع الاوّل کی سترہ اور بعض کچھ اور بتاتے ہیں لیکن یہ بات بھی اب محقق ہو چکی ہے اور اسی پر جملہ ثقہ و مستند راویوں کو اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت ماہ ربیع الاوّل کی ہوئی تھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آنحضرت ﷺ کی صفت ولادت

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے جو نذر مانی تھی اس کی ادائیگی کے لیے وہ اپنے ایک بیٹے کی قربانی دینا چاہتے تھے اور اس کے بعد جب قرعہ اندازی کی گئی تو اس میں بار بار ان کے چھوٹے بیٹے عبداللہ ہی کا نام نکلا لیکن پھر قریش کے مشورے پر ایک کاہنہ کی رائے لی تو اس نے رائے دی کہ عبداللہ کی جگہ دس سے لے کر سو اونٹ تک بطور فدیہ دیئے جاسکتے ہیں اور عبداللہ کی جگہ عبدالمطلب نے سو اونٹ فدیے میں قربان کیے۔

اس امر واقعہ سے اس بات کا صاف ثبوت ملتا ہے کہ قدرت کا منشاء یہ تھا کہ عبداللہ کی نسل سے آنحضرت ﷺ کی ولادت ہو جو ممکن نہ ہوتی اگر عبدالمطلب انہیں اس نذر کی ادائیگی میں قربان کر دیتے جو انہوں نے بطور منت مانی تھی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی متعدد مستند روایات کے حوالوں سے بتائی جاچکی ہے کہ عبداللہ کی آمنہ بنتِ وہب کے ساتھ شادی سے قبل ان کی پیشانی پر نور نبوت کے جو آثار تھے انہیں دیکھ کر ورقہ بن نوفل کی بہن ام قتال نے ان سے شادی کی تمنا کی تھی اور اس کی یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ ورقہ بن نوفل نے اسے بتایا تھا کہ عبداللہ کی نسل سے ایک عظیم الشان نبی پیدا ہوگا اور ام قتال کی یہ آرزو تھی کہ وہ نبی اس کے بطن سے پیدا ہو۔

اس کے علاوہ یہ ذکر بھی پہلے کیا جاچکا ہے کہ جس کاہنہ سے عبداللہ کے بدلے فدیہ کے بارے میں رائے لی گئی تھی جو وہ خود بھی ان کی پیشانی میں ایک خاص نور دیکھ کر ان سے شادی کی متمنی ہوئی تھی نیز یہ کہ مکے کی ایک دوشیزہ نے جسے اس کے باپ یا بھائی سے وراثت میں کافی دولت ملی تھی اور اس نے عبداللہ سے شادی کے لیے انہیں سو اونٹوں کی پیشکش کی تھی اور جب حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی اور حضرت آمنہ کے بطن میں استقرار حمل کے بعد جب ام قتال اس مکان میں آئی جہاں حضرت عبداللہ نے حضرت آمنہ کو شادی کے بعد رکھا تھا تو وہ فوراً ہی واپس جانے لگی کیونکہ اس وقت وہ نور نبوت حضرت عبداللہ کی پیشانی سے غائب ہو کر حضرت آمنہ کے بطن مبارک میں منتقل ہو گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ ام قتال کو یہ امید ہوگی کہ اگر عبداللہ کی آمنہ سے شادی اور آمنہ کے حاملہ ہونے کے بعد بھی اگر وہ نور عبداللہ کی پیشانی میں موجود ہو تو ممکن ہے کہ وہ عظیم الشان نبی جس کی پیشگوئی اس کے بھائی ورقہ بن نوفل نے عبداللہ کی نسل سے پیدا ہونے کے متعلق کی تھی اسی کے اپنے بطن سے پیدا ہو اور وہ یہی دیکھنے اس مکان میں گئی تھی تاکہ عبداللہ سے شادی کے لیے ایک آخری کوشش اور کرے لیکن وہ نبوت کا نور عبداللہ کی پیشانی میں نہ پا کر مایوسی کی حالت میں لوٹ آئی تھی اور اس نے وہ حسرت آمیز اشعار کہے تھے جن کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔

بہرکیف مشیت خداوندی یہی تھی کہ عبداللہ کی شادی صرف آمنہ بنت وہب ہی سے ہو اور انہی کے بطن مبارک سے رسول

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اللہ ﷺ کی ولادت ہو۔

اس کا ذکر بھی پہلے کیا جا چکا ہے کہ ظہور اسلام سے قبل عرب میں باقاعدہ نکاح کا دستور نہیں تھا اور ظہور اسلام کے بعد صرف انہی شادیوں کو صحیح تسلیم کیا گیا تھا جو باقاعدہ نکاح کے ذریعہ ہوئی تھیں اور ایسے جوڑوں کے اسلام لانے کے بعد ان کے قبل اسلام نکاحوں کو شریعت اسلامی کے مطابق درست قرار دیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کے دوبارہ اسلامی طریقے سے نکاح کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

ایسا ہی ایک صحیح نکاح وہ تھا جو حضرت عبداللہ کا حضرت آمنہ بنت وہب کے ساتھ ہوا تھا اور اس کا ثبوت اس مستند صحیح حدیث نبوی (ﷺ) سے ملتا ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: "ولدت من نكاح لا من سفاح" یعنی آپؐ کی ولادت باسعادت باقاعدہ نکاح سے ہوئی نہ کہ (نعوذ باللہ) زنا یا بدکاری سے۔

یہاں اس حدیث نبوی کو خصوصیت سے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جیسا مشہور ہے آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ اسی زمانے میں وفات پا گئے تھے جب آپؐ ابھی شکم مادر ہی میں تھے۔

محمد ابن سعد کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن عمر (یعنی واقدی) محمد بن عبیدہ یزیدی اور سعید بن ابی زید نے ایوب بن عبدالرحمٰن صعصعہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایوب بن عبدالرحمٰن بن عبدالمطلب سامان تجارت لے کر شام کی طرف گئے تھے جہاں قبائل قریش کی بستیوں میں سے ایک بستی غزہ ہی میں ان کا وہ سارا سامان تجارت فروخت ہو گیا تو وہ مکے واپس آتے ہوئے مدینے میں بیمار ہو گئے اور اپنے عزیزوں بنی عدی بن نجار کے ماموؤں کے پاس ٹھہر گئے اور وہاں ایک مہینے تک ٹھہرے رہے جب کہ ان کے وہ ساتھی جو ان کے ساتھ مکے سے بغرض تجارت شام کی طرف گئے تھے مکے واپس آ گئے۔

جب عبدالمطلب نے ان سے اپنے بیٹے عبداللہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ انہیں ان کے ماموؤں بنی عدی بن نجار کے ہاں مدینے میں چھوڑ آئے ہیں کیونکہ وہ بیمار تھے۔

ان لوگوں میں سے یہ سن کر عبدالمطلب نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو ان کی خیریت معلوم کرنے مدینے بھیجا لیکن وہاں پہنچ کر حارث کو معلوم ہوا کہ عبداللہ فوت ہو گئے ہیں اور انہیں دار النابغہ میں دفن کر دیا گیا ہے۔

عبداللہ کی وفات کی خبر لے کر جب حارث مکے واپس لوٹے اور اپنے والد عبدالمطلب کو اس کی اطلاع دی تو اسے سن کر وہ بے ہوش ہو گئے اور عبداللہ کے دوسرے سارے بھائی بھی تڑپ تڑپ کر رونے لگے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ شکم مادر ہی میں تھے۔ جب عبداللہ بن عبدالمطلب نے داعی اجل کو لبیک کہا اس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی۔

واقدی کہتے ہیں کہ:

"وفات کے وقت عبداللہ بن عبدالمطلب کی عمر پچیس سال ہونے کا ثبوت اور اس کی تصدیق ان مستند روایات سے ہو چکی ہے جو اب تک ہمیں ملی ہیں"۔

محمد بن سعد کہتے ہیں کہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جب عبداللہ بن عبدالمطلب فوت ہوئے اس وقت رسول اللہ ﷺ شکم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مادر میں تھے جب کہ زبیر بن بکار بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن حسن نے عبدالسلام اور ابن خربوذ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب عبداللہ بن عبدالمطلب فوت ہوئے اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف دو ماہ ہو چکی تھی' جب آپ کی والدہ ماجدہ نے وفات پائی اس وقت آپ کی عمر شریف چار سال تھی اور جب آپ کے دادا عبدالمطلب کا انتقال ہوا اس وقت آپ آٹھ سال کے ہو چکے تھے اور آپ کے دادا نے مرتے وقت اپنے بیٹے ابی طالب کو آپ کی پرورش کی وصیت کی تھی لیکن واقدی نے ثبوت کے ساتھ اپنے اسی بیان کو ترجیح دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت شکم مادر ہی میں تھے اور یہی آخری بات تمام دوسری روایات سے زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

وہ حدیث نبوی پہلے پیش کی جا چکی ہے' جس کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب آپ اپنی والدہ کے شکم میں تھے تو انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کے جسم سے ایک روشنی نکلی جس نے شام کے تمام محلات روشن کر دیئے اور اسی خواب سے متاثر ہو کر حضور کا نام محمد (ﷺ) رکھا گیا تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی توریت میں احمد' انجیل میں بھی احمد اور قرآن مجید میں محمد آیا ہے یعنی تمام اہل سماوات اور اہل زمین آپ کے ثناخواں ہیں اور تا قیامت رہیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے آپ کی ولادت سے قبل جو دیکھا تھا آپ کی ولادت کے بعد اس کی جو تعبیر تمام اہل عالم کے سامنے آئی وہ ایک بدیہی امر ہے۔

واقدی نے موسیٰ بن عبدہ وغیرہ کی زبانی عبداللہ ابن جعفر زہری' ان کی پھوپھی ام بکر بنت المسعود کے حوالے سے بیان کیا کہ ام بکر نے اپنے والد سے سن کر بتایا کہ آمنہ بنت وہب کے بقول انہوں نے اپنے بطن سے رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے کچھ قبل جب وہ دردزہ میں مبتلا تھیں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا اور اس نے تمام مشرق و مغرب کو روشن کر دیا اور اس کے ساتھ ہی انہیں وضع حمل کی تکلیف سے فراغت مل گئی۔ اس کے بعد وہ نور سمٹ کر ان کے قریب آیا اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے اس نور مجسم نے پھر ان کی طرف زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر ان کی طرف بڑھائی جو انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس کے بعد اس نور نے اپنا رخ آسمان کی طرف کر لیا۔

حافظ ابوبکر بیہقی متعدد مستند راویوں کی زبانی اور انہی کی طرح کے متعدد حوالوں کے ساتھ آخر میں عثمان بن ابی العاص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر کی والدہ نے انہیں بتایا کہ حضرت آمنہ بنت وہب کے وضع حمل کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ وہاں ایک نور کے سوا اس وقت کوئی دوسری چیز نہ تھی اور باہر ستارے زمین کے اس قدر قریب آ گئے تھے کہ اس پر یقین کرنا ناممکن تھا۔

قاضی عیاض الشفاء ام عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ام عبدالرحمٰن رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے وقت قابلہ (دائی) کی خدمات انجام دے رہی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اپنی والدہ کے بطن سے ان کے ہاتھوں میں آئے تو انہوں نے ایک آواز سنی "یرحمک اللہ" اور نومولود کے جسم سے ایسا نور طلوع ہوا جس سے اس جگہ کے علاوہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جس کے درودیوار اس نور سے چمک اٹھے مشرق و مغرب کے تمام قصور و محلات یقیناً روشن ہو گئے ہوں گے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی اطلاع کرنے پڑوس کی ایک کنیز کو آپؐ کے دادا عبدالمطلب کے پاس بھیجا گیا جن کے بیٹے عبداللہ کا اس وقت انتقال ہو گیا تھا جب آپؐ شکم مادر میں تھے لیکن انہوں نے بڑی متانت و سنجیدگی کا اظہار کیا اور آپ کی ولادت پر آپ کو دیکھنے کے بعد خدا کا شکر ادا کیا اور شکر خداہی پر مبنی کچھ اشعار بھی کہے اور ان کے علاوہ کچھ ایسے شعر بھی کہے جن میں انہوں نے اپنے پوتے آنحضرت ﷺ کے حسن و جمال کو غلمان کے حسن و جمال سے برتر بتایا اور آپ کی ذات والا صفات اور حیات طیبہ کی برکات سے آئندہ ساری دنیا کو فیض پہنچنے کا خیال بھی ظاہر کیا اور اپنے اس ارادے کا اظہار بھی کیا کہ وہ آپ کو بیت اللہ میں اللہ کی نذر کے بطور لے جا کر پیش کریں گے۔

بیہقی مختلف حوالوں سے جن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے والد عباس بن عبدالمطلب بھی شامل ہیں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مختون یعنی ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے اور اس پر آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے مسرت آمیز حیرت کا اظہار کیا تھا۔

بیہقی مختلف حوالوں سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنے گھر کی عورتوں کے سپرد کر دیا تھا جن میں ان کی بیٹی اور آپ کی پھوپھی پیش پیش تھیں۔

وہ ہر صبح کو اپنے والد عبدالمطلب سے کہتی تھیں کہ انہوں نے ایسا بچہ کبھی نہیں دیکھا تھا وہ بتاتی تھیں کہ نومولود (رسول اللہ ﷺ) صبح کو ہمیشہ بیدار ہی نظر آتا ہے اور آنکھیں کھولے ٹکٹکی باندھے آسمان کو تکتا رہتا ہے۔ اس پر عبدالمطلب جواب دیتے تھے کہ انہیں امید ہے کہ وہ بڑی شان والا ہوگا اور اس کی ذات سے دنیا میں خیر و برکت پھیلے گی اور اس کی برکات سے دنیا فیضیاب ہوگی۔

بیہقی کے مطابق عبدالمطلب نے ساتویں دن آنحضرت ﷺ کا عقیقہ کیا اور اس میں قریش کو دعوت دے کر شریک کیا تو انہوں نے پوچھا کہ "عبدالمطلب! تم نے اپنے پوتے کا کوئی نام بھی رکھا ہے؟" تو وہ بولے: "ہاں میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اور مجھے زمین و آسمان ہر طرف سے اس نام کی گونج سنائی دے رہی ہے"۔

ہم ان شاء اللہ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے آخر میں آپؐ کے اسمائے گرامی بیان کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آنحضرت ﷺ کی شبِ ولادت کے علامتی واقعات

آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت جنات کی چیخ و پکار' بتوں کا بلی کی طرح میاؤں میاؤں کر کے اوندھے منہ زمین پر گر جانے' حبشہ میں نجاشی کے عجیب چیزیں دیکھنے اپنی والدہ ماجدہ کے جسم سے الگ ہو کر ظہور نور' اس کے آسمان کی طرف رُخ کر کے ساکن ہو جانے' اس نور سے شام کے تمام محلات وقصور کے منور ہو جانے' ستاروں کے زمین کے نزدیک آ جانے اور اس نور کے آپ چہرۂ مبارک پر نمودار ہونے کے مشاہدات کا ذکر ہم ہواتف الجان کے ضمن میں کر چکے ہیں۔

سہیلی بقی بن مخلد الحافظ کی تفسیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابلیس چار بار بلند آواز سے رویا ہے۔ پہلی بار جب اللہ تعالیٰ نے اسے لعین ٹھہرا کر اس پر لعنت کی' دوسری بار جب اسے آسمان سے زمین پر پھینکا گیا' تیسری بار آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت اور چوتھی بار جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ہشام بن عروہ نے اپنے والد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک یہودی مکے میں رہ کر تجارت کیا کرتا تھا۔ جس روز آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی اس روز اس نے قریش کی ایک مجلس میں ان سے پوچھا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ کل رات تمہاری قوم میں ایک عظیم الشان بچہ پیدا ہوا ہے؟'' وہ بولے: ''نہیں تو''۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آمنہ بنت وہب کے بطن سے عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔

اس یہودی نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ تم مجھے وہاں چل کر اس بچے کو دکھاؤ۔ یہودی کی اس درخواست پر وہ لوگ اس مکان پر پہنچے جہاں آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی تھی۔ پھر یہودیوں کی مزید درخواست پر آپ کو مکان سے باہر لایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا روئے مبارک چاند سے زیادہ روشن ہے۔ یہ نور نبوت تھا جس کے آثار اس نور کی صورت میں آپ کے چہرے اور پیشانی سے ظاہر ہو رہے تھے۔

یہ دیکھ کر وہ یہودی بے ہوش ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو قریش کے لوگوں نے اس سے پوچھا: ''ارے یہ تجھے کیا ہوا؟''۔

اس سوال کے جواب میں وہ یہودی رو کر کہنے لگا کہ ''آج ہم بنی اسرائیل سے نبوت کا سلسلہ تمہاری قوم میں منتقل ہو گیا' خیر تمہیں خدا کی طرف سے یہ نعمت مبارک ہو' تمہاری سطوت کی اب یہ خبر مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی''۔

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ان سے صالح بن ابراہیم نے یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسد بن زرارہ کے حوالے سے کہا کہ ایک روز مکے میں یحییٰ بن عبدالرحمٰن کے پاس لوگ بے تحاشا دوڑے چلے آ رہے تھے جن کے پیچھے پیچھے حسان بن ثابت پکار پکار کر کہہ رہے تھے:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''آج یہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے ایک دن میں اس کا غلام بنوں گا''

کل مدینے میں ایک یہودی کہہ رہا تھا:

''اے یہودیو! یاد رکھو کہ مکے میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے' تم اس کی اطاعت کرنا''۔

یہودی بولے:

''تجھے کیا ہوا؟ اور تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟''۔

وہ یہودی بولا:

''کل رات جو آسمان پر ایک ستارہ طلوع ہوا اس سے مجھے معلوم ہوا کہ احمد نام کا ایک بچہ آج رات کو مکے میں پیدا ہوگا جو آگے چل کر نبی ہوگا' اس کی اطاعت تم پر فرض ہے''۔

حافظ ابو نعیم اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں ابی بکر بن عبداللہ العامری کی زبانی اور چند دوسرے مستند راویوں کے علاوہ عبدالرحمٰن بن ابی سعید اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ابی سعید' جیسا کہ انہوں نے بتایا' بنی اشہل میں ٹھہرے ہوئے جہاں انہوں نے کسی سے مکے میں کسی غیر معمولی بچے کی ولادت کی خبر نہیں سنی لیکن جب وہ اگلے دن اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ قبیلہ حرب میں مدینہ پہنچے تو انہوں نے یوشع یہودی کو کہتے سنا کہ:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ احمد نام کا ایک نبی مکے میں پیدا ہونے والا ہے''۔

یہ سن کر بنی اشہل کے ایک شخص خلیفہ بن ثعلبہ اشہلی نے یوشع سے کہا:

''تو مذاق تو نہیں کر رہا؟ اچھا بتا کہ اس نبی کے اوصاف کیا ہوں گے؟''۔

یوشع بولا:

''اس کا ظہور حرم کی طرف سے ہوگا' اس کا قد نہ چھوٹا ہوگا نہ بہت طویل' اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہوں گے' لباس کے ساتھ اس کے سر پر عمامہ ہوگا اور اکثر گدھے پر سوار ہوا کرے گا''۔

جب خلیفہ بن ثعلبہ اشہلی نے اپنے قبیلے میں واپس جا کر یوشع یہودی کی زبان سے سنی ہوئی یہ باتیں سنائیں تو اس کے قبیلے والے یک زبان ہو کر بولے:

''تم ایک یوشع کی بات کرتے ہو' کل سے یثرب (مدینۃ النبی کا پہلا نام) کے تمام یہودی یہی باتیں کر رہے ہیں''۔

اس کے علاوہ مالک بن سنان بتاتے ہیں کہ وہ اس روز اپنے گھر سے نکل کر اتفاقاً قبیلہ بنی قریظہ میں چلے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں بہت سے لوگ جمع ہو کر ایک نبی کی ولادت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اور زبیر بن باطا کہہ رہا ہے کہ:

''آسمان پر ایک سرخ ستارہ نمودار ہوا ہے اور ایسا ستارہ صرف اس وقت نمودار ہوتا ہے جب کہیں کوئی نبی پیدا ہوتا ہے''۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آج جو نبی پیدا ہوا ہے اس کا نام احمد ہے جو آخری نبی کا نام ہے اور وہ ہجرت کر کے یہیں آئے گا۔

جب آنحضرت ﷺ سے کسی شخص نے زبیر بن باطا کی یہ باتیں بیان کیں تو آپؐ نے فرمایا:

''اگر زبیر بن باطا اپنی زندگی میں مسلمان ہو جاتا تو اس کی ساری قوم ایمان لے آتی کیونکہ وہ بھی اس کا اتباع کرتی''۔

ابونعیم چند دوسرے ثقہ راویوں کے علاوہ زید بن ثابت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودیوں نے کہا تھا کہ:

''سرخ ستارہ صرف دنیا کے آخری نبی کی ولادت پر طلوع ہوگا' اس کا نام احمد ہوگا اور وہ ہجرت کر کے یثرب آئے گا۔ ہمارے لیے اس کی اطاعت لازم ہے''۔

لیکن جب آنحضرت ﷺ مکے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے گئے تو وہی یہودی بربنائے حسد اپنے اس قول سے پھر گئے اور کفر پر اڑے رہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آنحضرت ﷺ کی ولادت پر قصر کسریٰ میں ظہور پذیر واقعات

حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن سہل الخرائطی اپنی کتاب ''ہواتف الجان'' میں حسب دستور مختلف حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وقت ولادت کسریٰ کے ایوان میں سخت زلزلہ آیا اور اس کے ایوان کے چودہ کنگرے (گنبد ٹوٹ کر) گر پڑے نیز اس کے ایوان کے آتش کدے (اگن گھر) کی آگ یکا یک بجھ گئی بلکہ سارے فارس کے تمام آتشکدوں کی آگ بجھ گئی جب کہ ایک ہزار سال سے اس وقت تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بحیرہ ساوہ بھی جوش کھا کر اُبلنے لگا۔

کسریٰ نے یہ دیکھ کر اپنے مشیر موبذان کو طلب کیا اور اس کو یہ واقعہ سنا کر اس کے بارے میں اس کی رائے معلوم کی۔

موبذان بولا کہ اس نے اس کے علاوہ گذشتہ شب ایک خواب دیکھا تھا جس میں اس نے دیکھا کہ عرب کی طرف سے انسانوں کے غول کے غول اونٹوں پر سوار فارس کی طرف اُمڈے آرہے ہیں اور انہوں نے دریائے دجلہ بھی عبور کرلیا ہے۔

کسریٰ نے موبذان کا یہ خواب سن کر اس سے پوچھا کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟

موبذان نے جواب دیا: اس کی تعبیر کسی عالم سے پوچھنا چاہیے۔

چنانچہ کسریٰ نے یمن میں اپنے نائب السلطنت نعمان بن منذر کو لکھا کہ وہ فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو اور اپنے ساتھ کسی ایسے شخص کو لائے جو بڑا عالم ہو اور کسریٰ اس سے جو سوال کرے اس کا جواب دے سکے۔

کسریٰ کا یہ شاہی فرمان ملتے ہی نعمان بن منذر کسریٰ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنے ساتھ کسریٰ کے حسب الحکم عبدالمسیح بن عمرو بن حیان بن نفیلہ غسانی کو لایا۔

کسریٰ نے عبدالمسیح کو تمام واقعہ اور موبذان کا خواب سنا کر اس سے اس کی تعبیر پوچھی تو وہ بولا کہ اس خواب کے بارے میں اگر حضور مجھے حکم دیں تو میں اپنا خیال ظاہر کر سکتا ہوں۔ لیکن میری گزارش یہ ہے کہ اس کے بارے میں میرے ماموں سطیح سے جو شام میں قیصر روم کی طرف سے اس کا نائب السلطنت ہے دریافت کیا جائے کیونکہ وہ مجھ سے بہتر اس کے بارے میں بتا سکتا ہے۔

کسریٰ کو عبدالمسیح کی یہ بات پسند آئی اور اس نے اپنے کچھ آدمی اس کے ساتھ کر کے اسے اس کے ماموں سطیح کے پاس دریافت حال کے لیے بھیج دیا۔

عبدالمسیح نے دمشق پہنچ کر سطیح کو سارا قصہ سنایا اور اس سے کہا کہ فارس کے بادشاہ کسریٰ کی خواہش ہے کہ وہ اس کے بارے میں اظہار خیال کرے۔

جس وقت عبدالمسیح اپنے ماموں سطیح کے پاس شام پہنچا تھا وہ اس وقت اپنی زریں مسند پر بڑی تمکنت سے بیٹھا تھا۔ عبدالمسیح

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کی باتیں سن کر اس نے ان کا کچھ جواب نہیں دیا بلکہ کسی سوچ میں غرق ہو گیا۔

عبدالمسیح نے اس کے اس عدم التفات کو دیکھ کر شکایتاً کچھ شعر پڑھے تو سطیح بولا:

''جو کچھ تم نے بیان کیا اگر وہ صحیح ہے اور جو خواب موبذان نے دیکھا ہے وہ اس نے صحیح طور پر بیان کیا ہے تو سمجھ لو کہ ایک دن نہ صرف کسریٰ کے ہاتھ سے ایران کی سلطنت چھن جائے گی بلکہ یہ شام بھی جس پر آج کل میں قیصر روم کی طرف سے حاکم بنا بیٹھا ہوں انہی ناقہ سواروں کے قبضے میں چلا جائے گا جنہیں موبذان نے خواب میں دریائے دجلہ عبور کرتے دیکھا ہے''۔

پھر جیسا کہ تاریخ کے صفحات میں ثبت ہے حضرت عثمان کے دور خلافت میں مسلمانوں نے فارس فتح کر لیا۔

کہتے ہیں کہ سطیح نصرانی اور کاہن تھا اور اس کا بھانجا عبدالمسیح بھی عیسائی تھا۔ اس نے جب اپنے ماموں سطیح کا جواب کسریٰ کو فارس واپس آ کر سنایا تو وہ بولا کہ ابھی تو میری اولاد میں چودہ بادشاہ فارس پر حکومت کریں گے' اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

حافظ ابوبکر کے علاوہ بیہقی نے بھی اپنے ہاں اس سے ملتی جلتی روایت پیش کی ہے۔

بہرکیف جیسا کہ تواریخ کی صحیح روایات سے ثابت ہے جب فارس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اس وقت وہاں کا بادشاہ یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں تھا اور اسی کے زمانے میں ایوانِ کسریٰ میں زلزلے اور اس کے چودہ برج گرنے کا واقعہ پیش آیا تھا۔

اس وقت تک فارس پر یزدگرد کے اسلاف تین ہزار ایک سو چونسٹھ سال حکومت کر چکے تھے جن میں سے فارس کا پہلا بادشاہ کیومرث تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آنحضرت ﷺ کی دایہ اور دودھ شریک کا ذکر

آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد کچھ دن ام ایمن نے جن کا نام برکہ تھا اپنی گود میں رکھا تھا وہ آپ کو اپنے والد عبداللہ سے بطور کنیز وراثت میں ملی تھیں اور آپ نے بڑے ہو کر ان کی شادی اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی جن سے ان کے ہاں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے حلیمہ سعدیہ سے قبل کچھ دن اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ساتھ اپنے چچا ابولہب کی کنیز ثوبیہ کا دودھ بھی پیا تھا۔

یہ روایت بخاری و مسلم نے اپنی اپنی جگہ صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں زہری کی زبانی اور عروہ بن زبیر' زینب بنت ام سلمہ اور ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کی ہے بتایا ہے کہ ام حبیبہؓ نے ایک روز آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) آپ میری بہن سے نکاح کر لیجیے''۔ (مسلم نے بہن کی جگہ عزہ بنت ابی سفیان لکھا ہے) آپؐ نے فرمایا:

''کیا تم یہ پسند کرو گی؟'' وہ بولیں: ''جی' میں اس میں مخل نہیں ہوں گی بلکہ میں چاہتی ہوں کہ آپؐ اس کار خیر میں میری بہن کو بھی شریک فرمالیں''۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر یہ بات میرے لیے (از روئے شریعت) جائز نہ ہو تو؟''۔

آنحضرت ﷺ سے یہ سن کر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''میں جانتی ہوں کہ آپؐ بنتِ ابی سلمہ سے نکاح کا قصد فرمارہے ہیں''۔ (بعض روایات میں بنتِ ابی سلمہ کا نام بھی بتایا گیا ہے یعنی درہ بنت ابی سلمہ)

ام حبیبہؓ سے یہ سن کر آنحضرت نے (حیرت سے) فرمایا: ''بنت ام سلمہ سے؟''۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''جی ہاں انہی سے''۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

''وہ بھی تو میری رفیقہ حیات نہیں بن سکتیں کیونکہ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہیں کیونکہ مجھے اور ابی سلمہ دونوں کو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے''۔

بخاریؒ عروہ کے حوالے سے مزید بیان کرتے ہیں کہ ثوبیہ ابولہب کی کنیز تھیں لیکن جب ثوبیہ نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا تھا اس سے قبل ابولہب نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔

ابولہب کے مرنے کے بعد ان کے اہل و عیال میں سے کسی نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ اس کے علاوہ کہ ابولہب آپ کے چچا تھے ان سے آپ کا کوئی اور رشتہ نہیں تھا تو آپؐ نے انکار فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب ان کی کنیز ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا تھا اس سے قبل ابولہب نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آنحضرت ﷺ کا ذکر رضاعت

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے کے لیے حلیمہ سعدیہ کے سپرد کیا تھا وہ حارث تھے اور انہوں نے اپنے بیٹے کا نام عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان بن مضر آپؐ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کے نام پر رکھا تھا۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ حارث نے حلیمہ بنت ابی ذؤیب سے شادی کی تھی اور عبداللہ بن حارث انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے حلیمہ سعدیہ کا دودھ پینا شروع کیا اس وقت عبداللہ بن حارث بھی شیر خوار تھے اور اسی رشتے سے عبداللہ بن حارث آپؐ کے بھائی ہوئے یعنی رضاعی بھائی۔ اس کے علاوہ عبداللہ بن حارث کی بہنیں انیسہ بنت حارث بھی اسی طرح آپ کی رضاعی بہنیں تھیں۔ مزید برآں جیسا کہ ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں' حذافہ بنت حارث نے جسے شیما بھی کہتے تھے' جب وہ آپ کی والدہ کے پاس تھی تو آپؐ کے ساتھ کچھ روز اس نے بھی حضرت آمنہ کا دودھ پیا تھا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ان سے جہم بن ابی جہم نے جو بنی تمیم کی ایک خاتون کا غلام تھا جو حارث بن حاطب کے پاس رہتی تھی اور اس کا غلام جہم بھی اس کے ساتھ وہیں رہتا تھا۔ اور حارث بن حاطب ہی کا غلام کہلاتا تھا۔ بیان کیا کہ اس نے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے حلیمہ سعدیہ کی وہ باتیں سنیں جو وہ اکثر لوگوں کو سنایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ باتیں خود حلیمہ سعدیہ نے انہیں بتائیں تھیں جو حلیمہ سعدیہ کے بقول یہ ہیں کہ:

''جب قبیلہ بنی سعد میں کسی سال مکے میں کئی بچوں کی پیدائش کی خبر پہنچتی تھی تو بنی سعد کی عورتیں ان بچوں کو اُجرت پر دودھ پلانے کے لیے مکے کی طرف لپکنے لگتی تھیں۔

پھر ایک سال ایسا ہی ہوا کہ مکے کے معزز اور شریف خاندانوں میں کئی بچوں کی پیدائش کی خبر ملی تو بنی سعد کی دس عورتیں جن میں میں بھی شامل تھی مکے کی طرف چلیں اور جتنا ممکن تھا جلد سے جلد وہاں جا پہنچیں اور گھر گھر معلوم کرکے دودھ پلانے کے لیے جس کا مکے میں عام رواج تھا لے لیے لیکن چونکہ ایک تو میرا گدھا مریل سا تھا دوسرے میرے ساتھ میرا ایک چھوٹا لڑکا اور ایک شیر خوار بچہ بھی میرے ساتھ اس پر سوار تھا اس لیے وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا چنانچہ میں جب مکے پہنچی تو میری ساتھی عورتیں مکے کے سارے نومولود بچے لے چکی تھیں''۔

میں یہ سن کر بڑی رنجیدہ ہوئی اور ان سے پوچھا:

''آخر اب مکے میں کوئی شیر خوار بچہ بھی ہے یا نہیں؟''۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وہ بولیں:

''بس ایک یتیم بچہ بچا ہے اگر تو چاہے تو اسے دودھ پلانے کے لیے لے لے''۔

حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں:

''میں نے سوچا کہ یتیم بچے کی ماں سے اس کے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت مجھے بھلا کیا مل سکتی ہے لیکن چونکہ اب اس ایک یتیم بچے کے علاوہ مکے میں اور کوئی شیر خوار بچہ تھا ہی نہیں اس لیے میں نے اسی کو غنیمت سمجھ کر لینے کا ارادہ کر لیا اور جہاں میری ساتھی عورتوں نے رات بھر کے لیے پڑاؤ ڈالا تھا میں بھی وہیں رات گزارنے کے لیے پڑ گئی لیکن وہ ساری رات میری آنکھوں میں کٹ گئی کیونکہ نہ میرے اور میرے چھوٹے سے لڑکے کے لیے کھانے کو کچھ تھا اور نہ گدھے کے لیے چارہ تھا۔ پھر یہ کہ میرا شیر خوار بچہ عبداللہ بھی رات بھر میرے دونوں پستان چچوڑتا رہا لیکن چونکہ میں نے اس رات کو کچھ کھایا ہی نہ تھا اس لیے میری چھاتیوں سے دودھ کہاں سے اُترتا''۔

اس کے بعد حلیمہ سعدیہ نے بتایا:

''خیر وہ رات تو میں نے جوں توں جاگ کر کاٹی اور صبح کو اٹھ کر مجبوراً وہی یتیم بچہ لینے چل دی کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ اس بچے کی ماں سے اتنا تو پیشگی مل ہی جائے گا جس سے میں اپنے اور اپنے لڑکے کے لیے کچھ کھانے کے لیے اور گدھے کے لیے چارہ لے سکوں گی''۔

یہ قصہ سنانے کے بعد حلیمہ سعدیہؓ نے کہا:

''جب میں اس بچے کو لینے اس کی ماں کے پاس پہنچی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ خاتون جس کا بچہ اس وقت ہی یتیم ہو گیا تھا جب وہ ابھی اپنی ماں کے شکم میں تھا اور اس کی ماں کو غم سے فطری طور پر نڈھال ہونا چاہیے تھا لیکن وہ یقیناً بڑی صابر وشاکر عورت تھی۔ وہ مجھ سے بڑی خندہ روئی سے پیش آئی اور مجھے اپنا بچہ دیتے ہوئے اس کی دودھ پلائی کی جو رقم مجھے دی وہ بھی میری توقع سے زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ وہ بچہ جسے میں یتیم سمجھ کر مجبوراً لینے آئی تھی اتنا خوب صورت تھا کہ میں نے اپنی ساری زندگی میں اس سے زیادہ خوب صورت بچہ کبھی نہیں دیکھا تھا' وہ جب ہمک کر میری گود میں آیا اور پھر میرے سینے سے لگا تو مجھے اتنا سکون ملا جس کا بیان کرنا مشکل ہے''۔

مکے سے واپسی کا حال سناتے ہوئے حلیمہ سعدیہ نے بیان کیا:

''مکے سے واپسی میں میں مایوس اور اداس ہونے کے بجائے میں ان سب عورتوں سے اپنے آپ کو زیادہ خوش قسمت سمجھ رہی تھی جو بڑے بڑے گھرانوں کے بچے دودھ پلانے کے لیے لے آئی تھیں اور انہیں ان گھروں سے بڑی بڑی رقمیں بھی پیشگی ملی تھیں مگر ان بچوں میں سے کوئی بھی اتنا حسین وجمیل نہیں تھا جتنا وہ بچہ تھا جو مجھے اس بیوہ خاتون سے دودھ پلانے کے لیے ملا تھا۔

دوسری بات یہ تھی کہ جب سے میری گود میں آیا تھا نام کو بھی نہیں رویا تھا جب کہ دوسری عورتوں کے بچے سب کے سب

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

روتے بسورتے مکے سے چلے تھے اور اب تک رہ رہ کر رونے لگتے تھے۔

اس کے علاوہ ایک عجیب بات یہ تھی کہ میرا وہ مریل سا گدھا جس نے آتے وقت بڑی سستی دکھائی تھی۔ اور جس کی وجہ سے میں اپنی ساتھی عورتوں میں سب سے پیچھے رہ گئی اور سب سے آخر میں مکے پہنچی تھی اب اتنا تیز چل رہا تھا کہ میری ساتھی عورتیں مجھ سے کہہ رہی تھیں: ''حلیمہ تیرا گدھا تو اب ہوا سے باتیں کر رہا ہے! آخر اب اس میں اتنی جان کہاں سے آ گئی؟'' اور میں خود اس کی اس تیز رفتاری پر سخت حیران تھی۔

خیر میں جب اپنے گھر پہنچی اور اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ کو سارا قصہ سنایا تو وہ غم کا اظہار کرنے کے بجائے اتنا خوش ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ وہ اس بچے کو دیکھ کر بولا:

''ارے یہ تو کوئی شہزادہ معلوم ہوتا ہے! تو یہ پری زاد کہاں سے لے آئی؟ یہ تو ان غلمانوں سے بھی یقیناً زیادہ خوبصورت ہے جن کا ذکر نصرانی کیا کرتے ہیں کہ وہ جنت میں ہوں گے اور اس کی متانت اور سنجیدگی تو دیکھو' جب سے آیا ہے بس آنکھیں کھولے خاموشی سے آسمان کی طرف تکے جا رہا ہے' مجھے تو یہ کوئی فرشتہ معلوم ہوتا ہے''۔

میں نے جب حارث کو اس بچے کا نام اور اس کے خاندان کے بارے میں بتایا تو وہ بولا کہ:

''وہ خاندان تو قریش میں سب سے زیادہ شریف اور معزز خاندان ہے' افسوس ہے کہ اس بچے کا باپ عبداللہ بن عبدالمطلب وطن سے دور عین جوانی میں فوت ہو گیا لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کا یہ بیٹا جس کی ولادت وہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکا بڑا ہو کر بڑا ہی خوش نصیب اور صاحب اقبال ہو گا جس کے آثار ابھی سے اس کے چہرے سے ظاہر ہیں''۔

آنحضرت ﷺ کے شیرخوارگی کے زمانے کی بہت سی اور باتوں کے علاوہ جو ان کے گھر میں آپؐ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے ظہور میں آئیں ان میں ایک بات یہ تھی کہ ان کی چھاتیوں میں اتنا دودھ اتر آیا تھا جس کا اس سے قبل انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا لیکن اس زمانے میں بھی آپ کی منصف مزاجی اور عدل پسندی کا یہ عالم تھا کہ آپ ان کی ایک پستان سے دودھ پی کر دوسری پستان کا دودھ اپنے دودھ شریک بھائی کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جب تک وہ آپ کو دودھ پلاتی رہیں ان کا کوئی بستر یا کوئی دوسرا کپڑا آپؐ کے بول و براز سے خراب ہونا تو کیا ان کا کوئی نشان تک ان پر نہیں آیا۔

اپنے گھر میں آنحضرت ﷺ کے داخل ہوتے ہی جو خیر و برکت کا نزول ہوا اس کا حال سناتے ہوئے جناب حلیمہ سعدیہ نے بتایا کہ ان کی بکریاں اس سے پہلے بہت کم دودھ دیتی تھیں لیکن آپ جیسے ہی ان کے گھر پہنچے انہی بکریوں نے اتنا دودھ دینا شروع کر دیا جو کسی معجزے سے کم نہیں تھا جسے دیکھ کر ان کے قبیلے کی دوسری عورتیں بھی اپنی اپنی بکریاں ان کی بکریوں کے ساتھ چرنے باہر بھیجنے لگیں تو ان کی بکریاں بھی پہلے سے کہیں زیادہ دودھ دینے لگیں۔

حلیمہ سعدیہؓ نے آخر میں بیان کیا کہ:

''جب دو سال گزرنے پر میں آمنہ بنت وہب کے اس بچے کو اس کا دودھ چھڑانے کے بعد اس کی ماں کے پاس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

چھوڑنے آئی تو اس کی جدائی کے غم کی وجہ سے میری آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ بولیں:

''کیا تم اسے اپنے پاس کچھ اور رکھنا چاہتی ہو؟''۔ ان کی زبان سے یہ سن کر میں خوشی سے بے حال ہو کر بولی: ''اگر آپ چند مہینے اسے میرے پاس اور رہنے دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہو گی''۔

حلیمہ سعدیہؓ نے بتایا کہ:

''میری اس درخواست پر آمنہ بنت وہب نے مجھے خوشی سے اس کی اجازت دے دی۔ یوں تو اس سے پہلے ہی اس بچے کے دم قدم کو خیر و برکت سے میرے گھر کو چار چاند لگ گئے تھے لیکن ان اگلے دو چار ماہ میں اس پر ایسا خیر و برکت کا نزول ہوا کہ وہ میرے سارے قبیلے کے لیے قابل رشک بن گیا''۔

آنحضرت ﷺ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بلکہ ان کے سارے قبیلے کے ساتھ ہمیشہ مشفقانہ سلوک فرماتے رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب قبیلہ بنی سعد کے کچھ لوگ بھی مشرکین مکہ کے ساتھ گرفتار ہو کر آپؐ کے سامنے لائے گئے تو آپؐ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے' اس کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آنحضرت ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب کی وفات آپ کا یکے بعد دیگرے اپنے دادا عبدالمطلب اور اپنے چچا ابوطالب کے زیر پرورش و تربیت رہنے کا ذکر

ابن اسحق کہتے ہیں کہ زمانہ رضاعت ختم ہونے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب کے پاس واپس آئے تو آپ کی پرورش اور تربیت جناب عبدالمطلب نے اپنے ذمے لے لی تو وہاں بھی بحکم خداوندی آپ کی نبوت کی نشانیوں کا کچھ نہ کچھ ظہور ہوتا رہا اور جب آپ چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ وفات پا گئیں۔

ابن اسحق بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کا مکے مدینے کے درمیان اپنی آبائی بستی میں اپنے میکے والوں کے پاس انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔ آپ کی والدہ آپ کے ماموؤں کے پاس سے لوٹ کر مدینے آنے کا قصد کر رہی تھیں کہ اچانک ان کا انتقال ہو گیا۔

واقدی سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو لے کر اپنے میکے سے مدینے آنے والی تھیں اس وقت ام ایمن ان کے ساتھ تھیں وہ بتاتی ہیں کہ آپ کی والدہ کی مدینے سے مکے واپس آنے کہ تیاری دیکھ کر وہاں کے دو یہودیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ بہتر ہے کہ وہ آپ کو وہیں چھوڑ جائیں اور وہ ان کی بہتر دیکھ بھال کر سکیں گے کیونکہ آپ اس قوم کے نبی ہونے والے ہیں اور جب آپ کی والدہ کا وہیں انتقال ہو گیا تب بھی وہ دونوں یہودی اس پر اصرار کرتے رہے لیکن انہوں نے ان بد دونوں کا دلی ارادہ بھانپ لیا تھا اس لیے وہ آپ کے ماموؤں کو سمجھا کہ آپ کو مکے واپس لے آئیں اور آپ کو آپ کے دادا جناب عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔

متعدد مستند روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب آپ کو حد سے زیادہ چاہتے اور اپنا زیادہ وقت آپ کی پرورش اور دیکھ بھال میں صرف کرتے تھے۔ جب آپ کے دادا عبدالمطلب بیت اللہ کی تولیت کے زمانے میں وہاں جس مسند پر تشریف فرما ہوئے تو دوسرے لوگ احتراماً اس مسند کے گرد و پیش بیٹھا کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ جب بھی اس وقت وہاں آ جاتے تو آپ کے دادا آپ کو اپنے برابر مسند پر بٹھایا کرتے تھے۔

جب جناب عبدالمطلب وفات پا گئے تو ان کی وصیت کے مطابق آنحضرت ﷺ کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری آپ کے چچا ابوطالب نے لے لی۔ ویسے اس سے قبل بھی آپ انہی کے ساتھ مکے سے باہر جایا کرتے تھے اور جب آپ انہی کے پاس رہ کر پرورش پا رہے تھے تو وہ آپ کو تجارت کے لیے شام جاتے ہوئے اپنے ہمراہ لے جایا کرتے اور ایسے ہی شام کے ایک سفر میں بحیرہ راہب نے آپ کے سر پر بادل کو سایہ کرتے دیکھ کر آپ کے چچا ابوطالب اور ان کے ہمراہیوں کو اپنے گرجا میں احتراماً

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ٹھہرایا تھا اور آپ کی صدق دلی سے مہمانداری کی تھی نیز آپؐ کے چچا ابوطالب کو بتایا تھا کہ جس نبی کا ذکر توریت اور انجیل میں آیا ہے وہ آپؐ ہی ہیں کیونکہ اس کے تمام آثار آپؐ میں پائے جاتے ہیں۔ اس راہب نے ابوطالب سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ آپ کی پوری طرح حفاظت کا خیال رکھیں کیونکہ مشرکین مکہ کے علاوہ اکثر یہودی اور نصرانی بھی نہ صرف آپؐ کے درپے آزاد ہو سکتے بلکہ آپ کو قتل تک کرنے پر آمادہ ہو سکتے۔ بحیری راہب کا کچھ ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

بعض راویوں نے کچھ ایسی احادیث روایت کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب عبدالمطلب اور جناب ابوطالب ایمان لے آئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے ناجی ہونے کی بشارت دی تھی لیکن ہر چند کہ ان دونوں حضرات نے مشرکین قریش کے مقابلے میں آپ کی حفاظت کا پورا پورا حق ادا کیا تھا اور آپ کی حمایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی بلکہ جب کفار قریش نے آپؐ کے اعلانِ نبوت کے بعد آپ کی وجہ سے تمام بنی ہاشم کا ثقافتی و اقتصادی مقاطعہ کیا تھا تو جناب ابوطالب آپ کو ساتھ لے کر شعب ابوطالب میں ایک عرصے تک مقیم رہے تھے اور آپ کی حمایت میں ہر قسم کی تکلیفیں اٹھائی تھیں لیکن ان جملہ احادیث کو جن میں جناب عبدالمطلب اور جناب ابوطالب کی آپ کی زبانِ مبارک سے ناجی ہونے کی بشارت کا ذکر ہے تمام محدثین نے منکر و موضوع قرار دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ دونوں حضرات تمام عمر زمانہ جاہلیت کے دین پر قائم رہے۔ باقی یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ رسول مقبول ﷺ کی پرورش اور آپ کی مشرکین کے مقابلے میں حمایت کا انہیں کیا صلہ دے گا۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹیوں اروی' امیمہ' برہ' صفیہ' عاتکہ اور ام حکیم البیضاء کو بلا کر آنحضرت ﷺ کی پرورش کی وصیت کی تھی ان کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی اور یہ کہ عبدالمطلب کو حجون میں دفن کیا گیا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کے جانشین عباس ہوئے تھے اور انہی نے اپنا حق جتا کر پہلے آنحضرت ﷺ کی پرورش کی تھی جس کے بعد اس کی ذمہ داری جناب ابوطالب کے سپرد ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

ویسے ابوطالب کی آپؐ سے محبت کے قصے بہت مشہور ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آپ کو اپنے بیٹوں پر ترجیح دیا کرتے تھے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قبل بعثت آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا ذکر

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کے زمانہ شباب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اکل وشرب' لہو ولعب اور زمانہ جاہلیت کی ان دوسری تمام ناپسندیدہ اقدار سے جنہیں جملہ مشرکین عرب پسندیدہ خیال کرتے اور ان میں ملوث رہتے تھے محفوظ رکھا اور آپ کی بعثت سے قبل بھی سب مشرکین مکہ بلا استثناء آپ کو حسباً اپنی قوم کا مروت واخلاق' جود وکرم اور حسن سیرت وکردار میں افضل ترین شخص سمجھتے تھے' وہ آپ کو بہترین ہمسایہ' صادق القول دیانت دار اور امین کہتے اور اپنا صالح ترین انسان گردانتے تھے۔

ایام طفولیت میں بھی آپ کا یہ عالم تھا کہ جب مکے کے دوسرے لڑکے کسی کام کے لیے بڑے بڑے پتھر اپنی اپنی کمر پر لاد کر لاتے تو چلتے وقت ان کی ازاریں اکثر نیچے کھسک جاتی تھیں ان لڑکوں کے کام میں آپؐ ان کی مدد تو ضرور فرماتے لیکن اپنی پشت مبارک پر پتھر اٹھاتے ہوئے ایک ہاتھ سے اپنی ازار (پاجامہ) ضرور مضبوطی سے سنبھالے رہتے تھے۔ اس واقعے کے بارے میں آپؐ نے ایک دفعہ فرمایا کہ ''مجھے عریانی سے (بچپن میں بھی) ہمیشہ حجاب آتا رہا ہے''۔

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ انہیں ابن جریج اور عمرو بن دینار نے جابر بن عبداللہ کی زبانی بتایا کہ جابر بن عبداللہ کے بقول جب قریش بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کر رہے تھے تو چھوٹے بڑے سب لڑکے مل کر اس کی دیواروں کے لیے پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ''ان لڑکوں میں میرے علاوہ رسول اللہ ﷺ بھی شامل تھے میں نے آپؐ سے کہا کہ پتھر کمر پر اُٹھاتے وقت اسے اپنے ازار بند سے کاندھوں پر باندھ لیا کرو لیکن جب آپؐ نے میرے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے ایک پتھر اپنی پشت پر اٹھا کر اسے اپنے ازار بند سے کاندھوں پر باندھا تو اتفاق سے آپ گر پڑے' پھر اٹھ کر بولے: ''ہائے میرا ازار بند''۔ اور پھر اپنی ازار کا نیفہ سختی سے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

یہ روایت صحیح بخاری میں عبدالرزاق کی زبانی بیان کی گئی ہے نیز اسے روح بن عبادہ کی زبانی زکریا بن اسحٰق' عمرو بن دینار اور جابر (بن عبداللہ) کے حوالے سے بھی اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

بیہقی دوسرے متعدد مستند حوالوں کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے والد کے مطابق جب قریش بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر کر رہے تھے تو انہوں نے پتھر لانے کے لیے دو دو مرد ایک ساتھ اور پلستر کی گچ یا چونا لانے کے لیے عورتیں لگا رکھی تھیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے والد کہتے ہیں کہ ان کے جوڑی دار ان کے بھائی کے بیٹے یعنی رسول اللہ ﷺ تھے اور پتھروں کو کمر پر ٹھہرائے رکھنے میں دقت محسوس فرما رہے تھے جب کہ دوسرے گر بھی پڑتے تھے اور آپؐ عباسؓ سے آگے چل رہے تھے۔ تو انہوں نے آپؐ سے کہا کہ پتھر کو ازار پر لگائے رکھیے تو وہ پھسل کر نیچے نہیں آئے گا۔ آپؐ نے ایسا کیا تو اتفاقاً آپ گر پڑے اور پتھر کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ساتھ آپ کی ازار بھی کمر سے کھسک کر نیچے آ گئی۔ عباس نے جیسا کہ وہ بتاتے ہیں' آپ کو اٹھایا تو آپؐ نے اٹھتے ہی سب سے پہلے اپنی ازار دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر کی اور بولے: ''میں اس طرح عریاں ہو کر نہیں چل سکتا'' اس کے بعد فرمایا: ''میں ڈرتا ہوں کہ لوگ کہیں دیوانہ نہ کہنے لگیں''۔

بیہقی ہی سے یونس بن بکیر کی زبانی مروی ہے کہ انہوں نے انہیں بحوالہ محمد بن اسحٰق' محمد بن علی بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بتایا کہ بقول علی ابن ابی طالبؓ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''مجھے جوانی میں کبھی اس عیش پرستی اور بدکاریوں کی ہمت نہیں پڑی بلکہ یوں کہیے کہ میرے پروردگار نے مجھے ان سے ہمیشہ محفوظ رکھا جن کی عادت اس جاہلیت کے زمانے میں مکے کے ہر جوان کو تھی' وہ کسی نہ کسی عورت کو رشتہ ازدواج کے بغیر ایک رات یا زیادہ دو راتیں اپنے ساتھ ضرور رکھتے تھے جب کہ میں اور میرے جیسے کچھ دوسرے غریب نوجوان ان کی بکریاں چرایا کرتے تھے''۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''ایک دن شام کو سورج غروب ہونے کے بعد جب میں اور میرے ساتھی بکریاں چرا کر واپس لوٹے تو مکے میں داخل ہوتے ہی مجھے شروع ہی کے ایک مکان سے گانے بجانے کی آواز آئی جسے سن کر میں نے اپنے ایک ساتھی جوان سے کہا کہ وہ میری بکریوں کا دھیان رکھے تاکہ میں اس مکان میں جا کر دیکھوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہ جوان بولا کہ جاؤ جا کر دیکھ لو وہ کسی کی شادی بیاہ کا ہنگامہ ہو گا لیکن میں اس سے یہ سن کر بھی اس گانے بجانے سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس مکان میں داخل ہو گیا کیونکہ میں نے اس سے پہلے کسی شادی میں ایسے ہنگامے کبھی نہیں دیکھے تھے مگر میں جونہی اس مکان میں داخل ہوا کسی نے غیب سے میری کنپٹی پر ایسا مکا رسید کیا کہ مجھے رات کے وقت سورج نظر آنے لگا۔ ایسا واقعہ میرے ساتھ دوبار پیش آیا جس کے بعد میں نے ایسے ہنگامے دیکھنے اور ان میں شرکت سے توبہ کر لی یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نعمت نبوت و رسالت سے سرفراز فرما دیا۔ (توضیحی ترجمہ)

یہ حدیث بہت ہی عجیب و غریب ہے' ممکن ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ اپنے بارے میں سنایا ہو اور اس میں آخری جملہ یعنی ''یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نعمت نبوت و رسالت سے سرفراز فرما دیا'' کسی راوی نے سہواً بڑھا دیا ہو۔ واللہ اعلم (مؤلف)

حافظ بیہقی ہی سے ایک اور حدیث نبوی عبداللہ الحافظ' ابوالعباس محمد بن یعقوب' حسن ابن علی بن عفان العامری' ابو اسامہ' محمد بن عمرو' ابی سلمہ' یحییٰ بن عبدالرحمٰن ابن حاطب' اسامہ بن زید اور زید بن حارثہ کے حوالے سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''خانہ کعبہ میں (بت پرستی کے دوران میں) جو بت رکھے گئے تھے ان میں نحاس نام کا ایک بت بھی تھا جسے اساف اور نائلہ بھی کہا جاتا تھا اور لوگ حجر اسود کا طواف کرتے وقت اسے چھوا کرتے تھے اور میں انہیں اس کے چھونے سے منع کیا کرتا تھا لیکن میں ان کے ساتھ طواف ضرور کرتا رہتا تھا۔ تاہم ایک روز خود میں نے اس بت کے قریب جا کر اسے چھونا چاہا لیکن میں نے اسے چھوا نہیں''۔ (حدیث کا توضیحی ترجمہ)

زید بن حارثہ کہتے ہیں کہ ایک روز حجر اسود کا طواف کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ لاؤ میں بھی اس بت کو چھو کر دیکھوں کہ اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار اس کے نزدیک بھی مت جانا''۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بیہقی یہ حدیث روایت کرتے ہوئے محمد بن عمرو کی زبانی اور کئی دوسری اسناد پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ زید بن حارثہ نے یہ بھی کہا تھا کہ:

''آنحضرت ﷺ ہی وہ ہستی تھے جس پر خدا نے اپنے فضل و کرم کی بارش کی اور آپ پر اپنی وہ کتاب نازل فرمائی جس میں بتوں کو چھونے تک کی ممانعت کی گئی ہے''۔

بیہقی یہ احادیث روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا کہ آپ اپنی قوم قریش کے اس دین پر کبھی نہیں چلے جو آپ کی قوم نے دین ابراہیمی ترک کر کے اپنا لیا تھا یہ مطلب ہے کہ آپ قبل بعثت بھی کبھی اپنی قوم کے ارتکاب شرک میں ملوث نہیں ہوئے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آنحضرت ﷺ کا مشرکین کے مابین جنگ ملاحظہ فرمانے کا ذکر

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مشرکین کے مابین جنگ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف بیس سال تھی۔ اس جنگ کو ''یوم الفجار'' کہا جاتا ہے آپؐ نے بھی ملاحظہ فرمایا تھا اس جنگ میں قریش اور بنی کنانہ ایک طرف تھے اور دوسری طرف قیس عیلان تھے اور یہ جنگ ان کے درمیان باہمی تنازعات واختلافات کی وجہ سے ہوئی تھی جس میں قریش اور بنی کنانہ کا قائد حرب بن اُمیہ بن عبد شمس تھا اور صبح سے دوپہر تک اس جنگ میں قیس ہی کا پلہ بھاری رہا تھا لیکن اس کے بعد قریش و کنانہ ہی اپنے دشمنوں پر چھا گئے تھے اور اس جنگ میں انہی کو فتح حاصل ہوئی تھی۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ قریش سے قیس عیلان کی جنگ جس میں بنی کنانہ قریش کے اتحادی تھے جیسا کہ انہیں ابوعبیدہ نے بہ اسناد بتایا' اس وقت ہوئی تھی جب آنحضرت ﷺ کی عمر شریف دس یا پندرہ سال تھی۔

اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں حریفوں میں سے کسی کا کوئی شخص بیت الحرام میں قتل ہو گیا تھا اور وہ دونوں اس کا الزام ایک دوسرے پر لگا رہے تھے اور اسی تنازعہ کی وجہ سے ان میں باہم جنگ تک نوبت پہنچ گئی تھی اور اسی قتل کے واقعے کی وجہ سے اس جنگ کا نام ''یوم الفجار'' پڑ گیا تھا۔

ابن ہشام کچھ دیگر اسناد کے ساتھ بتاتے ہیں کہ اس جنگ کی وجہ وہ قتل تھا جو بازار عکاظ میں اس مہینے میں ہوا تھا جسے اہل عرب ''شہر الحرام'' کہتے تھے یعنی اس مہینے میں قتل وغارت گری' مار دھاڑ اور جنگ حرام سمجھی جاتی تھی اور ہر شخص اس مہینے کی حرمت کا قائل تھا اور اسے اپنے اوپر فرض سمجھتا تھا۔

بہر حال بازار عکاظ میں جو قتل ہوا تھا اس قتل میں مذکورہ بالا دونوں فریق ایک دوسرے کو ملوث بتاتے اور اس کا خون بہا طلب کرتے تھے۔ آخر کار یہ تنازعہ اتنا بڑھا کہ ان میں جنگ کی نوبت آ گئی۔

اس جنگ میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کے سارے چچا بھی قریش کی طرف سے شریک تھے اس لیے آپ بھی ان کے ساتھ شریک تھے لیکن جیسا کہ آپؐ نے خود فرمایا کہ:

''اس جنگ میں جو تیر میرے چچاؤں کی طرف آتے تھے میں انہیں اپنی ڈھال پر روک لیتا یا تلوار سے کاٹ دیتا تھا''۔ (ترجمہ توضیحی)

بہر کیف اس جنگ میں اگرچہ قریش کو فتح حاصل ہوئی تھی اور اس میں بنی کنانہ بھی شامل تھے لیکن بعد میں جیسا کہ اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے ان دونوں فریقوں کے بزرگوں نے جمع ہو کر کہا کہ وہ لوگ آپس ہی میں ایک دوسرے کا خون کیوں بہا رہے ہیں اور ان میں باہم صلح صفائی کرا دی تھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلف الفضول ملاحظہ فرمانے کا ذکر

حافظ بیہقی سے بہ اسناد معتبر مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں نے اپنے چچاؤں کے ساتھ حلف الفضول کا مشاہدہ کیا' اگر کوئی شخص اسے توڑنے کے لیے مجھے اچھی سے اچھی چیز پیش کرتا تب بھی میں اس اچھے لوگوں کے عہد کو توڑنا پسند نہ کرتا''۔

اس حدیث کے الفاظ کو مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ البتہ اس حدیث میں بشر بن فضل نے عبدالرحمٰن وغیرہ کے حوالے سے ''حلف الفضول'' کے لیے ''قریش کا حلف المطیبین'' لکھا ہے اور ''مطیبین'' کے بارے میں چند دیگر حوالوں سے بتایا ہے کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہاشم' امیہ' زہرہ اور مخزوم سے تھی جو اس حلف برداری میں شریک تھے۔

حلف الفضول کا قصہ مستند و مشہور روایات کے مطابق یہ ہے کہ قبیلہ زبید کا کوئی شخص اپنا کچھ مال کے لے کر آیا تھا جو ابی العاص بن وائل نے خرید لیا تھا جس کے بعد وہ زبیدی خانہ کعبہ کے سامنے جا کر بلند آواز سے فریاد کرنے لگا کہ:

''اے مکے کے شریف لوگو! ابی العاص نے مجھ سے میری بیٹی زبردستی چھین لی ہے' میں مظلوم ہوں' مجھ پر ظلم ہوا ہے' میری بیٹی اس سے واپس دلا دو''۔

اس زبیدی کی یہ فریاد سن کر ہاشم' امیہ' زہرہ اور مخزوم وغیرہ وہاں پہنچے اور اس سے اس کا قصہ سن کر ابی العاص بن وائل کے مکان پر جا کر اسے باہر بلایا اور اس سے واقعہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ:

''وہ لڑکی ایک کنیز ہے جو میں نے اس زبیدی سے دوسرے مال کے ساتھ خریدی ہے اور اس سے متاع بھی کر چکا ہوں''۔

ابی العاص کی یہ بات سن کر قریش کے ان لوگوں نے اس زبیدی سے کہا:

''بول! اب تو کیا کہتا ہے؟''۔

وہ زبیدی بولا:

''میں خانہ کعبہ کی عظمت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ لڑکی کوئی کنیز نہیں بلکہ میری بیٹی ہے جو ابی العاص نے بیچ بچ اغوا کر لی ہے''۔

جب ابی العاص پر زور دیا گیا تو اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور ان لوگوں نے اس زبیدی کی وہ لڑکی اسے واپس دلا دی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس کے بعد قریش کے مذکورہ بالا لوگوں نے' جیسا کہ حمیدی نے سفیان بن عینیہ' عبداللہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں محمد اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے' عبداللہ بن جدعان کے مکان پر قریش کے جملہ سربرآوردہ لوگوں کی ایک مجلس بلائی اور اس میں ان سب نے مل کر حلف برداری کے ساتھ طے کیا کہ:

''اس روز کے بعد مکے میں کسی کا ظلم برداشت نہیں کیا جائے گا اور ہر مظلوم کی دادرسی اور ظالم کو سزا دی جائے گی''۔

کہتے ہیں کہ ''حلف الفضول'' کا یہ واقعہ بعثت نبوی (ﷺ) سے بیس سال قبل ماہ ذیقعدہ میں پیش آیا تھا جب ''حرب الفجار'' کو چار ماہ گزر چکے تھے کیونکہ وہ جنگ اس سے چار ماہ قبل ہوئی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حلف برداری زمانہ جاہلیت میں سب سے بہتر واقعہ تھا جس کا ثبوت آنحضرت ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث سے بھی ملتا ہے۔ ویسے اس حلف برداری کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر ''یہ حلف برداری زمانہ اسلام میں ہوتی تو میں اس میں سب سے پہلے شریک ہوتا''۔

بعض لوگوں نے قریش کی اس اجتماعی حلف برداری کی وجہ تسمیہ یعنی اسے ''حلف الفضول'' کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس حلف برداری کی بنیاد سب باتیں فضل یعنی خوبی پر مبنی تھیں جس کی جمع عربی میں فضول ہے اسی وجہ سے اس حلف برداری کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔ تاہم بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ اس میں فضل نام کے تین اشخاص نے شرکت کی دعوت دی تھی اس لیے اس حلف برداری کا نام ہی ''حلف الفضول'' مشہور ہو گیا۔

فضل نام کے جن تین لوگوں نے اس حلف برداری میں شرکت کی دعوت دی تھی ان کے پورے نام بعض راویوں نے حسب ذیل بتائے ہیں:

① الفضل بن فضالہ ③ الفضل بن وداعہ اور ② الفضل بن حارث۔ یہ نام بطور خاص ابن قتیبہ نے بتائے ہیں۔

تاہم کچھ راویوں نے ان کے یہ نام بتائے ہیں:

① الفضل بن شراعہ ③ الفضل بن بضاعہ اور ② الفضل بن قضاعہ۔

یہ نام کچھ اسناد کے ساتھ سہیلی نے بتائے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی شادی کا ذکر

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کا شمار مکے کی شریف ترین' معزز اور مال دار خواتین میں ہوتا تھا۔ وہ مکے کے دوسرے تاجروں کے ساتھ مل کر بطور مضاربت (منافع میں شرکت) تجارت کرتیں اور اپنا تجارتی مال مکے سے باہر بھیجا کرتی تھیں۔

جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی صداقت' دیانت' امانت اور خوش اخلاقی کی شہرت سنی تو انہوں نے اپنے میسرہ نامی غلام کے ذریعہ آپ کو اپنا تجارتی مال شام لے جا کر فروخت کرنے کی پیشکش کی اور اس میں منافع بھی آپ کو اس منافع سے زیادہ پیش کرنے کا وعدہ کیا جو وہ دوسرے تاجروں کو حسب معاہدہ دیا کرتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ پیش کش قبول فرمالی اور ان کا تجارتی مال لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ بالا غلام میسرہ بھی تھا۔

جب آپؐ شام پہنچے تو آپؐ نے پہلے ایک درخت کے سائے میں قیام فرمایا جس کے سامنے شامی راہبوں میں سے ایک راہب کا صومعہ (گرجا۔کلیسا) تھا۔

آپ کو اس درخت کے نیچے بیٹھے دیکھ کر وہ راہب اپنے صومعہ سے نکلا اور اس درخت کے قریب آ کر میسرہ سے پوچھا:

''یہ کون صاحب ہیں؟''۔

میسرہ نے جواب دیا:

''یہ مکے کے اہل حرم میں سے ہیں اور وہاں سے تجارتی مال لے کر یہاں آئے ہیں''۔

میسرہ سے یہ سن کر وہ راہب بولا:

''اس درخت کے نیچے کسی نبی کے سوا آج تک کوئی دوسرا شخص آ کر نہیں ٹھہرا''۔

پھر اس نے آنحضرت ﷺ کا وہ تجارتی مال خرید لیا جو آپؐ وہاں فروخت کرنے کے لیے لے گئے تھے۔ چنانچہ آپؐ وہ تمام مال اس راہب کے ہاتھ فروخت کر کے اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ مکہ واپس تشریف لے آئے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مکے سے شام اور وہاں سے واپسی کے سفر میں جب شدت کی گرمی پڑ رہی تھی اور دوسرے لوگ اس کی وجہ سے سخت پریشان تھے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ نے دیکھا ہوگا کہ جس اونٹ پر رسول اللہ ﷺ سفر کر رہے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تھے اس پر دونوں بار ایک ابر پارہ سایہ کیے چلتا رہا ہے اور اس نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا ہوگا کہ جس شخص کو انہوں نے مال تجارت فروخت کرنے کے لیے شام بھیجا تھا اس پر تو تیز دھوپ میں فرشتے سایہ کیے رہتے ہیں اور اپنے اس غلام سے یہ بات سن کر انہوں نے آپ کو اپنی پہلے سے قرابت داری کے حوالے سے اپنے ساتھ رشتہ ازدواج کی پیشکش کی ہوگی جس کی تصدیق اکثر ثقہ و مستند راوی کر چکے ہیں۔

ویسے جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی جگہ مکے کی شریف ترین خاتون ہونے کے علاوہ ان میں سب سے زیادہ صاحب ثروت بھی تھیں اس لیے مکے کے بہت سے شریف خاندانوں کے لوگ ان سے شادی کرنے کے خواہش مند تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا صفات اور خصوصاً جو آپ کے بارے میں انہیں میسرہ نے سنایا تھا اس کے پیش نظر انہوں نے اس کے لیے آپؐ ہی کا انتخاب کیا۔

جب خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اس پیشکش کا تذکرہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچاؤں سے کیا تو آپؐ کے چچا' حضرت حمزہؓ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کے رشتے کا پیغام لے کر جناب خویلد بن اسد کے پاس گئے جسے انہوں نے قبول کر لیا اور اس طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی پہلی شادی تھی اور جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپؐ نے دوسری شادی نہیں کی اور ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ ان کے حسن خدمت اور قدامت اسلام کا ذکر فرماتے رہے۔

جب آنحضرت ﷺ پر غار حرا میں پہلی بار نزول وحی ہوا تو اس کے اثر سے آپؐ پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپؐ نے اپنے مکان پر واپس آ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کمبل اوڑھانے کے لیے فرمایا اور اس کے بعد جب آپؐ نے انہیں نزول وحی کا عجیب و غریب قصہ سنایا تو وہ آپ کو تسلی دیتے ہوئے بولیں کہ آپؐ لوگوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آئے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ آپ کو ہر خطرے سے محفوظ رکھے گا۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کو بلا کر آپؐ پر نزول وحی کا واقعہ سنایا تو انہوں نے جو خود اس وقت اہل کتاب میں سب سے بڑے عالم تھے آپؐ کے نبی ہونے کی تصدیق کی جس کے بعد وہ آپ کی رسالت پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئیں۔ وہ مکے کی خواتین میں پہلی خاتون تھیں جس نے اسلام قبول کیا تھا۔

اکثر راویوں کے بقول جب آنحضرت ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تھی اس وقت آپ کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پینتیس سال تھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قبل بعثت قریش کے ہاتھوں بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کا ذکر

بیہقیؒ نے قریش کے ہاتھوں بیت اللہ شریف کی از سر نو تعمیر کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی تعمیر نو رسول اللہ ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے ساتھ شادی سے قبل ہوئی تھی لیکن مشہور یہ ہے کہ قریش نے اسے آپ کی شادی کے دس سال بعد از سر نو تعمیر کیا تھا۔

جہاں تک بیت اللہ شریف کی زمین پر پہلی بار بنیاد رکھے جانے کا تعلق ہے اس کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلی بار اس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی تاسیس بحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی تھی جس کا سب سے بڑا ثبوت قرآن مجید میں ارشاد ربانی اور احادیث نبوی ﷺ میں آپؐ کے ارشاد گرامی سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا:

''پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے' بابرکت اور جہاں کے لیے موجب ہدایت' اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے جو شخص اس مبارک گھر میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا۔ اور لوگوں پر خدا کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو خدا بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے''۔ (۳:۹۶-۹۷)

اب رہا احادیث رسول کریم ﷺ کے مطابق اس کا ثبوت تو صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

''یا رسول اللہ! (ﷺ) دنیا میں خدا کا سب سے پہلا گھر کون سا ہے؟''۔

آپؐ نے فرمایا:

''المسجد الحرام''۔ (یعنی مکے میں بیت اللہ شریف)

ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد آنحضرت ﷺ سے پوچھا:

''پھر اس کے بعد؟''۔

آپؐ نے فرمایا: ''المسجد الاقصیٰ''۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آخر میں ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان دونوں مساجد کی یکے بعد دیگرے تعمیر میں فصل کتنا ہے؟''۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''چالیس سال کا''۔ (ترجمہ توضیحی از شادانی)

مسجد اقصیٰ کی تاسیس کے بارے میں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس کی بنیاد اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھی اور جیسا کہ صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں لکھا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کی تخلیق تخلیق ارضی کے ساتھ فرمائی تھی اور وہ (ان شاء اللہ) تا قیام قیامت بحرمت خداوندی اسی طرح بحرمت قائم رہے گی''۔

بیہقی فرماتے ہیں کہ انہیں عبداللہ الحافظ' ابوعبداللہ الصفار' احمد بن مہران' عبیداللہ اور اسرائیل نے ابی یحییٰ' مجاہد اور عبداللہ بن عمرو کے حوالے سے بتایا کہ ارض مکہ کی تخلیق ارضی کے ایک ہزار سال کے اندر اندر ہوئی تھی اور تخلیق ارضی کو اس وقت تک ایک ہزار سال کی مدت ہوئی تھی۔ منصور نے بھی مجاہدؒ کے حوالے سے یہی بتایا ہے۔ تاہم یہ حدیث بڑی غریب اور منکر ہے۔ ویسے بھی اس کا بیان کرنے والا عبداللہ بن عمرو ہے جس نے یہ حدیث جنگ یرموک کے موقع پر بیان کی تھی اور اس کا مقصد لوگوں کو خوش فہمی میں مبتلا کرنا تھا جب کہ وہ ایسی ہی حکایات اسرائیلات کی خرافات سے لے کر اس سے پہلے بھی بیان کیا کرتا تھا۔ (مؤلف)

سرزمین مکہ پر بیت اللہ کی تاسیس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور روایت جسے عبداللہ بن عمرو ہی نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور جناب حوا کے جنت سے زمین پر اُترنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ مکے کی سرزمین پر خدا کی عبادت کے لیے اس کا پہلا گھر تعمیر کریں اور خدا کے حکم سے اس گھر کا نقشہ انہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا تھا۔

اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ خدا کی طرف سے یہ حکم ملنے کے بعد آدم وحوا علیہما السلام نے مذکورہ بالا نقشے کے مطابق زمین پر خدا کے پہلے گھر یعنی موجودہ بیت اللہ شریف کی تعمیر شروع کی تھی جس کے لیے آدم علیہ السلام اس کی بنیادیں کھودتے جاتے تھے۔ جب کہ حضرت حواؑ اس تعمیر کی بنیادوں میں سے مٹی نکال نکال کر باہر پھینکتی جاتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

جہاں تک قریش کے ہاتھوں بیت اللہ شریف کی از سرِنو تعمیر کا تعلق ہے اس کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب قریش نے خانہ کعبہ کی از سرِنو تعمیر کرنا چاہی تو اس کی منہدم دیواروں کی بنیادوں کو بھی مضبوط بنانے کے لیے دوبارہ بھرنا چاہا تو اس کی بنیادوں میں سے پہلی مٹی نکالنے کے بعد دیکھا کہ ایک بنیاد میں سے اسے تھوڑا سا کھودنے کے بعد پانی نکل آیا تو ڈر گئے کہ ان بنیادوں میں پانی کی سطح اتنی بلند ہے تو ان پر نئی عمارت کب تک ٹھہرے گی؟ لیکن پھر معلوم ہوا کہ اس بنیاد کی قریبی زمین میں ایک کنواں ہے جس کی دیواروں میں سے پانی رس کر اس بنیاد میں ادھر ادھر پھیل گیا ہے۔ تاہم بعد میں معلوم ہوا کہ اس بنیاد میں پانی کی موجودگی کسی ایسے شخص یا گروہ کی سازش تھی جسے اس بنیاد کی منہدم دیوار کے نیچے اس خزانے کی بابت معلوم تھا جو قبیلہ جرہم کے انہی لوگوں نے وہاں دفن کیا تھا جنہوں نے اس سے قبل قصر سبا سے ایک خزانہ مکے لا کر اسے زمزم کی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تہہ میں دفن کر کے چاہِ زمزم کو اوپر سے پاٹ دیا تھا جس کی دوبارہ کھدائی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

بہرکیف جب اس خزانے کی تلاش کی گئی تو اس چور کی تلاش ہوئی جس نے اسے وہاں سے نکالا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ وہ جرہم ہی کے کسی غلام کی حرکت ہے۔ لہٰذا اس پر دباؤ ڈالا گیا تو اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ اسے اس چوری پر کس نے آمادہ کیا تھا اور اس میں اس کے ساتھ اور کون کون لوگ شامل تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا خزانہ کہیں سے نکالنا ایک آدمی کے بس کی بات تو ہو نہیں سکتی تھی۔

بہرحال چونکہ وہ خزانہ اسی غلام کے پاس سے برآمد ہوا تھا اس لیے کلائیوں سے اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔

اسی قبیل کی ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس خزانے کے اصل چور وہ رومی تاجر تھے جو مکے کے تاجروں کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے اور جدہ کے ساحل تک بحری راستے سے کشتیوں پر تجارتی مال لایا کرتے اور وہیں سے مکے والوں کا مال روم لے جاتے تھے۔

بہرحال چوری کی سزا پانے کے بعد جرہم کے اس غلام نے انکشاف کیا کہ اس خزانے کو نکالنے اور اپنے یہاں محفوظ رکھنے کے لیے انہی رومی تاجروں نے بہت بڑے انعام کے وعدے پر آمادہ کیا تھا۔

وہ تاجر قریش کے ساتھ ایک معاہدے کی رو سے خانہ کعبہ کی ازسرنو تعمیر کے لیے لوہے اور لکڑی کا ضروری سامان روم سے لا رہے تھے کہ انہیں مذکورہ بالا خزانے کا کسی طرح علم ہو گیا یا انہیں ممکن ہے کسی ذریعہ سے پہلے ہی اس کا علم ہوا اور انہوں نے قریش کے ساتھ مذکورہ بالا معاہدہ جو بظاہر ایک تجارتی معاہدہ تھا صرف اسی خزانے کے حصول کی خاطر کیا ہو اور جرہم کے اس غلام کو لالچ دے کر اپنا راز دار بنا لیا ہو اور چاہتے ہوں کہ اس کے گھر سے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے مکے سے روم منتقل کر دیں۔ واللہ اعلم

بہرکیف چوری کے اس انکشاف کے بعد قریش نے خانہ کعبہ کی ازسرنو تعمیر کے بعد اس کی دیواریں پہلے سے بہت بلند کر دیں اور اس میں داخلے کے لیے دروازے بنوا کر اپنے نزدیک آئندہ کسی چوری کا سدباب کر دیا کیونکہ اب اس عمارت میں اب کے پتھر سے تراشیدہ بتوں کے علاوہ سونے چاندی کے بت بھی رکھے گئے تھے اور خانہ کعبہ کی دوسری سجاوٹوں کے ساتھ ساتھ بہت سا دوسرا سامان بھی رکھا گیا تھا۔

مکے میں آغاز اسلام کے بعد خانہ کعبہ کے بعض ان حصوں میں جہاں بت نہ تھے جانے اور اپنے طریقے سے ادائے صلاۃ کی اجازت تو تھی لیکن فتح مکہ تک اللہ تعالیٰ کا وہ پہلا گھر بت خانہ ہی بنا رہا۔ جہاں بتوں کی شکست و ریخت وغیرہ کا کچھ حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں تاہم اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ واقعۂ ہجرت اور فتح مکہ کے ذکر کے بعد حسب موقع بیان کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

باب ۹

کتابِ مبعثِ رسول ﷺ

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ جوں جوں رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کا زمانہ قریب آتا جا رہا تھا عرب میں یہود و نصاریٰ مذہبی پیشوا اور مذہبی عالم و کاہن اس کے بارے میں زیادہ تر باتیں کرنے لگے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی اپنی دینی کتابوں میں اس سلسلے میں جو کچھ پڑھا تھا اس کے آثار اب روز بروز ان کی نگاہوں کے سامنے آتے جا رہے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ان کے ہاں بھی ان کے انبیاء کے ظہور سے قبل وہی آثار ان کے اسلاف کے سامنے آئے تھے نیز ان کے نبیوں نے جو بشارت آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں انہیں اور ان کی قوموں کو دی تھی اور آپؐ کے متعلق جو نشانیاں بتائی تھیں وہ اب ایک ایک کر کے ان کے سامنے آ رہی تھیں۔

اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

”وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں۔ جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں“۔ (۱۵۷:۷)

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں اور (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات‘ اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہو گا ان کی بشارت سناتا ہوں“۔ (۶:۶۱)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

”محمد خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (خدا کے آگے) جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور خدا کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں“۔ (۲۹:۴۹)

پھر ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

”اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہو گا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہو گی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں“۔ (۸۱:۳)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

امام بخاری صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے جب اور جتنے نبی دنیا میں بھیجے تو ان سے عہد لیا کہ اگر محمدؐ تمہارے زمانے میں مبعوث ہوں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی امتوں سے بھی عہد لیں کہ اگر محمدؐ کی بعثت کے زمانے میں وہ زندہ ہوں تو وہ ان پر ایمان لائیں' ان کی مدد کریں اور ان کی اتباع کریں''۔

بخاری کی بیان کردہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی اُمتوں کو آنحضرتؐ کی دنیا میں تشریف آوری اور آپ کی بعثت کی بشارت دی تھی اور انہیں آپ کی پیروی کا حکم دیا تھا۔

اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تعمیر کعبہ کے بعد اہل مکہ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ: ''اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے''۔ (۱۲۹:۲)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو النضر' الفرج بن فضالہ اور لقمان بن عامر نے بیان کیا کہ انہوں نے ابا امامہ سے سنا کہ انہوں نے ایک روز آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی نشانیوں کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا کہ ان کی ابتداء کیسے ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی میرے بارے میں بشارت اور میری والدہ کے مجھے یہ بتانے سے کہ میری ولادت کے وقت ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس نے قصور شام کو منور کر دیا''۔

محمد بن اسحٰق نے بھی ایسی ہی ایک حدیث نبوی ثور بن یزید' خالد بن معدان اور چند اصحاب رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کی ہے جس سے صریحاً یہ مراد ہے کہ آپؐ دعائے براہیمی اور بشارت عیسوی کے بیان سے علی الترتیب ابراہیم علیہ السلام سے عربوں کا قدیمی تعلق اور عیسیٰ علیہ السلام کی آپؐ کے بارے میں بشارت سے بنی اسرائیل پر اختتام نبوت کا ذکر فرما کر یہ ظاہر فرمانا چاہتے تھے کہ اہل عرب کو معلوم ہو جائے کہ زمانہ قدیم ہی سے آپؐ پر اختتام نبوت کی بشارت انبیاء علیہم السلام مسلسل دیتے چلے آ رہے تھے اور آپؐ کے روز ولادت ہی سے اس کی نشانیاں ملنا شروع ہو گئی تھیں۔

جہاں تک ملاء اعلیٰ ہی میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں روایات اور ان کی شہرت کا تعلق ہے یعنی یہ کہ تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل بھی آپؐ نبی تھے تو اس سلسلے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن بن مہدی اور معاویہ بن صالح نے سعید بن سوید کلبی' عبدالاعلیٰ بن ہلال سلمی اور العرباض بن ساریہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں اس وقت بھی عبداللہ اور خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا یعنی میں آدم علیہ السلام کے عالم وجود میں آنے سے قبل بھی نبی تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہل عرب میں میری نبوت کے لیے دعا' عیسیٰ علیہ السلام کی میری نبوت کے بارے میں بشارت' میری والدہ اور امہات المومنین کے اسی پر مبنی خواب سب اسی امر کی گواہی ہیں''۔ (ترجمہ توضیحی)

عمرو بن احمد بن ہشاس سے ان کی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں بحوالہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے آپؐ کے آغاز نبوت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

''تخلیق آدم علیہ السلام اور ان میں نفخ روح کے درمیانی زمانے میں''۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس کے بعد آپؐ نے اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جب آدمؑ منزل تخمیر سے گزر رہے تھے''۔
ان احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تخلیق نور اور آپ کا آغاز نبوت اس سے قبل ہو چکا تھا جب آدم علیہ السلام کو زندگی عطا کی گئی۔
ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے علی بن نافع الجرشی نے بیان کیا کہ جب وہ یمن میں رہتے تھے تو اس زمانے میں آنخضرت ﷺ کے ظہور کے بارے میں سارے عرب میں چرچے عام تھے۔ چنانچہ انہوں نے کچھ اور لوگوں سے مشورہ کیا اور انھیں ساتھ لے کر ایک قریبی پہاڑ کے دامن میں پہنچے جہاں ایک کاہن رہا کرتا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ اس کاہن سے اس کے بارے میں دریافت کریں گے لیکن وہ لوگ ابھی وہاں پہنچے ہی تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ کاہن پہاڑ سے خود ہی اتر نیچے آرہا ہے۔ علی بن نافع کہتے ہیں جب اس کا اور ہمارا قریباً ایک کمان کے مساوی فیصلہ رہ گیا تو اس نے ہمیں آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔ اس وقت آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ پہلے تو وہ کاہن آفتاب کی طرف منہ کر کے کچھ دیر خاموش کھڑا رہا۔ پھر اپنا منہ اٹھا کر چند لمحوں کے لیے آسمان کی طرف دیکھا پھر ہماری طرف منہ کر کے بولا:

''لوگو! اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کے قلب کو طیب و طاہر کر کے اور انہیں مکرم و معظم بنا کر نبوت سے سرفراز بنا دیا ہے' ان کا ظہور تمہیں لوگوں میں عنقریب ہونے والا ہے''۔

علی بن نافع الجرشی کہتے ہیں کہ اس کاہن نے اتنا کہا اور پھر وہ پہاڑ کی طرف منہ کر کے اوپر چڑھتا چلا گیا۔
ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ ان کی قوم کے لوگ اسلام لانے سے قبل دوسرے اہل عرب کی طرح بت پرستی اور شرک میں مبتلا تھے لیکن اس وقت یہود و نصاریٰ میں اور ہم میں باہم ایسی مفارقت نہیں تھی اور نہ ہمیں ان باتوں کا علم تھا جو ان اہل کتاب کو اپنی مذہبی کتابوں کے ذریعہ معلوم تھیں لیکن جب آنخضرت ﷺ کے ظہور نبوت کا زمانہ قریب آیا تو وہی یہودی اور نصرانی جو پہلے ہم سے مل جل کر رہتے تھے ہم سے کہنے لگے کہ:

''تم میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے' جب وہ اپنی نبوت کا اعلان کرے گا اور تم اس پر ایمان لا کر اصنام پرستی سے تائب ہو جاؤ گے تو ہم تمہیں اور اسے قوم عاد و ارم کی طرح قتل کر دیں گے''۔

یہ قصہ بیان کر کے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ بہر حال جب آنخضرت ﷺ نے مکے میں اعلان نبوت کے بعد جب ہمیں اسلام کی دعوت دی تو ہماری قوم کے لوگوں نے تو آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا تو وہی یہود و نصاریٰ واقعی ہمارے دشمن ہو کر ہم سے دور ہوتے چلے گئے اور ان میں ہم سے عناد کے علاوہ کفر و شرک اور زور پکڑتا چلا گیا۔
اس روایت کے آخر میں ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ انہیں عاصم بن عمر بن قتادہ نے یہ بھی بتایا کہ قرآنِ مجید کی درج ذیل آیہ شریفہ انہی یہود و نصاریٰ کے بارے میں اُتری تھی:

''اور جب خدا کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر خدا کی لعنت''۔ (۸۹:۲)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آنحضرت ﷺ کی بعثت کی عجیب وغریب نشانیاں

ابونعیم کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن محمد بن جعفر' محمد بن احمد بن ابی یحییٰ' سعید بن عثمان' علی بن قتیبہ الخراسانی اور خالد بن الیاس نے بحوالہ ابی بکر بن عبداللہ بن جہم اور آخرالذکر کے والد اور دادا کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے ابی طالب سے ان کے والد عبدالمطلب کے بارے میں یہ ذکر سنا کہ ان کے والد یعنی عبدالمطلب نے حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ایک خواب دیکھا جسے دیکھ کر وہ حد سے زیادہ خوف زدہ ہو گئے۔

اس خواب میں انہوں نے دیکھا کہ ایک سرسبز وشاداب درخت ہے جس کی بلندی آسمان کو چھو رہی ہے اور اس کی شاخیں مشرق ومغرب کی جانب دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور ان شاخوں سے ایسی روشنی نکل رہی ہے جس سے مشرق ومغرب کے تمام علاقے جگمگا اُٹھے ہیں۔

پھر جناب عبدالمطلب نے اسی خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ اپنے ہاتھوں میں کلہاڑیاں لیے اس درخت کو کاٹنے کے لیے ہر طرف سے دوڑے چلے آ رہے ہیں لیکن انہوں نے دیکھا۔ کہ جب وہ لوگ اس درخت کے قریب آ کر اسے کاٹنے لگے تو اس درخت کا تنا درمیان سے شق ہو گیا اور اس کے اندر سے ایک ایسا حسین وجمیل جوان نکلا کہ اس سے زیادہ تو کیا اس جیسا خوب صورت کوئی شخص انہوں نے اس سے پہلے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا عبدالمطلب نے اس کے بعد بیان کیا کہ اس جوان رعنا نے ان لوگوں کو پہلے تو اس درخت کے کاٹنے سے منع کیا لیکن جب وہ نہ مانے تو اس نے نہ جانے کیسے نہ صرف ان کی کمریں توڑ ڈالیں بلکہ ان کی آنکھیں بھی پھوڑ ڈالیں جس کے بعد وہ لوگ چیختے چلاتے اور گرتے پڑتے ادھر اُدھر بھاگ گئے۔

اپنا یہ خواب عبدالمطلب اپنے بیٹے ابوطالب کو سنا کر بولے کہ وہ خواب دیکھ کر اس کی تعبیر معلوم کرنے وہ اس زمانے کی ایک مشہور کاہنہ کے پاس صبح ہوتے ہی جا پہنچے اور اس سے کہا کہ انہوں نے شب گزشتہ ایک عجیب وغریب خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر معلوم کرنے وہ اس کے پاس آئے ہیں۔

عبدالمطلب سے یہ سن کر وہ کاہنہ بولی:

''مگر آپ کا چہرہ اس قدر زرد کیوں ہو رہا ہے؟''۔

عبدالمطلب بولے:

''جب تم وہ خواب سنو گی تو تمہیں اس کا سبب خود ہی معلوم ہو جائے گا''۔

کاہنہ بولی:

''اچھا سناؤ تو مجھے اپنا وہ خواب''۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عبدالمطلب نے بیان کیا کہ جب انہوں نے اپنا وہ خواب اس کاہنہ سے بیان کیا تو ان کی طرح اس کا چہرہ بھی زرد ہو گیا' وہ کچھ دیر سر جھکائے کسی سوچ میں ڈوبی رہی پھر چونک کر بولی:

''تمہارے اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہاری قوم میں عنقریب ایک عظیم الشان نبی ہونے والا ہے اور جس درخت کو تم نے خواب میں دیکھا ہے وہ اس کا شجر نبوت ہے جس کی روشنی سے مشرق و مغرب منور ہو جائیں گے لیکن تمہاری قوم اس کی مخالفت کرے گی بلکہ اسے قتل تک کرنے پر تل جائے گی۔ وہ تمہاری قوم کو اپنی مخالفت سے باز رکھنے اور ان کی اصلاح کی حددرجہ کوشش کرے گا لیکن وہ دیکھے گا کہ تمہاری قوم کسی طرح باز نہیں آتی اور اس شجر نبوت کو ہر صورت سے کاٹنے کے درپے ہے تو وہ مجبوراً ان کی کمریں توڑ اور ان کی آنکھیں پھوڑ ڈالے گا جس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان پر فتح پا کر انہیں بے بس کر دے گا''۔

ابونعیم اس روایت کے آخر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بحکم خدا اعلان نبوت کے بعد جب کچھ قریش اور ابی طالب اور عبدالمطلب کے خاندان کے چند لوگ بھی آپ کی نبوت اور توحید باری تعالیٰ جل شانہٗ پر ایمان لے آئے تو انہی لوگوں نے جس کا ابونعیم نے اپنی اس روایت کے آخر میں حوالہ دیا ہے ابوطالب سے دریافت کیا کہ وہ اور ان کے والد عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کی انتہائی حفاظت' حمایت اور عملی مدد کے باوجود ان پر ایمان کیوں نہیں لائے تو وہ بولے: ''شاید انا یا عار کی وجہ سے''۔ واللہ اعلم

اس قبیل کی متعدد دوسری روایات جن میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کی نشانیوں کا ذکر ہے اکثر راویوں نے بیان کی ہیں۔ (مؤلف)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عمرو بن مرہ الجہنی کا قصہ

طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن ابراہیم الخزاعی الاہوازی نے عبداللہ بن داؤد بن دلہات بن اسماعیل بن عبداللہ بن شرعی بن یاسر بن سوید صحابی رسول اللہ ﷺ اور چند دوسرے معتبر راویوں کے حوالے سے بیان کیا کہ ان سے یاسر بن سوید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہیں عمرو بن مرہ الجہنی نے بتایا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں ایک سال اپنی ایک جماعت کے ساتھ یمن سے حسب دستور کعبہ کے حج کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں جہاں پہلی رات کو پڑاؤ کیا تو اسی رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ مکے میں داخل ہو گئے ہیں اور وہاں خانہ کعبہ سے روشنی کی ایک رو نکل کر یثرب (مدینہ) کے پہاڑوں تک پھیلتی چلی گئی۔ اس روشنی سے ایک آواز بھی آ رہی تھی کہ:

''اب ظلمت کا زمانہ ختم ہو کر روشنی کا زمانہ آ گیا ہے خاتم الانبیاء (ﷺ) خدا کی طرف سے مبعوث ہو چکے ہیں''۔

اس کے بعد عمرو بن مرہ الجہنی نے اپنا وہ خواب بیان کرتے ہوئے مزید بتایا کہ پھر انہیں حیرہ اور مدائن نظر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بھی اسی روشنی سے جگمگا رہے ہیں اور اس روشنی سے مسلسل آواز آ رہی ہے کہ اسلام کا ظہور ہو گیا ہے' بت ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں عدل و رحم دلی کا زمانہ آ گیا ہے۔

عمرو بن مرہ الجہنی نے بیان کیا کہ جب انہوں نے اپنا وہ خواب اپنے ساتھیوں کو سنایا تو ان میں سے ایک شخص بولا کہ:

''یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے بارے میں بہت پہلے سے ہم بشارت سنتے چلے آ رہے ہیں اور یہ بھی سنا ہے کہ ان کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو گا اور وہ روئے زمین کے سارے انسانوں کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں گے' اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں گے' بتوں کو توڑ پھوڑ کر سارے عرب میں بت پرستی ختم کرا دیں گے لوگ پہلے کی طرح حج کے لیے مکے آیا کریں گے لیکن اس وقت خانہ کعبہ بتوں سے خالی ہو چکا ہو گا اور تم دیکھو گے کہ لوگ پانچ وقت کی نماز پڑھ رہے ہیں' بارہ مہینوں میں سے ایک مہینے کے جسے رمضان کہا جائے گا روزے رکھ رہے ہیں''۔

اس کے بعد وہ شخص بولا:

''اے عمرو! بہتر ہے کہ تم بھی مکے میں ظاہر ہونے والے اس نبی (ﷺ) پر ایمان لے آؤ کیونکہ جس نے ان کا حکم مان لیا وہ جنت کا مستحق ہو گا ورنہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا''۔

عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ ان سے یہ باتیں کر کے وہ شخص غائب ہو گیا اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے انہیں وہ باتیں بتانے والا یقیناً کوئی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فرشتہ تھا۔ چنانچہ وہ کے پہنچتے ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھیوں سمیت آپؐ کے دستِ مبارک پر ایمان لے آئے۔ اس کے بعد عمرو بن مرہ الجہنی نے بیان کیا کہ انہوں نے کچھ روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے کے بعد آپؐ سے عرض کیا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو وہ یمن واپس جا کر آپ کی طرف سے وہاں کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دیں اور آپؐ سے اجازت لے کر وہ یمن واپس گئے اور لوگوں کو مسلسل دعوت اسلام دینے لگے اور خدا کے فضل و کرم اور خدائے تعالیٰ کے حکم سے وہاں کثرت سے لوگ مسلمان ہوتے چلے گئے۔

اس روایت کی تصدیق اکثر دوسری معتبر روایات سے بھی ہوتی ہے۔ (مؤلف)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قصہ سیف بن ذی یزن اور اس کی آنحضرت ﷺ کے بارے میں بشارت کا ذکر

حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن سہل الخرائطی اپنی کتاب "ھواتف الجان" میں لکھتے ہیں:

''ہم سے علی بن حرب' احمد بن عثمان بن حکیم اور عمرو بن بکر لیثی ابن بکار القعبی نے احمد بن القاسم' محمد بن سائب الکلبی' ابی صالح اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کو اس وقت دو سال گزر چکے تھے جب حبشہ پر سیف بن یزن الحمیری جس کا اصل نام ابن منذر نے نعمان بن قیس بتایا ہے حکمران ہوا تو گرد و نواح کے اکثر معزز و با اثر لوگ بطور خیر سگالی وفود لے کر اس کی خدمت میں پہنچے جن میں کے سے عبدالمطلب بن ہاشم بھی قریش کا ایک وفد لے کر جو امیہ بن عبد شمس ابی عبداللہ' عبداللہ بن جدعان اور خویلد بن اسد پر مشتمل تھا تحائف کے ساتھ وہاں گئے اور جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اس کی خدمت میں اجازت ملنے کے بعد حاضر ہو کر عرض کیا کہ ''آپ جیسے ہمہ صفت موصوف بادشاہ کے تخت حبشہ پر جلوہ افروز ہونے سے آپ کے تمام حلیفوں خصوصاً ہم قریش کو بڑی تقویت ملے گی''۔

سیف بن ذی یزن نے نہایت موزوں و مناسب الفاظ میں عبدالمطلب کا شکریہ ادا کر کے ان سے ان کا نام پوچھا اور ان کی زبان سے عبدالمطلب بن ہاشم سن کر بولا:

''ہماری بہن کے بیٹے؟''

عبدالمطلب نے جواب دیا: ''جی ہاں''۔

عبدالمطلب سے یہ سن کر سیف بن ذی یزن الحمیری نے انہیں اپنی مسند پر اپنے قریب بٹھا لیا اور پھر ان کے خاندانی حالات پر گفتگو کرنے لگا۔ اس نے ان کی تفصیل پوچھی تو عبدالمطلب نے اسے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے نام بتا کر اسے بتایا کہ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا۔ ان کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہوئی تھی لیکن ان کے بطن سے جو لڑکا دو سال قبل پیدا ہوا ہے وہ اپنے باپ کے انتقال کے بعد پیدا ہوا تھا اور اس کی پیدائش پر کچھ عجیب و غریب واقعات پیش آئے جو اس سے قبل کبھی سنے بھی نہیں گئے تھے۔

سیف بن ذی یزن جناب عبدالمطلب کی وہ باتیں جو آنحضرت ﷺ کی ولادت پر عجیب و غریب انکشافات سے متعلق تھیں سن کر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا: ''آپ نے ان کا نام کیا رکھا ہے؟'' پھر عبدالمطلب کی زبان سے آپ کا نام محمد سن کر بولا:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ پوتا وہی ہے جس کی بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد تورات وانجیل میں بشارت دی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ عرب میں بنی اسماعیل علیہ السلام میں پیدا ہوگا اور خدا کا آخری پیغمبر ہوگا۔ اس کا نام کہیں احمدؐ اور کہیں محمدؐ بتایا گیا ہے''۔

اس کے بعد سیف بن ذی یزن نے عبدالمطلب سے کہا:

''آپ اس بچے کی اچھی طرح پرورش اور نگہداشت کے ساتھ ساتھ یہودیوں سے اس کی حفاظت کا بھی خیال رکھنا کیونکہ وہ دوستی کے پردے میں دشمنی کرنے کے قائل ہیں اور کبھی نہ کبھی روئے زمین پر اس بے مثال انسان اور خدا کے آخری پیغمبر کو قتل کرنے کی کوشش کریں گے''۔

اس کے بعد حبشہ کے اس وقت کے حکمران سیف بن ذی یزن نے عبدالمطلب کو ڈھیروں سونا اور چاندی اور بہت سے دوسرے تحائف اور ان کے وفد کے ارکان کو بھی کافی قیمتی تحائف دے کر بڑی عزت سے رخصت کیا۔

جناب عبدالمطلب اور سیف بن یزن الحمیر ی کے مابین یہ گفتگو شدہ شدہ یمن تک بھی جا پہنچی جو اس وقت تک حکومت حبشہ کے قبضے میں تھا اور جب وہ حبشہ سے مکے واپس ہوتے ہوئے یمن سے گزرے تو وہاں بھی ان کی حد سے زیادہ آؤ بھگت کی گئی خصوصاً قبیلہ حمیری نے جس سے خود حبشہ کے اس وقت کے بادشاہ سیف بن ذی یزن الحمیر ی کا تعلق تھا ان کی مہمان داری میں کوئی کسر نہ چھوڑی بلکہ وہاں ان کے اور ان کے وفد کے قیام کے دوران میں قبیلہ الحمیر میں جتنے بچے پیدا ہوئے سب کا نام محمدؐ رکھ دیا جس کا سلسلہ زمانہ اسلام کے آغاز اور اس کے بعد بھی مدتوں جاری رہا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ھواتف الجان کا تذکرہ

جو کچھ شق و سطیح نے یمن کے حکمران ربیعہ بن نصر سے آنحضرت ﷺ کی عرب میں ولادت اور آپؐ پر نزول وحی کے بارے میں کہا تھا اس کا کسی قدر تذکرہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اب ان شاء اللہ سطیح و عبدالمسیح پر تفصیلی گفتگو آپؐ پر نزول وحی کے ذکر کے ساتھ کریں گے۔

ابن اسحٰق سے بحوالہ غلام عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن مروی ہے کہ آخرالذکر کے مطابق ایک روز وہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں کچھ اور لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک اجنبی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتا ہوا مسجد میں آیا اور انہیں دیکھ کر سلام کر کے بولا:

''یا امیر المومنین! آپ نے مجھے پہچانا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''ہاں! کیا اب تو مسلمان ہو گیا ہے؟''۔

وہ بولا:

''جی ہاں خدا کے فضل سے آپ کی طرح میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں' یہ الگ بات ہے کہ ہم دونوں پہلے اصنام پرستی اور کفر و شرک میں شریک تھے اور اب دین حق میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ شخص زمانہ جاہلیت میں کاہن تھا اور مستقبل کے بارے میں عجیب و غریب باتیں بتایا کرتا تھا۔ پھر انہوں نے ایک روز دیکھا وہی کاہن دیوانہ وار چیخ چیخ کر کہتا جا رہا ہے:

''اٹھو! اٹھو! وہ آ گیا! وہ آ گیا! دیکھو دیکھو! وہ کیسا صاف کہہ رہا ہے لا الٰہ الا اللہ' لا الٰہ الا اللہ''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پہلے وہ سمجھے تھے کہ اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس روز جو کچھ کہہ رہا تھا حرف حرف صحیح تھا۔

حافظ ابو یعلیٰ موصلی کہتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن حجر بن نعمان شامی اور علی بن منصور الانباری نے محمد بن عبدالرحمٰن وقاصی اور محمد بن کعب القرظی کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان طرف سے ایک شخص گزرا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''یا امیر المومنین! کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں تو' کون تھا یہ شخص؟''

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وہ لوگ بولے:

''یہ سواد بن قارب تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی بعثت سے قبل خواب میں دیکھا تھا اور اس کے بارے میں لوگوں کو بتایا کرتا تھا''۔

ان لوگوں سے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کسی کے ہاتھ بلا بھیجا اور اس سے پوچھا:

''کیا تم سواد بن قارب ہو؟''۔

وہ بولا:

''جی ہاں یا امیر المومنین''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

''اب تمہاری وہ کہانت کیا ہوئی؟''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنی تو وہ ناراض ہو کر بولا:

''اب جب کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو آپ مجھے وہ زمانہ کیوں یاد دلاتے ہیں؟''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''سبحان اللہ! تم اس زمانے کو یاد نہیں رکھنا چاہتے؟ حالانکہ وہ زمانہ وہ تھا جب ہم تو شرک میں مبتلا تھے اور تم رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام کی باتیں کیا کرتے تھے۔ بہر حال تم بتاؤ کہ وہ سب کچھ تمہاری کہانت کا نتیجہ تھا یا اس کا کوئی اور سبب تھا؟''۔

سواد بن قارب نے کہا:

''یا امیر المومنین! اصل بات یہ ہے کہ ایک دن میں سو رہا تھا کہ کسی نے میرا ایک پاؤں پکڑ کر ہلایا اور بولا: ''اے سواد بن قارب! اٹھ اور اگر تجھ میں کچھ عقل ہے تو میری بات سن کہ لوی بن غالب میں رسول اللہ (ﷺ) کا ظہور ہو چکا ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف بلا رہے ہیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات سنا کر سواد بن قارب بولا:

''پھر یہی واقعہ میرے ساتھ اگلی رات کو بھی ہوا اور پھر تیسری رات کو بھی پیش آیا تو میں نے سوچا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ میرے دل کا امتحان لے رہا ہے۔ چنانچہ میں جہاں تھا وہاں سے فوراً اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مدینے آیا اور حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) میری بات سنیے''۔

آپ نے فرمایا: ''سناؤ!''۔

آپ کی اجازت پا کر جو کچھ تین راتوں تک مجھے پیش آیا تھا میں نے آپ سے عرض کر دیا۔

اس کے بعد سواد بن قارب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''میری بات سن کر آنحضرت ﷺ بہت خوش ہوئے اور اس وقت جتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں حاضر تھے سب کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے''۔

سواد بن قارب کی زبان سے یہ واقعہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے' پھر بولے:

''میں اس حدیث نبوی ﷺ کی تلاش میں ایک عرصے سے تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم خود میرے پاس آ گئے اور یہ حدیث تم نے مجھے سنا دی' یقیناً یہ صحیح ترین حدیث ہے''۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سواد بن قارب کو اپنے پاس ہی رکھ لیا اور اس کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے رہے۔

اس روایت کو محمد بن سائب کلبی نے بھی اپنے والد اور عمر بن حفص کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

حافظ ابونعیم عبداللہ بن محمد بن عقیل کی زبانی اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر جس نے مدینے میں لوگوں کو سنائی وہ ایک عورت تھی جس کے بارے میں یہ بات سننے میں آتی تھی کہ اس کے قبضے میں جن ہیں جو اسے ایسی باتیں بتایا کرتے ہیں۔

حافظ ابوبکر محمد بن جعفر بن سہل الخرائطی نے ایسی اکثر روایات اپنی کتاب ''ہواتف الجان'' میں مختلف سوالوں سے بیان کی ہیں جن میں بتوں کے منہ سے آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت اور آپ کی بعثت کے بارے میں آوازیں سنی گئیں یا ایسی آوازیں کاہنوں نے غیب سے سن کر ان کے بارے میں قبل بعثت اور اس کے بعد لوگوں کو بتایا۔

جب آنحضرت ﷺ سے ان آوازوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

ذاک من کلام الجن. ''یعنی وہ آوازیں جنات کی تھیں''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بتوں کے منہ سے جو آوازیں لوگوں کو سنائی دیں ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''بتوں کے منہ سے جو انسانی آوازیں نکلتا ہے وہ ایک شیطان ہے' جس کا نام سعد ہے' خدا اسے ذلیل کرے''۔

ایک بار بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما جبل قبیس سے ابی قبیس کو متواتر تین راتوں تک جو آوازیں سنائی دی تھیں جب ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

''ایسی آوازیں منہ سے نکالنے والا جنات میں سے ایک عفریت ہے' جس کا نام سمیع ہے لیکن اب وہ ایمان لے آیا ہے اور میں نے اسے جزائے خیر کی دعا دی ہے''۔

آنحضرت ﷺ کے ولادت پر کسریٰ کے ایوان میں زلزلے' اس کے ایوان کے بارہ گنبدوں کے گرنے اور اس کے ایوان سمیت فارس کے تمام آتش کدوں کی آگ بجھ جانے کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اب ان شاء اللہ اگلی جلد میں آپؐ پر نزول وحی کا ذکر کریں گے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہماری دیگر مطبوعات

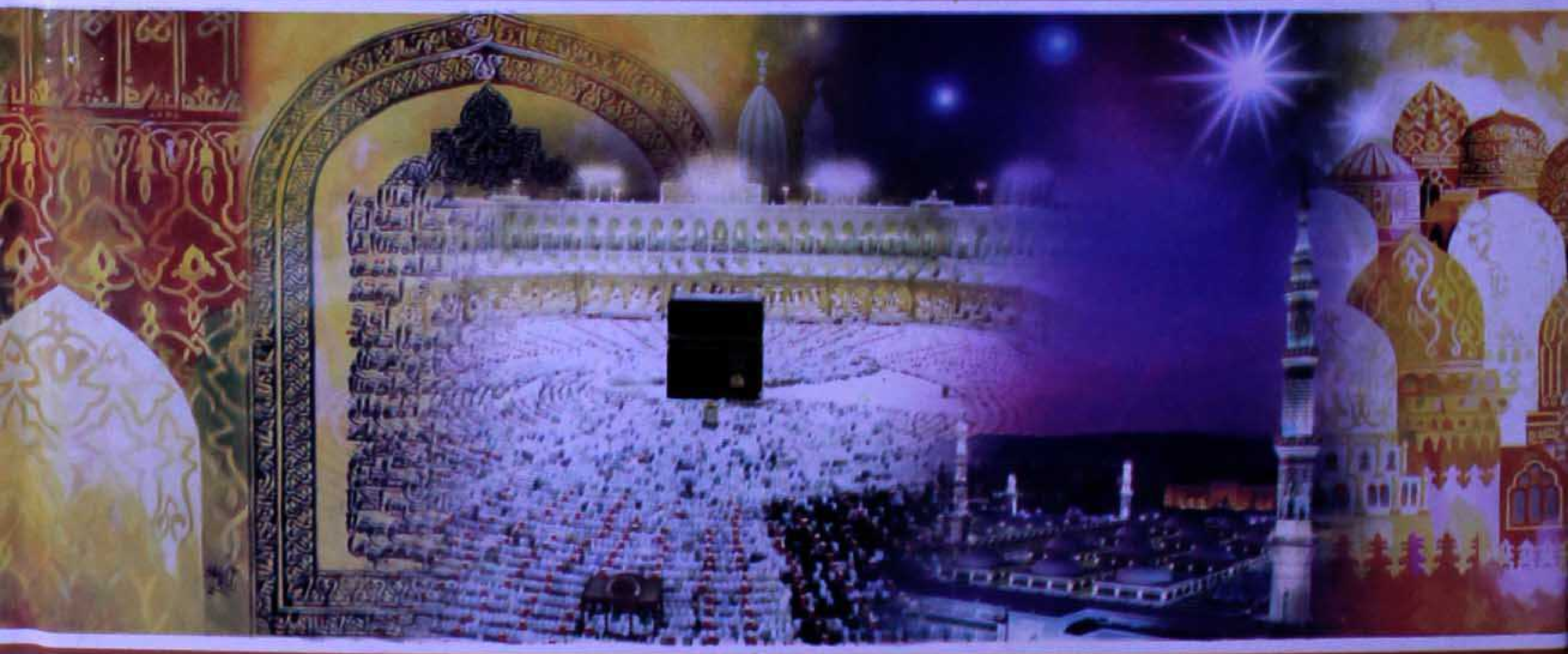

نفیس اکیڈمی
اردو بازار کراچی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary